اَنوارُالقرآن

قاضی انوارالحق بی اے

قیمت چار روپیہ

اعتذار

محترم حضرات۔ آج سے کتنا عرصہ پہلے انوار القرآن آپکے گرامی ہاتھوں میں پہنچ چکی ہوتی مگر سچ تو یہ ہے کہ تدبیر کنند بندہ تقدیر کُند خندہ۔ کتاب کی طباعت و کتابت کا انتظام اپنے ایک شناسا کے سپرد کیا۔ جو سوء قسمتی سے تحریک خاکسار سے تعلق رکھتا تھا۔ اخبار بین حضرات پر پوشیدہ نہیں کہ ۱۹ مارچ کو خاکساروں اور حکومت کے درمیان تصادم ہوا جس کے نتیجہ میں شخص مذکور کو بھی قید کر دیا گیا۔ اس کے جیل میں جانے کے بعد مدت دراز تک طباعت و کتابت کا کام نہایت کس مپرسی کی حالت میں پڑا رہا۔ آخر کار نہایت سخت مالی و وقتی نقصانات برداشت کر کے اس کو مکمل کرایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ موعود وقت پر آپ کو انوار القرآن نہیں پہنچ رہی۔

المعتذر
ناشر

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

(۷۸۶)

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

انوار القرآن

مصنفہ

علامہ مفتی انوار الحق صاحب بی اے منشی فاضل

فاضل دارالعلوم فتحپوری دہلی

و مبلغ اسلام پرتگالی جنوبی افریقہ

جسے

مولانا ابو الضیا نور الاسلام

شمس آباد ضلع کیمل پور (پنجاب)

نے شائع کیا

بار اول — تعداد — قیمت 6 روپے

Marfat.com

DATA ENTERED

کتب خانہ انوریہ کی بعض اہم مطبوعات

اسلامی تعلیم

یہ کتاب بچوں کے لئے از حد مفید ہے۔ کیونکہ باوجود اختصار کے اس میں اسلام کی تمام ضروریات کو سوال و جواب کی طرز پر اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ایک بچہ اس کو پوری طرح پڑھنے کے بعد اسلامی ضروریات سے بوجہ اکمل واقف ہو جاتا ہے۔ اور آئندہ اُسے بالوضاحت اسلامی مباحث کو سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہیں رہتی۔ قیمت صرف ۲ر

BEAUTIES OF THE MUSLIM PRAYER

اس کتاب میں اسلامی نماز کی خوبیوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر غیر مسلم بھی اس کو پڑھنے کے بعد نماز کے بہترین عبادت ہونے کا خود بخود اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قیمت ۲ر

THE FAST OF RAMAZAN

اس کتاب میں روزے کا فلسفہ، اس کی خوبیاں، غیر اقوام کے روزوں سے تفوق نہایت مسکت دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۲ر

JEMS FROM THE LIPS OF THE HOLI PROPHET

اس کتاب میں بخاری شریف کی ڈیڑھ سو احادیث کو مختلف عنوانات سے جمع کر کے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ قابل دید کتاب ہے۔ ۲ر

ملنے کا پتہ: حکیم محمد عظیم مینیجر کتب خانہ انوریہ محبوب باغ نگ خواجہ دل محمد سوملا

Marfat.com

DATA ENTERED

"جزاہ اللہ احسن الجزاء"

اعلیٰ حضرت علامہ انوار الحق صاحب بی۔اے منشی فاضل۔فاضل دار العلوم فتحپوری (دہلی) سابق مفتی ریاست مانگرول (کاٹھیاواڑ) کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔آپ عرصہ دو سال سے پرتگالی وجنوبی افریقہ میں مبلغ اسلام کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔اس سے پہلے آپ نے متعدد انگریزی اور اردو رسالے اسلامی مسائل پر تحریر فرما کر اس ملک میں اسلام کی نہایت مفید خدمات انجام دیں۔جزاہ اللہ احسن الجزاء

موجودہ کتاب "انوار القرآن" کو اگرچہ آپ کا شائع کرنے کا ارادہ تو نہ تھا۔مگر ایک طرف تو آپ کے دوستوں کا اصرار اور دوسری طرف ہمارے جلسے خدام النبی۔بالآخر آپ نے نوازش فرما کر کتاب کو احقر کے حوالے کر دیا۔اور یہ اس ناچیز ہی کی سعی و کوشش ہے۔کہ مولانا کی یہ مقتدر کتاب آپ کے گرامی ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔آپ کتاب کو پڑھ کر خود بخود اندازہ لگا سکیں گے۔کہ موجودہ مسموم فضا میں اس قسم کی تقریروں اور تحریروں کی کس قدر ضرورت ہے۔اور میرا دعوےٰ ہے۔کہ اگر مولانا اس سے ذرا سلیس اور آسان زبان کو استعمال فرماتے۔تو "انوار القرآن" افادہ میں ایک بے نظیر کتاب ثابت ہوتی۔بہر حال میں مفتی صاحب کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔کہ آپ نے

Marfat.com

اپنی تبلیغی مصروفیتوں کے باوجود اپنے حسن تدبر کے واعظانہ اشارات
کو مرتب فرما کر خدمت اسلام کے لئے شائع کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔
فاللہ یجعل اسفارہ مقترنۃ بالسلامۃ والصحۃ وتجارتہ
الدینیۃ رابحۃ غیر خاسرۃ وسعادۃ دینیاً متصلۃ بسعادۃ الاخرۃ

از آں کس کہ خیرے بماند رواں   مدام رسد رحمتش بر رواں
ہراں کو نماند از پیش یادگار   درخت وجودش نیاورد بار

خادم قوم

(مولانا) ابو الضیا نور الاسلام

سیاح بنگال

Marfat.com

وجہ تالیف

آئندہ جو کچھ آپ کی نظر سے گذریگا۔ وہ میرے پراگندہ اور منتشر خیالات ہیں۔ جو سورۂ فاتحہ کی واعظانہ تفسیر میں ضمناً بیان ہوئے تھے۔ چونکہ سامعین کو دوران وعظ میں بہت کچھ دلچسپی معلوم ہوتی تھی اس لئے روزانہ تقریر ختم کرنے کے بعد ضروری باتوں کو ایک کاپی پر نوٹ کر لیا جاتا تھا۔ تین مہینے کے مسلسل بیان کے بعد جب سورہ فاتحہ کی تفسیر کو ختم کیا گیا۔ تو میرے کرم فرما علم دوست حاجی عمر حاجی علی صاحب ساکن کچھ کا اصرار ہوا۔ کہ اگر ان اشارات کو مفصل لکھ کر کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔ تو امید ہے کہ عوام کے لئے نہایت مفید ثابت ہونگے۔

اگرچہ میں خود اپنی تحریر و تقریر کو مدنظر رکھتے ہوئے اس افادہ کو ایک موہوم سی چیز سمجھتا تھا۔ مگر ایک تو پاس خاطر۔ دوسرے ہو سکتا ہے۔ کہ یہ تمام مجموعہ نہیں۔ تو شاید کسی نکتہ نواز کو اس کتاب سے کوئی نکتہ ہی علمی یا عملی حیثیت سے پسند آجائے۔ تو اس رب بے نیاز کے دربار دربار میں اس سیہ کار و شرمسار کی نجات کا باعث بن جائے۔

مطالعہ کرتے وقت آپ کو کتاب میں بعض غیر متعلق باتیں بھی معلوم ہونگی مگر دوران بیان میں مضامین کا سلسلہ کچھ ایسا چھڑ جاتا تھا کہ اس غیر متعلق بات کو چھوڑ کر صرف موضوع میں مقید رہنا نہایت دشوار ہو جاتا تھا۔ پھر وہ غیر متعلق بات بیان میں ایسے مربوط اور منظم طریقے سے خود بخود چلی آتی تھی۔ کہ اگر اسے عمداً چھوڑ دیا جاتا۔ تو پھر

Marfat.com

بیان بالکل بے لذت اور غیر مرتبط ہو جاتا۔ اس کے علاوہ وہ بعض غیر متعلق باتیں میرے خیال میں ایسی اہم اور مفید تھیں۔ کہ اُن کا چھوڑنا گویا واعظانہ تفسیر کے رنگ کو بدلنا تھا۔

بہر حال باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ جس نے اتنا عرصہ مجھے اور سامعین کو قرآن پاک کے ذکر وسماع میں مشغول رکھا۔ اور ہمیں طاقت دی۔ کہ اُس وقت جبکہ دوسرے لوگ اپنے عزیز اوقات۔ اور اموال کو تھیٹروں اور ہوٹلوں میں برباد کر رہے تھے۔ ہم اُس کی مقدس کتاب کے ذکر و فکر میں مشغول رہے۔ اے اللہ ہمیں ہمیشہ اپنی رضامندی پر چلنے کی توفیق دے۔ اور ہمارے دینی و دنیوی مقاصد اس قرآن مجید کے طفیل پورے فرما۔ اللھم اھدنا بھدایۃ القرآن ونجنا من النار بحرمۃ القرآن ویسر علینا امور الدینا والاخرۃ بالقرآن وحصل مقاصدنا بالقرآن۔ واشف اسقامنا بحرمۃ القرآن۔ اللھم تمم اٰمالنا ببرکۃ کلامک القدیم وھون علینا سکرات الموت بالقرآن الکریم وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیدنا ومولینا محمد وعلی اٰلہ وصحبہ واتباعہ اجمعین۔ اٰمین یا رب العالمین۔

چار چیز آوردہ ام شاہا کہ در گنج تو نیست
نیستی و حاجت و جرم و گناہ آوردہ ام

خادم اسلام
قاضی انوار الحق
لارنس مارکوس پرتگالی افریقہ

Marfat.com

انوار القرآن کے مطالب کی فہرست

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	وجہ تالیف	۷	۲۲	قرانی نسخہ پہلے نسخوں سے کیوں ممتاز ہے	۵۴
۲	وجود باری تعالیٰ	۲۳	۲۳	تحریف کتب سابقہ	۵۵
۳	وجود باری پر ایک بدو کا استدلال	۲۴	۲۴	قرآن پاک تحریف سے پاک ہے اور پاک رہیگا۔	۵۷
۴	امام صاحب کا ایک دہریے سے مناظرہ	۲۵	۲۵	ساڑھے چار سال کی لڑکی حافظ قرآن	۵۸
۵	تمام دنیا انسان کے لئے ہے۔	۲۷	۲۶	حفاظ کی کثرت	۵۹
۶	انسان کی پیدائش کا مطلب۔	۲۸	۲۷	مسلمانوں کا قرآن سے بے مثال عشق	۶۰
۷	شرک نہایت ذلت ہے۔	۲۹	۲۸	بے مثال عشق کی تصدیق کے لئے ایک قیمتی تمثیل	۶۱
۸	مسلمان اور علوم جدیدہ۔	۳۰	۲۹	اعراب اور حفاظت قرآن	۶۲
۹	پیغمبروں کی ضرورت۔	۳۳	۳۰	قرآن پاک کی علوم کے لحاظ سے تقسیم	
۱۰	پیغمبروں کا معصوم ہونا ضروری ہے	۳۵	۳۱	قرآن زندہ زبان میں نازل کیا گیا	۶۵
۱۱	نبی اور رسول میں فرق	۳۷	۳۲	قرآن پاک کے من جانب اللہ ہونے کا ثبوت	۶۶
۱۲	پیغمبر جس قدر ہوئے سب انسان اور مرد تھے	۳۸	۳۳	ملک الشعراء عتبہ بن ربیعہ اور قرآن	۶۷
۱۳	عورت کو کیوں وجہ نبوت نہ دیا گیا۔	۴۰	۳۴	حضورؐ کے امی ہونے کی حکمت	۶۹
۱۴	انبیا علیہم السلام کی تعداد	۴۱	۳۵	قرآن پاک کے بتدریج نازل ہونے کی حکمت	۷۲
۱۵	حضرت محمدؐ اور آپ کی ممتاز تعلیم	۴۲	۳۶	رجوع بمطلب	۷۷
۱۶	وجہ فوقیت قرآن	۴۳	۳۷	قرآن پاک کی تلاوت	۸۱
۱۷	عقل اور فطرت کا فرق	۴۶	۳۸	قرآن پڑھنے کے آداب	۸۴
۱۸	مسلمانوں کو سبق	۴۸			
۱۹	عقل اور فطرت کے فرق کی وضاحت کے لئے دوسری مثال				
۲۰	نسخ شرائع پر اعتراض اور اس کا جواب	۴۹			
۲۱	تحریف بدا اور نسخ کا فرق	۵۲			

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۹	آعوذ باللہ پر ایک اعتراض اور اُس کا جواب	
۴۰	شیطان کا لغوی معنی اور اُس کی توضیح	
۴۱	فرشتے، شیطان اور جن میں فرق	۸۷
۴۲	الرجیم کی تفسیر	۸۸
۴۳	اِنّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ کے متعلق ایک نکتہ۔	۸۹
۴۴	آدم اور ابلیس کی لغزش کا مقابلہ	۹۰
۴۵	اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ کی توضیح ایک مثال سے نصیحت	۹۲
۴۶	حضرت آدم اور یونس علیہما السلام کی دُعاؤں میں فرق ہونے کی وجہ	۹۳
۴۷	رجوع بمطلب	
۴۸	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق	۹۵
۴۹	سورۂ براۃ یا توبہ میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ	۹۵
۵۰	سورہ براۃ پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم	۹۶
۵۱	بسم اللہ سے سورہ کو کیوں شروع کیا جاتا ہے۔	۹۸
۵۲	ہر کام بسم اللہ کہہ کر شروع کرو	۹۹
۵۳	قرآن پاک کو باء سے شروع کرنے میں حکمت	۱۰۰
۵۴	کوہ جودی کو اُس کے انکسار کی وجہ سے عزت دی گئی۔	۱۰۱
۵۵	بُراق کا انکسار اور اُس کا نتیجہ	۱۰۲
۵۶	رجوع بمطلب	۱۰۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۷	ایمان بلا عمل کی مثال	۱۰۷
۵۸	باء کی طرح صفات پیدا کرنے کی وصیت اور ایاز کا قصہ	۱۰۸
۵۹	اسم کی تفسیر	۱۱۱
۶۰	انسان کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کا انسان کے ساتھ ہونے میں فرق	۱۱۲
۶۱	رجوع بمطلب	۱۱۳
۶۲	اللہ کی تفسیر	۱۱۴
۶۳	دُعا کی قبولیت پر ایک اعتراض اور اس کا جواب	۱۱۴
۶۴	رحمت کی بارش اور اُس پر مثنوی کے اشعار	۱۱۶
۶۵	اللہ کے حروف کے متعلق ایک نکتہ	۱۱۸
۶۶	تنبیہ	۱۱۹
۶۷	کلمہ اللہ ہی کے حروف سے بنا ہے	۱۱۹
۶۸	چلّہ اور اُس میں چالیس دن کی قید	۱۲۰
۶۹	الرحمٰن الرحیم کی تفسیر	۱۲۲
۷۰	رحمت خداوندی پر شبہ اور اُس کا ازالہ	۱۲۳
۷۱	تنبیہ	۱۲۴
۷۲	بسم اللہ کے نکات و برکات	۱۲۵
۷۳	بسم اللہ کے ۱۹ حرفوں کا فلسفہ	
۷۴	بسم اللہ شیطانی اذیت سے بچاتی ہے۔	۱۲۶
۷۵	کشتی نوح کی نجات کا باعث بسم اللہ ہی تھی	۱۲۷

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۶	کفن پر بسم اللہ لکھنا اور اس کا شرعی حکم	۱۲۷
۷۷	ابوداؤد کی ایک حدیث اور اس پر ایک حکایت	۱۲۸
۷۸	بیوی کے پاس جاتے وقت کیا پڑھے	۱۲۹
۷۹	اولاد کو بسم اللہ سکھانے کا فائدہ	۱۲۹
۸۰	بسم اللہ شافی الامراض ہے۔	۱۳۰
۸۱	نصیحت	۱۳۰
۸۲	سورۂ فاتحہ قرآن کا نچوڑ ہے	۱۳۱
۸۳	سورۂ فاتحہ سورۃ المسئلہ ہے	۱۳۱
۸۴	غرضی کے چار اجزاء اور سورہ فاتحہ کا ان پر اشتمال	۱۳۲
۸۵	فاتحہ خلف الامام اور امام صاحب کا کارآمد لطیفہ	۱۳۵
۸۶	مذاہب کے چار ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب	۱۳۶
۸۷	تقلید کیوں ضروری ہے۔	۱۳۸
۸۸	چار مشہور امام	۱۳۹
۸۹	چاروں مذہب ایک اور امت کے لئے باعث رحمت ہیں	۱۴۱
۹۰	اعتراض کی دوسری شق کا جواب	۱۴۱
۹۱	رجوع بمطلب اور سورہ فاتحہ کے دوسرے نام	۱۴۲
۹۲	قرآن معارف کا ناپید اکنار سمندر ہے	۱۴۳
۹۳	الحمد للہ کی تفسیر	۱۴۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۴	الف لام کی چار قسمیں	۱۴۴
۹۵	حمد کی تین قسمیں	۱۴۵
۹۶	نماز حمد کے تینوں اقسام کی جامع ہے۔	۱۴۶
۹۷	الحمد للہ کہا مگر الشکر للہ یا المدح للہ کیوں نہ کہا۔	۱۴۷
۹۸	انسان اللہ تعالیٰ کی کما حقہ حمد ادا کرنے سے عاجز ہے	۱۴۹
۹۹	لاادری کمال علم کی علامت ہے	۱۵۰
۱۰۰	ایک عالم نے اپنی علمیت اور جہالت کا مقابلہ کیسے کیا	۱۵۱
۱۰۱	نیم ملاؤں کا تکبر ان کی جہالت کا نتیجہ ہے۔	۱۵۲
۱۰۲	امام رازی کا ایک منکسرانہ قطعہ	۱۵۲
۱۰۳	استحقاق جنت رحمت سے ہوگا نہ عمل سے	۱۵۳
۱۰۴	ہماری ناقص حمد کے قبول ہونے کی وجہ	۱۵۴
۱۰۵	الحمد کا لفظ مسلمانوں کو علوم عقلیہ اور نقلیہ سیکھنے کی تلقین کرتا ہے	۱۵۵
۱۰۶	مسلمانوں کی جہالت کا افسوسناک مظاہرہ	۱۵۶
۱۰۷	علمائے متقدمین نے علوم کو کن حصوں میں تقسیم کیا	۱۵۷
۱۰۸	لفظ حمد سے ابتدا اور انتہا ہے	۱۵۹
۱۰۹	ذات باری کے لئے تمام تعریفیں	۱۶۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کے خاص ہونے کی وجہ	
۱۱۰	انسانوں کی حمد کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب	۱۶۰
۱۱۱	چھینک کے متعلق	۱۶۲
۱۱۲	مسلمانوں کے لئے غور کرنے کا مقام	۱۶۲
۱۱۳	ایک مسلمان کے دوسرے پر چھ حقوق ہیں۔	۱۶۳
۱۱۴	سلام اور اس کی خوبیاں	۱۶۳
۱۱۵	جنگ بدر میں ایثار کامل کا مظاہرہ	۱۶۵
۱۱۶	آج مسلمان باوجود کثیر التعداد ہونے کے کیوں زبوں حال ہیں	۱۶۶
۱۱۷	اپنوں کی عداوت پر ایک دلچسپ حکایت	۱۶۷
۱۱۸	مسلمان ہی مسلمان کو کاٹتا ہے	۱۶۸
۱۱۹	دعوت کے قبول کرنے کے متعلق تفصیل	۱۶۹
۱۲۰	قرض کے مقراض محبت ہونے کی مثال	۱۷۰
۱۲۱	افلاس میں دوستوں سے کیا توقع ہوسکتی ہے	۱۷۱
۱۲۲	خیال رکھو کہ سنت کی ادائیگی میں فرض نہ چھوٹ جائیں۔	۱۷۱
۱۲۳	عیادت کے متعلق	۱۷۲
۱۲۴	سیدۃ النساء بی بی فاطمۃ الزہرا کا ایک رقت خیز واقعہ	۱۷۴
۱۲۵	انا مدینۃ العلم و علی بابھا کے متعلق دلچسپ واقعہ	۱۷۶
۱۲۶	آجکل کی عیادت	۱۷۸
۱۲۷	مسلمان کے جنازے پر جانے کا ثواب	۱۷۹
۱۲۸	جنازہ اٹھانے کا طریقہ	۱۸۰
۱۲۹	دینی اور دنیوی فوائد کا مقابلہ	۱۸۰
۱۳۰	حضرت آدم اور دنیا کی بے ثباتی	۱۸۲
۱۳۱	مسلمانوں کی خیرخواہی	۱۸۳
۱۳۲	قوم کی تباہی سے ہر فرد تباہ ہو جاتا ہے۔	۱۸۴
۱۳۳	اعضا کا دلچسپ مکالمہ اور اس کا انطباق تقریر سابق پر	۱۸۴
۱۳۴	دینی اتحاد ہی سچا اتحاد ہے	۱۸۶
۱۳۵	اسلامی اخوت کا ایک زبردست مظاہرہ	۱۸۷
۱۳۶	اسلام کی بے نظیر مساوات	۱۸۸
۱۳۷	رب العالمین کی تفسیر	۱۸۹
۱۳۸	رب العالمین الحمد للہ کے دعوے کی دلیل ہے	۱۹۰
۱۳۹	لفظ رب میں دو دقیق اشارے	۱۹۰
۱۴۰	رب العالمین پر اعتراض اور اس کا جواب	۱۹۱
۱۴۱	خوارق کے متعلق	۱۹۴
۱۴۲	ارہاص - معجزہ - کرامت - معونت اور قضائے حاجت کا فرق	۱۹۵
۱۴۳	لفظ رب کا دوسرا اشارہ	۱۹۶
۱۴۴	مقربین اپنی مخلوق کو کبھی رنجیدہ نہیں کیا کرتے	۱۹۶

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۵	اولاد کی تربیت میں والدین کا تصور	۱۹۸
۱۴۶	اولاد کی گستاخیاں اُن کے والدین سے بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہیں	۱۹۸
۱۴۷	بیٹے کی لیاقت سے باپ کی قابلیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔	۱۹۹
۱۴۸	ربّ اور باپ کا فرق	۲۰۰
۱۴۹	پیغمبر اُمت کی محبت کی وجہ سے میراث نہیں چھوڑتے۔	۲۰۲
۱۵۰	اسلامی دعا کے ربنا سے شروع ہونے کی وجہ	۲۰۳
۱۵۱	حسب مصلحت پر ایک لطیف حکایت	۲۰۵
۱۵۲	رب العالمین کے لفظ سے اسلام کے عالمگیر ہونے کا ثبوت	۲۰۵
۱۵۳	عالمین کے لفظ کی تشریح	۲۰۶
۱۵۴	تربیت انسانی کی دلچسپ اور حیرت انگیز تشریح	۲۰۶
۱۵۵	مسلمانوں کی غفلت کا دکھڑا	۲۰۸
۱۵۶	قرآن کو کیوں سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے۔	۲۰۹
۱۵۷	رجوع ترتیب انسانی	۲۱۱
۱۵۸	انسان عالم صغیر ہے اور اس کا عالم کبیر سے تقابل	۲۱۵
۱۵۹	حضرت علیؑ کی زبان درفشاں سے تکبر کا بہترین علاج	۲۱۸
۱۶۰	من عرف نفسہ فقد عرف	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	ربہ کا انطباق علم تربیت پر	۲۱۹
۱۶۱	الرحمٰن الرحیم کی تفسیر	
۱۶۲	تسمیہ اور حمد کے رحمٰن و رحیم میں فرق ہے	۲۲۰
۱۶۳	رحمت کا معنیٰ اور اس کے اقسام	۲۲۰
۱۶۴	تسمیہ اور حمد کے رحمٰن و رحیم کے فرق کا بیان	۲۲۱
۱۶۵	تسمیہ فاتحہ کا جزو نہیں	۲۲۱
۱۶۶	اسلام کی بنیاد رحمت خداوندی پر ہے	۲۲۲
۱۶۷	انسان کیا اور اس کی عبادت کیا ہوگی	۲۲۳
۱۶۸	حمد ربی اور رحمت خداوندی لازم ملزوم ہیں	۲۲۴
۱۶۹	الٰہی تربیت رحمٰن و رحیم سے ہوتی ہے	۲۲۴
۱۷۰	رحمٰن و رحیم کی صفتوں کو تہذیب عالم میں واضح کرنے کی وجہ	۲۲۵
۱۷۱	ہر بڑے اور چھوٹے کام میں رب العالمین کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہیئے۔	۲۲۶
۱۷۲	رحمت خداوندی اور ضرورت انسانی کا تعلق	۲۲۷
۱۷۳	الحمد للہ کی رب العالمین تا رحیم کبھی نہیں بن سکتے ہیں ابد تک کی توضیح	۲۲۸
۱۷۴	رحمت خداوندی پر اعتراض اور اس کا جواب۔	۲۲۹
۱۷۵	بالشویزم سرمایہ داری کو مٹانے کا غلط علاج ہے۔	۲۳۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷۶	بالشوزم کا اخلاقی اثر	۲۴۳
۱۷۷	اسلام اور نسلی و مالی امتیازات	۲۴۵
۱۷۸	زکوٰۃ کے دینے اور سود کے لینے سے سرمایہ داری پر کیا اثر پڑتا ہے؟	۲۴۶
۱۷۹	دنیا کی موجودہ بے چینیوں کا واحد علاج اسلام ہے۔	۲۴۷
۱۸۰	مالک یوم الدین کی تفسیر	۲۴۷
۱۸۱	مالک اور ملک کا فرق	۲۴۷
۱۸۲	مالک کا لفظ تناسخ اور کفارہ کی تردید کرتا ہے۔	۲۴۰
۱۸۳	تناسخ کا رد	۲۴۰
۱۸۴	خوبصورتی اور بدصورتی کی حقیقت	۲۴۴
۱۸۵	ہارون رشید کی دو لونڈیوں میں خوبصورتی کے متعلق دلچسپ بحث	۲۴۴
۱۸۶	تناسخ کی خرابیاں	۲۴۴
۱۸۷	انسانی حالات کے مختلف ہونے کی وجہ	۲۴۴
۱۸۸	مسئلہ کفارہ اور اس کا رد	۲۴۹
۱۸۹	مالک اور ملک کے فرق سے ایک ناصحانہ فرق	۲۵۰
۱۹۰	مالک کو یوم الدین کی طرف منسوب کرنے سے عام بادشاہوں کو کیا سبق ملتا ہے	۲۵۰
۱۹۱	بادشاہ کے عدل و ظلم سے ملک کے متاثر ہونے کی مثال	۲۵۱
۱۹۲	صفت رحم کے ساتھ صفت مالکیت کو بیان کرنے کی وجہ	۲۵۲
۱۹۳	مالک یوم الدین کے الفاظ زندگی کے انجام کو یاد دلاتے ہیں۔	۲۵۴
۱۹۴	سورہ فاتحہ کے پانچ بیان کردہ اسمائے حسنیٰ پر ہی کسی حقانی مذہب کی بنیاد ہو سکتی ہے	۲۵۵
۱۹۵	جزا و سزا کے لئے دن مقرر کرنے پر دو اعتراض اور ان کے جواب	۲۵۶
۱۹۶	عذاب اخروی پر ایک عجیب اعتراض اور اس کا جواب	۲۶۰
۱۹۷	ایاک نعبد کی تفسیر	
۱۹۸	انسان صفات خداوندی کا مظہر ہونے کے باوجود کیوں عبادت نہیں کیا جاتا	۲۶۲
۱۹۹	ہماری عبادت احسانات ربی کا بدلہ نہیں بلکہ یہ ایک مزید احسان ہے	۲۶۴
۲۰۰	عبادت کی چار قسمیں	۲۶۶
۲۰۱	نماز عبادت کے چاروں اقسام کی جامع ہے اور اس کی تشریح۔	۲۶۷
۲۰۲	مسجدوں کی صحیح آبادی اور اس پر ایک حکایت	۲۶۷
۲۰۳	نماز میں انتہائی انکسار کس طرح پایا جاتا ہے۔	۲۶۹
۲۰۴	عبادت تین طریقوں سے کی جاتی ہے اور ان کا فرق	۲۷۰
۲۰۵	جسے خدا مل گیا سب مخلوق اس کی ہو گئی	۲۷۱
۲۰۶	صوفیائے کرام کے نزدیک غایت عبادت	۲۷۳

Marfat.com

	متعلق مختلف نظریے	
۲۰۷	عاشقوں کی تین قسمیں اور اُن کا فرق	۲۷۴
۲۰۸	امام حسن بصری۔ مالک بن دینار اور رابعہ بصریہ کی عشق حقیقی کے متعلق دلچسپ گفتگو	۲۷۵
۲۰۹	بایزید بسطامی کی ایک عرض اور اس کا جواب	۲۷۶
۲۱۰	انانیت مقصود میں حائل ہوتی ہے اور اس کی مثال	۲۷۶
۲۱۱	بی بی صاحبہ کی تقریر کی طرف رجوع اور اس پر یوسف کے قصے کا استشہاد بیان	۲۷۷
۲۱۲	طوالع الشموس سے ایک الہامی واقعہ	۲۷۹
۲۱۳	نفس کی چار قسمیں اور اُن کے حجابات	۲۸۰
۲۱۴	ایاک نعبد میں جمع کا صیغہ کیوں لایا	۲۸۳
۲۱۵	قرآن کے بحر معانی ہونے پر شبہ اور اس کا جواب	۲۸۵
۲۱۶	بجائے اعبُدُ کے نعبُدُ لانے میں راز	۲۸۸
۲۱۷	متعلقات نصوص	
۲۱۸	نماز باجماعت کی فضیلت اور مسلمانوں کی افسوسناک سستی	۲۸۹
۲۱۹	ایاک نستعین کی تفسیر	
۲۲۰	دربار شاہانہ میں سوال کس طرح کرنا چاہیئے	۲۹۱
۲۲۱	ابونواس کا ہارون رشید سے ایک عجیب طرز کا سوال	۲۹۲
۲۲۲	استعانت عابد میں ایک لطیف لطف	۲۹۴
۲۲۳	رضوان الٰہی سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں	۲۹۵
۲۲۴	ایاک کا تکرار کیوں کیا گیا	۲۹۸
۲۲۵	اللہ سے تعلق جوڑنا اور غیر اللہ سے توڑنا ابواب رحمت کو کھول دیتا ہے	۲۹۹
۲۲۶	ایک بزرگ کی ابتلا اور اُن کا عدم استقلال	۳۰۰
۲۲۷	کتا پیر طریقت ہے	۳۰۲
۲۲۸	خدا اور رسول کے محبوب کو کس طرح ابتلا کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔	۳۰۵
۲۲۹	مقام تسلیم اور شہاب الدین سہروردی کا ایک واقعہ	۳۰۸
۲۳۰	کتے کے پیر طریقت ہونے کے باوجود شریعت نے اس کی نجاست کیوں قرار دی۔	۳۰۹
۲۳۱	کتے والے گھر اگر فرشتے داخل نہیں ہوتے تو اس مکان کے لوگوں کا روح کون قبض کرتا ہوگا۔	۳۱۰
۲۳۲	استعانت پر عبادت کو مقدم کرنے میں اسرار لطیفہ	۳۱۱
۲۳۳	ابراہیم ادہم کا ایک واقعہ	۳۱۵
۲۳۴	ظاہری اور باطنی بادشاہوں کے فرق مراتب کی مثال۔	۳۱۷

Marfat.com

۲۳۵	الفقر فخری کی ایک مثال سے توضیح	۳۱۸		جواب کے نکات	
۲۳۶	مسلمانوں کی حالت زار اور ترقی کا غلط مفہوم	۳۱۹	۲۵۰	صوفی وہ ہے جسے اللہ سے بھی حاجت نہ ہو اور اس کی توضیح	۳۴۴
۲۳۷	بنی اسرائیل کا وعدہ اُمت محمدیہؐ کے ساتھ کیسے پورا ہو سکتا ہے۔	۳۲۱	۲۵۱	حضرت ابراہیم کی قید کا نمازی کی قید سے مقابلہ	۳۴۵
			۲۵۲	استعانت عامہ کا دوسرا درجہ	۳۴۶
۲۳۸	فرعون زمانہ اور فرعون موسیٰ کا مقابلہ	۳۲۲	۲۵۳	انبیاء اور اولیاء سے استعانت اور اس کی تشریح	۳۴۶
۲۳۹	توفیق عبادت بھی قرب باری کی علامت ہے۔ اور اس پر ایک حکایت	۳۲۵	۲۵۴	قرب نوافل میں عبد آلہ اور معبود فاعل بن جاتا ہے۔	۳۵۰
۲۴۰	جبریہ قدریہ اور اہل سنت کے عقائد پر ایک تنقیدی مقالہ	۳۲۶	۲۵۵	ارہاص۔ معجزہ۔ کرامت وغیرہ کا فرق	۳۵۱
۲۴۱	چند اعتراض اور اُن کے جوابات	۳۳۱	۲۵۶	انبیاء و اولیاء مرتے نہیں بلکہ اُن کی موت نقل مکانی ہے۔	۳۵۱
۲۴۲	الاسلام بین الجبر والقدر کے مافق مسئلہ کو حضرت علیؓ نے کس طرح چند لفظوں میں بیان فرمایا۔	۳۳۵	۲۵۷	اولیاء اللہ کی محبت	
			۲۵۸	اولیاء اللہ کی محبت سے ایک ایک شخص کو کیا فائدہ ہوا۔	۳۵۵
۲۴۳	جبری عقیدہ باش و قدری عمل	۳۳۶			
۲۴۴	استعانت عامہ کا پہلا درجہ اور سفیان ثوریؒ کی حکایت	۳۳۸	۲۵۹	لاتشدوا الرحال والی حدیث کی توضیح	
۲۴۵	ابراہیمؑ کی استغنا اور احتیاج	۳۳۹	۲۶۰	عوام مقربین سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس پر ایک حکایت	۳۵۷
۲۴۶	آگ کے برد و سلام ہونے پر شبہ اور اس کا جواب	۳۴۰			
۲۴۷	عناصر ہماری نظر میں مردہ مگر خدا کے نزدیک زندہ ہیں	۳۴۱	۲۶۱	جھوٹے مدعیان ولایت کی حالت	۳۵۸
۲۴۸	ہودؑ کے قصے سے ہوا وغیرہ کا تعقل ثابت کرنا	۳۴۲	۲۶۲	اولیاء کے روپ اور بہروپ پر ایک قصہ	۳۶۰
۲۴۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے	۳۴۳	۲۶۳	مرشد کامل اور اس کی علامات	۳۶۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۶۴	مرشد بننے کے لئے شرائط	۳۶۲
۲۶۵	جاہل پیروں کے علم شریعت کے متعلق چند اعتراض اور ان کے جواب	۳۶۴
۲۶۶	شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تشریح	۳۶۷
۲۶۷	طریقت کے لئے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے	۳۶۸
۲۶۸	ایک جاہل عابد کا عبرت انگیز حال	۳۷۰
۲۶۹	من اراد العبادة بعد الیقین فقد اشرک کا صحیح مطلب اور حضرت جنید رح کا ارشاد	۳۷۲
۲۷۰	ظاہر و باطن کا تعلق	۳۷۳
۲۷۱	اویس قرنی رح اور حب رسول	۳۷۴
۲۷۲	عشق کبھی بھی نہیں چھپ سکتا	
۲۷۳	عشق کے متعلق ایک عجیب نکتہ	۳۷۷
۲۷۴	مکار پیروں کا اعتراض کہ حضور امی تھے۔ اس لئے طریقت کے لئے علم شریعت کی ضرورت نہیں۔ اور اس کا جواب	۳۷۸
۲۷۵	علم اکتسابی اور وہبی کی مثال	۳۷۹
۲۷۶	فضائل علم و علماء	۳۸۱
۲۷۷	پیران بے پیر کا آخری اعتراض اور اس کا جواب	۳۸۵
۲۷۸	وقوعہ سابقہ سے جاہل پیروں کا غلط استنباط اور اس کی تنقید	۳۸۸
۲۷۹	اهدنا الصراط المستقیم کی تفسیر	۳۸۹
۲۸۰	اسلام سب انبیاء کا دین تھا	۳۹۱
۲۸۱	شریعت اور دین میں فرق	۳۹۱
۲۸۲	حضور کی نبوت تمام عالم کے لئے ہے۔	۳۹۳
۲۸۳	حضور پر جنات کا ایمان لانا	۳۹۴
۲۸۴	جنات کے حاضر دربار ہونے کا دوسرا واقعہ	۳۹۵
۲۸۵	گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی کیوں ممانعت ہے	۳۹۵
۲۸۶	عالم کی موٹی تقسیم	۳۹۶
۲۸۷	ملائکہ کا حضور پر ایمان لانا	۳۹۷
۲۸۸	معجزہ شق القمر	۳۹۷
۲۸۹	شق قمر کے معجزے پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۳۹۹
۲۹۰	الساعة کے لفظ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۴۰۱
۲۹۱	استن حنانہ کا واقعہ	۴۰۷
۲۹۲	درختوں کی شہادت	
۲۹۳	عالم جمادات کی شہادت	۴۰۹
۲۹۴	سنگریزوں کی شہادت کا واقعہ مولانا روم رح کی زبان سے	۴۱۰
۲۹۵	حضور سید المرسلین ہونے کے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں	۴۱۱
۲۹۶	ختم نبوت کے مسئلے پر بحث کی ضرورت	۴۱۴

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۷	مطلق نبوت کی ضرورت کا بیان	۴۱۲
۲۹۸	نسخ شرائع غزارت علمی کی علامت ہے	۴۱۳
۲۹۹	نسخ کی ضرورت پر عقلی مثال	۴۱۴
۳۰۰	نسخ ضرورت کی مطابقت کا دوسرا نام ہے۔	۴۱۴
۳۰۱	جسمانی غذا کے طریقے پر روحانی غذا کا انطباق	۴۱۵
۳۰۲	مثال سابق سے ختم نبوت کا ثبوت	۴۱۶
۳۰۳	ختم نبوت کا ثبوت نقلی طور پر	۴۱۷
۳۰۴	آیت خاتم النبیین پر دلچسپ بحث	۴۱۸
۳۰۵	حضرت زیدؓ نے حضور کی محبت کو والدین کی محبت پر ترجیح دی	۴۱۸
۳۰۶	ہم اور محبت رسول	۴۱۹
۳۰۷	ایک انصاریہ کی حضور سے بے مثال محبت	۴۱۹
۳۰۸	خواجہ عبد الخالق رح کا ایک عورت سے عشق کا سبق پڑھنا۔	۴۲۰
۳۰۹	نمازی کے آگے سے گزرنے کا شرعی مسئلہ	۴۲۰
۳۱۰	رجوع بقصہ انصاریہ	۴۲۲
۳۱۱	ہم اور عشق حضورؐ	۴۲۳
۳۱۲	رجوع بسوئے شان نزول آیت	۴۲۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱۳	ما کان محمد ابا احد من	۴۲۴
۳۱۴	ساحیا لکھ پر ایک اعتراض اور اس کا جواب	۴۲۵
۳۱۵	ما کان کا ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین سے تعلق	۴۲۶
۳۱۶	لفظ خاتم کی تشریح	۴۲۷
۳۱۷	حضورؐ نے اپنے آپ کو کونے کا پتھر فرما کر ایک بہت بڑے راز کی طرف اشارہ فرمایا۔	۴۲۸
۳۱۸	حضور کے قصر نبوت کا آخری پتھر ہونے پر عملی پیشگوئی	۴۳۰
۳۱۹	حجر اسود کی موجودہ جگہ اللہ تعالٰی نے متعین فرمائی	۴۳۰
۳۲۰	حجر اسود کے ابتدا میں سفید ہونے پر تاریخی شہادتیں۔	۴۳۱
۳۲۱	حجر اسود کی تبدیلی لون پر اعتراضات	۴۳۰
۳۲۲	النبیین کا الف لام عہد ذہنی نہیں بلکہ استغراقی ہے۔	۴۳۲
۳۲۳	رجوع بمطلب	
۳۲۴	اسلام دین فطرت ہے۔	۴۳۳
۳۲۵	اسلام کیوں صراط مستقیم ہے	۴۳۶
۳۲۶	اسلام کے صراط مستقیم ہونے کی واضح تفصیل۔	۴۳۶
۳۲۷	اللہ تعالٰی کی ذات صفات اور افعال کے اعتقاد کے متعلق صراط مستقیم	۴۳۸
۳۲۸	صراط مستقیم کو عام رکھتے ہوئے تشریح	۴۴۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲۹	انسان کا اندر تبدیل ہو جانے سے خفیہ اور ظاہری جرائم ختم ہو سکتے ہیں۔	۴۲
۳۳۰	اندرونی تبدیلی کی ترکیب	۴۲
۳۳۱	قوت شہویہ کے متعلق	۴۴
۳۳۲	نکتہ	۴۵
۳۳۳	قوتِ عقلیہ کے متعلق	۴۶
۳۳۴	قوتِ غضبیہ کے متعلق	۴۷
۳۳۵	مصلی نے اھدنی کی جگہ اھدنا کیوں کہا	۴۹
۳۳۶	اھدنا کے متعلق ایک حکایت	۵۰
۳۳۷	اھدنا کی لفظی تفسیر اور اس کے نکات	۵۲
۳۳۸	دعا کے متعلق	۵۵
۳۳۹	حضور کی ہزاروں دعاؤں سے مشتے نمونہ از خروارے	۵۶
۳۴۰	حضرت عمرؓ کا اسلام	۵۶
۳۴۱	فاطمہؓ بنت خطاب کی طرح	۶۰
	ام المومنین ام حبیبہ کا ایک واقعہ	
۳۴۲	حضورؐ کی قوت اور رکانہؓ کا امتحان و اسلام	۶۰
۳۴۳	ہشتم الاربعین سے اسلام کو کیا قوت ملی	۶۲
۳۴۴	مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات	۶۳
۳۴۵	حضور کی دعائے استسقا اور اس کا فوری اثر	۶۴
۳۴۶	منکرین دعا اور ان کے شبہات	۶۵
۳۴۷	جواب شبہ اول بطریق الزام	۶۷
۳۴۸	جواب تحقیقی	۶۸
۳۴۹	تقدیر کی دو قسمیں	۶۹
۳۵۰	جواب شبہ دوم	۶۹
۳۵۱	دعا مغز عبادت ہے	۶۹
۳۵۲	توکل کی تشریح اور اس کے اقسام	۷۰
۳۵۳	یقین، ظن اور وہم کا فرق	۷۱
۳۵۴	جواب شبہ سوم	۷۲
۳۵۵	جواب شبہ چہارم	۷۳
۳۵۶	دعا کی فضیلت	۷۴
۳۵۷	کس کس کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے	۷۵
۳۵۸	دعا کن اوقات اور حالات میں جلدی قبول ہوتی ہے	۷۶
۳۵۹	دعا کرنے والے کی ہیئت کے بیان میں	۷۶
۳۶۰	ہدایت کے متعلق	۷۸
۳۶۱	لفظ ہدایت کے استعمال کا فائدہ	۷۸
۳۶۲	ہدایت چار قسم ہے	۷۹
۳۶۳	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۸۱
۳۶۴	نکتہ	۸۳
۳۶۵	اھدنا کی توضیح	۸۴
۳۶۶	انسان کا وجود اتحاد عناصر کا نتیجہ ہے۔	۸۵

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۶۷	انسان کا وجود ذات باری کے وجود پر زبردست دلیل ہے۔	۴۸۶	۳۸۵	انبیاء کی خوابیں وحی کا درجہ رکھتی ہیں اور اس پر یوسف کی خواب	۵۰۷
۳۶۸	احدنا کے نلسے مسئلہ شفاعت کا استخراج	۴۸۷	۳۸۶	نئی روشنی والوں کا صحت خواب پر اعتراض اور اس کا جواب	۵۰۹
۳۶۹	نام نہاد پیر اور ان کی شفاعت	۴۹۰	۳۸۷	حضرت ابراہیم کی خواب	۵۱۱
۳۷۰	ایک پیر کا عجیب قصہ	۴۹۰	۳۸۸	حضرت اسماعیل کی رقت انگیز جستجو	۵۱۳
۳۷۱	اصل کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ عمل درکار ہیں	۴۹۲	۳۸۹	حضرت لقمان کا ایک سبق آموز واقعہ	۵۱۴
۳۷۲	شفاعت کی تشریح	۴۹۵	۳۹۰	حضرت ابراہیم کا چھری پر غصہ کرنا اور چھری کا جواب با جواب دینا	۵۱۶
۳۷۳	حضور کا شفیع عاصیاں ہونا	۴۹۶	۳۹۱	قرآن عناصر کو زندہ کہتا ہے	۵۱۷
۳۷۴	سبیل اور طریق کو چھوڑ کر صراط لانے کی وجہ	۴۹۷	۳۹۲	حضرت یوسف اور ابراہیم علیہما السلام کی خوابوں کا نتیجہ	۵۱۸
۳۷۵	پل صراط	۴۹۸	۳۹۳	وحی کی دوسری قسم	۵۱۹
۳۷۶	اہدنا اور انعمت میں ایک لطیف اشارہ	۵۰۰	۳۹۴	غیب دو قسم کا ہوتا ہے	۵۱۹
۳۷۷	مضمون سابق پر ایک نصیحت آموز واقعہ	۵۰۰	۳۹۵	حب وطن از ملک سلیمان خوشتر است کا واقعہ	۵۲۰
۳۷۸	عبادت مالی سرے کو ضرور فائدہ دیتی ہے۔	۵۰۱	۳۹۶	شیخ سعدی کے بے ثباتی دنیا کے متعلق اشعار	۵۲۲
۳۷۹	ندامت اور اس کی چار قسمیں	۵۰۳	۳۹۷	روح کی وطن ملکوتی کے لئے فریاد	۵۲۲
۳۸۰	ندامت اخروی	۵۰۴	۳۹۸	حب الوطن من الایمان کا صحیح مطلب	۵۲۴
۳۸۱	صراط الذین انعمت علیہم کی تفسیر	۵۰۵	۳۹۹	لقائے خداوندی کا عاشق موت کو محبوب سمجھتا ہے۔	۵۲۵
۳۸۲	انبیاء علیہم السلام	۵۰۵			
۳۸۳	وحی اور اس کے اقسام	۵۰۵			
۳۸۴	الہام				

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۰۰	حضرت سلمانؓ فارسی کی موت سے محبت	۵۲۶
۴۰۱	رجوع بسوئے مضمون سابق اور غیب کی دوسری قسم کا بیان	۵۲۷
۴۰۲	معتزلہ کیوں رویت باری کا انکار کرتے ہیں	۵۲۸
۴۰۳	ادراک اور رویت کا فرق	۵۲۸
۴۰۴	لقائے ربی کے امکان پر دلائل	۵۲۹
۴۰۵	من وراء حجاب میں حجاب سے کیا مطلب ہے	۵۳۰
۴۰۶	پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی مثال	۵۳۰
۴۰۷	حضرت موسیٰ کے لیے خود رویت اور دیدار نہ پا سکنے کے متعلق ایک نکتہ	۵۳۰
۴۰۸	خضر موسیٰ کے متعلق ایک دلچسپ لطیفہ	۵۳۲
۴۰۹	وحی کا تیسرا طریقہ	۵۳۳
۴۱۰	منعم علیہم کے دوسرے گروہ یعنی صادقین کے متعلق بیان	۵۳۳
۴۱۱	قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا بیان	۵۳۴
۴۱۲	صدیق اکبرؓ نے قوت نظریہ کے کمال کے باعث واقعہ معراج کی تصدیق کی	۵۳۴
۴۱۳	واقعہ معراج پر بعض شبہے اور	۵۳۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	ان کا ازالہ	
۴۱۴	معراج کے جسمانی ہونے پر دلائل	۵۳۷
۴۱۵	مداری انڈے کو کس طرح سینچتا ہیں اور اس سے سبق	۵۳۹
۴۱۶	خواجہ غریب نواز کی کھڑاؤں کا اڑنا	۵۴۰
۴۱۷	خواجہ صاحب کی کھڑاؤں میں قوت پرواز کہاں سے آئی	۵۴۰
۴۱۸	مجلس کا اثر اور اس کی مثال سعدیؒ کے اشعار میں	۵۴۰
۴۱۹	ریڈیم اور مقناطیس کا اثر اور اس سے ایک لطیف سبق	۵۴۱
۴۲۰	حضورؐ نور مجسم تھے	۵۴۱
۴۲۱	حضورؐ کے سایہ نہ ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب	۵۴۲
۴۲۲	حضورؐ کی صورت بشری، ملکی اور حقی کی توضیح	۵۴۳
۴۲۳	ورفعنا لک ذکرک کی عجیب غریب تفسیر	۵۴۷
۴۲۴	اذان کو ہر نماز با جماعت سے اول کیوں لازمی قرار دیا ہے	۵۴۸
۴۲۵	سجدہ نہایت تذلل کیوں ہے؟	۵۴۹
۴۲۶	غیروں کے مذاق کا جواب ان کے مذاق سے دو	۵۵۰
۴۲۷	ورفعنا لک ذکرک کی زندہ مثال	۵۵۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲۸	شہید کا بیان	۵۵۲	۴۳۶	صراط مستقیم میں افراط اور تفریط اور اس کا یہود و نصاریٰ سے انطباق	۵۵۹
۴۲۹	جنگ بدر کا ایک عجیب واقعہ	۵۵۳	۴۳۷	انسان تمام کام دو خیالوں کے ماتحت کرتا ہے	۵۶۰
۴۳۰	صالحین کا بیان	۵۵۳	۴۳۸	تفریط اور افراط والے مغضوب علیہم اور ضالین کیوں ہیں۔	۵۶۱
۴۳۱	صلح کل سے کیا مراد ہے؟	۵۵۴	۴۳۹	سورہ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنا سنت ہے۔	۵۶۱
۴۳۲	منافقت اور صلح عام کے فرق کی ایک مثال	۵۵۴	۴۴۰	سورہ فاتحہ کی فضیلت اور بعض مجرب اوراد	۵۶۲
۴۳۳	منعم علیہم فرقوں کے رستوں پر چلنے کی تشریح	۵۵۶		خاتمہ اور دعا	۵۶۴
۴۳۴	چار چیزیں جو ایک دوسرے کی حفاظت کرتی ہیں	۵۵۶			
۴۳۵	خلاصہ کلام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی تفسیر	۵۵۷			

۱۱۳۲۲

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ المقصود الودود۔ الملک المعبود۔ الحلیم المجید المتعالی عن الضد والند والجہات والحدود۔ العلیم السمیع البصیر لا یخفی علیہ دبیب النملۃ السوداء فی اللیالی السود۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ شہادۃ ینفع قائلہا یوم الموعود۔ واشہد ان سیدنا و مولینا محمدا عبدہ و رسولہ صاحب لواء الشفاعۃ والحوض المورود صلی اللہ علیہ و علی الہ وصحابہ۔ الذین کانوا الرکع والسجود۔ اما بعد

معزز حضرات وعدہ کے مطابق سورہ فاتحہ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں قرآن پاک کی ضرورت اور اس کی اگلی کتابوں پر فوقیت کے متعلق مختصر سی تقریر کر دی جائے۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی ضرورت ہی ثابت نہ ہو تو اس میں خواہ مخواہ اپنے قیمتی وقت کو صرف کرنا بے سود اور لاحاصل ہے۔

وجود باری تعالیٰ

آپ سب سے پہلے اس کائنات اور اس کے نظام پر غور کریں کہ جب کسی چیز کو ایک خاص لمبائی چوڑائی اونچائی اور سلیقے سے بنا ہوا دیکھتے ہیں۔ تو بلا تامل اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں۔ کہ یہ چیز خود بخود نہیں بنی۔ بلکہ اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ضرور ہے۔ خواہ اس کے بنانے والے کو آپ

Marfat.com

دیکھ سکیں یا نہ۔ مثلاً جب آپ ایک میز کو دیکھتے ہیں۔ کہ اس کی چار ٹانگیں ہیں۔ ایک سطح ہے۔ سطح تختہ ایک خاص لمبائی چوڑائی اور موٹائی رکھتا ہے۔ تو فوراً اس کے دیکھتے ہی آپ کے ذہن میں اس کے بنانے والے کا بھی یقین آجاتا ہے۔

وجودِ باری پر ایک بدّو کا استدلال

ایک بدو سے جب خُدا کے وجود کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو اُس نے فوراً بے ساختہ جواب دیا۔ سبحان اللہ ان البعرۃ تدل علی البعیر وان اثرالاقدام لتدل علی المسیر۔ فالسماء ذات ابراج والارض ذات فجاج والبحار ذات امواج الا تدل ذلک علی وجود اللطیف الخبیر۔ یعنی جب اونٹ کی مینگنی دیکھ کر اونٹ کے ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح قدموں کے نشانات کسی چلنے والے کا پتہ دیتے ہیں۔ تو پھر یہ برجوں والے آسمان۔ کشادہ رستوں والی زمین۔ اور متلاطم اور مواج دریا اُس رب الارباب اور صانع ارض وسما کے وجود پر کس طرح دلیل نہ ہونگے۔ اسی واسطے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب قرآن مجید میں ان چیزوں کی ہستی اور پیدائش میں غور وخوض کرنے کی دعوت دی ہے۔ تاکہ اس تفکر وتدبر سے ہمارا ذہن ان چیزوں کے خالق اور صانع کی طرف منتقل ہو کر باری تعالیٰ کے وجود کا اعتقاد پیدا کر سکے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَاۗءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ۔ یعنی کیا یہ لوگ

Marfat.com

اپنے اُوپر آسمان کو نہیں دیکھتے۔ کہ ہم نے اُس کو کس طرح بنا کر مزیّن کیا۔ اور اس میں کسی قسم کا شگاف نہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا یعنی تمہارا اللہ وہ عظیم الشان ذات ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔ غرضیکہ یہ سب دلائل ہیں۔ جن کے ضمن میں اپنی ہستی کو ثابت فرمایا ہے۔ تو گویا ہر عاقل اور ہوشمند اس دُنیا کو دیکھ کر ضرور اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ اس نظام کا منظّم کرنے والا اس کائنات کا پیدا کرنے والا۔ اور پھر پیدا کر کے موجودہ باقاعدہ شکل عطا کرنے والا کوئی نہ کوئی وجود باجود ضرور ہے۔ اسی بے مثال اور لازوال ہستی کو مسلمان اللہ کہتے ہیں۔ باری تعالیٰ کے مقدّس وجود پر اپنی جگہ سینکڑوں دلائل موجود ہیں۔ اور اللہ جل شانہ کے وجود کا انکار کرنا گویا روزِ روشن میں سُورج کا انکار کرنا ہے ✤

امام صاحب کا ایک دہریے سے مناظرہ

لکھا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ ایک مُنکرِ خُدا کا مقابلہ قرار پایا۔ امام صاحب وقت مقررہ سے ذرا دیر کر کے آئے۔ جب آپ جلسہ میں تشریف لائے۔ تو سب سے پہلے اُس دہریہ نے سوال کیا۔ کہ حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ معیّنہ وقت سے تاخیر کر کے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ صاحب مجھے وقت تو یاد تھا۔ مگر آج میں نے ایک نہایت حیرت انگیز معاملہ دیکھا۔ جس کے تماشے میں ایفائے وعدہ میں ذرا دیر ہو گئی۔ اُس ملحد نے پُوچھا کہ وہ کیا تماشہ تھا؟ جس کے لئے آپ رُک گئے۔ آپ نے فرمایا۔

Marfat.com

کہ میں نے آج دریا کے کنارے بہ چند منتشر اور پراگندہ لکڑیوں کے ٹکڑے پڑے دیکھے۔ مگر میری حیرت کی انتہا نہ رہی جبکہ وہ ٹکڑے خود بخود ادھر ادھر سے دوڑ کر ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے۔ اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے نہایت خوشنما مضبوط اور اعلیٰ کشتی تیار ہو کر دریا میں تیرنے لگی۔ ملحد نے آپ کی اس بے تکی بات پر زور سے قہقہہ لگایا اور حاضرین جلسہ سے بھی امام صاحب کے عذر کی داد چاہی۔ امام صاحب نے فرمایا۔ کہ صاحب تم میری بات ہنسی میں کیوں اڑا رہے ہو۔ کیا ایسا ہونا ممکن نہیں۔ دہریہ نے کہا حضرت کہیں ایسا ہوتے سنا ہے۔ یا اس قسم کا بعید از عقل قصہ خود بنا لیا ہے۔ ایک کشتی مخصوص ترتیب کی۔ ایک خاص ہیئت کے ساتھ خود بخود کہیں بن سکتی ہے۔ اور پھر بن کر آپ سے آپ ہی دریا میں پڑ کر تیرنے لگنا تو افترا پرافترا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میاں جب ایک چھوٹی سی کشتی خود بخود نہ بن سکتی ہے۔ نہ تیر سکتی ہے۔ تو پھر یہ زمین و آسمان کی کشتیاں خود بخود بن کر ازل سے آج تک کیسے تیر رہی ہیں۔ دہریہ کی سمجھ میں امام صاحب کی حکمت بھری مثال آ گئی۔ اور وہ فوراً اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا۔

اسی واسطے میں نے باری تعالیٰ کے وجود کے انکار کو روز روشن میں سورج کے انکار کے برابر بیان کیا ہے۔ وجود باری کے بدیہی ہونے کے سبب سے ہی پیغمبروں کا کام لوگوں کو خدا کی توحید کی طرف بلانا ہوتا تھا۔ وہ خدا کے وجود کے ثبوت کرنے کے زیادہ درپے نہ ہوتے بلکہ منکرین وجود کو کالعدم سمجھ کر وحدت کی تبلیغ میں مشغول رہا

کرتے تھے

تمام دنیا انسان کیلئے ہے

اب اس کے بعد آپ کائنات میں غور کریں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ دنیا کا پتہ پتہ اور ذرہ ذرہ انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ ہوا۔ سورج۔ پانی اور درخت وغیرہ سب کے سب انسان کے خادم اور نوکر ہیں۔

مگر اس کا اپنا وجود کائنات میں سے کسی شئے کے لیے کارآمد اور مطلب نہیں۔ اور وہ یوں ثابت کیا جا سکتا ہے۔ کہ اگر آج دنیا میں ہوا نہ ہو۔ تو تھوڑے ہی وقت میں انسانی زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ سورج نہ ہو تو دن کا نکلنا۔ غلوں کا پکنا اور لاکھوں اور چیزیں جو اس سے متعلق ہیں بند ہو کر تباہی کا باعث بن جائیں۔ پانی نہ ہو تو اس کا اثر جو حیات انسانی پر پڑ سکتا ہے۔ وہ بالکل ظاہر ہے۔ درخت نہ ہوں۔ تو انسان اپنی خارج شدہ کاربن سے تباہ ہو جائے۔ اور درختوں کے ذریعہ کاربن آکسیجن میں تبدیل ہو کر زندگی میں مدد نہ دے۔ تو موجودہ آکسیجن کا سٹور تھوڑے ہی دنوں میں ختم ہو کر انسانی نظام کا فیصلہ کر دے۔ لیکن اگر آج انسان کے وجود کو دنیا سے نابود کر دیا جائے۔ تو کیا آپ کے خیال میں ہوا۔ سورج۔ پانی یا دنیا کی کسی اور چیز پر اس کے نہ ہونے سے اثر پڑیگا۔ دنیا میں کتنا زمانہ انسان نہ تھا۔ اور یہ سب کچھ تھا۔ اور خدا معلوم دنیا سے کتنا زمانہ انسان ناپیدا ہوگا۔ اور یہ سب کچھ ہوگا۔ تو معلوم ہوا

Marfat.com

کہ انسان اس دُنیا کی کسی چیز کے کام کا نہیں۔ ورنہ اس کے نہ ہونے سے ضرور دُنیا کی چیزوں پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر پڑتا۔ تو گویا سب دُنیا انسان کی خدمت اور چاکری کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا یعنی اللہ وہ پاک ذات ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کی سب چیزوں کو پیدا فرمایا۔

انسان کی پیدائش کا مطلب

اب سوچنا یہ ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے دُنیا اور مافیہا کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا۔ اور انسان ان میں سے کسی کے کام کا بھی نہیں۔ تو کیا انسان کے وجود کو بیکار محض پیدا کیا گیا۔ کیا اس کی پیدائش کا مطلب صرف دوسروں سے خدمت لینا ہے۔ اور خود یہ کسی کا بھی خادم نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ط۔ کیا اے انسانو تم گمان کرتے ہو۔ کہ ہم نے تم کو بیکار بنایا ہے اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہ آؤ گے۔ نہیں۔ بلکہ جس طرح دُنیا کی ہر ادنیٰ چیز اپنے سے اعلےٰ کی خادم اور فرمانبردار ہے۔ ایسے ہی انسان بھی اپنے سے اعلےٰ اور برتر ہستی کا فرمانبردار اور مطیع ہے۔ دُنیا کی چیزوں میں اگر غور کرو گے۔ تو اُن کو تین قسم کا پاؤ گے۔ جمادات۔ نباتات اور حیوانات۔ جمادات، نباتات کی خادم اور فرمانبردار ہے۔ نباتات حیوانات کی چاکر ہے۔ اور پھر حیوانات میں غور کرنے سے ان میں بھی بعض بعض کا خادم

Marfat.com

اور فرمانبردار ہے۔ حیوانات کے معزز طبقہ انسانی پر نظر ڈالو۔ تو اس میں بھی چھوٹا بڑے کا اور ادنیٰ اعلیٰ کا مطیع اور خادم ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ جس قاعدہ سے انسان دوسری جمادات۔ نباتات اور حیوانات کا مخدوم اور مطاع ہے۔ اسی قاعدے کے مطابق وہ اپنے سے بزرگ اور برتر ہستی یعنی اللہ جل شانہ کا خادم اور مطیع ہے۔ وہ دُنیا کا مالک مگر مالک دُنیا کا مملوک ہے۔ وہ کائنات کا فرمانروا۔ مگر خالق کائنات کا فرمانبردار ہے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

شرک نہایت ذلّت ہے

اب جب آپ کو معلوم ہو گیا۔ کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو انسان کو بھی چاہیئے کہ اُسی خالق و مالک کی اطاعت و عبادت کرے۔ اگر وہ خالق کائنات کے بغیر کسی اور چیز کی عبادت کریگا۔ تو گویا وہ اپنے آپ کو اپنے فطرتی اعلیٰ مرتبہ سے گرا کر ذلیل اور پست مرتبہ پر رضامندی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ جن قوموں نے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر غیر اللہ کی پرستش شروع کی۔ اور دُنیوی اشیاء کو اپنا معبود و مسجود بنایا۔ تو آخر کار وہ تو ہین غلامی کی ذِلّت اور جہالت کے عمیق غار میں دھکیل دی گئیں۔ ہندو قوم کو ہی دیکھو۔ کہ جب اُنہوں نے خالق حقیقی سے رشتہ

Marfat.com

کاٹ کر غیر اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا۔ آگ کو دیکھا تو اگنی دیوتا کہہ کر جھک گئے۔ سورج کو دیکھا تو سورج دیوتا کہہ کر معبود بنا لیا چاند کو دیکھا تو چندرماں کہہ کر سجدہ میں گر گئے۔ غرضیکہ سانپ۔ مگرمچھ۔ پتھر۔ درخت اور ہر چھوٹی بڑی چیز دیوتا اور خدا بنا لی گئی۔ اور دنیا کی ہر چیز کو جو کچھ ذرا بھی اہمیت رکھتی تھی معبود و مسجود کا مرتبہ دے دیا گیا۔ تو ان کو چیر پھاڑ کر ان کے اجزاء معلوم کرنا۔ ان کے تجربے کرنا۔ ان کو بھٹیوں میں گلا کر ان سے فائدہ اٹھانا بھی سب ناجائز ٹھہرا۔ کیونکہ معبود کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ ہتک کے مرادف تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ عابدین بھی ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّۃُ کا زندہ مصداق بنا دیئے گئے۔ دوسری قومیں جو اس دنیا کی ہر ایک چیز کو اپنا خادم سمجھتی تھیں۔ اور جو ان کی تجمیع و تفریق اور قطع و برید سے حیرت انگیز نتیجے نکال رہی تھیں۔ ہندوؤں پر چڑھ آئیں۔ اور ادنیٰ دقت کے ساتھ انہیں اپنا غلام بنا لیا۔ کیونکہ حملہ آور قومیں تو دنیا کی ہر چیز کو اپنا غلام اور خادم سمجھتی تھیں۔ اور ہندو خود ان چیزوں کے پرستار اور غلام بنے ہوئے تھے۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ حملہ آور قوموں کے غلاموں کے غلام تھے۔ تو پھر وہ اپنے مالکوں اور آقاؤں سے کس طرح مقابلہ کر سکتے ؟

مسلمان اور علومِ جدیدہ

مسلمان بھی جب تک دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم سیکھتے تھے

Marfat.com

جب وہ حقیقی طور پر اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ کی آیت پر عمل کرتے تھے۔ اور ان چیزوں کی تسخیر سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ تو ان کا بھی دنیا میں طوطی بولتا تھا۔ مگر جب انہوں نے بھی ان علوم کی طرف پیٹھ پھیر دی۔ اور علم کو منیۃ المصلی میں ہی موقوف سمجھنے لگے۔ تو آخر کار ان کو بھی عزت کے درجہ سے گرا کر ان کا تاج و تخت دوسروں کے حوالے کر دیا گیا ٭

مسلمانو۔ یاد رکھو۔ تم کو تو اس احکم الحاکمین کا حکم ہے۔ کہ جس کے قبضۂ قدرت میں دارین کی عزت و دولت ہے۔ کہ تم دین کے علوم کے ساتھ دنیا کے علوم بھی حاصل کرو۔ نماز۔ روزہ۔ حج اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل کے ساتھ ایروپلین۔ الیکٹرک۔ بندوق اور توپ کا بھی علم سیکھو۔ قرآن پاک میں اسی واسطے فرمادیا ہے۔ کہ وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ۔ مختصر الفاظ میں مطلب یہ ہوا۔ کہ اے مسلمانو دشمنوں کے مقابل میں قوت پیدا کرو۔ اور مسلمان قوت تو تب ہی پیدا کر سکتے ہیں۔ کہ جب اس قوت کے پیدا کرنے کا علم بھی جانتے ہوں بغیر علوم جدیدہ کے وہ دشمن کے مقابلہ میں ان جیسی یا ان سے زیادہ طاقت کس طرح مہیا کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس کہ آج ہم اول تو علم حاصل ہی نہیں کرتے۔ اور اگر بدقت تمام کچھ کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ تو وہ علم صرف نماز۔ روزہ اور حج و زکوٰۃ کے جزوی مسائل پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ مگر قوت کا علم یا دوسرے الفاظ میں اسباب جہاد کے متعلق کہ جس کی وجہ سے ہماری نمازیں روزے اور دوسری

Marfat.com

دینی ضروریات قائم رہی ہیں۔ اور رہ سکینگی بالکل ناواقف اور قطعاً نابلد ہوتے ہیں۔ جب دعا میں فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ کے الفاظ آتے ہیں۔ تو انتہائی زور سے آمین پکارتے ہیں۔ مگر قوم کافرین پر غلبہ حاصل کرنے کی عملی صورت دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ اگر صرف دعاؤں اور پُرزور امینوں سے کام چل سکتا۔ تو حضور سرورِ عالم علیہ السلام مقدس پیغمبر جنگِ بدر میں دو زرہیں زیب تن نہ فرماتے۔ جنگ اُحد میں اپنے مبارک دانت شہید نہ کرواتے۔ جنگ احزاب میں اپنے نازک ہاتھوں سے خندق نہ کھودتے اور جنگ حنین میں تیروں کی بارش کا مقابلہ نہ فرماتے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مستجاب الدعوات ہستی اور کون ہو سکتی ہے۔ مگر آپ نے اپنی اُمّت کے لئے ایک شاندار اُسوہ چھوڑا۔ آپ نے تعلیم دی کہ برتوکّل زانوئے اُشتر بہ بند۔ اور دعا کے ساتھ دوا کرنے کا طریقہ سمجھایا۔ تو فانصرنا علی القوم الکافرین تو دعا ہے اس کے ساتھ اسباب جہاد کا علم اُن کا استعمال اور اُن کا وقت ضرورت جمع کرنا دوا ہے۔ مگر آج تو صرف دعا ہے۔ دوا کا نام تک نہیں جس طرح اسلام کی عالیشان عمارت پانچ رُکنوں پر کھڑی ہے۔ اور اُن کے استحکام سے عمارت کا استحکام ہے۔ اسی طرح یہ رُکن خود خارجی حفاظت کے محتاج ہیں۔ کیونکہ دشمن تمہاری اس شاندار بلڈنگ کو گرانے کے لئے تمہارے ستونوں کو اکھاڑنے کی کوشش کرینگے۔ اب اگر تم ان ستونوں کو اعدا کی دستبرد سے محفوظ نہ رکھ سکو گے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ یہ دلکش عمارت ایک دن زمین کے برابر کر دی جائیگی۔ وہ حفاظت علم جہاد

Marfat.com

ہے۔ جس طرح دُنیا کا کوئی مکان بغیر حفاظت اور چوکیداری کے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح ایمانی و اسلامی مکان بھی شیطان اور اُس کی ذریات سے بغیر حفاظت و دفاع کے کیسے بچایا جا سکتا ہے۔ تو گویا اسلام کی حفاظت جہاد سے متعلق ہے۔ اور جہاد کے لئے آلاتِ حرب اور لڑائی کے ہتھیاروں کا علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ اور یہ علم ہم تب ہی سیکھ سکتے ہیں۔ کہ جب ان دُنیوی چیزوں کو اپنا خادم اور غلام سمجھیں۔ ان کے غلام بن کر ہم ان سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ تو معلوم ہُوا کہ یہ سب دُنیا انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور خود انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اسی تخلیق انسانی کے مقصود کو قرآن پاک نے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ کے الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

پیغمبروں کی ضرورت

اس طویل تقریر کا خلاصہ یہ ہُوا۔ کہ انسان تمام دُنیا سے خدمت لے۔ اُن سے فائدہ اٹھائے۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار و مطیع رہے۔ اور ایسے کام کرے کہ جس سے وہ بے مثال آقا راضی ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ خادم مالک کی اطاعت و فرمانبرداری اُسی صورت میں کر سکتا ہے۔ کہ جب اُس کی رضامندی کے طریقوں سے واقف ہو۔ اُسے معلوم ہو۔ کہ میرا مالک اس کام کے کرنے سے خوش ہوگا۔ اور اس

Marfat.com

کام کے کرنے سے ناراض۔ مگر اللہ تو اللہ۔ انسان دوسرے انسان
کی رضامندی بھی بغیر اُس کے بتائے ہوئے نہیں معلوم کر سکتا۔
حالانکہ دونوں کی دو آنکھیں۔ دو ہاتھ۔ دو پاؤں تمام انسانی ضروریات
ہیں متحد۔ پھر بھی اگر ننگے ہو کر ایک دوسرے سے اپنا سینہ ملا لیں۔
تو بھی خادم بغیر اپنے مالک کے بتائے ہوئے اُس کی رضامندی
و غیر رضامندی سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ تو جب ایک انسان دوسرے
انسان کی رضامندی بغیر اُس کے بتائے ہوئے معلوم نہیں کر
سکتا۔ تو پھر ایک محتاج انسان اللہ تعالیٰ کی رضا و غیر رضا بغیر اس
کے بتائے ہوئے کیسے معلوم کر سکیگا۔ کیونکہ یہ انسان۔ وہ خدا
یہ حادث وہ قدیم۔ یہ جسم وہ نور۔ یہ محتاج وہ غنی۔ غرضیکہ ہر ایک
صورت میں رات اور دن کا فرق ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہوا۔ کہ
اللہ تعالیٰ اپنی مرضی و غیر مرضی کو اپنے بندوں پر ظاہر فرماتا رہے۔
تاکہ بندے اُس کے حکم پر چل اُس کی رضامندی حاصل کر سکیں۔
مگر آپ دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا کا ادنےٰ سے ادنےٰ بادشاہ جو اس
عالم حقیقی کے سامنے پر پشہ سے بھی کم حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے
احکام اور فرامین گلی گلی اور کوچہ کوچہ پھر کر عوام کو نہیں سنایا کرتا۔
بلکہ اپنے خواص اور مقربین کے ذریعہ سے اپنے احکام عوام تک
پہنچوا دیتا ہے جس سے لوگ بادشاہ کی مرضی سے واقف ہو کر
حکم کی تعمیل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور خلاف ورزی کی صورت
میں انہیں سزا دی جاتی ہے۔ تو پھر وہ احکم الحاکمین کہ جس کی
شان تو یہ ہے۔ کہ جب قیامت کے دن تخت جلال پر جلوہ

Marfat.com

فرما ہو کر پوچھینگے لمن الملك اليوم۔ کہ اے لوگو آج کس کی بادشاہی ہے اس وقت کسی قیصر و خاقان کسی امیر و سلطان کے منہ سے جواب نہ نکل سکیگا ہیبت اور خوف کی وجہ سے کپکپا رہے ہونگے اور بالکل ساکت و صامت بُت بنے کھڑے ہونگے۔ کہ ذات باری کی طرف سے ندا ہوگی۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کہ آج بڑے جبار اور قاہر اللہ کی بادشاہی ہے۔ جس کی حکومت ابدی۔ جس کی سلطنت بے مثال۔ اور جس کا ملک بلا شراکت ہے۔ تو پھر آپ ہی بتایئے کہ ایسا شہنشاہ ذوالجلال کس طرح ہر کس و ناکس کو اپنے احکام منہ در منہ سناتا پھرے۔ اور پھر اگر سنائے بھی۔ تو سننے والا کون ہوگا موسیٰ علیہ السلام جیسے الوالعزم اور دریائے معرفت کے پیراک نبی تو ایک ہی تجلی میں بے ہوش ہو گئے۔ اور طور جیسے پہاڑ ایک ہی جلوے میں دکا دکا ہو گئے۔ کسی نے کہا ہے ؎

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوہ صفات تو عین ذات مے نگری در تبسمی

تو پھر اگر ذات باری بے حجاب ہو کر عوام کو اپنے احکام سنائے تو اس انسان ضعیف البیان کا کیا حال ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ حکمت و عقل کا یہی تقاضا تھا۔ کہ اللہ جل شانہ اپنے احکام دوسروں کے ذریعہ اپنے بندوں تک پہنچانے کا انتظام فرمائیں۔ اور اپنی رضا و غیر رضا کے متعلق عوام کو خواص کے ذریعہ سے اطلاع کروا دیں ؞

پیغمبروں کا معصوم ہونا ضروری ہے

مگر یہ ضروری ہے۔ کہ بادشاہ جن خاص شخصوں کو تبلیغ احکام کے لیے

لئے چنے وہ اُس کے پورے مطیع اور فرمانبردار ہوں۔ کیونکہ اگر وہ پورے
مطیع اور فرمانبردار نہ ہونگے۔ تو ہو سکتا ہے۔ کہ وہ بادشاہ کا حکم عوام تک
پہنچائیں ہی نہیں۔ یا اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی کر دیں۔ دُنیا
کے بادشاہ تک بھی سرکشوں اور نافرمانوں کو اپنے درباروں میں
گھسنے نہیں دیتے۔ چہ جائیکہ اُنہیں مقرب بنائیں۔ مگر وہ غریب تو
پھر بھی بوجہ انسان ہونے کے بسا اوقات دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اور
ایک دُشمن کو دوست سمجھ کر اپنا معتمد بنا لیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ تو
ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔ اُس پر تو دل کا مخفی سے مخفی راز بھی
پوشیدہ نہیں۔ اُس کی شان تو لَا یَخْفیٰ عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْئٍ فِی الْاَرْضِ
وَلَا فِی السَّمَاءِ ہے اس واسطے اُس ذات پاک کے متعلق اس قسم کے دھوکا
کھا جانے کا ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ جس شخص کو بھی اپنے
احکام و فرمان کے پہنچانے کے لئے چنیگا۔ وہ کبھی بھی دھوکا باز یا دوست
نما دشمن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ظاہر و باطن میں وہ پورا پورا فرمانبردار ہوگا۔ اسی
لئے مسلمان پیغمبروں کو ہر قسم کے گناہوں سے مبرا اور معصوم سمجھتے
ہیں۔ کیونکہ اگر وہ خود گنہگار ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے برخلاف
کرتے ہوں۔ تو وہ دوسروں کے لئے کس طرح قابل اعتبار سمجھے جا
سکتے ہیں۔ اور خداوند قدوس تبلیغ احکام جیسا اہم کام کس طرح اُن
کے سپرد کر سکتا ہے ✠

تو خلاصہ کلام یہ نکلا۔ کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کا حکم ماننا ضروری ہے۔ مگر
حکم کو ماننے سے پہلے حکم سے مطلع ہونا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے
حکم کو معصوم خواص اور مقربین کے ذریعہ اپنے بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔

Marfat.com

اصطلاح شریعت میں ان معصوم مقربین کو نبی یا رسول کہا جاتا ہے۔

نبی اور رسول میں فرق

بعض عالموں کا خیال ہے۔ کہ نبی اور رسول کے لفظوں میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ یہ دونوں لفظ مترادف اور ہم معنی ہیں۔ اور ان الفاظ کے ہم معنی ہونے کے ثبوت میں وہ آیتیں اور حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ جہاں پر ایک ہی شخص کو کبھی تو رسول بولا گیا ہے اور کبھی نبی دوسرے علماء رسول کو نبی سے عام سمجھتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں۔ کہ رسول کا لفظ قرآن نے فرشتوں اور انسانوں دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ جیسے سورہ حج کے دسویں رکوع میں آتا ہے۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا ہے۔ مگر جمہور اہل سنت والجماعت اس بات کے قائل ہیں۔ کہ نبی عام ہے اور رسول خاص۔ کیونکہ رسول وہ ہوتا ہے۔ جسے مستقل شریعت اور کتاب دی گئی ہو۔ مگر نبی کا لفظ عام ہے۔ کبھی اس کا اطلاق رسول پر کیا جاتا ہے۔ اور کبھی اس پیغمبر کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ جسے کوئی مستقل کتاب یا شریعت نہیں دی گئی۔ بلکہ وہ پہلے رسول کی شریعت ہی کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔ اور اس کا کام رسول سابق کے مردہ احکام کو زندہ کرنا اور اس کے لائے ہوئے قوانین کی تشہیر و تبلیغ کرنا ہوتا ہے۔ (اور اس کی مکمل تشریح ختم نبوت کے بیان میں ہے) قرآن پاک میں

Marfat.com

نبی اور رسول کے فرق اور پھر ان کے عام اور خاص ہونے کے متعلق سورہ حج کے ساتویں رکوع کی ۵۲ آیت میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ یعنی ہم نے آپ سے پہلے نہ کوئی رسول بھیجا اور نہ کوئی نبی کو۔ تو اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ رسول اور نبی کے معنوں میں فرق ہے۔ ورنہ دونوں کو ایک جگہ جمع نہ کر دیا جاتا۔ پھر اس سے رسول کے خاص اور نبی کے عام ہونے کا بھی پتہ چلا۔ کیونکہ خاص کے بعد عام کو بیان کرنا بہ نسبت اس کے برعکس کے زیادہ فصیح ہے۔ اور پھر رسول کے لفظ کا نبی سے خاص ہونے میں حضور سرور عالم کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کان الانبیاء مائۃ والف واربعۃ وعشرین الفا وکان الرسل خمسۃ عشر وثلثمائۃ رجل منہم یعنی انبیا علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوئے ہیں اور رسول صرف تین سو پندرہ۔ تو معلوم ہوا کہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔ اور رسول خاص ہے اور نبی عام ہاں البتہ قرآن پاک میں بعض مقامات پر ایک کو دوسرے کی جگہ توسعاً استعمال بھی کیا گیا ہے۔

پیغمبر جس قدر ہوئے سب انسان اور مرد تھے

آسمانی کتابوں سے صاف ظاہر ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر پیغمبر ہوئے سب کے سب انسان اور مرد ہوئے ہیں۔ غیر انسان یا عورت

Marfat.com

کو مخلوقات کی طرف پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اس سے انسان کے دل میں ضرور خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے احکام کسی معصوم پیغمبر کے ذریعے سنانے کی ضرورت تھی۔ تو پھر کیوں نہ اللہ تعالیٰ نے یہ پیغمبر فرشتوں سے چن کر روانہ فرمائے۔ جن کی شان میں خود قرآن پاک لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کے الفاظ بیان فرما رہا ہے۔ یعنی فرشتوں کی شان تو یہ ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہ ہر ایک حکم کو بوجہ اتم بجا لاتے ہیں۔ اور پھر اگر انسانوں ہی کو پیغمبری کا مرتبہ دینا تھا۔ تو عورتوں نے کیا قصور کیا تھا۔ کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی اس جلیل مرتبہ سے سرفراز نہ کیا گیا۔ (جواب) انسانوں میں سے پیغمبروں کو منتخب کرنے میں باری تعالیٰ کی یہ حکمت ہے کہ بنی آدم کے لئے اتحاد جنس کی وجہ سے استفادہ آسان ہو۔ اور وہ انسانیت میں شریک ہونے کی وجہ سے اپنے بنی نوع کو تمام ضروریات اور حاجات میں کھلی کھلی رہنمائی کر سکیں۔ کیونکہ اگر فرشتوں کو چن کر ان کی طرف پیغمبر بنایا جاتا۔ تو اختلاف جنس کی وجہ سے ان سے وحشت رہتی۔ اور چونکہ وحشت افادہ و استفادہ میں حارج ہوتی ہے اس واسطے نبوت کے فرائض کو وہ انسانوں میں پوری پوری طرح نہ بجا لا سکتے۔ اس کے علاوہ مادی چیزوں کے ساتھ جب ان کا تعلق ہی نہ ہوتا۔ تو وہ ان کے متعلق کیا رہنمائی کرتے مثلاً جب وہ خود بال بچے طعام۔ مکان اور رشتہ داروں کے بکھیڑوں سے پاک ہیں۔ تو وہ دوسروں کو اس کے متعلق کیا صحیح مشورہ دیتے۔ اس واسطے پیغمبروں کا انتخاب انسانوں ہی سے کیا گیا۔ قرآن پاک میں کفار کے اسی اعتراض کو کئی

Marfat.com

جگہ بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ بھی کہتے تھے کہ اگر اللہ نے پیغمبر بھیجنا تھا۔ تو پھر فرشتوں سے کیوں نہ بھیجا چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡۤا اِذۡ جَآءَهُمُ الۡهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوۡلًا ۔ قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰۤـئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا ۔ یعنی لوگوں کو ایمان لانے سے کسی چیز نے منع نہیں کیا۔ جبکہ ان کے پاس ہدایت آئی۔ مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اب باری تعالیٰ کفار کے اس اعتراض کا قُل سے جواب دیتے ہیں۔ کہ اے حبیب انہیں کہ دیجئے۔ کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے سکونت رکھتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر روانہ کرتے۔ کیونکہ ہر ایک چیز کو اپنے ہمجنس سے فائدہ ہوتا ہے۔ اس واسطے انسانوں کی طرف انسان ہی رسول بنا کر روانہ کرنا حکمت کا مقتضیٰ تھا ؂

عورت کو کیوں رتبۂ نبوت نہ دیا گیا

اور عورت کو درجۂ نبوت کے لئے اس واسطے نہ چنا گیا کہ نبی کے لئے بڑے استقلال اور تحمل کی ضرورت ہے۔ لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس پر پتھر برساتے ہیں۔ اور اس کی تبلیغ کی مخالفت کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ مگر وہ ان تمام مخالفتوں اور دشمنیوں کا مضبوط دل سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور اس قسم کے معاندانہ سلوک اس کے پائے استقلال کو تبلیغی رستہ سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹا

Marfat.com

سکتے۔ مگر عورت فطرتاً کمزور ہے۔ اس کی بناوٹ اس کے اعضا اور اُس کا ماحول اتنی تکلیف برداشت کرنے کی اسے اجازت نہیں دے سکتا۔ اسی واسطے تو قرآن پاک نے اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ کا قانون بیان فرمایا ہے۔ جب یوں عام واقعات زندگی میں عورت عقلاً ونقلاً۔ علماً اور عملاً کمزور ثابت ہوئی ہے۔ تو پھر ایسی مخالفتوں کی بوچھاڑ میں کس طرح ثابت قدم رہ کر وہ اپنے فرائض کو پورا کریگی۔ لہذا ضروری ہوا کہ عبد ومعبود کا درمیانی واسطہ کہ جس کے ذریعہ سے مرضیات وغیر مرضیات خداوندی معلوم ہوتی رہیں۔ کوئی الوالعزم مرد ہی ہوا کرے۔

انبیا علیہم السلام کی تعداد

اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا فرمانے کے بعد مخلوقات کو اپنی مرضی سے مطلع کرنے کے لئے بیشمار انبیا علیہم السلام کو بھیجا۔ جن کی صحیح تعداد کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ کیونکہ انبیاء کی تعداد کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روائتیں بیان کی گئی ہیں۔ کسی میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کسی میں دو لاکھ چوبیس ہزار۔ کسی میں کچھ زیادہ اور کسی میں کچھ کم۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان اعداد سے صرف حضور کا ان کی کثرت کو بیان فرمانا ہے۔ نہ کہ حصر کو۔ اسی واسطے ہمیں بھی چاہئے۔ کہ پیغمبروں کی تعداد کو کسی خاص عدد میں محصور نہ کردیں۔ کیونکہ اگر کوئی شخص ایک عدد معین پر ایمان

Marfat.com

لایا۔ اور اُسے ہی یقینی تعداد سمجھ لیا۔ تو اب اگر حقیقت میں پیغمبروں کی تعداد اُس خاص عدد سے کم ہے۔ تو گویا اس نے بعض غیر نبی ہستیوں کو نبی مانا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ نبی کو غیر نبی یا غیر نبی کو نبی ماننا سراسر کفر ہے۔ اس لئے احوط اور اسلم طریقہ یہی ہے۔ کہ انبیاء کی تعداد کو کسی خاص عدد میں حصر نہ کیا جائے۔ بلکہ اگر کوئی تعداد کہے تو ساتھ ہی لفظ کم و بیش بھی کہہ لیا کرے۔ یعنی یوں کہا کرے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش کیونکہ اس لفظ کے کہنے سے کسی قسم کا خدشہ ہی نہ رہتا ✤

حضرت محمد رسول اللہ اور آپ کی ممتاز تعلیم

لوگوں کو احکام پہنچانے کے لئے انبیا علیہم السّلام کے سلسلہ کو روانہ کیا گیا۔ اسی سلسلہ نبوّت کی آخری اور اہم کڑی ہمارے سردار حضرت محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ پر نبوّت کے سلسلے کو ختم کر دیا گیا۔ رسُول ہونے کی حیثیت سے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مستقل شریعت اور قانون دیا گیا۔ حضُور کے مجموعہ قوانین کا نام قرآن مجید یا فرقان حمید ہے۔ آپ سے پہلے بھی دوسرے نبیوں کو کتابیں دی گئیں۔ جن کے ذریعے سے انہوں نے لوگوں کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کا رستہ دکھایا۔ ان میں چھوٹی چھوٹی کتابیں یا صحیفے ۱۰۴ تھے۔ مگر بڑی اور مشہور کتابیں قرآن پاک کے علاوہ تین تھیں یعنی توریت۔ زبور اور انجیل۔ توریت حضرت موسیٰ علیہ السّلام

Marfat.com

پر اور زبور حضرت داؤد علیہ السّلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پر نازل کی گئی۔ مگر ان سب سے طرز تعلیم رہنمائی اور ایصال الی المطلوب میں قرآن پاک بہت ہی ممتاز اور فوق ہے۔

وجہ فوقیّت قرآن

دُنیا میں غور کرو تو معلوم ہوگا۔ کہ انسان کو ڈرانے دھمکانے اور سکھانے کے طریقے مختلف وقتوں میں مختلف ہوا کرتے ہیں مثلاً جب ایک شیر خوار بچے کو ڈرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو صرف "وہ کتا آیا" یا "ہوا" کہہ دینا کافی ہے۔ مگر جب ذرا بڑا ہوتا ہے۔ تو پھر وہ صرف ان باتوں سے نہیں ڈرتا۔ بلکہ ان الفاظوں کے ساتھ کچھ کھٹ کھٹ یا کتے کی سی آواز نکالنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ جب اس درجہ سے گزر کر ذرا اور بڑا ہو جاتا ہے۔ تو پھر نہ تو کھٹ کھٹ سے وہ ڈرتا ہے۔ اور نہ کتے کی آواز سے۔ بلکہ اُس وقت تو اُسے بعض دفعہ چپت لگا دی جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ پیسہ یا مٹھائی وغیرہ کا لالچ دے کر کام نکلوایا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس سے بھی بڑھ کر جوان اور پختہ عقل ہو جاتا ہے۔ تو پھر اُس وقت نہ تو ڈر کام دیتا ہے نہ لالچ۔ بلکہ اب تو اُس سے کام لینے کے لئے اُس کو سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے جو کام آپ اُس سے کروانا چاہتے ہیں۔ پہلے اُس کے فوائد اُس کے ذہن نشین کر دیجئے۔ اور جس کام سے روکنا چاہتے ہیں۔ اُس کے نقصان اُسے پوری طرح پر سمجھا دیجئے۔ جب کسی چیز کا فائدہ و نقصان اُس

Marfat.com

کی سمجھ میں آگیا۔ تو جان لو کہ اب وہ آپ کا حکم ماننے کے لئے مستعد ہو جائیگا۔ اسی طرح اب اللہ تعالیٰ کے قوانین پر غور کرو جب انسانی بچّہ آدم علیہ السّلام کی صورت میں دُنیا میں بھیجا گیا۔ تو جو کچھ اُسے کہنا تھا۔ صاف اور سیدھے الفاظ میں کہہ دیا گیا۔ حکم ہُوا۔ یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ یعنی اے آدم تم تم اور تمہاری بیوی جنّت کی ہر چیز مزے سے کھاؤ۔ مگر اس درخت کے نزدیک مت جانا۔ چونکہ اس ممانعت کی کوئی عقلی دلیل نفع ونقصان کے متعلق نہ سمجھائی گئی۔ اسی واسطے شیطان حضرت آدم علیہ السّلام کو عقلی دلیل بتا کر جادہ استقامت سے لغزش دینے میں کامیاب ہو گیا۔ مردود نے کہا۔ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۔ یعنی تم کو اللہ تعالےٰ نے اس درخت کے کھانے سے اس لئے منع کیا تھا۔ کہ کھا کر تم فرشتے یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ بن جاؤ۔ حضرت آدم علیہ السّلام نے خیال فرمایا کہ اگر سب عمر زندہ رہینگے تو اور زیادہ معبود لایزال کا ذکر و شکر کرینگے۔ اور اگر فرشتے بن گئے۔ تو اس خاکی جسم سے رہائی مل جائیگی۔ چنانچہ آپ نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا اور آج دُنیا کی چہل پہل اور رنج وخوشی اُسی کا نتیجہ ہیں +

جب موسیٰ علیہ السّلام کا زمانہ آیا۔ تو یہ انسانی بچہ بہت کچھ سمجھدار ہو چکا تھا۔ اب کہیں وَاِذْ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کی کھٹ کھٹ کی گئی تو کہیں وَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ

Marfat.com

کا چیت لگا دیا گیا۔ کہیں من و سلوی کی مٹھائی کھلا کر راہ راست کی طرف آنے کی دعوت دی گئی۔ مگر جب تخلیق آدم پر کافی زمانہ گزر گیا۔ تو یتیھون فی الارض اربعین سنۃ کے ڈنڈے سے سزا دے کر صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت کی گئی۔ اور آدم زاد عہد طفولیت سے گزر کر مراہق ہو گیا تو انجیل کا نزول ہوا۔ جس میں نقلی ترغیب و ترھیب کے ساتھ وَاٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّنُوْرٌ کی رو سے دلائل عقلیہ سے بھی سے کام لیا گیا۔ مگر جب یہ انسانی بچہ بالکل جوان ہو گیا۔ اس کا عقل پختہ اور سمجھ تیز ہو گئی۔ تو اب اُسے اُمم سابقہ کی طرح بہلانا پھسلانا۔ ڈرانا اور دھمکانا کارآمد نہ رہا بلکہ نقلیات کے ساتھ عقلی دلیلوں سے بھری ہوئی کتاب کے روانہ کرنے کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ انسان کی ضرورت کے مطابق قرآن پاک کو نازل کیا گیا جس میں ہر حکم کا عقلی فائدہ اور ہر نہی کا عقلی نقصان بیان کر کے لوگوں لوگوں کو اطاعت خداوندی کی طرف بلایا گیا۔ مثلاً نماز کا حکم دیا۔ تو ساتھ ہی فرما دیا۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ زکوٰۃ کا حکم دیا۔ تو وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَلِاَنْفُسِکُمْ کہہ کر سرمایہ داری کی لعنت سے بچنے کا فلسفہ سمجھایا۔ روزہ کے حکم کے ساتھ قوائے شہوانیہ کے کمزور ہو جانے کے نتیجہ کو لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ میں کہہ سنایا۔ حج کا حکم دیا تو تاجرانہ فوائد کا نقشہ لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ کے دلکش الفاظ میں پیش کر دیا۔ جہاد کا حکم دیا تو فساد و بغاوت کی جڑ کاٹنے کے متعلق حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ کی حکمت سمجھا دی۔ قصاص کا ارشاد فرمایا تو وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ کہہ کر حیات

Marfat.com

انسانی کی حفاظت کا فلسفہ سمجھایا۔ غرضیکہ کہانتک بیان کیا جائے۔ کہ اس انسانی بچّہ کو راہ راست پر لانے کے لئے کیسے دلگداز اور مؤثر طرز پر دلائل عقلیہ کی روشنی میں اپنے احکام کو بیان فرمایا ہے

عقل اور فطرت کا فرق

میں نے جو یہ عرض کیا ہے۔ کہ قرآن پاک نے ہر حکم کے ساتھ عقلی دلیل بھی بیان کر دی ہے۔ اگر آپ غور کرینگے۔ تو وہ عقل و فطرت میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ فطرت کہتے ہیں۔ پیدائش کو یعنی وہ دلائل جس کی طرف ہر انسان کا طبعاً میلان ہو۔ ہاں وہ میلان بعض اوقات کسی خارجی اثر کی وجہ سے دب جاتا ہے۔ مگر جیسے ہی وہ خارجی اثر دُور ہوتا ہے۔ وہ میلان اُبھر کر پھر فطرت کی طرف چلا آتا ہے۔ مثلاً یوں سمجھئے۔ کہ آپ ایک پتھر کو اوپر پھینکتے ہیں۔ پتھر کی فطرت کا تقاضا تو یہ ہے۔ کہ وہ نیچے کی طرف آئے۔ مگر آپ کی قوّت دافعہ یا پھینکنے کی طاقت نے اُس پتھر کو اُس کی فطری خواہش سے جُدا کر دیا ہے۔ لیکن جونہی آپ کی قوّت دافعہ کا اثر ختم ہوگا۔ وہ فوراً اپنی فطرت یا زمین کی طرف لوٹ آئیگا۔ لیکن عقل کا حال ایسا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کام عقلاً مفید نظر آتا ہو۔ مگر فطرتاً مضر۔ اسی واسطے ایک عقلی چیز ایک زمانے میں مفید نظر آتی ہے۔ مگر دوسرے زمانے میں جب عقل ماحول سے متاثر ہو کر متفاوت ہو جاتا ہے۔ تو زمانہ سابق کی وہ چیز جو سابقین کی عقلوں کے مطابق ہونے کی وجہ سے

Marfat.com

مفید نظر آتی تھی۔ حال یا آئندہ کے عقول کے مخالف ہونے کی وجہ سے مضر معلوم ہوتی ہے۔ مگر فطرت کا قانون بالکل اٹل اور قطعی ہوتا ہے۔ نہ زمانہ اُس پر اثر کرسکتا ہے اور نہ عقلوں کا تفاوت۔ مثال کے طور پر آپ ہندوؤں کی معاشرتی تقسیم پر نظر ڈالو۔ کہ اُنہوں نے کس طرح تمام قوم کو چار ذاتوں میں تقسیم کرکے ہر ایک کے متعلق ایک کام مقرر کر دیا ہے۔ اب یہ تقسیم عقلاً نہایت اعلیٰ معلوم ہوتی ہے کیونکہ قوم کی قوم خاص خاص کام پر لگ گئی۔ جس سے کسی قسم کی گڑبڑی نہ رہی۔ اور ہر پیشہ اور خدمت کے لئے لوگ بافراط ملنے لگے۔ اور زندگی کی گاڑی نہایت سکون اور اطمینان سے چلتی معلوم ہونے لگی لیکن یہ تقسیم اگرچہ قانون عقل کے تو بالکل مطابق ہے۔ مگر قانون فطرت کے سراسر مخالف ہے۔ کیونکہ فطرتاً ایک طبقے کے انسان۔ مثلاً کشتری ہی کو لیجئے۔ الگ الگ طبیعت اور الگ الگ میلان کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اب اگر اُن سب کو لڑائی کے کام میں لگایا جائے۔ تو یہ ظاہر ہے۔ کہ یہ کام اُن میں سے بعض افراد کے فطری میلان کے مخالف ہوگا۔ کیونکہ اگر بعض اُن میں سے طبعاً ملازمت کے خواہاں ہیں۔ تو بعض آرٹ کے دلدادہ ہیں۔ کسی کو انجینیری کی طرف رغبت ہے۔ تو کوئی طبابت کو پسند کرتا ہے نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ قوم اچھے لڑاکو اور دلیر سپاہی نہ پیدا کرسکیگی۔ کیونکہ اگرچہ فوج میں وہ سب کشتری کے نام سے داخل ہونگے۔ مگر فطرتاً وہ سب کشتری نہیں بلکہ فطرتاً کوئی شودر ہے۔ تو کوئی ویش کوئی کشتری ہے تو کوئی برہمن یہ اسی عقلی ذات پات کی بندھنوں کا نتیجہ تھا۔ کہ اسلام کے فطرتی قبیل

Marfat.com

غازیوں نے ہندوؤں کے کیثر مگر عقلی کشتریوں پر بڑی بڑی شاندار فتوحات حاصل کیں۔ اور آج ہندو خود اس عقلی قید کی جتنی مخالفت کر رہے ہیں۔ وہ کسی ہندوستانی پر پوشیدہ نہیں ٭

مسلمانوں کو سبق

مسلمان جب تک ذات پات اور پیشوں کی بندھنوں سے آزاد تھے۔ جب تک وہ اپنی طبیعتوں کو دُنیا کے میدان میں کھلا چھوڑتے تھے۔ اگر باپ عالم ہوتا تھا تو بیٹا سپاہی۔ اگر پوتا درزی ہوتا تو پڑوتا لوہار۔ تو فطرت نے ان کو دُنیا میں ترقی کا بہت کچھ موقعہ دیا۔ لیکن جب ان پر بھی اپنے پڑوسیوں کا اثر پڑا۔ اور وہ ہمسایوں سے بھی سو گز آگے بڑھ کر مغل۔ پٹھان۔ شیخ۔ اعوان۔ گجر۔ قاضی۔ خوجے اور خدا جانے کیا کیا بن گئے۔ تو قانون فطرت کے خلاف سے وہ بھی تنزل کے مہیب غار میں گرا دیئے گئے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا ہی اچھا کہا ہے

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

عقل اور فطرت کے فرق کی وضاحت کے لئے دوسری مثال

عقل و فطرت کی وضاحت کے لئے میں ایک دوسری مثال پیش کرتا ہوں۔ تاکہ مطلب کے سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ دیکھو انسان غذا کے کھانے میں مختار ہے۔ خواہ گیہوں کھائے یا باجرا۔ چاول کھائے یا جوار۔ جو کچھ بھی وہ اپنی عقل۔ استطاعت اور صحت کے

Marfat.com

مطابق سمجھتا ہے کھاتا ہے۔ مگر کیا ہوا کے متعلق اُسے اس قسم کے انتخاب
کی اجازت ہوسکتی ہے۔ کہ اگر ہوا نہ سہی تو پانی سے ہوا کا کام لے لے۔
نہیں۔ بلکہ اگر وہ اپنی زندگی کا قیام چاہتا ہے۔ تو اُسے مجبوراً ہوا سے
ہوا کا ہی کام لینا پڑیگا۔ بعینہ یہی حالت عقل وفطرت کی ہے۔ عقل
کے معاملہ میں اختیار وانتخاب ہوسکتا ہے۔ مگر فطرت اختیار وانتخاب
کے دخل کو پسند نہیں کرتی۔ بلکہ فطرت کی طرف ہر ایک انسان کا طوعاً
یا کرہاً جھکنا لازمی ہے۔ اور اسی کو قرآن پاک یوں بیان فرماتا ہے۔
اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ کیا دین الٰہی یعنی
اسلام کے بغیر کچھ اور چاہتے ہیں۔ حالانکہ زمین وآسمان کی کل اشیاء
خوشی یا جبر سے اُسی کی فرمانبردار ہیں۔ اور اُسی کی طرف لوٹائے جائینگے
یعنی اسلام دین فطرت ہے اس کے احکام فطرتی ہیں اس واسطے ہر ایک
کا انجام کار خارجی اثرات کے دور ہونے کے بعد اس کی طرف لوٹنا
لازمی ہے۔ ہوسکتا ہے۔ کہ ایک بیمار کو میٹھا پانی کڑوا معلوم ہو۔ اور
یرقان والے کو سفید چیز پیلی نظر آئے۔ مگر بیماری اور یرقان دُور ہونے
کے بعد وہ ضرور ان چیزوں کی مٹھاس اور بیاض کو محسوس کریگا۔
قد تنکر العین ضوء الشمس من رمد۔ وینکر الظم طعم الماء
من سقم *

نسخ شرائع پر اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے کوئی ایسی کتاب کیوں

Marfat.com

نہ بھیجدی۔ کہ پھر اُس میں تا قیامت کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ کیا اس سے اللہ جل شانہ کے علم پر دھبّہ نہیں آتا۔ کہ بار بار کتابوں کو تبدیل کیا۔ اور پھر دوسرے احکام پہلوں کی جگہ نازل فرمائے ؟

جواب:۔ جس طرح ایک حکیم مریض کی حالت۔ وقت اور مزاج کے مطابق اپنے نسخوں میں تبدیلی کرتا ہے۔ اور یہ تبدیلی اُس کی حذاقت اور تجربہ پر کسی قسم کا دھبہ نہیں لگاتی۔ بلکہ اُلٹے اُس کے کمال تشخیص اور مہارت فن کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اُس حکیم بے مثال کے رُوحانی مریضوں کے نسخوں میں تبدیلی کرنے سے علم بے منتہا پر کچھ حرف نہیں آتا ؟

توضیح۔ اصلاح خواہ جسمانی ہو یا روحانی۔ بتدریج اور اصُولی طریقہ سے کی جائے۔ تو دیرپا اور نافع ہوتی ہے۔ مثلاً جسمانی مریض کو لیجیے۔ پہلے مریض کو کوئی آسان طریق اصلاح بتایا جائے جب کچھ دن گزر جائیں۔ اور طبیعت میں دوسرے علاج کے لئے مناسب استعداد پیدا ہو جائے۔ تو اب طریق علاج میں بھی تبدیلی کر دی جائے۔ اور یہ تبدیلی اُس حد تک کرتے رہیں۔ کہ جب تک طبیعت اپنے اصلی اعتدال پر نہ آجائے۔ اسی طریقہ پر روحانی اصلاح بھی قیاس کر لیجئے۔ کہ جب قوم کی روحانی حالت خراب ہو جاتی ہے تو اللہ جل شانہ اصلاح کے لئے کسی روحانی طبیب یعنی رسُول کو بھیجتے ہیں۔ وہ قوم کی حالت اور اُن کی مرض کے مطابق وحی کے ذریعہ نسخہ ہدایت تجویز فرماتے ہیں۔ اب وہ نسخہ اگر تبدیل کرنے

Marfat.com

کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو وہی طبیب اُس نسخہ میں تبدیلی فرمادیتے ہیں۔ ورنہ جب کوئی دوسری قوم مریض کی صورت میں پیش ہوتی۔ تو اُس کے حالات کے مطابق اللہ ربّ العزت دوسرا نسخہ دے کر کسی دوسرے طبیب کو روانہ فرماتے ہیں۔ اسی فلسفۂ نسخ کو اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں یُوں بیان فرماتے ہیں۔ وَ اِذَا بَدَّلْنَا آیَۃً مَّکَانَ آیَۃٍ وَّ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یعنی جب ہم کسی آیت کے عوض میں دوسری آیت نازل کرتے ہیں۔ اور ہم جس چیز کو نازل کرتے ہیں۔ اُس کی مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ تو مخالفین کہتے ہیں کہ اے رسُول تو تو مفتری ہے۔ اے لوگو جان لو۔ ہمارا رسُول بالکل افترا پرداز اور جھوٹا نہیں۔ بلکہ اکثر لوگ ہمارے کاموں کی حکمتوں سے جاہل ہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ایک قوم کے لئے جو اصلاحی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ وہ تدبیر دوسری قوموں کے لئے زمانہ کے بدل جانے۔ یا اختلاف مزاج یا اختلاف اسباب کی وجہ سے مفید نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اللہ ربّ العزت نے قوموں کی اصلاح کے لئے جو شریعتیں روانہ فرمائیں۔ بسا اوقات ان کے احکام اور فرامین میں تنسیخ و ترمیم بھی فرماتے رہے۔ لہٰذا شرائع الٰہیہ میں نسخ کا موجود ہونا کسی عیب و نقصان کا باعث نہیں۔ بلکہ اس سے ان کا حُسن و کمال ظاہر ہوتا ہے ❖

Marfat.com

تحریف۔ بدا اور نسخ کا فرق

بعض لوگوں کو نسخ شرائع یا نسخ کتاب پر اس لئے بھی اعتراض ہوتا ہے۔ کہ وہ نسخ کو تحریف اور بدا سے ممیز نہیں کرتے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ خلط کر کے اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اس واسطے میں ان تینوں کی تعریف بھی عرض کر دیتا ہوں۔ تاکہ حاضرین میں سے کسی کو دھوکہ نہ لگ سکے ✤

تحریف۔ یہ ہے کہ کسی مصنّف کی کتاب میں اُس کے حکم و مرضی کے خلاف کوئی بے جا تصرّف کیا جائے ✤

بدا:۔ یہ ہے۔ کہ ایک حکم دینے کے بعد حکم دینے والے کا علم بدل جائے۔ اور اس تبدیلیٔ علم کی بناء پر وہ اپنے پہلے حکم کو واپس لے کر اُس کی جگہ دوسرا حُکم نافذ کرے ✤

نسخ۔ یہ ہے ایک حُکم کو خاص مُدّت کے لئے نافذ کیا جائے۔ اور جب اُس کے نفاذ کی مُدّت ختم ہو جائے تو اُس کے بعد دوسرا حُکم جاری کر دیا جائے ✤

اب اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ تحریف اور بدا مذموم ہیں۔ اور ان کا شرائع یا کسی کتاب میں ہونا خرابی کا باعث ہے بر خلاف نسخ کے کہ اس میں نہ تو علم پر دھبّہ آتا ہے۔ اور نہ علم کے نتیجے پر۔ بلکہ نسخ دلیل ہے۔ غزارتِ علمی۔ اور حکیم کامل ہونے کی ✤

Marfat.com

قرآنی نسخہ پہلے نسخوں سے کیوں ممتاز ہے

تو بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا۔ انسانی بچّہ بھی پختہ عقل ہو گیا۔ اسی واسطے آخر کار پہلی کتابوں کو منسوخ کر کے آخری مکمل اور ضروریات زمانہ پر حاوی کتاب قرآن مجید روانہ کی گئی۔ اب اس کے بعد اس نسخہ ہدائت کے تبدیل ہونے کا کوئی امکان نہیں رہا۔ کیونکہ خود اُس طبیب روحانی نے انسانی مریضوں کے لئے وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ فرما کر اس نسخہ کا ابدی ہونا ظاہر کر دیا ہے۔ اور طریقہ بھی یہی ہے۔ کہ جب بچّہ پیدا ہوتا ہے۔ تو اس کے کپڑوں کا سائز اور ہیئت تا بلوغ بدلتی رہتی ہے۔ مگر حد بلوغ پر پہنچ جانے کے بعد اب کپڑوں کی حد قائم ہو جاتی ہے۔ اور وہ جوانی کا لباس بشرط حفاظت بڑھاپے تک استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اب اس جوانی کے لباس تقوی کو تا قیامت استعمال کیا جائیگا۔ کیونکہ حفاظت کا وعدہ تو خود اللہ جل شانہ نے فرما دیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہات ہیں۔ جن کی وجہ سے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ مثلاً توریت کے احکام اس قدر سخت تھے کہ وہ بہت مُدّت تک زمانہ کا ساتھ نہ دے سکتے تھے۔ اگر کوئی کپڑا ناپاک ہو جاتا تو وہ دُھلنے سے پاک نہ ہوتا۔ بلکہ اُس کو وہاں سے کاٹ کر پاک کرنے کا حکم تھا۔ کبیرہ گناہوں کی توبہ قتل نفس کی صورت میں کی جاتی۔ اس کے برعکس انجیل کے احکام بہت نرم اور زمانہ دراز

Marfat.com

تک انسانی مصلحتوں کو پورا کرنے کے لئے ناکافی تھے۔ اس کا حکم کہ اگر تمہارے ایک گال پر کوئی تھپڑ مارے۔ تو دوسرا بھی اس کے سامنے کردو۔ زمانہ حال کی رو سے بالکل ناقابل عمل تھا۔ کیونکہ دنیا کا انتظام نہ تو زیادہ سختی سے قائم رہ سکتا ہے۔ اور نہ زیادہ نرمی سے۔ اگر بادشاہ کے قوانین بہت سخت ہوں۔ تو لوگ آخرکار تنگ آکر باغی ہوجاتے ہیں۔ اور اگر اس کے احکام بہت نرم ہوں۔ تو عوام اس قدر دلیر ہوجاتے ہیں۔ کہ بادشاہ تک کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ اس واسطے ضروری ہے کہ تمام قانون حد اعتدال کو مد نظر رکھ کر بنائے جائیں۔ تاکہ وہ بہت عرصہ تک زمانہ کا ساتھ دے سکیں۔ توریت کے احکام کی سختی اور انجیل کے قوانین کی یہ نرمی ہی تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ان احکام پر عمل درآمد کروانے کے لئے ایک خاص قوم کو ایک نہایت قلیل و محدود وقت کے لئے منتخب فرمایا۔ مگر آخرکار اللہ تعالےٰ نے ان کے زمانے کے اختتام پر قرآن پاک جیسی کتاب جس کا ہر قانون اعتدال اور موزونیت کے ترازو میں تلا ہوا ہے۔ روانہ فرمائی۔ اور اسے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی طرح آخری کتاب و قانون ٹھہرایا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آج اگلی کتابوں کے ماننے والے "اگر تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے۔ تو دوسرا بھی اس کے سامنے کردو" کے صریح مگر حد اعتدال سے متجاوز قانون کو چھوڑ کر قرآن پاک کی معتدل تعلیم وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔

Marfat.com

تحریف کتب سابقہ

اس کے علاوہ توریت انجیل وغیرہ آج ہمیں محفوظ حالت میں بھی نہیں ملتیں۔ بلکہ جگہ جگہ سے محرف ہو چکی ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کتابوں میں رب العزت نے کہیں بھی قرآن پاک کے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کے اعلان حفاظت کی طرح ان کے محفوظ رکھنے کا وعدہ نہیں فرمایا۔ اسی واسطے مرور زمانہ کے ساتھ اگلی کتابوں میں بہت کچھ غلط ملط کر دیا گیا۔ ان کے حروف میں تبدیلیاں کر کر کے ان کے مطالب کو کچھ سے کچھ بنا دیا گیا۔ قرآن پاک اسی کے متعلق فرماتا ہے۔ یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ امتداد زمانہ کے علاوہ یہود و نصاریٰ پر جو پہلے بادشاہوں نے ظلم و ستم کئے۔ اُن سے بھی ان کتابوں میں بہت کچھ فرق آگیا۔ چنانچہ بخت نصر نے جب یہود پر چڑھائی کر کے ہزارہا یہود کو قتل کیا تھا۔ تو ساتھ ہی بروئے تاریخ توریت کے نسخے کو بھی جلا دیا تھا۔ اور اس وقت یہی ایک توریت کا اصلی نسخہ پایا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہود نے اپنی یاد سے توریت کو لکھا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے قصوں کو بھی اس میں ملا دیا۔ ساتھ ہی اپنے اغراض و مقاصد کا بھی خیال کر کے بہت کچھ تحریفات کر ڈالیں۔ پھر یہ ایسی ناقص حالت کی تیار کردہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے انٹیوکس نے حملہ کر کے غارت

Marfat.com

کردیا۔ اس کے بعد پھر مشائخ یہود نے دوبارہ اپنی یاد سے موسےٰ و ہارون علیہما السّلام کے کچھ قصّے اور کچھ دینی قوانین جمع کرکے اس کا نام توریت رکھا ۔

اسی طرح جب یہود نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کیا۔ تو انجیل کا صرف ایک نسخہ تھا۔ اس کو بھی یہود نے جلا دیا تھا۔ اُن کے بعد حواریوں نے اپنی یاد سے حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے کچھ حالات قلمبند کئے۔ جو متی۔ مرقس۔ لوقا اور یوحنّا کے نام سے مشہور ہیں۔ چنانچہ لوقا کی انجیل اس طرح شروع ہوتی ہے "چونکہ بہتوں نے کمر باندھی کہ اُن کاموں کو جو فی الواقع ہمارے درمیان انجام ہوئے بیان کریں جس طرح انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کام کی خدمت کرنے والے تھے ہم سے روایت کی۔ میں نے بھی مناسب جانا کہ سب کو سرے سے صحیح طور پر دریافت کرکے تیرے لئے اے بزرگ تھیوفلس بہ ترتیب لکھوں"۔ لوقا کے یہ بالکل ابتدائی الفاظ جیسے دیباچہ کہیں تو بجا ہے۔ صاف بتا رہے ہیں۔ کہ موجودہ انجیل کوئی اصلی انجیل نہیں۔ بلکہ وہ تو یہود کے جلانے کی وجہ سے ناپید ہوگئی تھی۔ ہاں یہ انجیل ایک تاریخی حیثیت سے دوسری عام تواریخ کی طرح لکھی گئی۔ یہ چار انجیل کے پارے تو حواریوں کے تھے۔ جنہوں نے کم از کم حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کو دیکھا۔ اور اُن سے مخاطبت کا شرف حاصل کیا۔ مگر پھر جب حواریوں کے دور پار شاگردوں نے بھی الہام کا دعوےٰ کیا۔ اور حواریوں کے کچھ خطوط اور تاریخی حالات مرتّب کئے۔ تو اُن کو بھی موجودہ انجیل میں

Marfat.com

انجیل کی حیثیت سے داخل کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد بھی رومی شہنشاہوں نے عیسائی قوم اور مذہب پر جو ظلم و ستم کئے۔ وہ تاریخوں سے ظاہر ہیں۔ تو ایسے نازک وقت میں جبکہ نہ پریس تھا۔ نہ حافظ کتاب۔ کیوں نہ مضامین و حروف کو فاتح قوم نے بدل کر کیا سے کیا کر دیا ہوگا۔ ان واقعات و دلائل کی رو سے توریت و انجیل اپنی الہامی اصلیت پر نہیں رہیں۔ بلکہ موجودہ کتابوں کا اکثر و بیشتر بالکل خود ساختہ ہے۔

قرآن پاک تحریف سے پاک ہے اور پاک رہیگا

مگر قرآن پاک کی شان ہی نرالی ہے۔ اوّل تو اللہ جل شانہ نے اس کی حفاظت خود اپنے ذمہ لی ہوئی ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں وانّا لہ لحافظون کا صاف وعدہ موجود ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی اس کے پیروؤں سے اس کی اس طرح حفاظت کروائی جاتی ہے کہ دنیا کی کسی اور کتاب کی حفاظت نہیں ہوتی۔ یعنی اسے بجائے کاغذ کے ورقوں میں محفوظ کرنے کے لوگوں کے صدری صندوقوں میں مقفل و مسدود کر دیا گیا۔ مسلمان تو مسلمان۔ غیر مذاہب کے مبلغ اور مشنری بھی قرآن پاک کا کثیر حصّہ یاد کئے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔ انہیں اپنی کتاب کی تو ایک جزو تک یاد نہیں ہوتی۔ مگر قرآن پاک کے بیس بیس پارے زبان پر ہوتے ہیں۔ جہاں کسی مولوی نے مناظرہ و مباحثہ کے وقت قرآن پاک کی کسی

Marfat.com

آیت کی غلط تلاوت کی کہ فوراً اُسے وہیں پکڑ لیا۔ دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کس طرح اپنوں اور غیروں سے اپنے مقدس وعدہ کی سچائی کو پورا کروا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے جو بمشکل دنیا کی باتوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اُن کے سینہ بے کینہ میں اس امانتِ الٰہی کو الحمد سے لے کر والناس تک محفوظ دیکھ کر ایک انصاف پسند انسان بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

زمیں بدلے زماں بدلے نہ بدلے معجزہ ان کا
اسے دُنیا میں اعجاز کلام اللہ کہتے ہیں

ساڑھے چار سال کی لڑکی حافظِ قرآن

سنہ ۱۹۳۳ء میں مَیں دہلی میں موجود تھا۔ کہ ایک جمعہ کو نماز کے بعد ایک شخص نے اعلان کیا۔ کہ میرے ساتھ ایک لڑکی عمر ساڑھے چار سال ہے۔ اور وہ قرآن پاک کی حافظہ ہے۔ جن کو سُننے کا شوق ہو۔ وہ ٹھہر جائیں۔ چنانچہ بہت مخلوقات اس بات کے صدق و کذب کو معلوم کرنے کے لئے ٹھہر گئی۔ چنانچہ لڑکی کو حوض کے قریب اونچی جگہ پر کھڑا کیا گیا۔ مختلف جگہوں سے لوگوں نے فرمائشیں کر کے پڑھوایا۔ تو بالکل اُس چھوٹی سی بچّی نے صحیح پڑھ دیا۔ پھر اُس کے باپ نے مختلف جگہ سے پڑھ کر بیچ میں سے بعض حروف چھوڑے تو اُس نے صحیح لقمہ دیا۔ لڑکی کے قد و قامت سے یہی گمان ہوتا

Marfat.com

تھا۔ کہ اس کی عمر ساڑھے چار سال سے زائد نہیں۔ چنانچہ لوگوں کے لئے یہ ایک عجیب زندہ معجزہ تھا۔ جو قرآن کے اعجاز اور من جانب اللہ ہونے کا کھلا ثبوت تھا۔ اس کے بعد میں نے اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ کسی والئے ریاست نے اس کا قرآن سن کر تا زیست ایک معقول رقم بطور مشاہرہ مقرر کر دی ہے ۞

حفاظ کی کثرت

اس وقت دنیا میں قرآن پاک کے اس قدر حافظ موجود ہیں۔ کہ اگر خزانہ قارون ہو۔ اور اس سے ایک روپیہ فی حافظ تقسیم کرنے کا اعلان کیا جائے۔ تو خزانہ قارون جس کی کنجیوں کے متعلق لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ اُولِی الْقُوَّةِ وارد ہے ختم ہو جائے۔ مگر امانت الٰہیہ کے حاملین کا ختم ہونا مشکل ہے۔ اور یہ ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جو آج تک کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔ تو پھر آپ ہی غور کریں۔ کہ جس کتاب کی اس قدر حفاظت کی جائے۔ اور جس کے اس قدر حافظ موجود ہوں۔ کس طرح اس میں تبدیل و تحریف کا احتمال ہو سکتا ہے۔ آپ کو کثرت سے ایسے حافظ ملینگے۔ کہ وہ الف کے نام بائے نہیں جانتے۔ وہ اپنا نام تک نہیں لکھ سکتے۔ مگر قرآن پاک الحمد سے لے کر والناس تک ایسا فراٹے کے ساتھ پڑھینگے۔ کہ ایک جگہ بھی ان کی گاڑی نہ رکیگی۔ اور اگر غور کرو گے تو عالموں میں بہت ہی کم حافظ ملینگے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا راز ہے اور انصاف ہے

Marfat.com

کہ معانی اور مطالب کی حفاظت تو علماء کے سپرد کی۔ کہ وہ رات دن اس بحر بے پایاں میں غواصی کر کے کیسے کیسے نایاب موتی نکالتے رہتے ہیں۔ مگر الفاظ کی حفاظت زیادہ تر ان پڑھوں کے حوالہ کی۔ تاکہ وہ بھی قرآن پاک کے فیض سے محروم نہ رہیں۔ وللہ الحمد

مسلمانوں کا قرآن سے بے مثال عشق

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا ایک یہ انتظام فرما دیا ہے۔ کہ مسلمانوں کے دل میں اس کی وہ بے پناہ محبت اور بے انتہا عشق رکھ دیا۔ کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک کسی قوم کو اپنی کتاب سے ایسا عشق نہ رہا۔ مسلمانوں نے اس کے حرف حرف کو گنا۔ انہیں معلوم ہے۔ کہ اس میں کونسا حرف کتنی تعداد میں آیا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنے رکوع اور کتنی سورتیں ہیں۔ اس میں کتنے حروف منقوط ہیں۔ اور کتنے غیر منقوط۔ کون سی آیت مدنی ہے۔ اور کون سی مکی۔ کون سی پیچھے نازل ہوئی اور کونسی آگے۔ اگلی کا پچھلی سے کیا تعلق ہے۔ کون سی ناسخ ہے۔ اور کون سی منسوخ۔ کتنی آیتیں ترغیب کے لئے ہیں اور کتنی ترہیب کے لئے۔ کتنی آیتوں میں وعدہ کیا گیا ہے۔ اور کتنی میں احکام و فرائض۔ غرضیکہ ذرا ذرا سی بات کو اس طرح گن کر معلوم کیا ہوا ہے۔ کہ جس طرح ایک جوہری اپنے موتیوں کے ڈبلے کے حساب سے پورے طور پر واقف ہوتا ہے۔ اور معمولی سے معمولی

Marfat.com

اور ادنیٰ سے ادنیٰ موتی کو اگر اپنی جگہ سے ہٹایا جائے۔ تو وہ فوراً کہہ دیتا ہے۔ کہ فلاں موتی اپنی جگہ پر موجود نہیں۔ اسی طرح مسلمان بھی اپنے جواہر خانے سے پورے آشنا اور واقف ہیں۔ اس واسطے کسی چور کو جرأت نہیں ہو سکتی۔ کہ کسی موتی کو چرا لے یا اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ سکے۔ کیونکہ اُمّتِ محمدیہ کے نقاد اغیار کی عیاری سے فوراً واقف ہو جاتے ہیں ✤

چنانچہ مندرجہ ذیل ٹیبل آپ کو میری بات کے تصدیق کرنے میں مدد دیگا ✤

ٹیبل

اسماء حروف	تعداد	اسماء حروف	تعداد
ا	۴۸۸۷۲	ذ	۴۶۹۹۹
ب	۱۰۴۲۸	ر	۱۵۷۹۳
ت	۱۰۱۹۹	ز	۱۵۷۰
ث	۱۲۷۶	س	۵۸۹۱
ج	۳۲۷۳	ش	۲۲۵۳
ح	۳۹۷۳	ص	۲۶۱۳
خ	۲۴۱۶	ض	۱۶۰۷
د	۵۶۴۲	ط	۱۲۷۶

Marfat.com

اسمائے حروف	تعداد	اسمائے حروف	تعداد
ظ	۸۴۲	م	۲۶۵۰۰
ع	۹۲۲۰	ن	۴۵۱۹۰
غ	۲۲۰۹	و	۲۵۵۲۶
ف	۸۴۹۹	ہ	۱۹۰۷۰
ق	۶۸۱۳	لا	۴۷۲۰
ک	۹۵۲۲	ی	۳۵۹۱۹
ل	۳۶۶۳۲	..	..

آیات قرآنی کی تعداد اور اُن کی تقسیم کے متعلق کسی نے فرمایا ہے ۔ ؎

آیت قراں کہ خوب دلکش اند
شش ہزار و شش صد و شصت و شش اند
یک ہزار ش وعد و یک در وعید
یک ہزارش امر و یک نہی شدید
یک ہزار و مثال اعتبار
یک ہزارش قصہائے بے شمار
پانصد بحث حلال است و حرام
صد ازاں تسبیح صبح و ورد شام
شصت و شش زانست منسوخ از حسنا
در عمل نہ در قرات نہ در کتاب
یکصد است و چاردہ سورہ دراں
چاردہ سجدہ دگردہ وقف داں

اعراب اور حفاظت قرآن

اس کے علاوہ چونکہ سامی زبانوں میں صرف بابلی اور عربی ہی ایسی

Marfat.com

دو زبانیں ہیں۔ کہ جن میں اجزائے کلام کے ارتباط اور تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے زبر زیر پیش یعنی اعراب کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ان اعراب کی وجہ سے بھی عربی زبان میں عام طور پر تغیر و تبدل کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ صرف زیر زبر کے فرق کرنے سے معنی کہیں کا کہیں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ولید بن عبدالملک کو جو عرب کی نسل سے پہلی صدی ہجری میں ایک مشہور خلیفہ گزرا ہے اسی غلطی کے باعث سخت ندامت اُٹھانی پڑی۔ واقعہ یہ ہوا۔ کہ ایک بدو نے دربارِ خلافت میں آکر اپنے داماد کی شکایت کی۔ ولید نے بدو سے پوچھا۔ مَا شَانَكَ (تجھ میں کیا بُرائی ہے) اُس نے متعجب ہو کر جواب دیا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْنِ (میں بُرائی سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں) یہ دیکھ کر ولید کے بھائی سلیمان نے کہا۔ خلیفہ صاحب فرماتے ہیں مَا شَانُكَ (تیرا کیا حال ہے) اُس نے کہا ظَلَمَنِیْ عَلَیَّ خَتَنِیْ (مجھ پر میرے داماد نے ظلم کیا) ولید نے پوچھا مَنْ خَتَنَكَ (تیرا ختنہ کس نے کیا) اُس نے کہا صاحب کسی حجام نے کیا ہوگا۔ اس پر سلیمان نے پھر کہا۔ کہ نہیں خلیفہ صاحب کا مطلب مَنْ خَتَنُكَ ہے (تیرا داماد کون ہے) تو دیکھئے ذرا سے زیر پیش کے فرق سے مطلب کہاں کا کہاں چلا گیا۔ چنانچہ عربی زبان کے اعراب تو عام طور پر ہوتے ہی ہیں۔ مگر مسلمانوں نے تو قرآن کے اعرابوں کے متعلق اس قدر اہتمام اور بندوبست کیا۔ کہ شاید دنیا پر کسی اور کتاب کا اتنا اہتمام نہ کیا گیا۔ قرآن پاک کے اعرابات کے متعلق متقدمین و متاخرین نے اس قدر ضخیم ضخیم کتابیں لکھیں۔ کہ

Marfat.com

ان کو دیکھ کر آج کل کے انسانوں کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے قرآنی عشق کو ذرا اور واضح کرنے کے لئے مشتے نمونہ از خروارے دو تین کتابوں کے نام بتا دیتا ہوں۔ ابوحاتم سہیل المتوفی ۲۴۸ھ نے اعراب القرآن لکھی۔ اس کے بعد ابومردان عبدالملک نے ایک کتاب اعراب القرآن لکھی۔ ابوطاہر اسمٰعیل ابن خلف نحوی نے جو ۴۵۵ھ میں فوت ہوا۔ ایک کتاب اسی فن میں ۹ جلدوں میں لکھی۔ یہ تو میں نے چند ایک شخصوں کا ذکر کر دیا ہے۔ ورنہ ہزاروں ایسے علماء ہوئے ہیں۔ جو ایک نہیں کئی کئی کتابیں اعراب قرآنی پر مختلف حیثیتوں سے لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ قرآن پاک کے الفاظ اعراب مطالب۔ تاریخی واقعات۔ تاریخی مقامات۔ مسائل۔ بلاغت غرضیکہ سینکڑوں شعبوں پر لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ اور تا قیامت نہ معلوم کتنے محبوب پردۂ زنگاری سے کھینچ کر نکالے جانے والے ہیں۔ قرآن پاک کو علوم اور فنون کے لحاظ سے علماء نے تقسیم کر کے آج تک ہر فن کے متعلق اس قدر کتابیں لکھی ہیں۔ کہ صرف ایک فن کی کتابوں کو پورا بیان کرنے کے لئے ایک نہایت لمبی چوڑی فہرست کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور آپ ان کتابوں کا اندازہ قرآنی علوم کے اقسام کو مدنظر رکھ کر اچھی طرح لگا سکتے ہیں۔ چنانچہ علماء نے قرآن کو علمی لحاظ سے بالاختصار یوں تقسیم کیا ہے رسوم القرآن اعراب القرآن۔ مصادر القرآن۔ جمع و مفردات القرآن۔ غرائب القرآن معانی القرآن۔ اعجاز القرآن۔ تشبیہ القرآن۔ امثال القرآن بدائع القرآن اسباب النزول مبہمات القرآن۔ متشابہ القرآن۔ اقسام القرآن۔

Marfat.com

مناسبۃ الآیات والسور۔ مقاطعہ و فواتح السور۔ اعلام القرآن۔ ارض القرآن۔ ناسخ القرآن ومنسوخہ۔ مشکلات القرآن۔ تجوید القرآن احکام القرآن۔ جواہر القرآن۔ نجوم القرآن وغیرہ وغیرہ۔

قرآن زندہ زبان میں نازل کیا گیا ہے

اس کے علاوہ اگلی کتابوں کی سریانی اور عبرانی زبانیں قریباً قریباً مردہ ہو چکی ہیں۔ اور سنسکرت کی طرح وہ بھی کسی جگہ ملکی زبان کی حیثیت سے مروج نہیں۔ تو پھر انسان اُن زبانوں کے دقیق محاورو اور اختلاف الفاظ سے جو معنوں میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ صرف چند کتابی اصول پڑھ لینے سے کماحقہ کیسے واقف ہو سکتا ہے اسی واسطے آج توریت و انجیل کے سب ترجمے ایک دوسرے سے مخالف نظر آتے ہیں۔ اور ان کے احکام میں صریح تضاد معلوم ہوتا ہے۔ مگر قرآن پاک کو ایک زندہ زبان میں نازل کیا گیا تاکہ دنیا پر محاورات و اختلافات کی وجہ سے فہم مطالب میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے۔ اور پھر زندہ زبانوں میں سے عربی کو چُنا گیا۔ جو جامعیت شاملیت۔ اور ایجاز الفاظ کے ساتھ اطناب مطالب میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ جو قدامت اور وسعت کے لحاظ سے ام الالسنہ یا تمام زبانوں کی ماں کہلاتی ہے۔ جو حد درجہ کی منطقی اور مشکل سے مشکل مسائل کو مختصر اور سہل الفاظ میں ادا کر سکتی ہے ؏

Marfat.com

قرآن پاک کے مِن جانب اللہ ہونے کا ثبوت

ابھی تک تو قرآن پاک کی ضرورت اور فوقیت کے متعلق تقریر کی گئی۔ مگر سب سے ضروری بات بالکل پیچھے رہ گئی۔ یعنی کیا قرآن پاک خدا کی بھیجی ہوئی کتاب ہے۔ یا انسان کی بنائی ہوئی۔ اسے اب مختصراً بیان کر دیتا ہوں۔ کیونکہ جب تک قرآن کے مِن جانب اللہ ہونے کا یقین نہ ہو۔ تب تک خواہ کتنا ہی ضروری اور ممتاز ہو۔ الہامی کتابوں کی طرح انسانوں کے دلوں میں اسے جگہ نہیں دی جا سکتی ؏

تمام تاریخیں اس بات پر متفق ہیں۔ کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے نہ تھے۔ بلکہ آپ امی محض تھے۔ تو کیا آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ ایک ناخواندہ شخص قرآن پاک جیسی فصیح و بلیغ اور روحانی و پاک مضامین سے بھری ہوئی کتاب از خود بنا کر دُنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے۔ اور پیش ہی نہیں بلکہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے عام اعلان کرتا ہے۔ کہ اے لوگو۔ اگر یہ میری خود ساختہ کتاب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی نہیں۔ تو اس کی طرح تم بھی ایک آدھ سورت بنا کر میرے جھوٹ کو ثابت کر دکھاؤ۔ اور وہ چیلنج آج تک قرآن پاک میں موجود ہے۔ مگر نہ کسی سے اس اعلان کا مقابلہ ہو سکا ہے اور نہ ہو سکیگا۔ چنانچہ اعلان کے الفاظ ملاحظہ ہوں :۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی

Marfat.com

عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّنۡ مِّثۡلِہٖ وَادۡعُوۡا شُہَدَآءَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ۔ یعنی اے لوگو اگر تم ہمارے قرآن کے متعلق کچھ شک میں ہو۔ تو اس کی طرح کوئی سورت تو بنا لاؤ۔ اور تم ہی نہیں۔ بلکہ خدا کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے بلا دیکھو۔ پھر ساتھ ہی دیکھو کیسے پُر زور الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔ کہ تم سے کبھی بھی اس کا مقابلہ نہ ہو سکیگا اس واسطے اس کتاب کو الٰہی صحیفہ سمجھ کر ایمان لے آؤ۔ تاکہ آخرت میں عذاب دوزخ سے بچ سکو۔ چنانچہ الفاظ یہ ہیں۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُہَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَۃُ۔ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ۔ عوام کا تو کیا ذکر۔ عرب کے بڑے بڑے تیز زبان اور فصیح شاعر بھی اس اعلان کا جواب نہ دے سکے۔ بلکہ اپنی عاجزی کا اقرار کر کے سلسلہ اُمت میں داخل ہونے کو ہی اپنا شرف سمجھا ❖

ملک الشعرا عتبہ بن ربیعہ اور قرآن

میں آپ کو عرب کے ایک نامی گرامی شاعر عتبہ بن ربیعہ کا واقعہ سناتا ہوں۔ جو شاعری کے علاوہ۔ کہانت۔ علم الانساب۔ سحر اور فصاحت و بلاغت میں اپنا مقابل نہ رکھتا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک دن بدن ترقی کرنے لگی۔ اور کفار قریش نے اپنی دھمکیوں اور مخالفتوں کو ناکام ہوتے تو دیکھا۔ تو ایک رات سب دار الندوہ میں جمع ہوئے۔ اور بہت سی دیر بحث و مباحثہ کرنے کے

Marfat.com

بعد یہ رائے قرار پائی۔ کہ عتبہ بن ربیعہ رئیس قریش کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمائندہ کی حیثیت سے بھیجا جائے تاکہ وہ جس طرح ہو سکے لالچ سے۔ رشوت سے منت وسماجت سے۔ بتوں کی مذمت اور اسلام کی تبلیغ سے ان کو روک دے۔ چنانچہ عتبہ حاضر دربار ہوا۔ اور آپ کو طرح طرح کے لالچ دے کر فرائض نبوت سے روکنے کی کوشش کی۔ آپ نے اس کی لمبی چوڑی تقریروں اور دنیوی لالچوں کے جواب میں قرآن پاک کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں۔ قرآن کی آیتیں۔ حضور کی آواز۔ پھر احقاق حق اور ابطال باطل کی غرض سے اُن کی تلاوت۔ عتبہ کے دل پر تیر سا لگا۔ غفلت کے پردے پھٹ گئے۔ ایسی رقت طاری ہوئی۔ کہ بڑھ کر حضور کے مبارک مُنہ پر ہاتھ رکھا۔ اور قرابت کا واسطہ دے کر عرض کی۔ کہ اے محمدؐ۔ اب بس کر۔ ورنہ میرا دل بھی آنکھوں کے رستے سے نکل آئیگا۔ حضور نے تلاوت کو ختم کیا۔ عتبہ مسحور و مجنون سیدھا گھر آیا۔ اور دروازہ بند کر کے گوشۂ خلوت میں جا بیٹھا۔ ابوجہل اور دوسرے کفار کو سخت پریشانی ہوئی۔ اور وہ عتبہ کے گھر پر اُسے ملنے آئے۔ عتبہ نے کہا کہ ابوالحکم تم جانتے ہو۔ کہ میرا شاعری میں کیا پایہ ہے۔ سحر۔ کہانت اور فصاحت و بلاغت میں مجھے کس قدر کمال ہے۔ میں سچ کہتا ہوں۔ کہ محمدؐ کا کلام نہ تو سحر ہے نہ کہانت۔ نہ جادو ہے نہ شاعری۔ وہ تو ایسا کلام ہے۔ کہ جس کو آج تک نہ سُنا۔ نہ پڑھا۔ کانوں کے رستہ سے گزر کر شفاف قلب میں اس طرح داخل ہو جاتا ہے۔ کہ تمام جسم کو سرور اور لذت سے بے خود بنا دیتا ہے۔ میری رائے تو یہ ہے۔ کہ اُنہیں اُن کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب

Marfat.com

پر غالب آگئے۔ تو اس میں ہماری ہی نیکنامی ہے۔ اور اگر مغلوب ہوئے تو دوسروں کے ذریعہ اس بلا سے گلو خلاصی ہو جائیگی۔ یہ ایک ہی واقعہ اپنی نوعیت کا نہیں۔ بلکہ ایسے سینکڑوں واقعات حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قرآن نے کس طرح اغیار کو بھی اپنی صداقت و حقانیت کے سامنے سر جھکانے پر مجبور کیا۔ سچ ہے۔ الفضل ما شهدت به الاعداء

حضور کے اُمّی ہونے کی حکمت

اسی جگہ اس بات کو بھی سمجھ لیجئے۔ کہ حضور کو باوجود خاتم النبیین اور افضل الرسل بنانے کے اُمی کیوں بنایا گیا۔ اس کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی اللہ وہ پاک ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی سے ایک رسول بھیجا۔ ام عربی میں ماں کو کہتے ہیں۔ تو اُمی جو ماں کی طرف منسوب ہو۔ یعنی دنیا میں اس کی حالت ایسی ہو۔ جیسے کہ ماں کے پیٹ سے نکلتے وقت۔ چونکہ اس وقت بچہ ناخواندہ ہوتا ہے اس واسطے ہر ناخواندہ کو اُمّی کہا جانے لگا۔ حضور چونکہ ناخواندہ تھے۔ اس واسطے آپ کو بھی اُمّی کا خطاب دیا گیا۔ اب آیت کے معنوں پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اُمّی اُمّت کی طرف اُمی پیغمبر بھیجا گیا۔ چونکہ عرب کے لوگ پڑھے لکھے نہ تھے۔ اور اگر حضور کو خواندہ بنا کر روانہ کیا جاتا۔ تو آپ کا طرز کلام اُمیوں سے بالکل الگ ہوتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ تو

Marfat.com

جب الگ ہوتا۔ تو نہ تو لوگوں کو آپ سے اُنس و محبت ہو سکتا۔ اور نہ افادہ و استفادہ میں آسانی ہوتی۔ اس واسطے اُمت کی حالت کو ملحوظ رکھ کر اُن کے طرزِ کلام کے مطابق بولنے والا پیغمبر بھیجا گیا تاکہ اتحادِ مذاق کی وجہ سے رغبت بڑھے۔ اور افادہ و استفادہ میں سہولت پیدا ہو جائے ؏

ہر پیغمبر کو اُس کے زمانہ کے مطابق معجزات دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحرین زمانہ کے مقابل عصا عنایت کیا گیا۔ جو پھینکنے سے سانپ بن کر جادوگروں کے شعبدات کو نگل جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اطبائے وقت کے مقابلہ میں کوڑھیوں کو اچھا کرنے۔ مادرزاد اندھوں کو شفا بخشنے اور مردوں تک کو زندہ کرنے کے معجزات سے نوازا گیا۔ مگر حضورؐ کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا۔ شعر و شاعری حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ اس واسطے مصلحت وقت کا تقاضا یہ تھا۔ کہ آپ کو ایک ایسی کتاب دی جائے۔ جس کا فصاحت و بلاغت اور مضامین کی وقت و بلند پائیگی میں کسی انسان سے بھی مقابلہ نہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ کو انہیں صفات سے موصوف کتاب قرآن حکیم کی شکل میں دی گئی۔ لیکن اگر آپ خواندہ ہوتے۔ تو دشمن آپ کو متہم کرتے۔ اور کہتے کہ نہیں اس نے مختلف کتابوں کو پڑھ کر یہ الفاظ اور خیالات مرتب کئے ہیں۔ اگرچہ تحدی کے بعد جب مقابلہ سے عاجز آتے تو منصف مزاج ہستیوں کا شبہ زائل ہو جاتا۔ مگر تحدی سے پہلے عام و خاص سب کے لئے اعتراض کی گنجائش رہتی۔ لیکن آپ کو امّی رکھنے کی صورت سے

Marfat.com

سب شبہات کا قلع قمع کر دیا گیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ یعنی تو اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتا تھا۔ اور نہ اسے اپنے دہنے ہاتھ سے لکھتا تھا۔ اس صورت میں اس کو جھٹلانے والے شک کرتے۔ تو جب حضور پڑھے لکھے نہ تھے۔ تو اب مشککین خواہ مخواہ کا شک کریں۔ تو اُن کی گمراہی ہے۔ ورنہ شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے :

نگارمن کہ بمکتب نہ رفت و خط نہ نوشت بغمزہ مسئالہ آموخت صد مدرس شد

اس کے علاوہ اگر آپ خواندہ ہوتے۔ تو قرآن پاک آپ کو دفعتہً دیا جاتا۔ کیونکہ پڑھے لکھے شخص کو ایک ہی وقت میں پوری کتاب کا سنبھال سکنا کچھ مشکل نہیں۔ جیسا کہ حضورؐ سے پہلے پڑھے لکھے پیغمبروں کو ایک ہی بار میں سب کی سب ہدایات دی گئی تھیں۔ اور اگر آپ کو قرآن پاک دفعتہً دیا جاتا۔ تو بہت ممکن تھا۔ کہ عرب کے درشت مزاج اور تند طبیعت لوگ آپ سے چھین کر اُسے پُرزے پُرزے کر دیتے۔ اور قرآن کا بھی اُن کے ہاتھوں وہی حال ہوتا۔ جو توریت کا بخت نصر یا اور انیٹوکس یا انجیل کا جو دوشان اور ترجان وغیرہ کے ہاتھوں ہوا۔ اس واسطے حضورؐ کو امی رکھکر تھوڑا تھوڑا قرآن دیا گیا۔ تاکہ آپ کے قلب اطہر میں محفوظ رہے۔ اور کسی شخص کا اُس پر قابو ہی نہ چل سکے۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ

Marfat.com

یعنی جبرائیل امین اسے لے کر اترا ہے تیرے دل پر۔ تا کہ تو ڈرانیوالوں میں سے ہو۔ تو گویا قرآن پاک کو حضور کے قلب پر اتارا گیا۔ اسے کاغذ کے ورق میں نہ دیا گیا۔ بلکہ قلب منور کے صفحہ میں منقش کیا گیا ؛

اسی حکمت اُمیّت میں کفار ناہنجار کا یہ شبہ بھی زائل ہو گیا۔ کہ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر یہ کتاب خُدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ تو ایک ہی دفعہ سب کی سب کیوں نہیں دی جاتی۔ یہ کیا کہ ذرا ذرا نازل ہوتی ہے ؛

قرآن پاک کے بتدریج نازل ہونے کی حکمت

یہ شبہ اس طرح زائل ہوا۔ کہ جب حضورؐ کا اُمّی ہونا مصلحت کے مطابق تھا۔ تو پھر اُمّی کو ایک دم اتنی بڑی کتاب کس طرح سے دی جا سکتی ہے۔ اُمّی کو پڑھانے کا طریقہ تو یہ ہے۔ کہ اُسے تھوڑا تھوڑا یاد کروایا جائے۔ یہانتک کہ وہ بتدریج سب کتاب کا حافظ ہو جائے۔ اگر ایک ہی دن میں اُسے سب کتاب دی جائے۔ تو وہ نہ تو اتنے بوجھ کو برداشت کر سکیگا۔ اور نہ اُس کو دفعتہً اپنے عمل میں لے سکیگا۔ بلکہ الٹا گھبرا کر اُس سے دُور بھاگیگا۔ اسی واسطے تو اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس اعتراض لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً " (اس پر قرآن سارا ایک ہی دفعہ کیوں نہ اُتارا گیا) کا جواب كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (اسی طرح

ضروری تھا۔ تاکہ اس طرح ہم تیرے دل کو مضبوط کریں۔ اور ہم نے بہترین ترتیب سے نازل کیا (کے الفاظ میں دیا ❖

تدریجی نزول میں تقویت قلب اور سہولت حفظ کے علاوہ قیامت تک کی ضروریات کا علاج بھی بہترین طریقے پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جب کبھی تئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کا کوئی ناگوار واقعہ پیش آیا۔ یا انہیں دشمنوں کے ہاتھوں کچھ اذیت پہنچی۔ یا کسی مشکل کے حل کی ضرورت پڑی۔ تو فوراً ضرورت کے مطابق ٹکڑا روانہ کر دیا گیا۔ اور اس میں یہ راز بھی سمجھایا گیا۔ کہ جس طرح اگلے پیغمبروں کو ایک دن میں کتاب دے دی گئی۔ اسی طرح آپ کے زمانۂ نبوت کے مقابل میں ایک ہی دن میں ان کی نبوت کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ مگر چونکہ آپ کی کتاب کا نزول بہت زمانے میں ہوا ہے۔ جس میں طرح طرح کی ممکن ضروریات کا حل دے دیا گیا ہے۔ اس واسطے آپ کی نبوت کا زمانہ بھی پہلی نبوتوں کو اگر ایک دن فرض کیا جائے۔ تو اسی تناسب سے ۲۳ سال تک ممتد ہو گا ❖

ساتھ ہی بار بار وحی کی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے زیادہ ملاقات کا موقعہ ملا۔ جس سے قوئی ملکیہ کی پوری پوری جلا ہوئی۔ اور مخاطبت الٰہیہ کا شرف بے شمار دفعہ بخشا گیا۔ مگر دوسرے پیغمبروں کو ایک ہی دفعہ کتابیں دے کر اس سلسلہ کو مسدود کر دیا گیا ہے کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود تاجدار مدینہ سے وعدہ فرمایا ہے۔ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ❖

Marfat.com

رجوع بمطلب

بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ قرآن اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ یہ آسمانی کتاب ہے انسانی نہیں۔ اس میں ایک دلیل تو حضورؐ کے اُمّی ہونے کی بیان کی گئی۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ قرآن پاک میں کثرت سے غیب کی خبریں اور پیشینگوئیاں موجود ہیں۔ جو آج تک حرف بحرف ثابت ہو رہی ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی حال ہی کی تعبیر کو دیکھو۔ قرآن پاک میں سورہ یونس میں آتا ہے۔ کہ جب فرعون غرق ہونے لگا۔ تو اس نے کہا۔ کہ میں بھی بنی اسرائیل کے ربّ پر ایمان لایا۔ یہ ایمان یاس قبول نہ ہوا۔ ایمان یاس یہ ہے کہ انسان نزع کی حالت میں اپنے کفر سے تائب ہو۔ چونکہ اُس وقت غفلت کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور عالم آخرت کے بعض واقعات کو عینی طور پر دیکھ لیتا ہے۔ اس لئے اس وقت کا ایمان قبول نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ ایمان بالغیب نہیں رہتا۔ بلکہ بالحضور ہو جاتا ہے۔ اور ایک دیکھی ہوئی چیز پر ایمان لانا اور اس کا اقرار کر لینا کچھ بھی بڑی بات نہیں۔ ہاں توبہ یاس قبول ہو سکتی ہے۔ تو فرعون کا ایمان لانا بھی اُسے اس وقت مفید ثابت نہ ہوا۔ اُس وقت اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۔ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ۔ یعنی آج ہم تیری لاش کو باہر نکال دینگے۔ تاکہ اپنے پیچھے والوں کے لئے

Marfat.com

نشان بنے۔ اور یقیناً بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے غافل ہیں۔ دیکھئے اس آیت میں ایک تو اس بات کی پیشین گوئی ہے۔ کہ ہم تیری لاش کو آیندہ نسلوں کے لئے اپنی قدرت اور قرآن کی سچائی پر ایک نشان بنائینگے۔ اور وہ اس طرح کہ تجھے ایسے وقت دُنیا کے سامنے نکال لائینگے جبکہ دُنیا تجھے بھول چکی ہوگی۔ اور امتدادِ زمانہ نے تجھ پر بالکل تاریکی اور بعد کا پردہ ڈھانک دیا ہوگا۔

اب دیکھئے نہ تو توریت میں فرعون کی لاش کے نکلنے کا ذکر ہے۔ اور نہ انجیل میں۔ دُنیا کی ساری تاریخیں اس ہونے والے حیرت انگیز معاملہ کے متعلق خاموش ہیں۔ مگر عرب کے تیرہ و تار خطہ میں ایک اُمّی نبی فداہ ابی و امّی مبعوث ہوتا ہے۔ دعوئے نبوّت پر قرآن پاک کو اپنا معجزہ ٹھہراتا ہے۔ آج ساڑھے تیرہ سو برس اس پیشینگوئی پر گزرتے ہیں۔ کہ ۱۶ فروری ۱۹۲۳ء کو ھوارڈ کارٹر نامی شخص کے ہاتھوں اس کی تعبیر کو صفحۂ دُنیا میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ وہ شاہِ مصر کے حکم سے کھدائی کا کام کرتا تھا۔ مگر اس کھدائی کے ساتھ اُس نے ایک بہت بڑے راز کو بھی کھود نکالا۔ ایک کمرے سے بے انتہا نقد و جواہر کے ساتھ ایک صندوق نکالا۔ جس پر لکھا ہے۔ کہ یہ تابوت رعمیس ثانی فرعون مصر کا ہے۔ جس نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا تھا۔ لاکھوں امریکنوں اور یورپینوں نے اُس ممی کردہ لاش کو دیکھا۔ اور قرآن پاک کی اس آیت لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً کو عملی طور پر ثابت کر دکھایا ؎

یہ ایک ایسی پیشگوئی ہے۔ کہ جس کے ہوتے ہوئے ایک عادل

Marfat.com

اور منصف انسان قرآن کی سچائی اور حقانیت کا صدق دل سے معترف ہوجاتا ہے۔ اور اس عجیب و غریب واقعہ کے دیکھ لینے کے بعد قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا تہ دل سے قائل ہوجاتا ہے ؛

تیسری دلیل یہ ہے۔ کہ قرآن پاک کے الفاظ، معانی اور اسلوب بیان میں وہ اثر اور جاذبیت ہے۔ کہ عرب کے جنگلی اور وحشی بدو بھی مسلمان ہوکر نہایت متقی اور پرہیزگار بن گئے۔ اور وہ ڈاکو اور لٹیرے جو دن دہاڑے لوگوں کو لوٹا کرتے تھے۔ قرآن کے اثر سے لوگوں کے محافظ اور پیغام امن کے مبلغ بن گئے۔ مولانا حالی اپنی مسدس مدو جزر اسلام میں فرماتے ہیں ؛

وہ قومیں جو ہیں آج غمخوار انسان
درندوں کی اور ان کی طینت تھی یکساں
جہاں عدل کے آج جاری ہیں فرماں
بہت دور پہنچا تھا واں ظلم و طغیاں
بنے آج جو گلہ باں ہیں ہمارے
وہ ہیں بھیڑیئے آدمی خوار سارے
ہنر کا جہاں گرم بازار ہے اب
جہاں عقل و دانش کا بیوپار ہے اب
جہاں ابر رحمت گہر بار ہے اب
جہاں ہُن برستا لگاتار ہے اب
تمدن کا پیدا نہ تھا واں نشاں تک
سمندر کی آئی نہ تھی موج واں تک

چوتھی دلیل قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی یہ ہے۔ کہ دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب بھی اگرچہ انسان ہزار کوشش کرے۔ حرف بحرف یاد نہیں کرسکتا۔ مگر قرآن کا یہ معجزہ ہے۔ کہ دنیا میں اس وقت اس کے لاکھوں حافظ موجود ہیں۔ جن میں ایسے چھوٹے بچے بھی کثیر تعداد تعداد میں شامل ہیں۔ جو ابھی دنیا کی دوسری باتوں کو بمشکل سمجھ سکتے ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ جس کتاب کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالٰے نے خود

Marfat.com

فرما دیا ہو۔ تو پھر اس کی حفاظت ایسے ہی معجز نما طریقوں سے کی جانی اُس کے شایان شان ہے۔ اسی واسطے حضور کو رب العزّت اظہار احسان کے طور پر مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اَنْزَلْتُ اِلَیْکَ کِتَابًا لَا یَغْسِلُهُ الْمَاءُ وَتَقْرَاُهُ نَائِمًا وَیَقْظَانَ اوہ مسلم۔ یعنی اے حبیب ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل کی ہے۔ کہ جسے پانی تک بھی نہیں دھو سکتا۔ کیونکہ اُس کا نزول لوح قلب پر ہوا ہے۔ اور لوح قلب تک پانی کی رسائی ممکن نہیں۔ اور آپ اس کو سوتے اور جاگتے ہر حالت میں پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی یہ پہلی کتابوں جیسی نہیں۔ کہ جن کے الفاظ پانی سے دھو کر مٹائے جا سکتے ہیں۔ اور جن کے نسخوں کو دریا میں ڈبو کر دنیا سے محو کیا جا سکتا ہے۔ اور جن کے پڑھنے کے لئے روشنی حالت بیداری اور ظاہری آنکھوں کا ہونا ضروری ہے۔ بلکہ یہ کتاب تو ایسی ہے۔ کہ نہ اس کی تعلیم کو مٹایا جا سکیگا۔ نہ اس کے پڑھنے کے لئے روشنی اور ظاہری آنکھوں کی ضرورت ہوگی۔ بلکہ یہ تو دن اور رات میں۔ روشنی اور تاریکی میں۔ سوتے اور جاگتے ہر حالت میں بلاتکلف پڑھی جایا کریگی ❖

قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کی پانچویں دلیل یہ ہے۔ کہ اس کے ہر شعبے کے قانون خواہ سیاسی ہوں یا مذہبی۔ اقتصادی ہوں یا معاشرتی ایسے معتدل صحیح اور صائب ہیں۔ کہ آج موجودہ زمانہ میں جسے علم و عقل کی روشنائی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یورپ کے بہترین سے بہترین مفکرّین اس کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر موریس کا وہ مقابلہ جو انھوں نے لا پاروں فرانس

Marfat.com

رومان میں دیا۔ اُردو میں ملاحظہ کرنے کے قابل ہے۔ ڈاکٹر موریس علوم عربیہ کے ماہر اور فرانس کے ایک نہایت نامور مصنّف ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے ہی گورنمنٹ فرانس کے حکم سے قرآن پاک کا فرنچ ترجمہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

"قرآن کیا ہے؟ قرآن اگر کوئی ایسی تعریف ہو سکتی ہے۔ کہ جس میں کسی طرح کا نقص نہ نکل سکتا ہو۔ تو وہ مسلمہ فصاحت و بلاغت ہے۔ یہ عظیم الشان فضیلت ہے۔ کہ جس پر آج دُنیا کے چالیس کروڑ مسلمان بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ مقاصد کی خُوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی کے اعتبار سے یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں پر فائق ہے۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ قدرت خُداوندی نے انسان کے لئے جو کتابیں تیار کی ہیں۔ اُن سب میں سے قرآن کریم ایک بہترین کتاب ہے۔ جس کے نغمے فلاسفر یونان کے نغموں سے کہیں اچھے ہیں۔ اس میں خالق حقیقی کی حمد و ثنا بھری ہوئی ہے۔ خُدا کی عظمت سے اس کا ایک ایک حرف لبریز ہے"۔

منقول از اخبار وحدت ۲ فروری ۱۹۲۵ء

قرآن پاک کو اگر پڑھ کر ذرا بھی غور کیا جائے۔ تو اس کے قانون فطرت کے اس قدر بڑے ماہر کے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ کسی آدم زاد میں اس جیسے قانون بنا سکنے کی طاقت نہیں پائی جاتی۔ پارلیمنٹ کے قانونوں کو دیکھو۔ مُلک کے چیدہ مفکرین اور مسلمہ مدبرین بیٹھ کر ایک بل بناتے ہیں۔ مگر وہ بل تین چار سال بھی زمانے کا ساتھ نہیں نباہتا۔ بلکہ ہر سال اُس میں ترمیم و تنسیخ ہوتی ہی رہتی

Marfat.com

ہے۔ اور اگر ایرانی تعزیرات ہند کے دیکھنے کا موقعہ ملے۔ تو آپ دیکھینگے کہ اس کا کوئی صفحہ بھی ترمیم کے سلسلے سے خالی نہیں۔ مگر قرآن کے قوانین فطرت کے موافق ہونے کے باعث آج بلا ترمیم ساڑھے تیرہ سو سال سے زمانہ کا ساتھ دیتے آئے ہیں۔ اور تا قیامت ساتھ دینگے۔ کیونکہ انسان کا فطرتی کوڑھ ہونے کی وجہ سے انسان کو اس طرف جھکنا پڑتا ہے۔ نہ کہ اسے انسان کی خودساختہ مرضی کی طرف۔ اسی لئے آج دنیا کی بہت سی قوموں نے اپنی کتابوں کی تعلیم کو چھوڑ کر قرآنی تعلیم کو مسلک بنا لیا ہے۔ اگرچہ اس مسروقہ تعلیم کا نام انہوں نے کچھ اور رکھا ہے۔ مگر سونے کے کشتے کو خواہ راکھ کے نام سے کھاؤ۔ پھر بھی وہ کشتہ طلا ہی ہے۔ اور وہ اپنا لازمی نتیجہ باوجود تبدیلی نام کے بھی ضرور دیگا۔ اور سچ پوچھو تو آج اغیار کی ترقی انہی قرآنی قوانین پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ مگر مسلمانوں نے ان قوانین پر عمل کرنے کی بجائے صرف زبانی تعلق پر اکتفا کی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان کے سرمایہ سے غیر قوموں نے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ اور یہ خود سرمایہ کے ہوتے ہوئے اسے استعمال نہ لانے کے باعث بھکاری کے بھکاری رہے۔ ورنہ قرآن پاک تو فرماتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اس آیت میں مسلمانوں کو بشرط ایمان دین و دنیا کی عزت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ مگر بھائی ایمان صرف اقرار باللسان ہی نہیں کہ صرف زبان سے اقرار کر دیا۔ تو مومن ہو گیا۔ بلکہ اس کے لئے تو لسانی اقرار کے ساتھ قلبی تصدیق اور عملی اظہار کی بھی ضرورت ہے یعنی اقرار

Marfat.com

ایمان باللسان وتصدیق بالجنان وعمل بالارکان کا مجموعہ ہے۔ مگر ہمارے پاس تو صرف اقرار لسانی ہے۔ اور بس۔ تو پھر وہ بشارات جو حالت ایمانی پر موقوف ہیں۔ ہم اُن کے مورد کس طرح بن سکتے ہیں ✣

اس کے علاوہ علم ادب کا جاننے والا قرآن پاک کو اگر پڑھے تو الحمد سے لے کر والناس تک وہ ایک ہی طرح کی دلکشی اور جاذبیت پاتا ہے۔ یہ بھی قرآن کے آسمانی کتاب ہونے کی بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ اتنی بڑی کتاب اگر کوئی انسان لکھے۔ تو اس میں ہر جگہ ایک ہی طرح جاذبیّت کا پیدا کر سکنا بالکل محال ہے۔ کیونکہ ایک طرح کی دلکشی ایک ہی حالت کی مقتضی ہے۔ مگر انسان کی حالت کاگاہے چنیں اور گاہے چناں والا معاملہ ہے۔ اس لئے ایسی طویل اور متوازن دلکشی کی اُمید ایک انسان سے رکھنا سراب کو آب سمجھنا ہے۔ مگر ذات باری چونکہ تغیر و تبدّل سے منزہ ہے۔ اس واسطے کلام باری ہی میں ایک قسم کی جاذبیّت امکاناً اور عملاً پائی جا سکتی ہے ✣

پھر اگر یہ انسان کی مصنّفہ کتاب ہوتی۔ تو اس کے بیان میں کسی نہ کسی جگہ تضاد بھی پایا جاتا۔ مگر باوجود مخالفوں کی ہزاروں کوششوں کے آج تک نہ اس میں کوئی تضاد ثابت کیا جا سکا۔ اور نہ ہی کوئی ایسی بات جو خلاف عقل یا ناممکن العمل ہو۔ ظاہر ہوئی۔ بلکہ جگہ جگہ مکارم اخلاق۔ اور اعلیٰ روحانی تعلیم کے ایسے دلکش مناظر انسانی فطرت کو مدّ نظر رکھ کر کھینچے گئے ہیں۔ کہ جس سے انسان بے ساختہ پکار اُٹھتا ہے۔ کہ ماھذا کلام البشر اسی واسطے تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ

Marfat.com

غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ۔ یعنی کیا لوگ قرآن پاک میں غور نہیں کرتے ۔ کیونکہ اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ۔ مگر چونکہ اختلاف تو ہے نہیں ۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ غیر اللہ کی طرف سے بھی نہیں ۔ بلکہ اسی رب العزت کی طرف سے ہے جو جمیع کائنات کا خالق و مالک ہے ۔

یہ میں نے چند ایک دلائل قرآن پاک کے من جانب اللہ ہونے پر بیان کئے ہیں ۔ اگر موضوع کے بدل جانے کا خوف نہ ہوتا ۔ تو میں اسی معاملہ کے متعلق آپ لوگوں کا کچھ اور وقت بھی لیتا ۔ مگر سردست اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ کیونکہ پھر سورہ فاتحہ کی تفسیر شروع کرنے میں بہت زیادہ لگ جائیگا ۔

قرآن پاک کی تلاوت

لیکن تفسیر شروع کرنے سے قرآن پاک کی تلاوت کے متعلق بھی مختصر سا بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں ۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے ۔ کہ قرآن پاک آسمانی کتاب ہے ۔ تو اب یہ بھی سن لو کہ حضور اس مقدس کتاب کے پڑھنے والے کے متعلق کیا فرماتے ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ جو مومن قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے ۔ وہ نارنگی کی طرح ہے ۔ کہ جس کا مزا اور بو دونوں اچھے ہوتے ہیں ۔ اور وہ مومن جو قرآن پاک نہیں پڑھتا ۔ وہ کھجور کی طرح ہے ۔ کہ جس کا مزا تو میٹھا ہے مگر

Marfat.com

مگر بُو کچھ بھی نہیں۔ اور جو فاسق قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے۔
اُس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ریحان یا نازبو۔ کہ جس کی بُو تو اچھی
ہوتی ہے مگر مزا سخت کڑوا ہوتا ہے۔ اور جو فاسق کہ قرآن پاک کی تلاوت
نہیں کرتا۔ وہ اندرائن کی طرح ہے۔ کہ جس کی بُو بھی نہیں ہوتی۔ اور
مزا بھی سخت کڑوا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا تم میں سے بہترین
شخص وہ ہے جو قرآن پاک پڑھے اور پڑھائے۔ اور فرمایا کہ جو شخص
اس کو پڑھے اور حفظ کرے اور اُس پر عمل کرے۔ تو وہ اپنے خاندان
کے دس دوزخیوں کی شفاعت کرکے جنّت میں داخل کر سکیگا۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جسے خواہش ہو کہ اللہ جل شانہ
سے کلام کرے تو اُسے چاہئے کہ قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ گویا تلاوت
کے وقت انسان تخاطب اللہ سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اسی واسطے
ایک صحابی کے متعلق آتا ہے۔ کہ آپ نفلوں میں رات کے وقت
نہایت بلند اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھ رہے تھے اُن کا دوسرا دوست
اُن کے پاس ہی سویا ہوا تھا کسی کافر نے آواز پر نشانہ لگا کر تیر
مارا۔ تیر آپ کے ران میں لگا۔ اور لہو کا فوارہ جاری ہو گیا۔ مگر آپ
نے قرآن پاک پڑھنا بند نہ کیا۔ جب سوئے ہوئے صحابی پر
گرم گرم خون گرا۔ تو وہ گھبرا کر اُٹھے اور متنفل صحابی کو خطرہ سے
آگاہ کرنے کے لئے بُلایا۔ اُنہوں نے جلدی جلدی نماز کو ختم کیا اور
فرمایا کہ مجھے درد اور جریان خون کا تو معلوم تھا۔ مگر اللہ جل شانہ
سے اس معمولی سے دُکھ کے لئے کلام کو قطع کر دینا شانِ عاشقی کے
برخلاف دیکھا۔ مگر جب تم نے مجھے جھنجوڑا تو مجبوراً سلام پھیرنا پڑا۔

Marfat.com

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

تو خلاصہ کلام یہ نکلا۔ کہ قرآن پاک کی تلاوت کرنا گویا ربّ العزت سے ہمکلام ہونا ہے۔ اس لئے ایسے احکم الحاکمین کے آداب ہمکلامی کو اثنائے تلاوت میں ضرور ملحوظ رکھے۔ ورنہ ایسا نہ ہو۔ کہ ہمکلامی کے ثواب کی بجائے بے ادبی کا عذاب گلے میں آپڑے۔ مشہور ہے۔ باادب بانصیب ــ بے ادب بے نصیب ❊

کسی نے کہا ہے ؎

ادب تاجیست از لطف الہٰی ۔۔۔ بنہ برسر برو ہر جا کہ خواہی
از خدا خواہیم توفیق ادب ۔۔۔ بے ادب محروم گشت از فضل رب

اب اس کے بعد سورہ فاتحہ کی تفسیر کو شروع کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے۔ کہ اپنی رحمت و رافت کے واسطہ سے ہم پر سورہ فاتحہ کے دقائق و اسرار کو منکشف فرمائے۔ ہمارے دلوں کو اپنے حبیب لبیب اور اپنے قرآن مجید کے عشق و محبّت سے لبریز فرمائے۔ ہم کو نیک کاموں کی توفیق دے اور بُرے کاموں سے بچائے۔ اور گزشتہ مجالس میں جو حاضر ہوئے ہیں یا آیندہ حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں۔ اُن کے بمع تمام مسلمین و مسلمات کے صغیرہ و کبیرہ گناہ معاف فرمائے۔ اور آپ لوگوں کے شوق و رغبت کے طفیل اس سیہ کار کو بھی اپنی رحمت سے مالامال فرمائے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔ والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ الطاہرین۔

Marfat.com

اللھم نور قلبی بنور القرآن۔ واشرح لی صدری بعلوم الفرقان ولیسرلی امری بحرمۃ سید البرھان۔ واغفرلنا والوالدینا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ باری کے دھتکارے اور راندے ہوئے شیطان سے ۔

قرآن پڑھنے کے آداب

جب قرآن پاک پڑھنے کا قصد کیا جائے۔ تو چاہیئے کہ اوّل اپنے جسم کو ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرکے با وضو پاک جگہ قبلہ رو بیٹھ کر نہایت خضوع و خشوع سے تلاوت کو شروع کرے۔ قرآن پاک کو نہایت ادب سے اپنے سے اونچے مقام پر مثل رحل وغیرہ کے رکھے۔ الفاظ کو صحیح ادا کرے۔ اور خوف و خوشی کی آیات پر خوف و خوشی کا احساس کرے۔ اس کے بعد تلاوت کو شروع کرنے سے پہلے تعوذ و تسمیہ پڑھے یعنی اعوذ باللہ اور اس کے بعد بسم اللہ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے۔ فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ یعنی اے قاری جب تو قرآن پاک کی تلاوت کا قصد کرے۔ تو تجھے چاہیئے کہ شیطان مردود کے وسوسوں اور حملوں سے بچنے کے لئے ہماری پناہ میں آجا۔ کیونکہ یہ مردود ایسا دشمن ہے کہ اس پر نہ تو تلوار کارگر ہوتی ہے۔ اور نہ توپ نہ اس سے کوئی قلعہ بچا سکتا ہے اور نہ کوئی خزانہ

Marfat.com

کہ با نفس شیطاں برآید بزور　　　مصاف پلنگاں نیاید ز مور

چنانچہ حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح گھس جاتا ہے۔ اور پھر طرہ یہ کہ یہ ہم کو دیکھ کر حملہ کرتا ہے۔ مگر ہم اسے دیکھ ہی نہیں سکتے۔ کہ اس کے حملہ کا جواب ترکی بہ ترکی دے سکیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتے ہیں۔ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ۔ کہ وہ اور اس کے حواری اس طرح تمہیں دیکھتے ہیں۔ کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ تو پھر جب ہم ایک دشمن کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ کہ اس کا کچھ مقابلہ کر سکیں تو پھر سوائے رحمت خداوندی کے قلعہ میں اپنے آپ کو محفوظ کر لینے کے اور کیا علاج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کمال رحمت سے اپنی پناہ میں آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ یعنی اس کا داؤ ایمانداروں اور اللہ پر بھروسا کرنے والوں پر نہیں چلا کرتا۔ اس کا داؤ تو اس کے دوستوں اور چیلوں ہی پر کارگر ہوتا ہے۔ اس واسطے ایمانداری کے ساتھ مجھ پر توکل کر کے اس کے وسوسوں اور حملوں سے محفوظ رہ سکتے ہو۔

شیطان اور ملائکہ کے کاموں میں رات اور دن کا فرق ہے۔ دن چاہتا ہے کہ میں اجالا کروں اور اپنے نور سے دنیا کو چمکا دوں۔ رات چاہتی ہے کہ میں اندھیرا کر کے دنیا کی ہر چیز کو انسانی آنکھوں سے چھپا دوں۔ مگر جس کو خدا غالب کرتا ہے۔ وہی غالب ہو کر مغلوب کے اثر کو مٹا دیتا ہے۔ اسی طرح جب قاری قرآن پاک پڑھنا شروع

Marfat.com

کرتا ہے۔ تو ملاءِ اعلےٰ سے ملائکہ رحمت کا نزول ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ فرشتے قاری کے ایک ایک حرف اور لفظ کو لے کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور قاری کے نامۂ اعمال میں رحمت و غفران کا انعام درج ہونے لگتا ہے۔ مگر دوسری طرف شیطان اپنے لشکر اور قوت کے ساتھ پڑھنے والے کے دل و دماغ اور آنکھوں کو اور طرف مشغول کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ ملکوتی انوار وسوسوں اور بُرے خیالات کے اندھیروں میں چھپ جائیں۔ مگر جب انسان اعوذ باللہ پڑھتا ہے۔ تو حدیث پاک کے مطابق شیطان اور قاری کے درمیان ایک پردہ حائل ہو جاتا ہے جس سے قاری کا دل و دماغ شیطانی وساوس اور طاغوتی یورشوں سے مامون ہو جاتا ہے ✤

اعتراض۔ ہم تو کئی دفعہ اعوذ باللہ پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی اثنائے تلاوت میں شیطانی وسوسوں اور بُرے خیالوں کا شکار ہو جاتے ہیں ✤

جواب۔ اعوذ باللہ پڑھنے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ صرف زبان سے مقررہ الفاظ کو کہہ دیا اور بس۔ مگر دل اُن کے مطلب اور مقصود سے بالکل خالی ہو۔ نہیں۔ بلکہ زبان کے استفادہ کے ساتھ دل کا بھی پوری طرح شامل ہونا ضروری ہے۔ جب دل اور زبان دونوں استفادہ میں شامل ہوں تو پھر نہ تو غیر خدا کا خیال آ سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی عضو سے اُس کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ اور حقیقت میں یہی کامل استفادہ ہے ✤

Marfat.com

شیطان

شیطان شطن سے مشتق ہے۔ شطن کہتے ہیں رحمت سے دور ہونے کو۔ چونکہ اُس نے اللہ جل شانہ کی نافرمانی کی۔ باوجود حکم ربّی کے آدم علیہ السّلام کو سجدہ نہ کیا۔ اس لئے اسے اللہ جل شانہ نے اپنی رحمت سے محروم فرما کر مطرود کر دیا۔

فرشتے شیطان اور جن میں فرق

نکتہ اللہ تعالیٰ نے تین ایسی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں کہ جو باوجود دُنیا میں ہونے کے عام لوگوں کی نظروں سے غائب ہیں۔ ایک جن۔ دوسرے شیطان اور تیسرے فرشتے۔

فرشتوں جنوں اور شیطانوں میں یہ فرق ہے۔ کہ فرشتے نُور سے پیدا ہوئے ہیں۔ وہ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ ان کا کام رات دن تسبیح و تہلیل کرنا ہے۔ شیطان اور جنات دونوں ناری الاصل ہیں چنانچہ جب رب العزّت نے عزازیل کو حکم دیا۔ کہ آدم علیہ السّلام کو جسے میں نے خلیفۃ الارض کی حیثیت سے پیدا کیا ہے سجدہ کر۔ تو شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اور اپنے انکار میں حق بجانب ہونے پر یہ دلیل پیش کی کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ۔ یعنی میں آدم سے مرتبہ میں بڑا ہوں۔ کیونکہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور آدم مٹی سے۔ آگ روشن۔ شفاف اور منور۔

Marfat.com

مٹی کثیف۔ ذلیل اور حقیر۔ تو افضل مفضول اور عزیز ذلیل کے سامنے کس طرح جھکے۔ لیکن کم بخت نے یہ نہ سمجھا کہ افضل کون ہو سکتا ہے۔ افضل تو وہی ہے کہ جسے بنانے والا افضل ٹھہرائے۔ نہ وہ کہ خود اپنے زعم میں افضل بن بیٹھے۔ حکم ہوا۔ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ یعنی اے مردود آسمان سے اتر جا۔ تو میرے حکم کے سامنے حجت بازی اور تکبر کرتا ہے۔ جا آج سے تجھ پر ذلت اور خواری کی مہر لگا دی جاتی ہے۔

جناب بھی آگ سے ہیں۔ کیونکہ دوسری جگہ قرآن پاک میں شیطان کو قوم جن سے بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ۔ مگر جنات اور شیطانوں میں فرق یہ ہے کہ جنات دنیا میں معینہ عمر گزارنے کے بعد مر جاتے ہیں۔ اور شیطان پر تا قیامت موت نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کی التجا پر کہ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ فرما دیا تھا إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ اسی واسطے یہ اور اس کی ذریات بھی بالتبع قیامت سے آگے آگے نہیں مرتی۔ بلکہ اس کی اولاد آج مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کے پاک لفظوں کے مطابق روز افزوں ترقی پر ہے۔ اور آج دنیا ذریات ابلیس سے حقیقی و معنوی لحاظ سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

الرجیم

یعنی دھتکارے۔ رانڈے ہوئے۔ دھتکارا ہوا اس لئے کہ عزازیل

Marfat.com

پہلے معلم الملکوت یعنی فرشتوں کا استاد تھا۔ اپنے انکار اور خدا پرستی میں ضرب المثل تھا۔ مگر حکم الہٰی کے سامنے حجّت بازی کرنے کے باعث ایسے رفیع منصب سے معزول کر کے ذلّت کے ساتھ آسمانوں سے نکال دیا گیا۔ اور پھر آسمانی دربار کو وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ کے مطابق ستاروں سے سجا کر اس مردود کے آنے کا رستہ بالکل بند کر دیا۔ تاکہ پھر اسے مدت العمر آسمان پر آنے کا موقعہ نہ مل سکے۔ چونکہ آدم علیہ السلام کی وجہ سے لعنت ورانذش کا طوق پڑا۔ اس واسطے یہ نسل آدم کا انتہائی دشمن ہے۔ وہ انہیں ہر طرح نیک راستے سے ہٹا کر بُرے راستے کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور اُن کو اپنا یار و دوست بنانے میں کسی حیلہ کو باقی نہیں چھوڑتا۔ اسی لئے تو اللہ جل شانہ نے قرآن پاک میں بار بار ابن آدم کو متنبہ فرمایا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ یعنی اے لوگو شیطان کے قدموں پر نہ چلنا۔ کیونکہ وہ تمہارا بالکل کھلا اور ظاہر دشمن ہے +

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ کے متعلق ایک نکتہ

شیطان آدم علیہ السلام کی نسبت ابنائے آدم کا زیادہ دشمن ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے پیدا کیا گیا۔ مٹی اور آگ میں کچھ نہ کچھ اتحاد ہے۔ اگر آگ پر مٹی ڈالو تو فوراً نہ بجھے گی۔ بلکہ کچھ نہ کچھ دیر تک جل کر ختم ہو گی۔ اور حقیقت میں اسی جزئی اتحاد کے

Marfat.com

باعث آدم علیہ السلام نے ابلیس کی قسم پر اعتبار کر کے شجرہ ممنوعہ سے کھایا۔ قرآن پاک میں آتا ہے وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ یعنی ابلیس نے حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے قسم اٹھا کر کہا کہ میں آپ لوگوں کا خیر خواہ ہوں۔ اور آدم اور چونکہ بالواسطہ مٹی سے مگر براہ راست بروئے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ پانی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس واسطے شیطانی آگ ان کے پانی کی وجہ سے آدم علیہ السلام سے بھی زیادہ دشمن ہے۔ کیونکہ پانی اور آگ دونوں ضدین ہیں۔ ان کا اجتماع کسی طرح سے ممکن نہیں۔ اس واسطے ابلیس اپنی آگ کے ذریعے سے ان کا عدو مبین بنا ہوا ہے +

آدم علیہ السلام اور ابلیس کی لغزش کا مقابلہ

ہاں یہاں انسان کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کو کھایا اور ابلیس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ نہ کرنے کا گناہ کیا۔ پھر یہ کیا کہ ایک کو تو ابدالآباد کے لئے لعنت کا طوق پہنا کر ذلت و بے عزتی کے ساتھ دھتکار دیا گیا۔ مگر اس کے برعکس آدم علیہ السلام کی لغزش کو تھوڑے ہی زمانہ کے بعد معاف کر کے پھر وحی و تخاطب کے شرف سے سرفراز فرمایا +

بات یہ ہے۔ کہ آدم علیہ السلام نے عمداً اور جان بوجھ کر شجرہ ممنوعہ کو نہ کھایا تھا۔ بلکہ شیطان کے دھوکے اور جھوٹی قسموں کے باعث آپ سے اس فعل کا ارتکاب ہوا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں

Marfat.com

جہاں کہیں آدم علیہ السلام کی اس ذلت کا ذکر فرمایا تو کہیں فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ کے الفاظ زیادہ کر کے حقیقت کو آشکارا فرما دیا۔ اور سورہ طٰہٰ میں تو صاف فرما دیا۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ اور یقیناً ہم نے آدم کو پہلے سے حکم دیا تھا۔ مگر وہ بھول گیا۔ اور اس کام کے کرنے میں اس کا عزم نہ پایا۔ تو معلوم ہوا کہ جو امر آدم علیہ السلام سے سرزد ہوا تھا۔ وہ نسیان اور بھول کی وجہ سے۔ آپ کا اس میں کوئی ارادہ یا عزم نہ تھا۔ لہٰذا اس آیت کی رو سے آدم علیہ السلام کا یہ کام گناہ بھی نہ ٹھیرا۔ کیونکہ گناہ کہتے ہیں۔ حدود الٰہی کو بالعزم توڑ کر مستحق سزا ہونے کو۔ مگر یہاں چونکہ عزم نہیں۔ لہٰذا گناہ بھی نہیں۔ اسی واسطے پیغمبروں کی ایسی لغزشات کو شریعت گناہ کے لفظ سے تعبیر کرنے کو منع کرتی ہے۔ البتہ زلت کے لفظ سے اس امر کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ ہاں اس پر سزا کا ترتب۔ کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال دیا گیا۔ ایسا ہے جیسے کوئی شخص بھول کر زہر کھا لے تو وہ خودکشی کرنے والا نہ کہلائیگا۔ بھول کر کھانے سے بھی نتیجہ یعنی موت تو ضروری ہے۔ اس طرح آدم علیہ السلام سے اگرچہ اس امر کا ارتکاب بھول کر ہوا۔ مگر نتیجہ یعنی سزا کا ترتب تو ضروری تھا ❊

دوسری طرف ابلیس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ عمداً نہ کیا اور اپنے اس انکار پر گستاخانہ دلیلیں پیش کرنی شروع کر دیں۔ اور حکم خداوندی پر نکتہ زنی شروع کی کہ میں ناری ہوں مجھے کثیف مٹی کے سامنے کس دلیل کی رو سے جھکایا جاتا ہے۔ پھر آدم علیہ السلام نے ارتکاب زلت کے بعد رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا کہہ کر اس جرم کو

Marfat.com

اپنی طرف نسوب کیا۔ مگر ابلیس نے اپنی جہالت کے عیب کو بِمَا أَغْوَيْتَنِي کہکر خدا کی طرف نسبت کیا۔ اور پھر ہی نہیں کہ جرم کے بعد مجحول و شرمسار ہو کر معافی مانگے۔ بلکہ اُلٹا دوسرے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے قیامت تک زندہ رکھے جانے کی التجا کو منظور کروایا۔ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔ ؎

گفت شیطان کہ بما اغویتنی　　کرد فعل خود نہاں دیو دنی
گفت آدم کہ ظلمنا نفسنا　　او ز فعل حق نہ بد غافل چو ما

إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ کی مثال سے توضیح

اللہ جل شانہ نے فرمایا۔ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ یعنی تو قیامت تک مہلت دئے ہوئے لوگوں میں سے ہے۔ اور یہ مہلت ایسی ہے۔ جیسے کہ ایک بادشاہ کا نہایت اعلیٰ شکاری کتا ہو۔ بادشاہ نے ایک زمانہ اُس سے شکار کروایا ہو۔ مگر ایک دفعہ جب کہ اُس کے ہوش وحواس مختل ہو گئے۔ اور بادشاہ پر بھی حملہ کرنے کے لئے دوڑنے لگا۔ تو بادشاہ نے نوکروں کو حکم دیا۔ کہ اسے جا کر فلاں جنگل میں چھوڑ دو۔ مگر یہ سنہری پٹہ اس کے گلے سے نہ اُتارو۔ یہ اسے ہماری طرف اُس شکار کے بدلے میں جو یہ کرتا رہا ہے۔ آخری انعام ہے۔ اب اس کے بعد اس کو ہم سے کسی قسم کے انعام کی توقع نہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح شیطان بھی ایک زمانہ تک آسمانی جنگلوں میں سبوح وقدوس کا شکار کرتا رہا۔ مگر جب تکبر کی وجہ سے اس کے حواس مختل ہو گئے۔ اور اپنے معبود پر نافرمانی

Marfat.com

کے رنگ میں حملہ آور ہونے لگا۔ تو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرشتوں کو حکم دیا۔ کہ اس کو صحرائے دنیا میں جا کر چھوڑ دو۔ اور ہماری طرف آنے کے سب راستے اس پر بند کر دو۔ ہاں ابدی عمر کا پٹہ جو اسے پہلے دیا جا چکا ہے۔ اب اسے نہ اُتارنا۔ بلکہ یہ ہماری طرف سے اسے یہ آخری انعام دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کو ہم سے کسی قسم کی توقع نہ رکھنی چاہیئے +

نصیحت:۔ عزیزو دیکھو آدم علیہ السلام سے ایک سہواً خطا ہوئی تو اُس کے لئے بھی اُنہیں جنت سے نکال دیا گیا۔ اور آپ اُس ایک لغزش کے لئے کتنے زمانہ تک رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ رو رو کر پڑھتے رہے۔ تب کہیں ما کردہ لغزش معاف ہوئی۔ اور ابلیس نے صرف ایک سجدہ کی نافرمانی کی۔ تو اُس کا کیا حال ہُوا۔ آج ہم رات دن جان بوجھ کر شریعت کے قوانین کو توڑ رہے ہیں۔ خدا و رسول کی کھُلم کھلا نافرمانی کر رہے ہیں۔ مگر اس پر بھی جنت اور حُور و قصُور کی اُمیدوں میں فرق نہیں آتا۔ اور اللہ کی رحیمی پر ایسے جری ہو چکے ہیں۔ کہ اُس کی جباریت و قہاریت کا دم بھر کے لئے بھی خیال نہیں آتا حالانکہ ہمارا طریقہ یہ ہونا چاہیئے تھا۔ کہ کارکن کارکن بعدہٗ تکیہ بر جبار کن +

حضرت آدمؑ اور یونسؑ کی دعاؤں میں فرق ہونے کی وجہ

کام کا نکتہ سُن لیجئے۔ وہ یہ کہ جب آدم علیہ السلام سے یہ لغزش سرزد ہوئی۔ تو آپ کو ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن

من الخاسرین سکھایا گیا۔ مگر اس کے برعکس جب یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ فرمایا اور وہ رحمت ربی سے ٹل گیا۔ تو آپ خفا ہو کر اس شہر سے چلے جانے کے لئے کشتی پر سوار ہوئے۔ اور رستے میں کشتی سے اتار کر سمندر میں ڈالے گئے جس کا قصہ مشہور ہے۔ تو مچھلی نے جب آپ کو نگل لیا۔ تو آپ نے اس کے پیٹ میں فرمایا۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین۔ جس کے متعلق قرآن پاک میں آیا ہے۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ذوالنون جب قوم پر ناراض ہو کر چلا گیا۔ اور اسے یقین تھا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کرینگے پس اس نے اندھیروں میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بیشک میں اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔ سو ہم نے اس کی دعا کو قبول کیا۔ اور اسے غم سے نجات دی۔ اور اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔ دیکھئے اس دعا میں حضرت یونس علیہ السلام توحید کی تجدید کرائی گئی۔ مگر ادھر آدم علیہ السلام سے ایسا نہ کرایا گیا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یونسؑ کو یہ دھوکا خواہش نفس سے لگا تھا یعنی یہ کہ عذاب کے ٹل جانے سے آپ اپنی قوم کے سامنے جھوٹے ثابت نہ ہوں۔ مگر خواہشات نفسانی کا شائبہ انبیا کے کاموں میں حسنات الابرار سیات المقربین کے قبیل سے ہے اس لئے آپ کی زبان سے تجدید توحید کرا کر پھر عرض دعا کرایا گیا مگر آدمؑ کے معاملہ میں خواہش نفس نہیں۔ بلکہ غلط فہمی اور نسیان تھا۔ اس واسطے وہاں تجدید توحید نہ کرائی گئی ؎

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن پاک میں صرف نمل میں بطور جزو قرآن اور آیت فرقان آیا ہے۔ باقی تمام جگہوں پر دو سورتوں کے جدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور صرف فصل کا کام دیتا ہے۔ سورۂ نمل میں سلیمان علیہ السلام کے خط میں جو آپ نے ملکہ سبا کو لکھا تھا۔ اس طرح پر بسم اللہ استعمال کیا گیا ہے۔ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۔ یعنی وہ خط سلیمانؑ کی طرف سے ہے۔ اور وہ بے انتہا رحم کرنے والے اور بار بار رحمت کرنے والے اللہ کے نام سے ہے۔ کہ میرے برخلاف سرکشی نہ کرو۔ اور فرمانبردار ہو کر میرے پاس چلی آؤ۔ باقی جہاں پر بھی بسم اللہ آیا ہے۔ صرف نئی سورت کی ابتدا اور ما قبل کا اختتام بتانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ وہاں یہ جزو قرآن کی حیثیت سے نہیں ہوتا۔ چنانچہ ابوداؤد میں ہے۔ کہ حضورؐ ایک سورۃ کی علیحدگی کو نہ پہچانتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی تھی۔

سورہ براۃ یا توبہ میں بسم اللہ نہ ہونے کی وجہ

ہاں سورۂ برات جسے توبہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے ابتدا میں بسم اللہ نہیں لکھی ہوئی ہوتی۔ اور بسم اللہ کی عدم کتابت کی ایک وجہ تو یہ مشہور ہے کہ چونکہ اس سورت کی ابتدا غیظ و غضب سے شروع ہوتی ہے۔ اور

Marfat.com

کفار کے ساتھ جو اس سے قبل نرمی کا سلوک برتا جاتا تھا۔ اُس کو ختم کر دینے کا حکم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو رحمٰن ورحیم جیسے رحم وکرم سے بھرے ہوئے الفاظ سے معنون نہ کیا گیا۔ کیونکہ یہ الفاظ مقتضی ہیں رافت ورحمت کے۔ اور موقعہ ہے اظہار غضب کا۔ اسی واسطے جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں کہا جاتا۔ بلکہ بسم اللہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اوّل الذکر مظہر ہے رحمت کا اور یہاں ضرورت ہے اظہار کبریائی اور بڑائی کی۔ کہ جس کے نام پر ایک ذی روح قربان کئے جانے کے قابل ہے۔ چنانچہ سورہ براۃ میں بھی قتل مقاتلہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ اور پرانے عہدناموں کو کفار سے ختم کر دینے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس واسطے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اس سورۃ کو شروع نہ کیا گیا۔ بعض لوگوں نے قرآنی بسم اللہ کی بجائے سورۃ برات کے لئے ایک خانگی بسم اللہ بنائی ہوئی ہے جو بعض قرآنوں میں بھی حاشیے پر چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار ومن غضب الجبار العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین۔ مگر یہ بسم اللہ نہ کسی حدیث میں آئی ہے۔ اور نہ کسی اور مستند کتاب میں۔ ہاں بعد کی ایجاد ہے +

سورہ براۃ پر بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سورہ براۃ پر بسم اللہ پڑھنے کے متعلق شرعی حکم یہ ہے۔ کہ اگر پیچھے سے سورہ انفال کو پڑھتا ہوا آتا ہے۔ اور اُسی بیٹھک میں سورہ براۃ کو بھی شروع کرتا ہے۔ تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر یہاں

Marfat.com

سے شروع کرے۔ باوسط سورہ سے پڑھے تو بسم اللہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ سورہ براۃ پر بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ حضرت عثمان جامع القرآن رضی عنہ الرحمان نے یوں بیان فرمائی ہے۔ کہ بسم اللہ مستقل سورت پر لکھی جاتی ہے۔ اور سورہ توبہ مستقل سورت نہیں۔ بلکہ میرے خیال میں سورہ انفال کی جزو ہے۔ اور حضورؐ نے انتقال فرمانے تک اس کے متعلق کچھ بیان نہ فرمایا۔ اس لئے میں نے سورہ توبہ کو انفال کے قریب رکھ کر ان میں بسم اللہ نہ لکھا۔ تاکہ جن لوگوں کا گمان ہے۔ کہ یہ مستقل سورت ہے۔ انہیں مستقل معلوم ہو۔ اور جن کا میری طرح ان دونوں کے ایک ہونے کا خیال ہے۔ وہ بسم اللہ کے فصل نہ ہونے کی وجہ سے ایک سمجھیں۔ چنانچہ ترمذی شریف میں حضرت عثمانؓ کے الفاظ یوں درج ہیں۔

دکانت الانفال من اوائل	یعنی انفال مدینہ شریف کی ابتدائی
مانزلت بالمدینۃ وکانت براۃ	سورتوں میں سے ہے۔ اور براۃ
من اخرالقران وکانت قصتھا	آخر قرآن سے۔ مگر دونوں کا قصہ
شبیھۃ بقصتھا فظننت انھا	آپس میں ایک دوسرے سے ملتا
منھا فقبض رسول اللہ صلی اللہ	ہے۔ اس سبب سے میں نے خیال
علیہ وسلم ولم یبین لنا	کیا۔ کہ براۃ انفال ہی کا جزو ہے۔ اور
انھا منھا فمن اجل ذلك	حضور رحلت فرما گئے۔ مگر آپ نے
قرنت بینھما ولم اکتب بینھما	اس کے متعلق ہم سے کچھ بیان نہ فرمایا
سطر بسم اللہ الرحمن الرحیم	اس لئے میں نے دونوں کو ایک جگہ
	کرکے درمیان میں بسم اللہ الرحمن کی سطر
	نہ لکھی

Marfat.com

توحضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ کے اس بیان سے معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے بسم اللہ اس وجہ سے نہ لکھی۔ کہ ان کے خیال میں یہ دونوں صورتیں بوجہ تشابہ کے ایک ہیں۔ لہٰذا جو شخص اسے مستقل سمجھے۔ یا بالاستقلال یہاں سے تلاوت شروع کرے۔ تو پھر بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہر سورۃ کو کیوں شروع کیا جاتا ہے

بسم اللہ ہر سورت کے لئے دیباچہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح دیباچہ کتاب میں کتاب کے سب مضمون کو بالاختصار بتا دیا جاتا ہے تاکہ دیباچہ کے آئینہ میں آئندہ مفصل مضامین کی جھلک دکھا کر پڑھنے والے کو ان سے فی الجملہ مانوس کرا دیا جائے۔ بعینہٖ اسی طرح بسم اللہ بھی ہر سورت کے مضمون کو بالاختصار ظاہر کر دیتی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک کی ہر سورت میں بالخصوص تین مضمونوں کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنی توحید رسالت اور مسئلہ مجازات یا جزاؤ سزا کا مسئلہ۔ یہ تینوں باتیں ہر سورت میں مختلف تفصیلوں اور تشریحوں سے بیان کی گئی ہیں۔ مگر تسمیہ میں تینوں کی تینوں بالاختصار پڑی ہوئی ہیں۔ جو آئندہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں رحمن اور رحیم کی مکمل تفسیر کے جاننے کے بعد پوری طرح ذہن نشین ہو جائیگا۔

بعض تفاسیر میں لکھا ہے۔ کہ تمام قرآن پاک کا خلاصہ سورہ فاتحہ ہے۔ اور تمام سورہ فاتحہ کا خلاصہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور تمام بسم اللہ

Marfat.com

کا خلاصہ حرف باے میں موجود ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں تمام قرآن پاک کا خلاصہ اور نچوڑ باے میں ودیعت کیا گیا ہے۔ اور اس بات کی تشریح یہ ہے۔ کہ تمام قرآن پاک کا مطلب مختصر طور پر یہ ہے۔ کہ ہر انسان کو اللہ تعالےٰ سے ملا دے۔ اور چونکہ باے بھی عربی زبان میں الحاق یا ملانے کے لئے آتی ہے۔ تو گویا اتحاد مقصود میں قرآن پاک کی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ اور بسم اللہ کی باے کے آئینہ میں قرآنی پہاڑ کا پورا پورا عکس نظر آتا ہے ؁

ہر کام بسم اللہ کہہ کر شروع کرو

بسم اللہ کے خلاصۂ قرآن اور جلیل القدر آیت ہونے کی وجہ سے حضور سرور کائنات فرماتے ہیں۔ کل امر ذیبال لم یبدا ببسم اللہ فھوا قطع واجذم۔ یعنی جو کام بسم اللہ کے ساتھ شروع نہیں کیا جاتا ہے۔ تو وہ ناقص اور دم کٹا رہتا ہے۔ یعنی اس میں برکت اور یمن نہیں پائی جاتی ایک دوسری حدیث میں آتا ہے۔ کہ ایک بدو نے حضورؐ کے سامنے کھانا کھایا۔ کھانا اگرچہ بہت تھا۔ مگر اعرابی کا پیٹ نہ بھرا آپ نے فرمایا۔ کہ اگر یہ شخص بسم اللہ کہہ کر کھانے کو شروع کرتا۔ تو اس کا پیٹ بھر جانے کے بعد بھی کھانا بچ جاتا۔ مگر چونکہ اس نے بسم اللہ نہیں کی۔ اس واسطے اللہ تعالےٰ نے اس کے کھانے سے برکت کو سلب کر لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے رزقوں میں بھی برکت نظر نہیں آتی۔ پہلے ایک شخص کماتا تھا۔ اور دس بیٹھ کر کھاتے تھے۔ اب دس کماتے ہیں۔ مگر ایک بھی بیٹھ کر نہیں کھا سکتا۔ کیونکہ پہلے ہمارے گھروں کے سب آدمی نمازی ہوتے تھے جب

Marfat.com

عورت کھانا پکاتی تھی۔ تو بسم اللہ سے کام شروع کرتی تھی۔ جب آٹا گوندھتی تو بسم اللہ کہہ کر گوندھتی۔ جب کھانا برتنوں میں ڈالتی تو بسم اللہ کہہ کر ڈالتی۔ اور جب کھانے والے کھاتے تو بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کرتے مگر آج حالت ہی بدل گئی۔ سینکڑوں گھروں میں ایک بھی پورا گھر نمازی نہ ملیگا۔ بسم اللہ سے کھانا شروع کرنا تو درکنار۔ اگر کسی فحش بات سے شروع نہ کیا جائے۔ تو بھی غنیمت ہے۔ مگر آج کل تو کھانا شروع کرتے ہیں کسی فلم ایکٹرس کی تعریف سے یا کسی بیہودہ بات مثلاً چغلی غیبت یا بدگوئی ہے۔ تو پھر آپ ہی بتائیں۔ کہ جب کسی کھانے کی ایسی مبارک ابتدا ہو تو اس کی انتہا کتنی مسعود و میمون ہوگی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آج اس کھانے میں برکت نہیں۔ اس کھانے کی قوت میں برکت نہیں اس قوت کے نتیجہ میں برکت نہیں۔ گویا خط غلط۔ املا غلط اور کاغذ غلط۔

قرآن پاک کو بائے سے شروع کرنے میں حکمت

قرآن پاک کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اور تسمیہ کو بائے سے شروع کیا گیا۔ تاکہ قاری بائے کے اجمال سے آہستہ آہستہ تفصیل کی طرف جائے۔ اور قرآنی مضامین بتدریج پورے پورے ذہن نشین ہو جائیں۔ بائے کو اللہ تعالےٰ نے الف پر مقدم فرمایا۔ حالانکہ الف حروف تہجّی میں سب سے پہلا حرف ہے۔ اور پھر یہی نہیں بلکہ بسم جو کہ اصل میں سِم تھا۔ اس کے الف کو گرا کر اس کی جگہ بائے کو دے دی گئی۔ اس تقدیم اور ترجیح کے متعلق علمائے کرام نے نہایت اعلیٰ اعلیٰ نکات

Marfat.com

بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے چند ایک عام فہم باتیں آپ کے سامنے بیان کر دیتا ہوں ÷

(۱) بائے کو الف پر اللہ تعالیٰ نے اس لئے مقدم فرمایا۔ کہ الف میں تکبّر اور ترفع پایا جاتا ہے۔ اور اس کی شکل ایک متکبر انسان کی سی ہے۔ اس کی گردن اٹھی ہوئی ہے۔ اور اس کی ہیئت سے فخر و غرور کا اظہار ہوتا ہے۔ مگر بائے کی شکل ایک متواضع انسان کی سی ہے۔ جو انکساری اور عاجزی کی وجہ سے زمین پر جھکا ہوا ہوتا ہے۔ کیونکہ مثل مشہور ہے "نہد شاخ پرمیوہ سر بر زمین"۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی کا فخر و تکبّر پسند نہیں۔ کیونکہ آپ کا صاف فرمان ہے۔ الکبر ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی فیھما قصمتہ یعنی کبر تو میری چادر ہے۔ اور بزرگی میرا تہہ بند۔ جو ان میں مجھ سے نزاع کریگا۔ تو میں اس کو توڑ کر رکھ دونگا۔ اس واسطے رب العزّت نے بائے کی عاجزی پر نظر کر کے اُسے اس عظیم الشان انعام سے نوازا ÷ ے

طریقت جزیں نیست درویش را   کہ افگندہ دار تنِ خویش را

کوہ جودی کو اُس کے انکسار کی وجہ سے عزّت دیگی

کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ جب نوح علیہ السّلام کے زمانے میں سخت طوفان آیا۔ اور دُنیا پانی پانی ہوگئی۔ تو نوع علیہ السّلام کو جو کشتی میں سوار تھے۔ اپنی کشتی کو کسی پہاڑ پر لگانے کا حکم ہُوا۔ اس حکم کی وجہ سے اونچے اونچے اور بڑے بڑے پہاڑ فخر کرنے لگے۔ کہ اس طوفانی زمانہ

Marfat.com

ہیں ہمارے بغیر اور کونسا پہاڑ ایسا ہوگا۔ جو کشتی نوح علیہ السّلام کے لنگر انداز ہونے کے قابل ہو سکیگا۔ مگر جودی جو ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی انکسار اور عاجزی کی زبان سے کہنے لگی۔ کہ میں کس قابل ہوں کہ مجھ پر حضرت نوح علیہ السّلام کی کشتی کو لگایا جائے۔ اور ایسے اولوا لعزم پیغمبر کے مقدس قدموں سے میرے پتھروں کو عزّت بخشی جائے۔ اللّٰہ جل شانہٗ کو جودی کی یہ عاجزی پسند آئی۔ اور نوح علیہ السّلام کو جودی ہی پر اپنی کشتی لگانے کا حکم فرمایا۔

بُرّاق کا انکسار اور اس کا نتیجہ

اسی طرح جب لیلتہ المعراج ہوئی اور رضوان سے جنّت کی آراستگی کا حکم ہوا اور ساتھ ہی جبرئیل امین کو تاجدار مدینہ کی عروجی سیر کے لئے جنّت سے ایک نہایت اعلیٰ گھوڑا لے جانے کا ارشاد ہوا تو جب جنّت کے گھوڑوں نے یہ خوشخبری سُنی۔ تو سب کے سب ہنہنانے لگے۔ اور اپنے اپنے بخت پر فخر کرنے لگے اور دل ہی دل میں کہنے لگے۔ کہ ہم سے زیادہ کونسا گھوڑا سواری اقدس کے قابل ہو سکتا ہے۔ مگر براق جو کہ چھوٹے سے قد کا سفید رنگ کا گھوڑا تھا۔ اپنے قد کی چھوٹائی اور دوسروں کی خوبصورتی کو خیال کر کے دل ہی دل میں کہنے لگا۔ کہ میں اس قابل کہاں ہوں۔ کہ سرورِ کونین کو مجھ پر سوار کیا جائے۔ اللّٰہ جل شانہٗ کا حکم ہوا۔ کہ اے روح الامین۔ رحمتہ العالمین کی سواری کے لئے اسی براق ہی کو لے جاؤ۔ کیونکہ اس کی عاجزی ہمیں بہت پسند آئی ہے

Marfat.com

اسی واسطے حضورؐ نے فرمایا ہے۔ من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ یعنی جس نے خدا کے لئے تواضع کی اللہ تعالیٰ اُسے بلند کر دیتا ہے۔ مرتبہ اور عزت میں ٭

رجوعِ مطلب

تو بھائیو اسی طرح جب بائے نے عاجزی کی تو اسے قرآن مقدس کی کتابت میں سب سے اول اور مقدم جگہ دی گئی ٭

(۲) بائے کلام عربی میں جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ملانے کا کام دیتا ہے۔ مگر الف عموماً قطع کرنے کے لیے آتا ہے۔ جہاں پر یہ آیا تو دو لفظوں کو آپس میں جدا کر دیتا ہے چونکہ وصال فصال سے اچھا اس لیے بھی بائے کو الف پر مقدم کر دیا گیا۔

مولانا روم صاحب نے موسیٰ اور ایک چرواہے کا قصّہ لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام ایک دفعہ کسی جنگل سے گزر رہے تھے۔ کہ آپ نے ایک گڈریے کو دیکھا کہ زور زور سے کہہ رہا تھا۔ کہ اے اللہ تو اگر میرے پاس آتا۔ تو میں تجھے بکریوں کا دودھ پلاتا۔ اگر تو تھک جاتا تو تجھے پاتا۔ اگر تجھے سردی لگتی تو تجھ پر یہ اپنی کملی اوڑھاتا مولانا روم صاحب فرماتے ہیں

این نمط بیہودہ میگفت آں شبان	گفت موسیٰؑ با کیستت اے فلاں
گفت با آنکس کہ مارا آفرید	ایں زمان و چرخ ازو آمد پدید
گفت موسیٰؑ ہائے خیرہ سر شدی	خود مسلماں ناشدہ کافر شدی
گفت اے موسیٰؑ دہانم دوختی	وز پشیمانی تو جانم سوختی
وحی آمد سوئے موسیٰؑ از خدا	بندۂ مارا زما کردی جدا

Marfat.com

تو برائے وصل کردن آمدی　　　نے برائے فصل کردن آمدی

یعنی وُہ چرواہا اس قسم کے بے ہودہ اور لایعنی کلام میں مشغول تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ سب کچھ سنا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اے گڈریئے توکس کے ساتھ یہ باتیں کررہا ہے۔ گڈریئے نے جواب دیا۔ اور کس کے ساتھ کررہا ہوں۔ اپنے خالق کے ساتھ کہ جس نے یہ سب آسمان وزمان پیدا فرمائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بیوقوف۔ تو تو بجائے مسلمان ہونے کے کافر ہوگیا۔ کیونکہ یہ سب کے سب کفریہ الفاظ ہیں۔ گڈریئے نے کہا۔ اے موسیٰؑ تو نے تو یہ بات کہہ کر میرے منہ کو سی دیا۔ اور شرمندگی اور پشیمانی کی وجہ سے تو نے مجھے جلا دیا۔ جب گڈریئے نے ڈر کر خُدا کو یاد کرنا چھوڑ دیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔ کہ اے موسیٰؑ تُو نے ہمارے بندے کو ڈرا کر ہم سے جُدا کر دیا۔ حالانکہ تیرا کام تو ملانا تھا۔ نہ کہ جُدا کرنا۔ تو گویا ملانے کا کام اللہ جل شانہ کو پسند ہے۔ اسی واسطے تو قرآن وحدیث صلہ رحمی کرنے والوں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ مگر قاطع الرحم کے متعلق نہایت غضب آلود الفاظ بیان فرماتے ہیں۔ لہٰذا بائے کو صفت الصاق واتصال کے باعث الف فاصل پر مقدم ومرجح کر دیا گیا *

(۳) الف کو بوجہ اس کے تکبّر اور غرور کے نقطہ تک سے محروم کر دیا گیا۔ مگر بائے کے انکسار اور عاجزی کو دیکھ کر اللہ جل شانہ نے اسے نقطوں کی صورت میں انعام دینا چاہا۔ مگر اس کی وحدت پسندی کو دیکھو۔ کہ اس نے اتنے نقطوں سے صرف ایک ہی لیا۔ کیونکہ ایک سے محبت کرنا فقراء اور اولیاء کی شان ہے۔ تو گویا دوسرے الفاظ میں بائے

Marfat.com

میں محبت و وحدت کا راز پڑا ہوا تھا۔ مگر اس پر بھی دیکھو کہ اس نوازش ربانی سے اس میں کسی قسم کا غرور نہ آیا۔ بلکہ اس امتیازی نقطہ کو بجائے اوپر رکھنے کے پاؤں میں ڈال دیا۔ تاکہ دنیا پر ظاہر ہو جائے کہ فقراء و اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ کہ وہ کسی امتیاز و اعزاز کے دیئے جانے پر فخر نہیں کرتے۔ بلکہ وہ نقطہ امتیاز ان میں اور بھی انکساری پیدا کر دیتا ہے

(۴) بائے وہ حرف ہے۔ جس کے ساتھ روز میثاق میں انسانوں کا منہ کھلا۔ جب اللہ جلشانہ نے سب روحوں کو مخاطب کر کے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ تو تمام روحوں نے یک زبان ہو کر جواب دیا قَالُوْا بَلٰى اور چونکہ بَلٰى کی ابتدا بائے سے ہے تو گویا قرآن پاک کو بائے سے شروع کر کے انسان کو وعدہ میثاق کی یاد بھی دلا دی۔ کہ اے انسان جب تو میری ربوبیت کو مان چکا۔ اور مجھے اپنا معبود تسلیم کر چکا۔ تو تجھے اب چاہئے کہ میری تربیت کے احسان کا شکریہ بھی ادا کرے۔ اور یہ قرآن ادائے شکر کے طریقہ کی تفصیل ہے اس واسطے اسے پڑھ اور اس پر عمل کر۔

(۵) عربی زبان میں واؤ۔ الف اور یائے کو حروف علت کہتے ہیں۔ کیونکہ علت کا معنی ہے بیماری چونکہ یہ حروف بھی جس لفظ میں داخل ہوتے ہیں اسے بیمار کر دیتے ہیں۔ اسی واسطے عربی میں ایسے لفظ کو معتل کہا جاتا ہے یعنی علت والا جس کی وجہ سے اس میں طرح طرح کی تعلیلیں ہو کر اسکی شکل بدلتی رہتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

حرف علت نام کردند واؤ الف و یائے را
ہر کہ را درد ے رسد لاچار گوید وائے را

جب کوئی انسان بھی بیمار ہوتا ہے۔ تو اس کی زبان سے وائے کا لفظ

Marfat.com

نکلتا ہے۔ جو مرکب ہے واؤ الف اور یائے سے تو گویا بیمار کے لفظ بھی بیمار ہیں۔ مگر برعکس بائے حروف صحیحہ سے ہے اس لیے حرف صحیح سے قرآن پاک کو شروع کر کے اشارۃً یہ بتا دیا گیا۔ کہ اس پاک کتاب کے پڑھنے والے ہمیشہ صحیح العقیدہ صحیح العمل اور صحیح الطریقہ رہیں گے اور انہی لوگوں کو دین و دنیا کے عذاب و ذلت کی علت سے پورا پورا محفوظ رکھا جائے گا۔

(۶) اگرچہ الف بائے سے حروف تہجی میں مقدم ہے۔ مگر تلفظ کے لحاظ سے وہ اس سے مؤخر ہے۔ نام کے لحاظ سے اگرچہ متبوع ہے۔ مگر کام کے لحاظ سے بائے کا تابع ہے۔ کیونکہ الف معناً اور ترکیباً بائے سے کبھی پہلے نہیں آ سکتا یعنی یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ اب ترکیباً آ کر الف الف رہ سکے۔ ہاں جب کبھی الف الف رہنے کی خواہش کرے گا۔ تو اسے "با" بن کر آنا پڑے گا۔ کیونکہ "اب" کی صورت میں بائے سے اول ہمزہ ہے الف نہیں۔ الف تو ہمیشہ خود ساکن ماقبل مفتوح ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی جگہ بھی شکل رکھے گا۔ تو وہ الف نہیں بلکہ ہمزہ ہو گا۔ تو گویا بائے کو مقدم کر کے یہ راز سمجھایا۔ کہ اے تالی تجھے الف کی طرح نام میں متبوع ہونے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ بائے کی طرح کام میں متبوع ہونے کی ضرورت ہے اسی واسطے قرآن پاک نے جہاں کہیں ایمان کا ذکر فرمایا ہے۔ ساتھ ہی اعمال صالحہ کی قید کو بھی بڑھا دیا ہے۔ کہ صرف نام کا ایمان لانا مفید نہیں بلکہ کام کا ایمان لاؤ۔ اسی واسطے تو حضورؐ نے فرمایا ہے۔ لَا یُقْبَلُ اِیْمَانٌ بِلَا عَمَلٍ وَّلَا عَمَلٌ بِلَا اِیْمَانٍ

مولانا فرماتے ہیں :-

Marfat.com

میم و واؤ میم ولون تشریف نیست　　　لفظ مومن جز پئے تعریف نیست

لفظ مومن تو دوسرے الفاظ کی طرح محض تعریف پیدا کرتا ہے۔ اور مومن کو غیر مومن سے جدا کر کے معرفہ بنا دیتا ہے۔ اعمال کے بغیر اس لفظ کو موجب شرافت سمجھنا تو ایسا ہے۔ جیسے ایک مفلس و قلاش کا نام سلطان الہند یا ایک کالے کلوٹے کا نام بدر منیر رکھ دیا جائے۔

ایمان بلا عمل کی مثال

ایک ماسٹر صاحب بچوں کو سوال حل کرواتے تھے اور بار بار لاکھوں روپوں کا حساب لکھاتے تھے ایک فقیر کھڑا اتنی اتنی بڑی رقموں کے نام سن رہا تھا۔ آخر جب ماسٹر صاحب سوال لکھا چکے۔ تو فقیر آگے بڑھا۔ اور کہا صاحب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت مال دیا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر مجھ دکھی کو بھی اس میں سے ہزار دو ہزار روپے دیں۔ تا کہ مجھ غریب کا بھی بیڑا پار ہو جائے۔ ماسٹر صاحب ہنس پڑے اور کہا فقیر صاحب یہ تو سب رقمیں زبانی ہی زبانی ہیں عملی صورت میں تو ہمارے پاس ایک پیسہ بھی نہیں لو بھائی آج ہم اپنی ایمانداری کا زبانی جمع خرچ تو ماسٹر صاحب کی طرح بہت کچھ کرتے ہیں مگر عملی صورت دیکھو تو صفر ہوتی ہے۔

رے، بائے اپنے وجود میں کامل ہے۔ اور بغیر کسی دوسرے حرف کی مدد کے اکیلی بھی متلفظ ہو سکتی ہے۔ مگر الف اپنے وجود میں ناقص ہے اور بغیر کسی دوسرے حرف کے ملانے کے اس کا تلفظ محال ہے۔ تو گویا تقدیم بائے میں انسان کو یہ بتایا کہ اے انسان جب تیرے اندر کچھ کمال اور معنی ہو۔ تو اگرچہ لوگ

Marfat.com

تجھے ناقص لوگوں سے نیچے بٹھائیں اور ان کو اچھی جگہ اور اعلیٰ مرتبہ دیں تو غم مت کر۔ بلکہ اللہ تعالیٰ آخر کار تجھے تیرے کمال باطنی کی وجہ سے ناقص لوگوں کا سرتاج و سرخیل بنا دے گا۔

(۸) بائے خود ہمیشہ مکسور ہوتی ہے اور جس کے ساتھ ملتی ہے اسے بھی مکسور بنا دیتی ہے۔ اور یہی اہل اللہ اور خدا رسیدہ لوگوں کی شان ہوتی ہے کہ خود تو متواضع اور منکسر المزاج ہوتے ہی ہیں۔ مگر جو لوگ کہ ان کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہیں۔ انہیں بھی انکسار و عجز کا نمونہ بنا دیتے ہیں تو گویا بائے کو قرآن پاک کے سرے پر لا کر اشارہ فرمایا کہ اس کتاب کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ بھی عجز و انکسار کا ایک اعلیٰ نمونہ بن جائیں گے اسی واسطے قرآن پاک فرماتا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکسار اور عاجزی سے چلتے ہیں اور قرآن چونکہ اللہ تعالیٰ سے انسان کو ملا کر اس کا حقیقی بندہ ہونے کا سبق سکھاتا ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں یہ مقدس کتاب ہم کو عباد الرحمن بنا کر انکسار کا مکمل نمونہ بنانا چاہتی ہے۔

یہ چند ایک وجوہات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بائے کو الف پر مقدم فرمایا اور مقدم ہی نہیں بلکہ اسم کے الف کو گرا کر اس کی جگہ بھی اسے دے دی۔ اسی واسطے کتابت میں باسم اللہ کی جگہ بسم اللہ لکھا جاتا ہے۔

بائے کی طرح صفات پیدا کرنے کی وصیت اور ایاز کا قصہ

تو بھائیو بائے کی طرح صفات پیدا کرو تو پھر دیکھو کہ دوسری قوموں کے غرور و تکبر کو توڑ کر تمہیں کس طرح معزز و مکرم بنایا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں

Marfat.com

آتا ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں انا عند منکسرۃ قلوبہم من اجلی یعنی میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہیں کیا نہیں دیکھتے کہ جب بازو ٹوٹ جاتا ہے۔ تو اسے پٹی باندھ کر گلے سے لگا لیا جاتا ہے۔ مگر سینے پر رکھے جانے اور گلے میں لٹکائے جانے سے اول اس کا ٹوٹنا لازمی ہے۔ صحیح و سالم ہاتھ کو گلے سے نہیں لٹکایا جاتا تو ایسے ہی جب اپنے دلوں کو عشق الٰہی سے توڑ دو گے تو پھر دیکھو گے کہ رب العزت اس ٹوٹے ہوئے دل کے کتنے قریب ہو جاتے ہیں اور اس شکستہ دل کی قیمت قلب سلیم سے کس قدر بڑھ جاتی ہے۔ سچ ہے ؎

عاشق نہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد

اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب است

شاید آپ نے ایاز و محمود کا قصہ تو سنا ہوگا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایاز جو محمود غزنوی کا چہیتا غلام تھا۔ مگر حسن خلق۔ ذکاوت اور ذہانت کے باعث محمود اس کا غلام بن چکا تھا اور حالت یہ ہو چکی تھی۔ ؎

محمود غزنوی کہ ہزاران غلام داشت

عشقش چناں گرفت غلام غلام شد

یہ ایاز ایک دفعہ محل کی چھت پر کھڑا ہو کر کسی پرندے کو غلہ مار رہا تھا محل کے نیچے ایک آئینہ فروش کی دکان تھی غلہ اتفاق سے ایک نہایت قیمتی آئینہ پر جا کر لگا جس سے شیشہ بالکل چکنا چور ہو گیا۔ مالک دکان شیشے کے ٹکڑوں کو چادر میں باندھ کر محمود غزنوی کے حضور میں پیش ہوا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا اگر ہمارے غلام کے ہاتھ سے تمہارا شیشہ ٹوٹ گیا ہے۔ تو ہم اس کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں۔ دکاندار

Marfat.com

نے شکریہ ادا کیا اور قیمت لینے پر رضامندی ظاہر کی بادشاہ نے پوچھا کہ تمہارے شیشے کی کیا قیمت ہے شیشہ فروش نے عرض کی۔ کہ صاحب اس کی قیمت پانچہزار دینار ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ جھوٹے ایسے شیشے تو آدھے دینار سے بھی کم قیمت پر فروخت ہوتے ہیں۔ اور تو دو نہیں چار نہیں اکٹھے پانچہزار دینار قیمت بتا رہا ہے۔ دیکھ میں ابھی تیرے صدق و کذب کو ظاہر کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے حکم کیا۔ کہ غزنی کے تمام شیشہ فروشوں کو اسی وقت دربار میں جمع کیا جائے۔ حکم کی دیر تھی۔ جوق در جوق شیشوں کے تاجر دربار میں آنے لگے۔ جب سب آچکے تو بادشاہ نے ان سب کو مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو تم سب لوگوں کا پیشہ شیشہ فروشی ہے تم کھوٹے کھرے کو اچھی طرح پرکھ سکتے ہو۔ اس واسطے بلا کسی خوف و خطرہ کے مجھے سچ سچ بتا دو کہ اس ٹوٹے ہوئے شیشے کی بازار میں زیادہ سے زیادہ کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ کسی نے آدھا دینار کسی نے ایک کسی نے دو کہے۔ مگر کہاں اصلی قیمت اور کہاں شیشہ فروش کا تقاضا۔ جب سب قیمت کا اندازہ لگا چکے۔ تو بادشاہ شیشہ فروش کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ کیوں تم کو اپنا سچ جھوٹ معلوم ہو گیا یا نہیں۔ شیشہ فروش نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ حضور یہ سب سالم شیشے کی قیمت بتا رہے ہیں۔ مگر میں تو حضور سے ٹوٹے ہوئے شیشے کی قیمت طلب کرتا ہوں۔ میں خود کہتا ہوں۔ کہ اگر یہ شیشہ سالم ہوتا تو ان لوگوں کی بتائی ہوئی قیمت سے ایک پیسہ بھی زیادہ کا نہ تھا۔ مگر یہ ٹوٹنے کی وجہ سے اتنا قیمتی ہو چکا ہے۔ بادشاہ نے کہا ارے دیوانے کہیں کوئی چیز ٹوٹ کر بھی صحیح و سالم ہونے کی حالت سے زیادہ قیمتی ہو سکتی ہے لیسے تو یہ اب ایک دمڑی کا بھی نہیں۔ اس نے کہا حضور یہ

Marfat.com

سب کچھ سچ ہے۔مگر یہ بیکار اور بے قیمت اسی وقت ہوتا جب کہ یہ کسی معمولی شخص کے ہاتھ سے ٹوٹتا۔مگراب تو یہ ایاز کے ہاتھ سے ٹوٹا ہے۔جو کہ حضور کا نہایت پیارا اور چاہیتا غلام ہے۔اور ایاز کے ہاتھ سے شیشے کا ٹوٹنا ایسا ہے کہ جس پر آئینہ کی ہزار سلامتی قربان کی جائے تو کم ہے۔ بادشاہ اس عاشقانہ رمز کو سمجھ گیا۔اور حکم دیا۔کہ دکاندار کو اس کی منہ مانگی قیمت دے کر رخصت کیا جائے

تو بھائیو! جب ایک بادشاہ اپنے ایک پیارے غلام کے ہاتھ سے ٹوٹے ہوئے شیشے کی اس قدر عزت افزائی کرتا ہے تو وہ مالک الملک اپنے عشق کے غلبے سے ٹوٹے ہوئے دل کو کیوں نہ قیمتی اور معزز بنا دے گا اسی واسطے تو فرما دیا ہے انا عند منکسرۃ قلوبھم من اجلی۔یعنی ایسے ٹوٹے ہوئے دل والے کے ساتھ اللہ جلشانہ ہو جاتا ہے۔تو جب وہ خود معشوق حقیقی شکستہ دل عاشق کے ساتھ ہو جائے۔تو پھر اس عاشق کی کامیابی کا کیا پوچھنا۔پھر ایسے عاشق کے آگے تو تمام دنیا کو جھکا دیا جاتا ہے اور وہ عاشق جو سب کا خادم اور چاکر تھا۔سب کا مخدوم اور آقا بنا دیا جاتا ہے۔مگر یہ تب ہی ہوتا ہے کہ جب عاشق بائے کے اوصاف اپنے وجود میں پیدا کر لیتا ہے۔

اسم

اب بائے کے بعد اسم کا لفظ آتا ہے۔اس کا معنی نام ہے بسم اللہ یعنی اللہ کے نام کے ساتھ۔دیکھئے قاری قرآن پاک کو اللہ کے نام سے شروع کرتا ہے خود لفظ اللہ سے شروع نہیں کرتا۔کیونکہ کسی کام کے اختتام اور نیک

Marfat.com

سرانجام کے لئے ذات مقدس تو کجا۔ صرف ذات مقدس کا نام ہی کافی ہے تو خیال کرو کہ جس ذات کے پاک نام میں اس قدر برکت ہو۔ وہ ذات خود کس قدر بابرکت و باعظمت ہو گی اور جب ایک کام صرف نام باری کے ساتھ متصل ہونے سے بابرکت ہو جاتا ہے۔ تو پھر وہ انسان جو خود ذات باری سے واصل ہو جائے۔ اس کے یمن و برکت اور فیض و افاضہ کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے اے عزیز اگر تجھے کوئی ایسا واصل انسان ملے۔ تو اس کے وجود کو کیمیا سمجھ کر اس سے لگ جا اور پھر دیکھ کہ تیرے وجود کا زنگار آلود لوہا کس طرح زر خالص میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

گر تو چاہے ہے وصل حق اے بے خبر — کاملوں کا خاک پا ہو سر بسر
جب تلک ان کا نہ ہو گا خاک پا — راز حق ہرگز نہ ہو گا تجھ پہ وا
ان کے ظاہر پر نہ ہرگز کر نظر — نور باطن ان سے حاصل کر پسر

انسان کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کا انسان کے ساتھ ہونے میں فرق

لیکن یہ بھی یاد رہے کہ انسان کا واصل باللہ ہونا یعنی انسان کا اللہ کے ساتھ ہونا اور اللہ کا انسان کے ساتھ ہونے میں ایک دقیق فرق ہے جب انسان اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو انسانی درجہ عاشقی میں اور ذات باری درجہ معشوقیت میں ہوتی ہے۔ اور انسان کی ایک عاشق کی طرح آزمائش کی جاتی ہے۔ اس پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں۔ اور اسے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر کے اس کے عشق کو پرکھا جاتا ہے۔ لیکن جب عاشق تمام مصیبتوں اور دکھوں کو خوشی سے برداشت کرتا ہے۔ اور معشوق کی رضامندی

Marfat.com

میں اپنی رضا سمجھتا ہے تو اب درجۂ عاشقیت سے ترقی کر کے درجۂ معشوقیت کو حاصل کر لیتا ہے۔ اور "عشق اول در دل معشوق پیدا می شود" کے مقولہ کا صدق ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت ذات باری خود انسان کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اور جس طرح عاشق معشوق کے تمام ناز برداشت کرتا ہے، اور اس کی خواہشات و مطلوبات کو پورا کرنا نہایت ضروری سمجھتا ہے اسی طرح اللہ جل شانہٗ بھی اس وقت اس معشوق کی تمام باتوں کا خیال فرماتے ہیں۔ اور اسے تکلیفات و مصائب سے بچا کر محبت و عظمت کے تخت پر بٹھاتے ہیں اسی واسطے بابا فرید صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ کبھی ہم خدا کا حکم مانا کرتے تھے اور ان کی مرضی کے مطابق اطاعت کیا کرتے تھے۔ مگر آج رب العزت خود ہماری مرضی اور خواہش کو پورا فرماتے ہیں۔ اور خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ کبھی وہ زمانہ تھا کہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے مگر آج وہ زمانہ ہے کہ خانہ کعبہ خود ہمارا طواف کرتا ہے۔ یہ کیا ہے یہی درجہ عاشقی کا معشوقی میں تبدیل ہونا یا انسان کا خدا کے ساتھ ہونے کی بجائے خدا کا انسان کے ساتھ ہو جاتا ہے

رجوع بمطلب

بائے اور اللہ کے درمیان لفظ اسم کو داخل کرنے کی ایک وجہ بیان ہو چکی ہے دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ اگر بائے اور اللہ کے درمیان اسم کو نہ لایا جاتا تو باللہ الرحمٰن الرحیم ہوتا اور باللہ کلام عربی میں قسم کے لئے ہوتا ہے۔ تو معنی یوں ہو جاتے کہ قسم ہے اللہ کی جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ تو گویا اسے قسم اور استعانت میں فرق رکھنے کے لئے لایا گیا

Marfat.com

اَللّٰہُ

اب اس کے بعد لفظ اللہ آتا ہے۔ اللہ باری تعالیٰ کا اسم ذاتی ہے۔ اس کے علاوہ باقی جس قدر نام ہیں سب کے سب صفاتی ہیں یہ نام نہ تو اسلام میں اور نہ اسلام سے پہلے کبھی باطل معبودوں کے لئے مستعمل ہوا ہے اور پھر یہ بھی عربی کی خصوصیت دیکھو۔ کہ اس کے سوا دنیا کی کسی اور زبان میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام نہیں پایا جاتا جس قدر دوسری زبانوں میں خدا کے نام پائے جاتے ہیں۔ وہ سب کے سب صفاتی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذاتی نام ہے اس لئے کثیر فقراء و اولیاء سے اس نام کا اسم اعظم ہونا منقول ہے۔ اور اسم اعظم کی خاصیت یہ ہوتی ہے۔ کہ اس کے توسط سے دعا میں قبولیت پیدا ہو جاتی ہے

دعا کی قبولیت پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

آپ اس سے شاید یہ اعتراض کر بیٹھیں کہ ہم تو اپنی دعاؤں میں روز ایک دفعہ نہیں بلکہ سینکڑوں دفعہ اللہ کا نام لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں

کیونکہ جس طرح دوا کے لئے شرطیں ہوتی ہیں آپ مثلاً ایک اعلیٰ قسم کا کشتہ کھائیں۔ کھلانے والے حکیم صاحب تمہیں کہیں۔ کہ دیکھنا صاحب کھٹائی مرچ اور تیل سے پرہیز کرنا۔ ارہر کی دال کے ساتھ چپاتی کھانا مگر آپ حکیم کی ایک بات پر بھی عمل نہیں کرتے۔ آپ کھٹائی بھی کھاتے ہیں۔ مرچ بھی کھاتے

Marfat.com

ہیں اور پھر آخر میں کشتہ کے مفید نہ ہونے کا شکوہ کر کے حکیم صاحب کو بدنام کرتے ہیں تو اس میں اب نہ تو غلطی حکیم صاحب کی ہے۔ اور نہ کشتے کا قصور ہے۔ بلکہ سب کی سب غلطی تمہاری اپنی ہے اگر آپ کشتے کو حکیم صاحب کی ہدایت کے مطابق استعمال کرتے اور پھر اثر نہ ہوتا۔ تو آپ کی شکایت بجا ہوتی۔ اسی طرح دعا کے لئے بھی جو چند ہدایتیں اس حکیم بے مثال نے دی ہیں ان کے عمل کے بغیر دعا میں اسم اعظم کا داخل کرنا کچھ مفید ثابت نہیں ہو سکے گا۔ استجابت دعا کے لئے سب سے پہلی شرط اکل حلال ہے۔ حضور سرور عالم فرماتے ہیں۔ الدعاء مفتاح للسماء و اسنانہ لقمۃ الحلال والاخر شرائطہ اصلاح الباطن والخلوص یعنی دعا آسمان کی کنجی ہے۔ مگر اس کنجی کے دندانے حلال کے لقمے ہیں اور دعا کی قبولیت کی آخری شرط یہ ہے کہ داعی کا باطن صاف اور اس کی دعا خلوص سے بھری ہوئی ہو

گر خورد لقمہ از اکل حلال نور تابد بر دل یار ہمہ کمال

جو شخص بھی ہدایات خداوندی کے مطابق دعا کرے گا۔ اس کی دعا کا تیر ضرور ہی ہدف اجابت پر لگے گا۔ مگر رزق حلال حضور قلب اور خلوص باطن کے سوا اسم اعظم کو شامل کر کے شور مچانا ایسا ہے۔ جیسے غافل چوکیدار رات کو شور مچاتا ہے۔ اس کے شور سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ جاگ رہا ہے مگر اس کا دل غفلت کے باعث کہیں کا کہیں پھر رہا ہوتا ہے۔ تو گویا بلا شرائط کے دعا کرنے والا چوکیدار کی شب بیداری کی طرح داعیوں کی فہرست میں تو داخل ہو جاتا ہے۔ مگر جیسے اس کی شب بیداری اہل اللہ جیسی نہیں ہوتی۔ کہ جن کی بیداری کی وجہ سے رحمت الٰہی کی بارش برسائی جاتی ہے۔ اسی طرح اس داعی کی دعا بھی بلا نتیجہ و انجام ہی رہتی ہے

Marfat.com

رحمت کی بارش

میں نے یہ کہا ہے کہ اہل اللہ جب رات کو جاگتے ہیں تو ان پر رحمت خداوندی کی بارش ہوتی ہے اور یہ کچھ استعارہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضور کسی صحابی کے جنازے میں تشریف لے گئے حضرت عائشہؓ نے حضور کے سر باندھنے کا رومال اپنے سر پر باندھا۔ رومال باندھنے کے بعد آپ نے دیکھا کہ نہایت باریک پھوار برس رہی ہے۔ چنانچہ آپ کو خیال ہوا۔ کہ حضور تو سب بھیگ جائیں گے۔ جب حضورؐ واپس گھر تشریف لائے تو آپ فوراً حضور کے پاس گئیں اور کپڑوں کو محسوس کرنے لگیں کہ آیا زیادہ بھیگ گئے ہیں یا معمولی۔ مگر آپ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب کہ آپ نے دیکھا کہ حضور کا مبارک لباس بالکل خشک ہے۔ حضور نے پوچھا اے عائشہ رضؓ تو تعجب سے میرے کپڑوں کو کیوں ٹٹول رہی ہے۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ حضور باہر تو بارش ہو رہی ہے اور آپ باوجود باہر سے آنے کے کچھ بھیگے نہیں۔ آپ نے فرمایا اے عائشہؓ تو نے کیا دوپٹے کے نیچے بھی کچھ سر پر باندھا ہوا ہے۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی کہ اور تو کچھ نہیں آپ کے سر باندھنے کا رومال ہے۔ بالوں کو تیل لگایا تھا۔ اس لئے آپ کا مستعمل رومال دوپٹہ کو بچانے کے لئے باندھ لیا۔ آپ نے فرمایا۔ تو اے عائشہ پھر یہ اسی رومال کی برکت ہے۔ کہ ناسوتی پردوں کو بالکل تیری آنکھوں سے اٹھا دیا گیا۔ اور آج میرے صحابی کی موت کی وجہ سے جو باران رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ وہ تو نے دیکھ لیا ہے۔ اے عائشہؓ یہ عام بارش نہیں بلکہ یہ رحمت کی غیر محسوس بارش ہے۔ جسے وہی دیکھ سکتے ہیں

Marfat.com

جن کی باطنی حیات اس قدر طاقتور ہو جاتیں کہ جو ناسوتی پردوں کو پھاڑ کر عالم ملکوت کی سیر کر سکیں۔ چنانچہ میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ رحمت کی بارش کچھ مجازی الفاظ نہیں بلکہ حقیقت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں اس کی حقیقت کو کاملین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

چنانچہ مولانا روم صاحب باران رحمت کے واقعہ کو اشعار میں یوں بیان فرماتے ہیں ؎

چوں زگورستان پیغمبر بازگشت — سوئے صدیقہ شد و ہمراز گشت
چشم صدیقہ چو بر رویش فتاد — پیش آمد دست بروے مے نہاد
بر عمامہ بر رخ و بر موئے او — بر گریبان و بر بازوے او
گفت پیغمبر چہ مے جوئی شتاب — گفت باراں آمد امروز از سحاب
جامہایت مے بجویم در طلب — تر نمے بینم زباراں اے عجب
گفت چہ بر سر فگندی از ازار — گفت کردم آں ردائے تو خمار
گفت بہر آں نمود اے پاک جیب — چشم پاکت را خدا باران غیب
نیست آں باراں ازیں ابر شما — ہست ابر دیگر و دیگر سماء
ایں چنیں باراں زابر دیگر ست — رحمت حق در نزولش مضمر ست

یعنی جب پیغمبر قبرستان سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے پاس آکر باتیں کرنے لگے۔ حضرت صدیقہ کی نگاہ جو آپ کے چہرہ مبارک پر پڑی۔ تو قریب آکر حضور کے چہرے پر ہاتھ رکھا۔ پھر آپ کی پگڑی منہ۔ بال گریبان اور بازوؤں پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ حضور نے پوچھا کہ اے حمیرا تم کیا دیکھتی ہو۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی حضور آج بارش ہوئی ہے مگر تعجب ہے کہ آپ کے کپڑے نہیں بھیگے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ تو نے سر پر

Marfat.com

کون سا کپڑا اوڑھا ہوا ہے۔ عرض کی کہ آپ کی چادر کا سر بند بنا یا تھا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ اے عائشہ پھر یہی وجہ تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تیری پاک آنکھوں پر باران غیب کو ظاہر فرمایا۔ ورنہ یہ بارش تمہارے اس ظاہری بادل سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کا ابر اور آسمان دوسرا ہی ہے۔ ایسی بارش ایک دوسرے بادل سے نازل ہوتی ہے۔ اور اس میں رحمت حق تعالیٰ مضمر اور پوشیدہ ہوتی ہے۔

اللہ کے حروف کے متعلق ایک لطیف نکتہ

اس کے علاوہ اللہ کے اسم میں ایک اور ایسی خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ خوبی کسی اور خدائی اسموں میں نہیں پائی جاتی اور وہ خوبی یہ ہے۔ کہ اللہ کا ایک ایک جزو یا ایک ایک حرف ذات باری پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً اگر اللہ سے الف کو دور کر دو۔ تو باقی رہا ہوا لفظ بھی ذات باری کے لئے بولا جاتا ہے چنانچہ قرآن پاک میں لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ آیا ہے اب الف کے ساتھ اگر ایک لام کو بھی دور کر دو تو باقی لَهٗ رہ جاتا ہے۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن پاک میں استعمال ہے جیسے لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اب اگر الف لام کے ساتھ دوسرا لام بھی ہٹا لیا جائے تو ہٗ باقی رہ جاتا ہے۔ اور یہ ہٗ بھی اللہ رب العزت کے لئے قرآن پاک میں آتا ہے جیسے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَمَا فِي السَّمَآءِ تو یہ نکتہ بھی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ہو نہ ہو اللہ ہی اسم اعظم ہے۔ ساتھ ہی کسی صفاتی نام میں اتنا زیادہ اثر نہیں۔ جتنا اس میں پایا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص روزانہ اسم اللہ کا ایک ہزار دفعہ ورد رکھے اور قریباً

Marfat.com

چالیس روز تک پابندی کرے۔ تو انشاءاللہ وہ اس قلیل عرصہ میں اس کا اتنا زیادہ اثر محسوس کرے گا۔ کہ دوسرے اسماء کے ورد پر سالوں مواظبت کرتے پر بھی یہ چیز نہ حاصل کر سکے گا۔

تنبیہ:۔ اللہ یعنی الٹی پیش کے ساتھ یہ جلالی رنگ ذاکر میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور اللہُ یہ جمالی ہے۔ اور ذاکر کو بھی جمالی رنگ چڑھاتا ہے۔ جلالی اسم کا ذکر کرنے سے غصہ، وحشت اور اہل وعیال سے انقطاع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور دنیوی معاملات سے دل سرد پڑ جاتا ہے۔ مگر اللہُ کے جمالی ذکر سے نہ تو دنیوی کاروبار میں فرق آتا ہے۔ اور نہ اہل وعیال سے متنفر ہوتا ہے بلکہ دنیا کے اشتغال کے ساتھ ساتھ ہی قرب خداوندی بھی پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اس واسطے عام لوگوں کو جمالی اسم کا ہی ورد رکھنا چاہیئے۔ ہاں خواص جلالی کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں ؎

اللہ اللہ اسم ذات پاک دوست — اسم اعظم از برائے قرب اوست
اللہ اللہ ایں چہ نام خوش مذاق — حرف حرفش مے دہد جاں را رواق

یعنی اللہ ذات باری کا نام ہے اور اس کا قرب اور وصال حاصل کرنے کے لئے اسم اعظم ہے۔ اللہ اللہ یہ کیا خوش ذائقہ نام ہے کہ اس کا ہر ہر حرف جان کو ترقی دیتا ہے۔

کلمہ اللہ کے حروف سے بنا ہے

اس کے علاوہ کلمہ کے حصہ توحید یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو لو یہ سب بارہ حروف ہیں۔ اس میں سے اگر لفظ اللہ کے حروف کہ الف لام اور ہائے ہیں۔ نکال دئے جائیں تو کلمہ کی یہ جزو بھی نہ رہے گی اور دوسری جزو کہ

Marfat.com

حصہ رسالت ہے یعنی محمد رسول اللہ۔ وہ اس جزو پر موقوف ہے۔ اگر کوئی شخص جزو اول کو نہ مانے تو دوسرے جزو کا ماننا یا نہ ماننا سب برابر ہوتا ہے تو گویا اسلام کا بنیادی پتھر کہ کلمہ کا مفہوم ہے۔ اس کا ترکیب بھی لفظ اللہ ہی سے ہوتا ہے۔ اس سے بھی اشارۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تمام اسمائے حسنیٰ میں اللہ ہی اسم اعظم ہے جس پر اسلام کی عالی شان عمارت کو عقیدۃً قائم کیا گیا ہے۔

چلہ اور اس میں چالیس دن کی قید

اطباء کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ بھی کھائے۔ چالیسویں دن وہ چیز جزو بدن ہو جاتی ہے۔ اور جو کام بھی کرے چالیس دن متواتر کرنے سے وہ عادت بن کر فطرت ثانیہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی ورد و وظیفہ کو چالیس دن تک اس کی تمام شرائط کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو وہ چیز رگ و پے میں سرایت کر کے اپنا اثر ظاہر کر دیتی ہے اسی واسطے حضور نے فرمایا ہے۔ من اقام الصلوۃ اربعین اخلاصاً للہ ظهرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ ولسانہ یعنی جو شخص خالص لوجہ اللہ چالیس دن تک نماز کو قائم کرتا ہے۔ اس کے دل اور زبان سے حکمت کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں شیخ سعدی نے گویا اسی حدیث شریف کی تشریح ان اشعار میں فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

شنیدم رہروے در سرزمینے ہمے گفت ایں معما با قرینے

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ بماند اربعینے

Marfat.com

تو اگر چالیس دن تک اپنے جسم کے شراب کو انسان گوشۂ خلوت میں بند رکھے تو اس شراب کا بہت کچھ تصفیہ اور تزکیہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تیس دن پورے کرنے کے بعد دس دن اور ٹھہرا کر چلہ پورا کروایا گیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں وارد ہے۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ کیا اور ان کا اتمام دس اور کے ساتھ کیا پس اس کے رب کا مقرر کردہ وقت چالیس رات پورا ہو گیا۔

اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ پھر تو اللہ تعالیٰ نے وعدہ خلافی فرمائی کہ وعدہ تو تیس رات کا کیا اور رکھا چالیس رات تک۔ کیونکہ سورہ بقرہ میں صاف فرما دیا ہے۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً یعنی جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا۔ تو معلوم ہوا کہ اول ہی سے وعدہ تو چالیس رات کا تھا۔ اور پورا بھی چالیس رات کو ہی کروایا۔ اس جگہ صرف ان چالیس راتوں کو ایک مہینہ اور دس دن کی صورت میں تعبیر کر کے بتایا ہے اور اس سے امت محمدیہ کو ایک نہایت لطیف راز کی طرف اشارہ فرمایا کہ رمضان کی تیس راتوں کے بعد دس ذی الحجہ کی بھی ملا کر سال میں کم از کم عبادت دل کا یہ چلہ پورا کر لیا کرو۔ تاکہ حق تعالیٰ کے ساتھ عبودیت کا رابطہ مضبوط رہے

اس کے علاوہ بعض کتابوں میں یہ دس دن بڑھانے کی وجہ یوں بھی لکھی ہے کہ آپ نے تیس دن کے کامل ہونے پر مخاطبت الٰہیہ سے پہلے منہ کی بو کو دور کرنے کے لئے مسواک فرما لی اور چونکہ بمطابق حدیث پاک ہے خلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے، اس واسطے اس بو کو دوبارہ

Marfat.com

پیدا کرنے کے لئے دس دن مزید ٹھیرنے کا حکم دیا گیا۔ اس تفسیر کے مطابق پھر یہ آیت ہمارے مطلب کے ساتھ پوری چسپاں نہ ہوگی۔ تاہم اتنا تو پھر بھی ظاہر ہوگا کہ چلہ کشی کے لئے چالیس دن کا تعین بڑی حکمت اور راز سے بھرا ہوا ہے۔

الرّحمٰن الرّحیم

رحمٰن اور رحیم دونوں کا معنی ہے رحمت کرنے والا۔ مگر رحمٰن کے معنی عموماً رحمان الدنیا یعنی دنیا میں رحم کرنے والا اور رحیم کے رحیم الآخرۃ یعنی آخرت میں رحم کرنے والا لئے جاتے ہیں۔ رحمت رحمانی رحمت رحیمی سے بہت وسیع اور زیادہ ہے۔ یہی رحمت رحمانی انسان کی پیدائش کا باعث ہوئی اسی رحمت رحمانی کے باعث انسان کی پیدائش سے پہلے اس کے لئے ضروری سامان مہیا کر دیا گیا۔ یہ رحمت ایسی ہے جیسے دریا یا سورج کی رحمت جو بلا لحاظ مذہب وملت۔ بلا قید رنگ و قوم فائدہ پہنچاتی ہے اسی طرح رحمت رحمانی بھی کافر و مسلم۔ فرمانبردار اور عاصی سب پر شامل وحاوی ہے رحمت رحمانی کو رحمت امتنانی بھی کہا جاتا ہے کیونکہ منت کہتے ہیں احسان کو اور یہ رحمت بھی محض احسان ربی ہے کہ اول تو اسے پیدا فرمایا۔ اور پھر اسے گوناگوں نعمتوں سے نوازا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ سہ

ما نبودیم و تقاضا ما نبود　　لطف تو ناگفتۂ ما مے شنود

یعنی اے رب ہمارا نام ونشان تک نہ تھا اور نہ دنیا میں ہمارا آنے کا کوئی تقاضا اور اصرار تھا۔ مگر آپ کی بیکراں رحمت نے ہماری نہ کہی ہوئی باتیں سن کر ہم پر طرح طرح کی مہربانیاں فرمائیں۔ ورنہ ہمارا کچھ قرض نہ تھا کہ ہم

Marfat.com

پر آپ ضرور یہ نوازشیں فرماتے یا آپ کوئی معمولی ہستی نہ تھے کہ ہم مجبوروں سے آپ مجبور کئے جا سکتے۔

رحمت خداوندی پر شبہ اور اس کا ازالہ

اگر کسی شخص کے دل میں یہ شبہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں عدل و انصاف نہیں۔ کیونکہ بعض کو مالدار اور بعض کو غریب بعض کو اندھا اور بعض کو بینا بعض کو توانا اور بعض کو مریض بنا کر ایک ہی قسم کی مخلوق کے درمیان اس قدر فرق کر دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسان پر یہ جس قدر نوازشات ہیں۔ یہ سب کی سب اللہ رب العزت کی مہربانیاں ہیں ہمارا اس پر کچھ قرض نہیں کہ وہ ہم کو ضرور ہی وہ چیز بھی دے جو اس نے دوسرے کو دی ہے مثلاً ایک سخی ایک سائل کو پچاس روپے دیتا ہے اور اور دوسرے کو پچاس آنے تو دوسرے سائل کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ جبراً اس کریم سے دوسرے سائل جتنا وصول کرنے کا تقاضا کرے۔ کیونکہ وہاں کا کچھ قرضدار تو ہے نہیں۔ بلکہ یہ اس کا محض احسان ہے۔ بعینہ اللہ تعالیٰ کا دنیا میں بعض لوگوں کو بعض دنیوی لذتوں سے محروم رکھنا بعض کو تھوڑا سا حصہ دینا اور بعض پر بہت کچھ نوازش فرمانا کسی کو لنگڑا کرنا کسی کو بھینگا اور کانا بنانا یہ سب کچھ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ کسی انسان کو اس داد و ستد میں کسی قسم کی چون و چرا کرنے کا حق نہیں پہنچتا وہ چاہے جو دے اور چاہے جو لے اس کی ذات فعال لما یرید ہے ؎

گل را چہ مجال ست کہ گوید بکلال ۔۔۔ از بہر چہ سازی و چرا مے شکنی

Marfat.com

ہاں اللہ تعالیٰ اگر محض صفت رحمانی پر اکتفا کرتے۔ تو اس کا مطلب تو یہ ہوتا۔ کہ پھر نیکوں کی عبادتوں اور بروں کی برائیوں میں کسی قسم کا فرق نہیں جس طرح چاہے دنیا میں زندگی گزارے نہ نیکی کا ثواب ہے اور نہ بدی کا عذاب لیکن اگرچہ رب العزت نے مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فرما کر رحمت رحمانی کو مشرک و مسلم ہر دو کے لئے عام کر دیا ہے۔ اور صفت رحمانی انہیں کسی قسم کا فرق نہیں کرتی۔ مگر صفت رحیمی کو الرحمٰن کے ساتھ اسواسطے زیادہ کر دیا ہے۔ کہ یہ صفت آخرت میں مطیع و عاصی کے درمیان ضرور فرق کرے گی اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ بُروں کو بُرائی کی سزا دی جائے۔ اور نیکوں کو ان کی نیکی کی جزا۔ چنانچہ تسمیہ میں ان دونوں صفتوں کو اکٹھا لا کر بیان فرما دیا ہے کہ اگر صفت رحمانی کے دیئے ہوئے اسباب کو ٹھیک طور پر استعمال کیا۔ تو صفت رحیمی کے نزدیک بھی قابل ستائش اور مورد انعام ٹھہرو گے اور اگر صفت رحمانی کے عطا کردہ اسبابوں کو غلط طرح پر استعمال کیا۔ تو اس کا نتیجہ بھی آخرت میں بھگتنا پڑے گا۔

تنبیہ:۔ اسم رحمٰن اللہ جلشانہ کیلئے مخصوص ہے۔ غیر اللہ کے لئے سوائے اضافت کے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور جب غیر کے لئے استعمال کرتے ہیں تو عموماً رحمٰن کی میم کے بعد الف لکھ کر رحمان کی شکل میں جیسے رحمان الیمامہ میں میم کے بعد الف ہے اور پھر رحمان کو یمامہ کی طرف مضاف کیا ہے رحمان الیمامہ مسیلمہ کذاب کا لقب ہے۔ مگر رحیم ذات باری کے بغیر غیر اللہ کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ خود قرآن پاک نے حضورؐ کو رؤف رحیم کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

Marfat.com

بسم اللہ کے نکات و برکات

بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے تین نام بیان فرمائے ہیں ایک ذاتی اور دو صفاتی سا اللہ ذاتی ہے اور الرحمن اور الرحیم صفاتی ہیں۔ اگر غور کرو گے تو دنیا کی تمام چیزوں کا وجود انہی تین ناموں کی وجہ سے قائم ہے کیونکہ کسی چیز کے وجود کے لئے تین باتیں ضروری ہوتی ہیں اول اسباب کا مہیا کرنا یعنی عدم سے وجود میں لانا دوسرے ان اسباب کا ابتدائے ضرورت سے انتہائے ضرورت تک باقی رکھنا تیسرے اسباب کے ذریعہ جو کام کیا گیا ہے۔ اس سے کسی نتیجہ کا حاصل کرنا اگر سرے سے اسباب ہی نہ ہوں تو کام کبھی بھی نہ ہوگا۔ اور اگر اسباب تو ہوں مگر اثنائے استعمال میں فنا ہو جائیں۔ تو بھی بیکار اور اگر اسباب بھی ہوں اور ابتدا سے انتہا تک باقی بھی رہیں۔ مگر اس کا نتیجہ کچھ نہ نکلے تو یہ بھی بے سود۔ اسواسطے ان تینوں چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اب یہ تینوں چیزیں جو بقائے وجود کے لئے لازمی ہیں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے تین ناموں اللہ۔ الرحمن۔ الرحیم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ اسباب کو عدم سے وجود میں لانا اسم اللہ کا خاصہ ہے اور اسباب کو باقی رکھنا صفت رحمانی کا مقتضی ہے۔ اور اسباب مستعملہ پر نتیجہ کا مترتب کرنا صفت رحیمی کے متعلق ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھایا کہ تو اپنی تلاوت سے پہلے ان ناموں سے تمسک کرتا کہ تیری تلاوت میں ان اسماء مبارکہ کا خاصہ ظاہر ہو اور تلاوت ہی پر کیا منحصر ہے مسلمانوں کو تو حکم ہے کہ ہر ایک کام بسم اللہ کہہ کر شروع کرو۔ تاکہ اٹھنا بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ کھانا اور پینا غرضیکہ ہر کام ذات باری کے سایہ رحمت ہی کی

Marfat.com

ذیل میں شروع اور ختم ہو۔ مگر وہ مسلمان جنہیں رسول پاک کا اسوۂ حسنہ قُل إِ
صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے رنگ میں
سکھایا گیا تھا۔ آج بھولے سے بھی اپنے کاموں میں بسم اللہ کو داخل نہیں کر
اور یہی وجہ ہے کہ آج ان کے کام بے برکت ان کے افعال ناتمام اور ا
اعمال ناقص ہو گئے ہیں۔ بسم اللہ کے ۱۹ حرفوں کا فلسفہ تفسیر کی کتابو
میں آتا ہے کہ بسم اللہ کے ۱۹ حروف ہیں اور اسی طرح جہنم کے موکل
ہیں۔ تو جو شخص اٹھتے بیٹھتے ہر وقت بسم اللہ کا ورد رکھتا ہے جہنم کے مو
اس پر دوزخ کے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ رات دن میں چوبیس ساعتیں ہوتی ہیں چوبیس میں
پانچ کے مقابل میں تو شریعت نے پنجگانہ نماز قائم کی ہوئی ہے مگر باقی
۱۹ ساعتوں کی عبادت کے لیے بسم اللہ کے ۱۹ حروف کفایت کر جاتے ہیں

بسم اللہ شیطانی اذیت سے بچاتا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے جب کوئی پاخانہ میں جا
تو داخل ہونے سے پہلے اگر بسم اللہ پڑھے گا۔ تو اس کے اور شیطان
درمیان ایک آڑ ہو جائے گی اور شیطان اسے کسی قسم کی اذیت نہ دے
تو بھائیو غور کرو۔ جب بِسْمِ اللّٰهِ دنیا میں شیطان اور اس کی اذیت
حضور سرورِ عالم کے قول کے مطابق آڑ بن سکتا ہے تو آخرت میں پھر کیسے جہ
اس کے پڑھنے والے کے درمیان آڑ نہ بنے گا۔

Marfat.com

شتی نوح کی نجات کا باعث بسم اللہ ہے

یہ وہ بسم اللہ ہے جس کی برکت کی وجہ سے نوح علیہ السلام کی کشتی کو جودی
با لگی۔ کیونکہ جب آپ سوار ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا۔ بسم اللہ
یھا و مرسٰھا ان ربی لغفور رحیم دیکھئے حضرت نوح علیہ السلام
دعا میں پوری بسم اللہ بھی نہیں آدھی ہے۔ مگر اس آدھی نے بھی آپ کو
ے بڑے طوفان سے صحیح وسلامت پار اترنے میں پوری پوری مدد دی۔
شخص پوری بسم اللہ کو ورد میں رکھے عظیم البرکت چیز کیسے نہ اسے دنیا و
رت کے ورطہ میں مخذول ومجہول ہونے سے بچائے گی۔ اسی واسطے بعض
راد کی مستند کتابوں میں آیا ہے کہ جو شخص بعد نماز فجر ۷۰ دفعہ روزانہ بسم اللہ
ف کا ورد رکھے گا۔ وہ انشاء اللہ ضرور ہی دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے
وظ رہے گا۔

فن پر بسم اللہ لکھنا اور اس کا شرعی حکم

بعض بزرگان دین نے انتقال فرماتے وقت کفن پر بسم اللہ لکھنے کی وصیت
۔ اور بعد کے اولیا نے انہیں کشفی طور پر دیکھا کہ ان کو اس وصیت سے بہت
ہ فائدہ حاصل ہوا لیکن اس میں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کفن پر اگر
م اللہ لکھی جائے۔ تو صرف انگلی سے ہوائی حروف لکھ دینا کافی ہیں۔ کیونکہ
اہی یا مٹی سے باقاعدہ مستقل حروف لکھنا۔ مردے کے پھٹنے پھوٹنے کے

Marfat.com

بعد۔ اسماء الٰہیہ کے ملوث ہو کر بے ادبی ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ احکم الحاکمین تو ہمارے خیالی و وہمی حروف کو بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس کی ذات اقدس کے سامنے سیاہی اور ہوائی حروف سب برابر ہیں۔

ابوداؤد کی ایک حدیث اور اس پر ایک حکایت

ابوداؤد میں آیا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے بغیر بسم اللہ کہے کھانا شروع کیا۔ تھوڑا کھا چکنے کے بعد جب بسم اللہ یاد آیا۔ تو فوراً اس نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ اَوَّلِهٖ وَاٰخِرِهٖ حضورؐ اس سے ہنس پڑے اور فرمایا۔ کہ شیطان تمہارے ساتھ کھانے میں شریک تھا۔ مگر تمہارے بسم اللہ کہنے سے اس نے کھایا ہوا بھی قے کر دیا۔

اس پر مجھے ایک حکایت یاد آگئی۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ دو شیطانوں کی آپس میں ملاقات ہوئی ایک نہایت دبلا نحیف اور کمزور۔ دوسرا خوب موٹا اور فربہ۔ موٹے نے پتلے سے پوچھا۔ کہ بھائی سناؤ تمہارا کیا حال ہے۔ کیا کوئی دق یا سل کی مرض کا شکار ہو گئے یا کیا۔ کہ روزانہ سوکھ سوکھ کر کانٹا ہوتے جاتے ہو اس نے کہا بھائی صاحب نہ دق ہے نہ سل۔ بات یہ ہے کہ جس شخص کے ساتھ مجھے لگایا گیا ہے۔ وہ ہر ایک کام شروع کرتے وقت بسم اللہ کہتا ہے جس کی وجہ سے اس میں اور مجھ میں آڑ ہو جاتی ہے۔ اس واسطے میں اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ وہ کھاتا ہے تو بسم اللہ پیتا ہے تو بسم اللہ۔ سوتا ہے تو بسم اللہ۔ پہنتا ہے تو بسم اللہ غرضیکہ ہر ایک کام اور بات میں بسم اللہ اس کا تکیہ کلام ہے۔ جس کی وجہ سے میں اس کے طعام و رزق سے محروم رہ جاتا ہوں۔ دوسرے نے کہا۔ بھائی ہمارا دوست تو کبھی بھولے سے

Marfat.com

بھی بسم اللہ نہیں کرتا۔ اس واسطے ہم تو ایک شریک کی طرح اپنا حصہ بانٹ لیتے ہیں۔

بیوی کے پاس جاتے وقت کیا پڑھے

اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جب تم سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد کہے اللھم جنبنا الشیطن وجنب الشیطن ما رزقتنا تو شیطان کے اور اس کے درمیان پردہ ہو جاتا ہے اور اولاد صالح اور نیک پیدا ہوتی ہے۔

بسم اللہ سکھانے کا فائدہ

کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک دفعہ ایک قبرستان سے گزر ہوا۔ تو دیکھا کہ ایک شخص پر نہایت شدت کے ساتھ عذاب کیا جا رہا ہے لیکن جب چند دنوں کے بعد لوٹ کر پھر اسی قبرستان کے پاس سے گزرے تو اس شخص کو نہایت آرام اور راحت میں پایا آپ نے دربار خداوندی میں عرض کیا کہ یا الٰہی اس شخص کو اس آرام و آسائش میں کیوں تبدیل کیا گیا وحی آئی اے روح اللہ۔ مرتے وقت اس نے اپنی حاملہ عورت کو وصیت کی تھی۔ کہ اگر بچہ صحیح و سالم پیدا ہو اور وہ بولنا سیکھے تو سب سے پہلے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سکھانے کی کوشش کرنا۔ چنانچہ اس کی عورت نے اس کی وصیت پر عمل کیا۔ اور بچے نے آج چند دنوں سے صحیح طور پر

Marfat.com

بسم اللہ کہنی شروع کر دی۔ اسلئے مجھے حیا آیا ہے کہ ایک شخص جو ہماری محبت کی وجہ سے اپنے بیٹے کو سب سے پہلے ہمارا نام اور ہماری بات سکھانے کی وصیت کر کے آئے اور پھر اس کی وصیت کو پورا کیا جائے تو میں اسے کیسے عذاب میں مبتلا رکھوں۔ چنانچہ اسے بیٹے ہم نے اس کو اس وصیت کی خاطر معاف کر دیا۔

بسم اللہ شافی الامراض ہے

بسم اللہ کے برکات کو ختم کرنے سے پہلے صولت فاروقی کے ایک واقعہ کو بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں اور انشاء اللہ اس کے بعد کوشش کروں گا کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر کا سلسلہ شروع ہو جائے۔

صولت فاروقی میں لکھا ہے کہ قیصر روم کو ہمیشہ سر کا درد رہتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے ایک سیاہ رنگ کی ٹوپی بھیجی۔ جسے وہ جب تک پہنے رکھتا۔ درد کو آرام رہتا مگر جونہی اتارتا۔ اسی وقت درد سر عود کر آتا۔ آخر کار اس نے خیال کیا کہ اسے ادھیڑ کر دیکھنا چاہیئے کہ اس کے اندر کیا ہے جس کی وجہ سے ایسا شدید درد کہ جس کے علاج سے تمام اطباء اور ڈاکٹر تک لاچار ہیں۔ فوراً مٹ جاتا ہے چنانچہ جب ادھیڑا تو اندر سے ایک کاغذ نکلا جس پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھا ہوا تھا۔

سچ ہے۔ تسمیہ آمد علاج ہر مرض۔ شد روا ہر کس کہ خواند بہر غرض

نصیحت: میرے عزیز بھائیو! اس سے زیادہ اس مقدس بسم اللہ کے فضائل اور کیا بیان کروں مختصر یہ سمجھو۔ کہ یہ ایک ایسا خزانہ ہے۔ جو

Marfat.com

امت محمدیہ سے پہلے کسی امت کو نہ دیا گیا۔ اس خزانہ کو غنیمت سمجھو اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔ دریا کے کنارے پیاس سے مرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے آج سے عہد کر لو کہ ہم اپنے ہر دنیا اور دین کے کام کو بسم اللہ سے شروع کریں گے اور پھر آزمائش کر لو کہ آپ کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کیسے امن و برکت کو پیدا فرماتے ہیں۔ اے اللہ ہم کو اس عہد کے باندھنے اور نباہنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

سورۂ فاتحہ قرآن کا نچوڑ ہے

جس طرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تمام قرآن پاک کا خلاصہ و نچوڑ ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ بھی تمام قرآن کا خلاصہ ہے۔ ہاں بسم اللہ میں بہت ہی اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ اور اس میں ذرا تفصیل کے ساتھ مطالب قرآنیہ کو بند کیا گیا ہے۔ اسی واسطے قرآن پاک میں تسمیہ کے بعد دوسرے درجہ پر سورۂ فاتحہ کو لایا گیا اور حضور نے اسے ام القرآن کا لقب عطا فرمایا ہے

سورۂ فاتحہ سورۃ المسئلہ ہے

چونکہ انسان سراپا محتاج اور عاجز ہے۔ اسے قدم قدم اور چپے چپے پر تائید غیبی کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کی زندگی کی گاڑی کا ایک منٹ کے لئے بھی چلنا مشکل ہے۔ اور تائید غیبی کے حصول کے لئے اسے ہر وقت جناب باری میں سوال کرنے کی حاجت کا پڑنا ضروری ہے

Marfat.com

مگر آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے معمولی سے معمولی بادشاہوں کے پاس بھی عرضیاں ان کے مقررہ طریقوں پر بھیجی جاتی ہیں۔ اور ان کے تخاطب کے لئے خاص خاص القاب اور خطاب ہوتے ہیں۔ بعض سے تو عرضی کرنے کے لئے چھپے ہوئے فارم ملتے ہیں۔ تاکہ عرضی کرنے والا کسی واجبی ادب میں کمی کرتے بجائے نوازش کے معتوب شاہی نہ بن جائے۔ اسی طرح جل شانہ بھی سورہ فاتحہ میں بندوں کو اپنے القاب بتا کر عرضی کرنے کا طریقہ بتایا ہے۔ اسی واسطے حدیث شریف میں اس سورت کا ایک نام سورۃ المسئلہ بھی آیا ہے یعنی سوال کرنے کی سورت

عرضی کے چار اجزا اور سورہ فاتحہ کا اُن پر اشتمال

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ ہر عرضی یا خط میں چار چیزیں نہایت ضروری ہوتی ہیں اور ان کے بغیر خط ناقص اور نامکمل کہلاتا ہے (۱) سب سے پہلے جسے عرضی لکھی جاتی ہے۔ اس کے ضروری القاب و خطابات کا خیال رکھا جاتا ہے (۲) پھر ضروری آداب و کورنش کے بعد راقم مرقوم الیہ سے اپنا تعلق بیان کرتا ہے (۳) پھر تیسرے درجہ پر عرض مدعا کیا جاتا ہے (۴) اور سب سے آخر چوتھے درجہ پر فقط "والسلام" یا "آداب" یا اور کسی مناسب لفظ یا الفاظ پر عرضی کا خاتمہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس سورۃ المسئلہ میں بھی ان چاروں چیزوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ الحمد سے لے کر مالک یوم الدین تک اللہ تعالیٰ کے القاب اور خطابات ہیں۔ پھر بندہ اللہ جل شانہ سے اپنا تعلق عبدیت اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں

Marfat.com

ظاہر کرتا ہے اس کے بعد اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے الضَّآلِّیْنَ
تک اپنے مدعا اور مطلب کو دربار دُربار میں پیش کرتا ہے۔ اب چوتھے درجہ
پر آمین کہہ کر زیادہ حدادب یا فقط کی طرح عرضی کے مضمون کو ختم
کر دیتا ہے۔ اور پھر مزا یہ کہ ہماری طرف سے عرضی کا ایک لفظ بھی نہیں بلکہ
سب کا سب اس احکم الحاکمین کا سکھایا ہوا ہے۔ تو پھر جب اسکی سکھائی
ہوئی درخواست پوری شرائط و آداب کے ساتھ جناب قدس میں گذاری
جائے تو پھر قبولیت و استجابت میں کیسے اور کیوں شک ہو سکتا ہے۔ دیکھے
جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی تھی تو خود ہی انہیں سکھایا کہ اے
آدم کہو رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِیْنَ اور پھر جب انھوں نے مالک الملک کے سکھائے ہوئے
الفاظ دہرائے تو فوراً رحمت باری نے توجہ فرمائی اور فرمایا فَتَلَقّٰٓی اٰدَمُ
مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ یعنی آدم نے
اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے جن کی وجہ سے رب العزت نے رحم فرما
کر معاف کر دیا۔ کیونکہ ان کی شان عالیشان درگذر ہی فرمانے والی ہے
آدم کو کلمات کا سکھانا اور پھر اس پر معاف کرنا تو ایسا ہے کہ جیسے کسی کا
نوکر کچھ قصور کرے اور مالک اسے کہے کہ اے خدا کے کان پکڑ اور کہہ کہ میں
ایسا پھر کبھی نہیں کروں گا۔ چنانچہ نوکر ایسا ہی کرتا ہے اور معاف کر دیا جاتا
ہے اور معافی کیسے نہ ہو۔ جب کہ مالک خود ایک مخصوص اور اپنے پسندیدہ
الفاظ میں اس سے معافی منگوانا چاہتا ہے یہ اس کا اسے سکھانا اور پھر
معافی مانگنے کا حکم دینا معافی کے یقینی ہونے کا زبردست قرینہ ہے اسی طرح
جب کوئی شخص باریتعالیٰ کے پسندیدہ اور آموختہ الفاظ میں طریق ادب کو

Marfat.com

ملحوظ رکھتے ہوئے سوال کرتا ہے تو "اجابت از درِ حق بہر استقبال مے آید" کا نظارہ دیکھتا ہے۔ قبولیت کے موکلین اس دعا کا استقبال کر کے دربار ربی میں پیش کرتے ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے ناموں کی کثرت حضور کی کثیر محبت کی علامت ہے

اس سورت کے حدیث شریف میں بہت سے نام آئے ہیں۔ اور ناموں کی کثرت حضور کی اس سورت پر زیادہ محبت ہونے کی نشانی ہے۔ اسی واسطے تو حضور نے فرمایا ہے۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ یعنی نہیں نماز مگر ساتھ سورہ فاتحہ کے حنفی لا سے مراد نفی کمال لیتے ہیں یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی۔ جیسے ایک دوسری حدیث میں حضور نے فرمایا ہے لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَۃَ لَہٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ یعنی جو شخص امین نہیں وہ ایماندار بھی نہیں اور جو وعدہ خلاف ہے۔ وہ دیندار بھی نہیں۔ یہاں بھی ایمان و دین بالکل منفی نہیں۔ بلکہ دین و ایمان کے کامل ہونے کی نفی مراد ہے۔ پھر لا سے مراد اگر یہاں مطلق نفی ہوتی تو یہ حدیث تو خبر واحد ہے۔ اور قرآن پاک میں فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ آتا ہے۔ یعنی نماز میں قرآن جہاں سے آسانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ تو کلام اللہ پر خبر واحد کے ذریعہ زیادتی لازم آجاتی ہے۔ جو شریعت کے رو سے جائز نہیں۔

Marfat.com

فاتحہ خلف الامام اور امام صاحب کا کارآمد لطیفہ

اس واسطے ہمارے امام ہمام ابوحنیفہ نے مطلق قرادت کو تو فرض ٹھہرایا۔
مگر سورۂ فاتحہ کی تعیین کو واجب کا درجہ دیا جس سے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتٰب
پر بھی پورا پورا عمل ہو گیا۔ اور کلام اللہ پر بھی زیادتی لازم نہ آئی مگر امام شافعی
صاحب وغیرہ اس اور اس جیسی اور احادیث کی رو سے مقتدی کے لئے
سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ٹھہراتے ہیں

اسی طرح ہمارے امام صاحب اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان
اس پر بھی اختلاف ہے کہ آیا امام کے ساتھ مقتدی بھی فاتحہ پڑھے یا نہیں
امام شافعی صاحب اسی حدیث کی رو سے مقتدی کے لئے بھی پڑھنا ضروری
فرماتے ہیں مگر امام صاحب اقتدا کی حالت میں امام کی قرادت کو مقتدی کے
لئے کافی سمجھتے ہیں اور اسے پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے اور وہ دلیل
میں حضورؐ کی حدیث مَنْ صَلّٰی خَلْفَ الْاِمَامِ فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاءَۃٌ
کو پیش کرتے ہیں یعنی جو امام کے ساتھ نماز پڑھے تو امام کی قرادت اس کے
لئے بھی کافی ہے نیز قرآن پاک میں آتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا
لَہٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پاک پڑھا جائے۔ تو سنو اور چپ رہو

بعض کتابوں میں آتا ہے کچھ لوگ امام صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے
کہ صاحب یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک امام کی قرادت سینکڑوں مقتدیوں کے
لئے کافی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا۔ میاں تم اس قدر آدمی باتیں کرتے ہو میں
کس کس کو جواب دوں۔ ایک آدمی بات کرے تو اس سے مسئلہ کا فیصلہ بھی ہو

Marfat.com

سکے چنانچہ ایک شخص جو نہایت فصیح وطرار تھا۔ امام صاحب سے بات کرنے کے لئے چنا گیا۔ آپ نے فرمایا کیا تم سب اس کی بات پر راضی ہو۔ سب نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا کہ پھر تو اعتراض کا جواب خود تمہاری زبان سے حل ہو گیا انہوں نے پوچھا وہ کیسے۔ فرمایا کہ جب تم پچاس شخصوں کی طرف سے ایک شخص بات کرے اور اس کی بات تمہاری بات اور اس کا جواب تمہارا جواب ہو سکے تو پھر امام کی قرارت مقتدیوں کی طرف سے کیسے کافی نہ ہو سکے گی۔
اس جواب سے سب لاجواب ہو گئے اور اپنا سا منہ لے کر روانہ ہوئے۔

مذہب کے چار ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب

ہاں اس سے ایک خدشہ ضرور لکھے پڑھے لوگوں کے دلوں میں گزرتا ہوگا کہ یہ کیا بات ہے کہ دین ایک خدا ایک رسول ایک قرآن ایک قبلہ ایک اور پھر مذہب جدا جدا انہی مذہبوں کی جدائی کی وجہ سے مسلمان آج پراگندہ اور منتشر ہے کیونکہ ایک مذہب ایک چیز کو فرض ٹھیراتا ہے تو دوسرا واجب تیسرا ایک چیز کے کھانے کا حکم کرتا ہے۔ تو چوتھا منع کرتا ہے تو کیوں نہ ان مذہبوں کو چھوڑ کر سیدھا قرآن اور سنت رسول مقبول پر اکتفا کیا جائے اور پھر اگر مذہب ہی بنانے ہیں تو چار ہیں ان کا انحصار کس دلیل سے ہے کیوں نہ دس بیس پچاس سو مرضی کے مطابق بنا لئے جائیں۔

جواب: ۔ دین کی بنیاد دو چیزوں پر ہے۔ ایک عقاید یا اصول پر دوسرے احکام یا فروع پر۔ اصول تو قرآن و حدیث نے بالتفصیل بیان کر دئے ہیں ان میں اب کسی قسم کی تبدیلی یا کمی بیشی کرنا صریح گمراہی ہے لیکن کتاب

Marfat.com

سنت نے احکام کو تفصیلاً بیان نہیں کیا۔ کیونکہ احکام کی تعداد اس قدر ہے
کہ اگر ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا تو اس کے لئے سینکڑوں جلدیں بھی
ناکافی تھیں اس کے علاوہ روزانہ کے نئے نئے واقعات پھر بھی تشنۂ تشریح ہی
رہتے۔ اس لئے عقائد کو کتاب و سنت نے بالتفصیل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ
احکام کے لئے ایسے کلیہ قواعد منضبط فرمائے ہیں۔ کہ جس سے آئندہ قیامت
تک کے احکام کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔ مگر ان قواعد سے احکام و مسائل کے
استنباط کرنے کے لئے نہایت بڑی قابلیت کی ضرورت ہے۔ یہ ہر ایک کا کام
نہیں کہ ان قواعد اصولیہ سے فروعات کے احکام اخذ کر سکے کیونکہ سب سے
پہلے اس شخص کو قرآن و حدیث کے لغوی اور شرعی معانی سے واقف ہونے
کی ضرورت ہے۔ اب لغوی معنی جاننے کے لئے لغت، صرف، معانی اور بیان
وغیرہ کی ضرورت ہے اور شرعی مطالب سمجھنے کے لئے مشترک۔ مأول مطلق
مقید۔ عام، خاص، صریح۔ کنایہ وغیرہ تمام وہ باتیں جو علم اصول کے متعلق ہیں
جاننا ضروری ہیں۔ اس کے علاوہ ناسخ و منسوخ جو موقوف ہے آیات کی تاریخ
نزول پر۔ پھر علم حدیث پر پورا پورا عبور ہو۔ احاد۔ متواتر۔ مشہور غریب وغیرہ
کا علم رکھتا ہو۔ راویوں کے حالات سے باخبر ہو۔ اور مسائل اجماعیہ اور اختلافیہ
سے واقف ہو۔ غرضیکہ قواعد اصولیہ سے احکام کے استنباط کرنے کے لئے بہت بڑے
علم و عقل کی ضرورت ہے۔ اسواسطے امت کا ہر شخص اس قابل نہیں ہو سکتا۔ کہ
وہ ان تمام منازل کو باحسن الوجوہ عبور کر کے قرآن پاک کے دریائے ناپیدا کنار
سے دُرِ مقصود کو حاصل کرے۔ بلکہ اس کام کو سرانجام دینے کے لئے امت میں سے
معدودے چند ایسے اشخاص ہوئے جنہوں نے فضل ایزدی سے اول ان تمام
مشکلوں کو طے کیا اور پھر قرآن و سنت کے اصولوں سے امت کی ضرورتوں کا

Marfat.com

بہترین حل پیش فرمایا۔ ان قواعد کلیہ سے استنباط احکام کا نام شرعی اصطلاح میں اجتہاد ہے اب جو لوگ ان مجتہدین کے قیاسات پر چلے وہ مقلد کہلائے

تقلید کیوں ضروری ہے؟

تقلید کے بغیر عام لوگوں کو کسی طرح چھٹکارا نہیں ہے آپ دیکھیں دنیوی امور میں ہم کاروبار کے ہر شعبے میں اس کے ماہر کی تقلید کرتے ہیں۔ دواؤں میں ڈاکٹر کی۔ عمارات میں انجنیئر کی اور قانون میں وکیل کی اتباع لازمی سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح دینی معاملات اور دینی قواعد و ضوابط کی تشریح و توضیح میں بھی ائمہ دین کی تقلید ضروری ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں کثرت سے مجتہدین تھے۔ ان کے علمی نور مشکاۃ نبوت سے مکتسب ہونے کی وجہ سے ظاہری علوم کی زیادہ ضرورت نہ تھی۔ مگر خیر القرون جوں جوں دور ہوتا گیا۔ ادھر تو لوگوں کا دینی جوش اور قرآن و حدیث کا عشق کم ہونا شروع ہوا۔ ادھر روز افزوں امت کی زیادتی اور ملکی فتوحات کے باعث نئے نئے مسائل پیش آنے لگے اسواسطے ضروری ہوا۔ کہ قرآن پاک کی طرح احادیث نبویہ کو بھی نہایت احتیاط کے ساتھ جمع کرلیا جائے اور ساتھ ہی آثار صحابہ اور ان کے فتاوی کو بھی اکٹھا کرکے امت کی رہنمائی کے لئے کتابی شکل میں لایا جائے۔ چنانچہ بڑی احتیاط اور چھان بین سے اس کام کو مدون کیا گیا۔ مگر صحابہ کرام میں جس قدر مجتہدین تھے۔ ان کے اتنی کثیر تعداد میں مقلدین منظم طریقہ سے پیدا نہ ہو سکے کہ اپنے

Marfat.com

اماموں کی تعلیم کو اُمّت تک تواتر اور صحت کے ساتھ پہنچا سکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا نام تو نہ چل سکا لیکن ان کا کام ضرور آج تک چلا آتا ہے اور تا قیامت چلے گا۔ مگر وہ دوسرے مشہور اماموں کے کاموں کے ساتھ مل کر اس میں ایسا مدغم ہو گیا ہے کہ آج ان کے کام بھی ان ہی اماموں کی وساطت سے ہمارے کانوں تک پہنچ رہے ہیں اور بغیر ایک جیّد عالم کے عام انسان اس کام یا بات کے صحیح مجتہد سے بالکل بے خبر ہیں۔

چار مشہور امام

ان سب مجتہدین سے چار امام بہت مشہور ہیں یعنی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت جن کی ولادت سنہ ۸۰ھ اور وفات سنہ ۱۵۰ھ ہے۔ دوسرے امام مالک بن انس جن کی ولادت ۹۰ ہجری اور وفات سنہ ۱۷۹ھ ہے تیسرے امام محمد بن ادریس شافعی جن کی ولادت سنہ ۱۵۰ھ اور وفات سنہ ۲۰۴ھ ہے چوتھے امام احمد بن حنبل جن کی ولادت سنہ ۱۶۴ھ اور وفات سنہ ۲۴۱ھ ہے۔ علامہ شامی نے ان چاروں اماموں کی ولادت، موت اور مدت حیات کو دو شعروں میں جمع کر دیا ہے۔ ابجد کے لحاظ سے پہلے لفظ کے اعداد کی مجموعہ سے ولادت دوسرے سے موت اور تیسرے سے عمر کا پتہ چلتا ہے چنانچہ وہ اشعار یہ ہیں ؎

فالنعمان یکن سیف سطا — وَمالک فی قطع جوف ضبطا
والشافعی صین ببر نُدّ — واحمد بسبق امر جعد
فاحسب علی ترتیب نظم الشعر — میلادهم فموتهم کالعمر

ان چار اماموں کا اجتہاد واستخراج دوسرے ائمہ سے اس قدر بڑھ گیا کہ وہ

Marfat.com

ان کے علم کے سورج کے سامنے چراغ کی طرح ماند پڑ گئے اور پھر ان کے مقلد اس قدر بڑے بڑے علماء و فضلا ہوئے۔ کہ انہوں نے اپنے اماموں کے اقوال زبانی اور تحریری طریقہ سے امت محمدیہ کے گھر گھر پہنچا دئے اور ان کی کتابوں کو جمع کر کے درس و تدریس کا ایسا سلسلہ چلایا۔ کہ آج تک یکے بعد دیگرے ایک نہ ایک گروہ ان کے اقوال کو دوسروں سے نقل کرتا ہوا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چار مذہب آج تمام اسلامی دنیا میں پھیل چکے ہیں۔

چار مذہب ایک اور امت کیلئے باعث رحمت ہیں

مگر یہ یاد رہے کہ یہ مذہب چار ہوتے ہوئے بھی حقیقت میں ایک ہی ہیں ان کا اختلاف صرف بعض بعض فروعات میں ہے نہ اصول میں وہ عقائد میں پورے پورے متفق ہیں۔ صرف احکام میں کہیں کہیں اختلاف ہے اور امت کے ہر فرد کو پورا پورا اختیار ہے۔ کہ وہ جس امام کی چاہے پیروی کرے وہ سب آپس میں ایک امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کو گمراہ یا گنہگار نہیں سمجھتا۔

اگر غور کرو گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ فرعی اختلافات خرابی کا باعث نہیں۔ بلکہ امت کے لئے اس میں بہت بڑے فائدے ہیں یہ چار مذہب گویا منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے چار رستے ہیں۔ اگر منزل مقصود کا ایک ہی رستہ ہوتا۔ تو منزل کے رہروں کو تنگی کی وجہ سے پریشانی ہوتی۔ اور پھر اس قدر کثیر امت کہ مشتمل ہے مختلف طبائع، مختلف عقول اور مختلف امزجہ پر ایک رستے پر چلنے میں متفق بھی نہ ہوتی۔ تو گویا منزل مقصود پر آسانی سے پہنچنے میں یہ رستے

Marfat.com

مدد دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک بیج تب تک تناور درخت نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کی ٹہنیوں، شاخوں، پتوں۔ پھلوں اور پھولوں میں اختلاف نہ ہو۔ جوں جوں اختلاف بڑھتا جائے گا۔ توں توں وہ درخت پھیلتا جائیگا اسی طرح اختلاف ائمہ کے باعث ہزاروں قرآن وحدیث کی باریکیاں نکلیں کتنے ہی نئے نئے علوم ان کے اختلاف کے باعث مدون ہوئے اور آج یہ دین محمدی کا تناور درخت جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ انہی ائمہ کے فروعی اختلاف کا نتیجہ ہے۔ اسی واسطے حضورؐ نے فرمایا ہے اختلاف علماءِ اُمتی رحمۃ

ذوق نے کیا ہی اچھا کہا ہے ؎

اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے ‌ ‌ ‌ گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن

اعتراض کی دوسری شق کا جواب

اب اعتراض کی دوسری شق کہ اگر ایک سے زیادہ مذاہب بنانے تھے تاکہ منزلِ مقصود کی طرف جانے میں آسانی ہو تو پھر چار میں کیوں انحصار کیا کیوں نہ زیادہ بنا لئے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ جب متقدمین کے بڑے بڑے فضلاء کا اجتہاد ان چار اماموں کے سامنے جڑ نہ پکڑ سکا اور ائمہ اربعہ کا استخراج جید بہترین اور مدلل ہونے میں بڑھ گیا تو آج جب نور مجسم نبی مکرم کو دنیا سے پردہ فرمائے ہوئے طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ دنیا مسر سے لے کر پاؤں تک مادیت میں پھنس چکی ہے۔ اتقا اور پرہیزگاری روئے زمین سے مفقود ہو رہی ہے سود، زنا، شراب، اور فسق وفجور کی گرم بازاری نظر آتی ہے ماکل حلال جو تزکیہ قلب کے لئے سب سے پہلی اور ضروری چیز ہے۔ دنیا سے عنقا ہو رہا

Marfat.com

ہے۔ تو ایسی حالت میں اس فضل ربی کے بہترین حامل کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں امام شافعی صاحب نے ایک دفعہ اپنے استاد وکیع سے سوء حافظہ کی شکایت کی تو اس کے جواب میں اس گرامی قدر استاد نے جو نصیحت فرمائی۔ آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ امام شافعی صاحب فرماتے ہیں ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی

لان العلم فضل من الله وفضل الله لا یعطی لعاصی

یعنی میں نے اپنے استاد وکیع سے اپنے حافظہ کی خرابی کی شکایت کی تو آپ نے مجھے ترک معاصی کی وصیت فرمائی اور فرمایا کہ علم رب العزت کا فضل اور احسان ہے اور عاصی اس انعام سے محروم رکھا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ان ائمہ جیسا یا ان سے بڑھ کر ہونا محالات سے ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص ان کے بعد ہوا ہو۔ اور اس نے کسی جزوی مسئلہ میں ان سے بہتر استخراج کیا ہو۔ مگر پھر بھی وہ اجتہاد جزوی رہے گا نہ مطلق اور یہاں مقابلہ میں اجتہاد مطلق کی ضرورت ہے۔

رجوع بمطلب اور سورہ فاتحہ کے دوسرے نام

بات یہ بیان ہو رہی تھی۔ کہ اس سورت کے حضورؐ نے بہت سے نام ارشاد فرمائے ہیں جن سے حضورؐ کی اس سورتؐ کمال محبت کا پتہ چلتا ہے سورۃ المسئلہ اور ام القرآن کی وجہ تسمیہ تو بیان ہو چکی۔ اس کے علاوہ فاتحہ بھی اس کا نام ہے کیونکہ قرآن پاک کا افتتاح اسی سے ہوتا ہے۔ اور اس کی ابتداء لفظ الحمد سے ہونے کی وجہ سے سورۃ الحمد بھی کہلاتی ہے۔ اس کے بے انتہا خزانے

Marfat.com

اور مخفی موتیوں کے باعث حضور نے اسے سورۃ الکنز بھی فرمایا ہے۔ اس کی سات آیتیں اور نماز میں مکرر پڑھے جانے کی وجہ سے سبع المثانی بھی کہا جاتا ہے غرضیکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو اتنے ناموں سے یاد فرمایا ہے کہ کسی اور سورت کو اتنے نام نہیں دئے۔ اور رافضل الرسل کا اس سورت سے زیادہ پیار اس کے افضل السور ہونے پر دلالت کرتا ہے

قرآن معارف کا ناپیدا کنار سمندر ہے

اس کے بعد اب اللہ جل شانہ پر توکل کر کے سورۃ فاتحہ کے معانی کو بیان کرتا ہوں اور یہ معانی جو میں بیان کروں گا انہیں ایسا سمجھئے کہ جیسے کوئی شخص دور سے ابر و پلین کو دیکھ کر اس کی کیفیت کو بیان کرے۔ کیونکہ قرآن پاک عرفان و معانی کا وہ ناپیدا کنار سمندر ہے کہ جس کے پیٹ سے لاکھوں کروڑوں موتی نکالنے کے باوجود اس کی تہ کروڑ در کروڑ بے مثال موتیوں سے بھری ہوئی ہے اس لئے اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا یعنی اے حبیب کہہ دو کہ اگر سمندر بھی کلمات رب کے لئے سیاہی بن جائے تو ان کے ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے گا گو ہم اس جیسا اور سمندر اس کی مدد کے لئے لائیں ۔

اگر جملہ دریا شود روشنائی ۔ کند ملک اشجار مدحت سرائی
محال از ثنائے تو عہدہ برآئی ۔ ازل تا ابد لے تو فرماں روائی
کرا جز تو در ملک تو بادشاہی

Marfat.com

تو کلمات الہیہ کی تفسیر ہر مفسر کے حسب حال ہوتی ہے۔ مفسر کا شیشۂ دل جتنا بھی ریاضت اور ذکر الٰہی سے صیقل ہوگا۔ اسی تناسب سے قرآنی معارف و مطالب کا فوٹو اس میں اچھا دکھائی دے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

(سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں)

حمد اس تعریف کو کہتے ہیں۔ جو کسی کے بالاختیار کوئی اچھا کام کرنے پہ کی جاتی ہے اس پر الف لام زیادہ کیا گیا ہے۔ یہ الف لام کلام عربی میں مختلف معنوں کے لئے آتا ہے جس کا مفصل ذکر علم نحو و صرف سے تعلق رکھتا ہے۔ تاہم میں مختصراً بیان کر دیتا ہوں تاکہ آپ کو کچھ نہ کچھ اس کے متعلق معلوم ہو جائے

الف لام کی چار قسمیں

الف لام کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ عہد خارجی۔ عہد ذہنی۔ جنسی اور استغراقی اگر عام معنی والے لفظ پر داخل ہو کر اس کے معنوں میں خصوصیت پیدا کرے تو عہد خارجی کہلاتا ہے جیسے رَجُلٌ کہ عام مرد کو کہتے ہیں۔ خواہ زید ہو یا عمر۔ بکر ہو یا خالد۔ مگر اَلرَّجُلُ یعنی وہ مرد۔ یہ ایک خاص فرد کے لئے استعمال ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو گیا ہے۔ اور اگر مدخول لفظ کی جنسیت یعنی ماہیت کو بلا لحاظ تحقیق افراد پیش کرے۔ جیسے الرجل خیر من المرأۃ یعنی جنس مرد جنس عورت سے بہتر ہے تو جنس کہلاتا ہے۔ اور اگر ماہیت کے ساتھ ساتھ افراد کی تحقیق پر بھی دلالت کرے۔ تو اب یہ دلالت یا تو کل افراد پر ہوگی یا بعض

اگر کل پر دلالت کرے تو استغراقی ہے ورنہ عہد ذہنی۔

الحمد میں الف لام استغراقی ہے۔ یعنی حمد کے جمیع افراد۔ حمد کی تمام قسمیں۔ حمد کی تمام اقسام اور انواع اللہ تعالیٰ ہی کی ذات والاصفات کے لئے ثابت ہیں۔ ازل سے ابد تک جو بھی تعریف ہوئی ہے۔ یا ہو رہی ہے یا ہو گی وہ اسی رب العلمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر تعریف انسان کی ہو یا غیر انسان کی۔ اسی مالک ذوالجلال کے لئے خاص ہے۔ انسان کے علاوہ دنیا کی تمام چیزیں زبان حال سے اللہ جلشانہ کی تحمید و تسبیح میں مشغول ہیں۔ ہاں ان کے سننے کے لئے اہل اللہ کے کانوں کی ضرورت ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ یعنی ہر شے اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ مگر تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔

نہ گردش ہر چہ بینی در خروش است	ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانے است	کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے است

حمد کی تین قسمیں

اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ تعریف یا حمد صرف زبان سے الفاظ مدحیہ کا بیان کرنا ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ قولی حمد کے علاوہ حمد فعلی اور حمد حالی بھی ہوتی ہے۔ حمد قولی تو یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف کرے اور حمد فعلی یہ ہے کہ مخلوق اپنے افعال و اشغال سے اللہ جل شانہ کی حمد کو ظاہر کرے اور حمد حالی یہ ہے کہ مخلوق کے حال سے حمد ربی کا اظہار ہو۔ اور اس کا روح۔ اس کا دل اور اس کا باطن خداوندی انعام کا معترف ہو۔ درختوں کو دیکھو تو وہ تمام

Marfat.com

میں کھڑے ہیں۔ جانوروں کو دیکھو۔ تو ہر وقت رکوع میں جھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر انسان کی عبادت بوجہ اس کے اشرف المخلوقات ہونے کے سب کا مجموعہ ہے

نماز حمد کی تینوں اقسام کی جامع ھے

چونکہ نماز میں یہ تینوں حمدیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اسی واسطے شریعت نے نماز کو تمام دوسری عبادتوں پر فوقیت دی ہے۔ اور شریعت مطہرہ نے اس کی اس قدر تاکید کی ہے کہ اس کے مقابلے میں کسی دوسری عبادت کی اتنی تاکید نہیں کی حضور سرورِ عالم فرماتے ہیں اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ یعنی نماز دین کا ستون ہے۔ تو جس نے اسے قائم کیا تو گویا اس نے دین کو قائم کیا۔ اور جس نے اسے چھوڑ دیا تو گویا اس نے دین کو گرا دیا فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کسی عورت کا بچہ پیدا ہو۔ اور آدھے سے کم بچہ پیدا ہو کر رک جائے۔ اور نماز کا وقت ختم ہونے پر ہو تو اسے چاہئے کہ نماز قضا نہ کرے۔ بلکہ اشارہ سے پڑھے کیونکہ ولادت تامہ سے پہلے وہ نفاس والی نہیں اور جب نفاس والی نہیں تو نماز معاف نہیں ہو سکتی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ دردِ زہ جو نزع کی تکلیف کا مثنیٰ ہے۔ اس میں بھی شریعت اشارہ سے نماز پڑھنے کا حکم دے رہی ہے تو کس قدر افسوس ہے ان لوگوں پر جو باوجود صحت کے بلا عذر نمازیں چھوڑ دیتے ہیں اور صرف کھانا کھانے کے بعد ڈکار آ جانے پر الحمد للہ کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں یہ حمد تو ایسی ہے۔ کہ کوئی شخص صبح سے شام تک حلوا حلوا کہہ کر زبانی اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کرے۔ مگر عملی کام کچھ بھی نہ کرے تو کیا

Marfat.com

آپ کے نزدیک محض ان الفاظ سے اس کا پیٹ بھر جائے گا۔ اور صرف حلوے کی گردان رٹنے سے مقصود حاصل ہو جائے گا۔ اسی طرح صرف زبان سے الحمدللہ کہہ دینا اور دل اور جسم سے اس کا اظہار نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے غافل کی تسبیح و تہلیل ہے

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

لہذا چاہئے کہ اگر زبان قولی حمد میں مشغول ہو۔ تو جسم حمد فعلی کو ظاہر کر رہا ہو اور دل پر ترغیب و ترہیب کی آیتوں سے خوف و رجا اور فرحت و ملال کی کیفیتیں طاری ہو رہی ہوں۔

الحمدللہ کہا مگر الشکر للہ یا المدح للہ نہ کہنے کی وجہ

یہ بھی ایک نکتہ یاد رکھئے کہ رب العزت نے الحمدللہ فرمایا ہے الشکر للہ یا المدح للہ نہیں فرمایا کیونکہ اگرچہ بادی النظر اور سطحی طور پر دیکھنے سے مدح، شکر اور حمد ایک ہی معنی پر دلالت کرنے والے الفاظ معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے معنوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کیونکہ مدح اختیاری اور غیر اختیاری دونوں کاموں پر کیجا سکتی ہے مثلاً کسی شخص کے عالم، بہادر اور سخی ہونے پر مدح کرنا۔ یہ افعال اختیاریہ ہیں۔ یا کسی کے موٹا، پتلا یا خوبصورت ہونے پر اس کی تعریف کرنا یہ افعال غیر اختیاریہ ہیں۔ مگر حمد صرف اختیاری افعال ہی میں ہوتی ہے۔ غیر اختیاری یا اضطراری کاموں پر حمد نہیں ہوا کرتی۔ اور شکر صرف نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ یوں بلا اعطاء نعمت کے شکر نہیں کیا جاتا۔ گویا مدح تو سب سے عام ہے۔ کہ اختیاری و اضطراری دونوں کاموں کو

Marfat.com

شامل ہے۔ حمد اس سے دوسرے درجہ پر ہے۔ کہ صرف اختیاری افعال ہی کے مقابل میں ہو سکتی ہے اور شکر سب سے خاص ہے کہ صرف نعمت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اسواسطے ہر شکر حمد ہو گا۔ مگر ہر حمد شکر نہ ہو گی۔ اسی طرح ہر حمد مدح ہے مگر ہر مدح حمد نہ ہو گی

اب اگرچہ مدح کا لفظ تعریف کے اعتبار سے تو بہت عام تھا۔ مگر اللہ جلشانہ نے المدح للّٰہ نہ فرمایا۔ کیونکہ اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا۔ کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں مضطر ہو اور یہ تعریف اس کے افعال اضطراریہ پر ہو رہی ہو۔ جیسے سورج اپنی روشنی کے دینے میں مضطر ہے۔ اسے اپنی روشنی کو کسی وقت بھی ذاتی طور پر روک لینے کا اختیار نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو بھی ان افعال کا جس کی وجہ سے ہم اس کی مدح کر رہے ہیں۔ روکنے یا نہ کرنے کا اختیار نہیں بلکہ وہ ان کے کرنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ فلاسفہ کا یہی عقیدہ ہے۔ کہ وہ اللہ جلشانہ کے افعال کو سورج کی روشنی کی طرح افعال اضطراریہ مانتے ہیں۔ مگر رب العزت نے اس باطل وہم اور فلاسفہ کے غلط عقیدہ کی حمد کا لفظ لا کر جڑ کاٹ دی۔ کیونکہ حمد تو افعال اختیاریہ پر ہوتی ہے تو گویا اللہ تعالیٰ کو مستحق حمد ماننے اور اسے محمود یقین کر لینے سے ضمناً دو باتوں کا یقین کرنا بھی ضروری ہو گیا۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے افعال کے کرنے یا نہ کرنے میں مختار ہے۔ اس کی مرضی ہے خواہ کرے یا نہ۔ کوئی اسے مضطر اور مجبور نہیں کر سکتا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سب کام اچھے ہیں کیونکہ حمد ہمیشہ اختیاری اور اچھے کام پر ہوتی ہے۔ پہلی بات یعنی افعال اختیاریہ کی قید سے فلاسفہ کے فاسد عقیدہ کا رد ہو گیا۔ اور دوسری یعنی اللہ تعالیٰ کے سب کام اچھے مان لینے سے رضا بالقضا کا مادہ پیدا ہوا۔ کیونکہ جب انسان اپنے تمام دکھ درد تکلیف عسر و یسر کو اللہ جل شانہ کی طرف سے سمجھتا ہے۔ اور

Marfat.com

پھر اس پر الحمدللہ کہتا ہے۔ تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے کئے کو مناسب اور اچھا سمجھ کر اس کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ اگر بھوکا ہے تو کہتا ہے الحمدللہ اگر پیٹ بھرا ہے تو کہتا ہے الحمدللہ۔ اگر بیمار ہے تو کہتا ہے الحمدللہ اور اگر تندرست ہے تو کہتا ہے الحمدللہ اگر امیر ہے تو کہتا ہے الحمدللہ اور اگر غریب ہے تو کہتا ہے الحمدللہ غرضیکہ وہ قضا وقدر کے ہر کام سے راضی ہو کر خوشی کا اظہار کرتا ہے اس رضا بالقضاء کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب وہ نہایت ٹھیک اور سچے معنوں میں غاسل کے ہاتھ میں مردہ یا دھوبی کے ہاتھ میں کپڑا بن جاتا ہے اور ہر سے تعلق کو توڑ کر اس ایک سے رشتہ جوڑ لیتا ہے۔ اور اس کے کئے کو اگرچہ ناگوار خاطر ہی کیوں نہ ہو۔ برضا ورغبت برداشت کرے قولاً فعلاً اور حالاً الحمدللہ کہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور اس پر وہ وہ انعام کئے جاتے ہیں۔ کہ انسان کا وہم وگمان بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ ہر حال میں شاکر وصابر ہے اور میرے کئے پر راضی ہے اور امتحان وابتلا کی کسوٹی پر کھرا اترتا ہے۔ تو پھر درجہ ناز و محبوبیت سے نواز دیتے ہیں اور پھر لَئِن شَکَرتُم لَاَزِیدَنَّکُم کے قرآنی وعدوں کے مطابق دنیا میں انعام ونوازشات میں تو اضافہ فرماتے ہی ہیں مگر آخرت میں بھی الحمدللہ کے آٹھ حرفوں کے مقابل جنت کے آٹھ دروازوں میں سے جس میں بھی قائل حمد داخل ہونا چاہیگا عام اجازت عطا فرمادیں گے۔

شکر نعمت نعمتت افزوں کند　　　کفر نعمت از کفت بیروں کند

انسان اللہ جلشانہ کی کماحقہ حمد کرنے سے عاجز ہے

اگر غور کرو تو انسان کیا ہوگا اور اس کی حمد وثنا کیا ہوگی۔ کیونکہ اس کا

Marfat.com

وجود اس کے افعال اس کی حرکات اس کی ضروریات سب کی سب اسی رب الارباب کی دی ہوئی ہیں اللہ کی حمد اس کی طاقت حمد اس کا وقت حمد سب کا سب اسی کی طرف سے ہے۔ چنانچہ قرآن پاک ارشاد فرماتا ہے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ یعنی تمہارے پاس جو کچھ بھی نعمت کے قبیل سے ہے۔ وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ شیخ سعدی مرحوم نے فرمایا ہے۔

عطائیست ہر موئے از وبر تنم　　　چگونہ بہر موئے شکرے کنم

اسی واسطے تو حضورؐ نے فرمایا ہے لَا اُحْصِی ثَنَاءً عَلَیْكَ کہ اے اللہ میں آپ کی پوری پوری ثنا نہیں کر سکتا۔ اور حضور سرور عالم کے ایسا فرمانے کی وجہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک واقعہ کے بالکل مشابہ ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک دفعہ دربار الٰہی میں عرض کیا یارب کیف اشکرك کہ اے اللہ میں آپ کا کیسے شکریہ ادا کروں۔ کیونکہ ادائے شکر کی توفیق کا آپ کی طرف سے ملنا ضروری ہے۔ ورنہ ایک ضعیف انسان آپ جیسے عظیم الاحسان کا شکریہ کیسے ادا کر سکتا ہے۔ اور پھر یہ توفیق شکر بجائے خود ایک اور نعمت ہے اس کا شکر ادا کرنے کے لئے پھر توفیق کی ضرورت ہے۔ اور وہ توفیق ایک اور نعمت ہے تو ایسی لامتناہی نعمتوں کا میں کس طرح شکریہ بجا لا سکتا ہوں ارشاد باری ہوا۔ اے داؤدؑ۔ تیرا ادائے شکر سے عاجز ہونے کا اقرار کرنا خود ادائے شکر ہے ؎

نیست انسان را کملے بہتر از اظہار عجز　　　دست گیر ناشناور دست بالا کردن ست

جیسے ادائے شکر سے عاجز ہونے کا اقرار کرنا ادائے شکر ہے ایسے ہی اپنے نقصان علم کا اقرار کرنا بھی کمال علم کی علامت ہے۔ کیونکہ جب عالم کامل اپنے سامنے علم کے بحر مواج کو دیکھتا ہے۔ تو وہ خواجہ خضر علیہ السلام کی طرح پکا

Marfat.com

اٹھتا ہے کہ اے موسیٰ تیرا اور میرا علم۔ علم خداوندی کے سامنے ایسا ہے جیسا کہ اس پرندے نے اس سمندر سے چونچ کو ڈبو کر پانی لیا ہے۔

لاادری کمال علم کی علامت ہے

لکھا ہے کہ ایک دفعہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا آپ نے فرمایا لا ادری کہ میں نہیں جانتا۔ لوگوں نے کہا کہ جب آپ اتنا مسئلہ بھی نہیں جانتے تو پھر بیت المال سے اس قدر ماہانہ کیوں لیا کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ وہ تنخواہ تو مجھے میرے علم کے مقابل میں دی جاتی ہیں اگر مجھے میرے جہل کے مقابلے میں مشاہرہ دیا جاتا تو لکہ یسعنی مال الدنیا یعنی پھر تو تمام دنیا کا مال بھی کافی نہ ہوتا۔

ایک عالم صاحب نے اپنی علمیت وجہالت کا مقابلہ کیسے کیا

اسی طرح کسی عالم سے منبر پر ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے یہ مسئلہ سر دست معلوم نہیں کتابیں دیکھ کر عرض کروں گا۔ اس پر لوگ شور مچانے لگے۔ کہ جب آپ سب مسائل نہیں جانتے۔ تو پھر ممبر پر کیوں چڑھ بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صاحبو! جتنا میرا علم تھا اتنا مجھے چڑھایا گیا ہے۔ اگر میرے جہالت کے خیال سے چڑھایا جاتا تو پھر تو ساتواں آسمان بھی میرے لئے نیچا ہی ہوتا۔

Marfat.com

نیم ملاؤں کا تکبر ان کی جہالت کا نتیجہ ہے

آج کل کے نیم ملاؤں کا تکبر ان کی جہالت کا نتیجہ ہے ورنہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی علم کے بحر مواج کو دیکھ کر پھر اپنے حقیر و ناقص علم پر اترانے کا خیال بھی کر سکے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

این تکبر چیست غفلت از لباب　　منجمد چوں غفلت یخ ز آفتاب
چوں خبر شد ز آفتابش یخ نماند　　نرم گشت و گرم گشت و تیز راند

یعنی یہ تکبر کیا ہے عقل کی کمی اور غفلت کا باعث ہے جس طرح برف جب سورج سے غافل ہوتی ہے تو منجمد ہو جاتی ہے۔ مگر جونہی کہ سورج کی گرمی اس پر پڑی وہ انجماد اور سختی نرمی سے بدل کر تیزی کے ساتھ پانی کی رو کی شکل میں بہنے لگتی ہے۔ اسی طرح جب متکبر پر عقل و علم کے آفتاب کی روشنی پڑ گئی۔ تو پھر وہ متکبر نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اس کا تکبر تذلل اور انکسار کی صورت میں بدل جاتا ہے

امام رازی کا ایک منکسرانہ قطعہ

چنانچہ امام فخر الدین عبداللہ شافعی جو امام فخر الدین رازی کے نام نامی سے شہرہ آفاق ہیں اور جن کی غزارت علمی پر مولانا روم کا یہ شعر ملاحظہ ہو فرماتے ہیں

گر ز استدلال کار دیں بدے　　فخر رازی راز دار دیں بدے

آپ کی تصانیف کثرت سے ہیں خصوصاً تفسیر کبیر تو بے بہا موتیوں کا خزانہ ہے مگر آپ اپنے اس قطعہ میں اپنے نقصان علم کا یوں اقرار کرتے ہیں۔

Marfat.com

ہرگز دل من ز علم محروم نشد | کم ماند اسرار کہ مفہوم نشد
ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز | معلومم شد کہ ہیچ معلوم نشد

یعنی میرا دل علم سے محروم نہیں رہا۔ بلکہ قریب قریب تمام اسرار اور غوامض کو حل کیا اور بہتر سال تک رات دن غور و فکر کیا۔ مگر آخر نتیجہ یہی نکلا کہ مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ چنانچہ آپ کے یہ چار شعر بھی موتیوں کے ساتھ تولنے کے قابل ہیں آپ فرماتے ہیں ؎

آنکس کہ بداند و بداند کہ بداند | خود را لبسر مسند اعزاز نشاند
وانکس کہ نداند و بداند کہ نداند | او نیز خر خویش بمنزل برساند
وانکس کہ بداند و بداند کہ نداند | اسپ طلب از گنبد گردوں بجہاند
وانکس کہ نداند و بداند کہ بداند | در جہل مرکب ابد الدھر بماند

چنانچہ حضورؐ کے لا اُحصِی ثناءً علیکَ فرمانے کا بھی یہی راز ہے۔

استحقاق جنت رحمت سے ہوگا نہ عمل سے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کا نامۂ اعمال دربار رب العزت میں پیش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اعمال نامہ کی جانچ کروانے کے بعد ارشاد فرمائے گا کہ اچھا اے فرشتو! اسے میری رحمت کی وجہ سے جنت میں لے جاؤ۔ وہ شخص عرض کرے گا۔ باری تعالیٰ آپ کی رحمت کا یہاں کیا سوال ہے یوں آپ کیوں نہیں فرماتے۔ کہ اس کو اس کے حق کی وجہ سے جنت میں لے جاؤ۔ کیونکہ میں نے آپ کے تمام احکام کو مانا۔ آپ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا۔ فرائض۔ واجبات اور سنن وغیرہ کا خیال رکھا اطاعت رسول سے ذرا بھی سر نہ موڑا۔ اب تو میرا

Marfat.com

حق ہے کہ میں جنت میں جاؤں۔ حکم ہو گا۔ اے فرشتو۔ اچھا اس کا حساب کرو۔ اور ہمارے احسان وانعام کے مقابلہ میں اس کے شکر کو جانچو۔ چنانچہ پڑتال شروع ہو گی اور اس صاحب کے تمام اعمال حسنہ شکر اور حمد صرف ایک آنکھ کی نعمت کا بھی پورا بدلہ نہ ہو سکیں گے۔ آنکھ کا کھلنا۔ اس کا بند ہونا۔ پلکوں سے اس کی حفاظت اس کے مختلف حیرت انگیز پردے۔ اس کی قوت۔ اس کا سکڑنا۔ اس کی رطوبت وغیرہ انعامات کے مقابلہ میں اس کی تمام عبادات وطاعات ختم ہو جائیں گی۔ مگر ایک آنکھ کی نعمت کا شکریہ پورا نہ ہوگا۔ حکم ہوگا اچھا اے فرشتو۔ اس شخص کو اس کے حساب کی وجہ سے دوزخ میں لے جاؤ۔ اس وقت وہ فریاد وزاری کرے گا۔ کہ اے رب مجھے جنت میں ہی لے جانے کا حکم دیجئے۔ خواہ وہ آپ کی رحمت ہی کے باعث ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی فریاد وزاری پر رحم فرما کر دوبارہ جنت میں پہنچانے کا ارشاد فرمائے گا۔ اور کہے گا کہ اے شخص تو پہلے ہی ہمارے فیصلہ پر راضی ہو جاتا تو تجھے اتنی کوفت نہ پہنچتی۔ سچ ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا۔ بے شک انسان بے صبر پیدا ہوا ہے۔ اسے نہ اس کروٹ چین نہ اس پہلو آرام۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش   عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش   کس نتواند کہ بجا آورد

ہماری ناقص حمد کے مقبول ہونے کی وجہ

اور جب پیغمبروں اور بزرگان دین کی حمد وثنا کا یہ حال ہے کہ وہ خود اپنی درفشاں زبانوں سے اپنے قصور حمد اور عجز شکر کا اعتراف کریں تو پھر ہم کیا

Marfat.com

اور ہماری حمد و ثنا کیا۔ ہماری حمد و ثنا بھی سچ پوچھو۔ تو طریق ادب اور تعظیم واجبہ کی کمی کو دیکھ کر ایک قسم کی بے ادبی معلوم ہوتی ہے۔

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب   ہنوز نام تو گفتن ہزار بے ادبی ست

مگر یہ رب العزت کی کریمی ہے کہ ہمارے ناقص اور بیہودہ محامد کو بھی قبول فرما کر ہمارے وہم و گمان سے بھی زیادہ بدلہ عنایت فرماتے ہیں۔ اور یہ قبولیت بعینہٖ ایسی ہے جیسی کہ مستحاضہ کی نماز باوجود جریان خون کے وہ رحیم معبود قبول فرماتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

ایں قبول ذکر تو از رحمت است   چوں نماز مستحاضہ رخصت است

الحمد کا لفظ مسلمانوں کو علوم جدیدہ اور قدیمہ سیکھنے کی تلقین کرتا ہے

اس کے علاوہ حامد کی ہر حمد اس کے مرتبہ علم کے مطابق ہوتی ہے جس قدر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور اسرار سے زیادہ واقفیت ہو گی۔ اسی قدر اس کی حمد کا درجہ بھی زیادہ ہو گا۔ مثلاً ایک شخص شہد کی مکھیوں کو دیکھتا ہے اور ان سے شہد حاصل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ دوسرا مکھیوں کو دیکھتا ہے اور ان سے شہد حاصل کر کے شہد کے مختلف رنگوں کو بھی ذہن میں رکھ کر حمد کرتا ہے۔ تیسرا مکھی، شہد اور الوان مختلفہ کے علاوہ اس کے طریقہ رہائش۔ اس کے دور دراز جانے اور پھولوں سے خوراک حاصل کر کے پھر ٹھیک اپنے مقام پر واپس آنے کے عجائبات کا مطالعہ کرنے کے بعد حمد کرتا ہے۔ اور چوتھا تیسرے کی تمام باتوں کے ساتھ مکھی کے مسدس گھر۔ اس کے چھتے اور اس

Marfat.com

کی کاریگری کو دیکھ کر رب العزت کی حمد بیان کرتا ہے۔ تو کیا آپ اب یوں سمجھینگے کہ حمد کے لحاظ سے ان چاروں کا درجہ برابر ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ پہلے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے اور تیسرے سے چوتھے کی حمد کا مرتبہ اعلیٰ ہے کیونکہ حمد کرتے وقت چوتھے کا ذہن دوسروں سے حمد کے پہلو بہت زیادہ ملحوظ رکھ رہا ہے اس واسطے ان چاروں کی حمد کا اتحاد اور فرق بعینہ اس طرح ہے جس طرح قرآن پاک پیغمبروں کے متعلق ایک جگہ تو فرماتا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ مگر دوسری جگہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اب پہلی آیت سے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسالت اور پیغمبری میں سب رسول برابر ہیں یعنی ان کے منجانب اللہ اور خدا کی طرف سے رسول ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن دوسری میں بتایا ہے۔ کہ ہاں مراتب رسالت میں وہ ایک دوسرے سے متفاوت ہیں اور بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے جیسے دال ہونے میں ارہر۔ مسور۔ چنا مونگ وغیرہ سب برابر ہیں۔ مگر مرتبہ غذا اور قیمت میں وہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح نفس حمد کے لحاظ سے ان چاروں کی حمد کہلائے گی۔ مگر مرتبہ کے لحاظ سے ان حامدین کی حمدوں میں ایک اور ہزارہا کا فرق ہو گا۔

مسلمانوں کی جہالت کا افسوسناک مظاہرہ اور حمد کے قبول نہ ہونیکی وجہ

یہ بحث میں نے اس جگہ کیوں چھیڑ دی۔ اور اس نکتہ کو بیان کرنے کی مجھے کیا ضرورت پیش آئی۔ اس کی ضرورت یہ تھی۔ کہ آپ کو معلوم ہوجائے۔ کہ قرآن پاک امت محمدیہ کو تمام علوم کے حاصل کرنے اور دقائق قدرت کے کھودنے کی کس قدر

ترغیب دیتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج وہ قوم جسے پیشوائے امم اور دنیا کا رہنما بنا کر بھیجا گیا تھا۔ دنیا تو خیر۔ دین کی تعلیم سے بھی ایسی بے خبر ہے۔ کہ جس کا بیان زخمی دل پر نمک چھڑکنے سے کم نہیں۔

آج چند دن ہوئے۔ کہ یہاں ہی کے جنگل سے ایک استفتا آیا۔ جس میں سائل نے پوچھا کہ اگر کسی مسلمان کو بلا جنازہ دفن کر دیا جائے۔ اور اب جنازہ پڑھنے کا خیال ہو تو کیا کیا جائے۔ مجھے حیرت ہوئی۔ کہ ایک مسلمان کو انہوں نے بلا جنازہ کیوں دفن کیا ہو گا۔ اور پھر اب تین چار دن کے بعد اس پر پڑھنے کا خیال کیوں پیدا ہوا ہو گا۔ جواب کے ساتھ میں نے ان سے یہ بھی پوچھا۔ کہ ایسا معاملہ کیوں ہوا۔ چنانچہ ان لوگوں نے لکھا کہ ہمارے مولوی صاحب گاؤں سے باہر کسی کام کو گئے ہوئے تھے۔ اور یہ معلوم نہ تھا۔ کہ کب آئیں گے اس واسطے مردہ کو گھر رکھنا مناسب معلوم نہ ہوا۔ اب چونکہ مولوی صاحب واپس آ گئے ہیں۔ اس لئے مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہوئی۔

مسلمانو۔ غور کرو۔ ہم دین و دنیا کے علوم میں کس قدر پیچھے رہ گئے۔ دنیا تو جا ہی چکی تھی۔ اب جو تھوڑا سا دینی تعلق تھا۔ وہ بھی رخصت ہونے کو ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہماری حمد ایسی سطحی اور بے معنی ہے۔ کہ دربار قبولیت میں اسے باریاب ہی نہیں ہونے دیا جاتا۔ ورنہ یہ محال ہے۔ کہ مقبولیت کے بعد ان محامد کا اثر ہمارے جسم و جان اور رگ و ریشہ پر ظاہر نہ ہوتا۔

علمائے متقدمین نے علوم کو کس طرح تقسیم کیا

جب کامل حمد کرنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ ہم سے جس قدر بھی ہو سکے

Marfat.com

دقائق قدرت کا احاطہ کریں۔ اور تمام قدیم و جدید علوم کو حاصل کریں کہ جس سے ہماری حمد میں کچھ جان پیدا ہو۔ ورنہ تصویر بلا روح کی طرح ہماری حمد کسی کام کی نہیں لہذا میں مختصراً یہ بھی عرض کئے دیتا ہوں کہ اگلے مسلمانوں نے جن کا جھنڈا اس وقت کی معلوم شدہ دنیا کے کونے کونے پر لہرا رہا تھا۔ دقائق قدرت کی تفتیش کے لئے کیا کیا علوم ایجاد کئے۔ اور متاخرین کے لئے انہوں نے کیا اسوہ چھوڑا۔ ان لوگوں نے اس سب عالم کو دو حصوں پر تقسیم کیا۔ عالم مجردات یعنی وہ چیزیں جو عناصر اور مادہ سے پاک ہیں۔ جیسے فرشتے اور ارواح دوسرے عالم جسمانیات۔ یعنی وہ چیزیں جو مادی ہیں پھر عالم جسمانیات کو دو حصوں پر تقسیم کیا۔ عالم علوی یعنی اوپر کا جہان جس میں چاند سورج تارے اور سیارے وغیرہ آ گئے۔ اور دوسرے عالم سفلی یعنی نیچے کا جہان جس میں دریا، چرندے پرندے۔ انسان اور زمین کی سب چیزیں آ گئیں۔ پھر اس کے بعد عالم سفلی کی دو قسمیں بنائیں۔ ایک عالم بری یعنی خشکی کا جہان اور دوسرا عالم بحری یعنی دریائی جہان۔ پھر عالم بری کو تین حصوں پر تقسیم کیا۔ عالم جمادات جس میں مٹی پتھر، چاندی سونا، لعل وغیرہ سب آ گیا۔ دوسرا عالم نباتات یعنی درخت گھاس سبزیاں وغیرہ۔ تیسرا عالم حیوانات یعنی تمام جانداروں کا جہان جس میں انسان، گھوڑا، گدھا، درندے وغیرہ سب آ گئے۔

یہ ایک بالکل موٹی اور نہایت بھدی سی تقسیم کر کے بتائی ہے۔ ورنہ اگر وقت نظری اور باریک بینی سے تقسیم کر کے تفصیل کی جائے۔ تو اس کے لئے بہت سے وقت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف اس موٹی ہی تقسیم پر غور فرمائیں تو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں نے دقائق قدرت کے سمجھنے کے لئے اسی تقسیم کے لحاظ سے کس قدر علوم ایجاد کئے ہوں گے۔ مگر افسوس کہ آج جو ہم ان کی اولاد ہیں کسی

Marfat.com

علم کو ایجاد کرنا تو درکنار۔ دوسروں کے ایجاد کیئے ہوئے علوم سے فائدہ تک بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اور اسی بے اعتنائی کا باعث ہے۔ کہ آج ہم ذلت ورسوائی کی چکیوں میں پسے جاتے ہیں۔ غور تو کرو۔ کہ کس طرح قرآن پاک کا پہلا لفظ ہی مسلمانوں کو دنیا جہاں کے علوم حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور کس طرح منہ سے حمد کا لفظ کہلا کر حمد کی حقیقت میں غور کرنے اور محامد ربی کی باریکیاں سوچنے کی رغبت دلاتا ہے۔ مگر ہم ہیں کہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کی آیت کا مصداق بن رہے ہیں۔

لفظ حمد سے ابتدا اور انتہا ہے

حمد کے لفظ سے ابتدا کر کے انسان کو اس بات پر بھی متنبہ کیا گیا کہ اے انسان تیرے ساتھ جو کچھ میں کر رہا ہوں۔ یا آئندہ کروں گا۔ وہ سب کا سب میری رحمت اور نوازش کا باعث ہے۔ تیرا مجھ پر کچھ قرض یا حق نہیں۔ سچ ہے

ما نبودیم و تقاضا ما نبود   لطف تو ناگفتۂ ما مے شنود

اسواسطے تجھے چاہیئے کہ ان انعامات و نوازشات کا شکریہ ادا کرتا رہ۔ تاکہ دنیا میں زیادتیٔ انعام کے علاوہ آخرت میں تیرا مقام اس جگہ ہو۔ جہاں کی کلام کا خاتمہ بھی انہیں الحمد للّٰہ رب العلمین کے الفاظ پر ہوگا۔ اور وہ مقام کونسا ہوگا۔ وہ مقام جنت ہے۔ جہاں جنتی کہیں تو الحمد للّٰہ الذی ھدانا لِھٰذا کہیں گے تو کہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الذی صَدَقَنَا وَعْدَہٗ اور ان کی کلام کا خاتمہ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے الفاظ پر ہوگا۔ تو کیسی پاک ہونگی وہ ہستیاں۔ جن کے کلام کی ابتدا اور انتہا الحمد للّٰہ رب الْعٰلَمِین پر ہوگی

Marfat.com

اے اللہ ہم سبھوں کو بھی اپنے حبیب لبیب کے صدقے سے اسی پاک گروہ میں جگہ عنایت فرمانا۔ آمین

ذات باری کیلئے تمام تعریفوں کے خاص ہونے کی وجہ

لِلّٰہِ

لام بمعنی واسطہ یعنی تمام تعریفیں ثابت ہیں واسطے اللہ کے۔ اللہ کے متعلق بِسْمِ اللّٰہِ کی تفسیر میں بہت کچھ بیان ہو چکا ہے۔ ہاں اتنا یہاں اور سمجھ لینا چاہئے کہ الحمد للہ میں سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہونے کا دعوے کیا گیا ہے۔ اور ہر دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دعوے بغیر دلیل کے قابل سماعت ہی نہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دعوے کو بلا دلیل قبول نہیں فرماتے۔ تو خود اپنے اتنے بڑے دعوے کو بلا دلیل کیسے چھوڑ سکتے تھے مفصل دلیل تو رب العالمین اور الرحمن الرحیم میں آتی ہے۔ مگر غور کرنے سے اسی دعویٰ الحمد للہ ہی میں ثبوت بھی پایا جاتا ہے اور یہ ایسی بات ہے کہ انسانی کلام ہزار فصاحت و بلاغت سے بھرا ہوا ہونے کے باوجود ایسے اسرار نکات سے معرا ہوتا ہے۔ دیکھئے اللہ کے متعلق آگے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نام ہے اس ذات کا جو جامع ہے تمام صفات کمالیہ جمالیہ اور جلالیہ کا اور جب اللہ نام ہو ایسی ذات کا کہ جس کا مقابلہ عالم کا کوئی فرد بھی نہ کر سکے۔ تو پھر حمد کا ثبوت اس کے لئے نہ ہو تو اور کون اس عزت و وقار کا مستحق ہو سکتا ہے۔

انسانوں کی حمد کرنے پر اعتراض اور اس کا جواب

ہاں اس سے ایک اعتراض یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جب کوئی غیر اللہ حمد کے

Marfat.com

لائق نہ رہا۔ پھر انسانوں کی حمد کیوں کی جاتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں وہ حمد نہیں ہوتی۔ بلکہ مدح کو حمد سمجھ لیا جاتا ہے۔ کیونکہ تعریف کا نام اختلاف محمود سے مختلف ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کی حمد کی جاتی ہے، تو اسے حمد کہا جاتا ہے جب کسی پیغمبر کی تعریف کی جاتی ہے۔ تو اس کا نام نعت ہو جاتا ہے جب کسی ولی یا صالح کی تعریف کی جاتی ہے تو وہ منقبت کہلاتی ہے۔ اور جب عام انسانوں کی تعریف کی جاتی ہے تو اسے مدح کہتے ہیں۔ مگر عام طور پر لوگ اس میں تمیز نہیں کرتے۔ اور ایک لفظ کو دوسرے کے لئے غلط طور پر استعمال کر لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر غلط العام صحیح کا لحاظ رکھا جائے۔ یا حمد کے استعمال کو عام مانا جائے تو تو بھی غیر اللہ کی حمد سے ہماری تقریر پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ کسی غیر اللہ کی حمد بھی حقیقت میں اللہ ہی کی حمد ہے۔ کیونکہ اس محمود انسان اور اس کے محمود افعال کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ اسی نے اس کو افعال حسنہ کے کرنے پر قدرت دی تھی اس کے لئے اسباب کو جمع فرمایا تھا اسی واسطے کسی غیر اللہ کی تعریف درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے۔ جیسے ایک کھلونے کی تعریف کی جائے اور اس کو سراہا جائے۔ تو حقیقت میں یہ تعریف کھلونے کے بنانے والے کی ہے۔ اور پھر کھلونے کے بنانے والے کی بھی تعریف سے بڑھ کر وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔ کیونکہ اس کا خالق۔ اس کو اس کام کی قدرت دینے والا اس کو اس کے بنانے کے اسباب دینے والا اور پھر اس کے اس کام پر نتیجہ مرتب کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس واسطے جہاں جس جگہ اور جو بھی حمد ہو گی۔ وہ حقیقتاً ذات باری ہی کی حمد کہلائے گی۔

Marfat.com

چھینک کے متعلق

الحمد کی تفسیر میں یہ مسئلہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور فرماتے ہیں اذا عطس احدکم فلیقل الحمد للہ رب العلمین ولیقل لہ من یردُّ علیہ یرحمک اللہ ولیقل یغفر اللہ لی ولکم یعنی جب تم میں سے کوئی چھینک مارے۔ تو چاہیے کہ کہے الحمد للہ رب العالمین اور چاہیے کہ جواب دینے والا کہے یرحمک اللہ پھر عاطس کہے یغفر اللہ لی ولکم امام ابوحنیفہ کے نزدیک چھینک کا جواب واجب کفایہ ہے۔ یعنی مجلس سے ایک کا یرحمک اللہ کہہ دینا جواب کے لئے کافی ہے مگر بعضوں نے اسے سنت کفایہ اور بعضوں نے مطلق سنت کہا ہے۔ مگر یہ جواب اسی وقت ہے۔ کہ چھینکنے والا الحمد للہ کہے۔ اور اس کی حمد سنی جائے اگر وہ حمد نہ کہے یا کہے مگر اتنی آہستہ کہ بالکل سنی ہی نہ جائے تو وہ جواب کا بھی مستحق نہ ہوگا ترمذی شریف میں آتا ہے کہ یہودی لوگ حضور کے پاس آکر چھینک مارتے اور اس امید پر زور سے الحمد للہ کہتے کہ حضور جواب میں یرحمک اللہ فرمائینگے مگر آپ یہود کی چھینک کا جواب یھدیکم اللہ ویصلح بالکم (اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت دے اور تمہارے دلوں کی اصلاح فرمادے) کے الفاظ سے دیتے۔

مسلمانوں کے لئے غور کرنے کا مقام

مسلمانو! غور کرو۔ اسلام نے ایک مسلمان کو دوسرے کا کس قدر خیر خواہ

Marfat.com

بنایا ہے چھینکتا تو کوئی ہے۔ مگر اس کے لئے رحمت کا مطالبہ کوئی کر رہا ہے اور حقیقت یہ ہے۔ کہ جب تک مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے اپنے نفس اپنے اہل وعیال اور خویش واقارب سے زیادہ بہتری چاہتے تھے تو مسلمانوں کے اتفاق، اتحاد اور یگانگت کی دنیا میں دھاک بندھی ہوئی تھی۔ مگر جب سے یہ خود غرض ہو گئے۔ مسلمان مسلمان کا دشمن بن گیا۔ اگر ایک مسلمان گرتا ہے تو دوسرا اس کو لتاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو اس کا نتیجہ آج ہم اپنے خسران۔ ذلت اور بے وقعتی کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔

ایک مسلمان کے دوسرے پر چھ حقوق ہیں!

حضور سید المرسلین فرماتے ہیں۔ کہ ایک مسلمان کے دوسرے پر چھ حق ہیں یسلم علیه اذا لقیه۔ ویجیبه اذا دعاه ویشمته اذا عطس ویعوده اذا مرض ویتبع جنازته اذا مات ویحب له ما یحب لنفسه یعنی جب اسے ملے تو سلام دے۔ جب اس کی دعوت آئے تو قبول کرے۔ جب وہ چھینکے تو یرحمک اللہ کہے۔ جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرے۔ جب اس کا انتقال ہو جائے تو جنازہ پر جائے اور جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے بھی پسند کرے۔

سلام اور اس کی خوبیاں

دیکھو اللہ کے پیارے رسول نے کیسے اخلاق اور اتفاق کے اصول

Marfat.com

ہم کو سکھائے۔ مگر افسوس کہ ہم نے اس رحمۃ للعالمین کے پڑھائے ہوئے سبق کو بھلا ڈالا۔ آج ہم میں سلام کا رواج بہت کم ہو رہا ہے۔ بہت ہوا تو کہیں آداب عرض کہ دیا۔ اور کہیں گڈ مارننگ کہ دیا۔ کہیں تسلیمات کہ کر سلام کیا تو کہیں صرف ہاتھ اٹھا دینا کافی سمجھ لیا۔ مگر وہ دعائیہ کلمات۔ وہ تاجدار مدینہ کے سکھائے ہوئے مبارک الفاظ۔ وہ عربی کا میٹھا۔ شیریں اور قربان ہو جانے کے قابل السلام علیکم جیسا جملہ چھوڑ دیا۔ غور تو کرو۔ ان دو لفظوں میں کتنے بڑے اہم راز کو ودیعت کیا گیا ہے۔ ایک تو دوسرے مسلمان کے لئے سلامتی کی دعا کہ اے بھائی خدا تجھ پر سلامتی نازل فرمائے۔ جس کے جواب میں دوسرا مسلمان وعلیکم السلام کہہ کر ایسی ہی دعا اس کے لئے بھی کرتا ہے۔ گویا ہر مسلمان کو وصیت کی جا رہی ہے کہ تو اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی تن من دھن اور ہر اعتبار سے سلامتی کی خواہش کر۔ اس کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ پہلے پہلے تو محض الفاظ رہیں گے۔ مگر جیسے اللہ اللہ کرنے سے انسان مع اللہ ہو جاتا ہے اسی طرح زبانی سلامتی کی دعا سے قوم کا رجحان عملی سلامتی کی طرف مائل ہوگا۔ ایک مسلمان دوسرے کو اپنے سے زیادہ سلامت اور مامون دیکھنا عملاً پسند کرے گا اور جب ہر مسلمان میں یہ قابل افتخار جذبہ پیدا ہو جائے گا۔ تو پھر کون سی قوم ہے جو مسلمانوں کو نیچا دکھا سکتی ہے

مگر افسوس آج عمل تو درکنار الفاظ بھی نہیں رہے۔ کہ دوسرے مسلمان کے لئے زبانی ہی سلامتی کی دعا کریں۔ آج تو محکوم . . . . .

اور غلام ہونے کے باعث حاکم اور آقا کی ہر ہر حرکت و سکون ہمارے دلوں کو مسخر کئے ہوئے ہے ؎

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ ہو راغب قلب — قوم ان کے ہاتھ میں تعلیم ان سے ملتے ہیں

Marfat.com

آج ہمارا لباس۔ ہماری چال۔ ہماری روش اور ہماری نشست و برخاست تک سب غیروں کی محکوم نظر آتی ہے۔ اور وہ اس قدر ہمیں مرغوب و محبوب ہے کہ اس کے لئے اسلام کی اہم سے اہم چیز کو قربان کر دینا بھی ایک معمولی سا کام دکھائی دیتا ہے

جنگِ بدر میں ایثار کامل کا مظاہرہ

جنگِ بدر میں چند صحابہ سخت زخمی ہوئے۔ ایک نے پانی مانگا جب اس کے پاس پانی لایا گیا۔ تو اس نے دیکھا کہ اس کا دوسرا مسلمان بھائی قریب ہی زخموں اور پیاس کی شدت سے کراہ رہا ہے۔ اس نے پانی لانیوالے سے اشارہ کیا۔ کہ وہ شخص مجھ سے پانی کا زیادہ مستحق ہے میں اپنی سلامتی پر اس کی سلامتی کو ترجیح دیتا ہوں۔ وہ جب اس کے پاس پہنچا۔ تو اس نے اپنے قریب والے مسلمان کی طرف جو اسی طرح مجروح اور پیاسا تھا۔ اشارہ کیا۔ کہ اس کو پانی پلا۔ کیونکہ اس کی زندگی خدمت اسلام کے لئے مجھ سے زیادہ قیمتی اور ضروری ہے۔ چنانچہ جب پانی والا اس کے پاس پہنچا۔ تو اس نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں تک کہ چالیس جاں بلب انسانوں کے پاس پانی کا پیالہ پھرایا گیا۔ مگر ان خدا کے بندوں اور حضور کے پیروؤں نے اپنی زندگی اور سلامتی پر دوسرے کی سلامتی و حیات کو ترجیح دی۔ اور سب کے سب اسی پاک جذبہ سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ جام شہادت پی گئے۔ دیکھا مسلمان اس طرح دوسرے مسلمان کی صحت و سلامتی کی خواہش کیا کرتے تھے اور پھر یہ بھی معلوم ہے کہ انہیں اس ایثار کا بدلہ کیا ملا۔ اس کا معاوضہ

Marfat.com

انہیں یہ دیا گیا۔ کہ ایک مٹھی بھر صحابہ نے قیصر وکسریٰ کے محلات کو لرزا دیا ایران وروم کی مسلح فوجوں کو ایسی شکست دی کہ ایرانی نہایت تعجب سے کہتے تھے۔

زشیر شتر خوردن سوسمار عرب را بجائے رسیدست کار

کہ تخت کیاں را کنند آرزو تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

یعنی اے آسمان یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔ کہ اونٹ کا دودھ پینے والے اور گوہ کا گوشت کھانے والے عربوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے ہیں۔ کہ آج وہ کیقباد و کیخسرو جیسے کیانی خاندان کے پُر رعب و باوقار بادشاہوں کے تاج و تخت کی آرزو کرنے لگے ہیں۔

آج مسلمان باوجود کثیر التعداد ہونے کے کیوں زبوں حال ہیں

مگر آج جب کہ ہماری تعداد پانی کے جراثیم سے بھی زیادہ ہے ہم صدیوں کے حاکم ہونے کے باوجود محکوم بنا دئے گئے ہیں تہذیب و تمدن میں تمام دنیا کی استاد قوم آج ذلت و نکبت۔ افلاس و یاس کا شکار ہے۔ کیوں ؟ اس لیے کہ آج ہمیں اپنی جان بھائی کی جان سے اور اپنا آرام بھائی کے آرام سے زیادہ عزیز ہے۔ اور اگر صرف اسی پر اکتفا کی جاتی۔ تو پھر بھی شاید ہمارے حالات کچھ نہ کچھ رو بہ اصلاح نظر آتے مگر آج تو جس طرح ہیرے کو ہیرا کاٹتا ہے۔ ہم اپنی قوم کے بیری ہو گئے ہیں اپنی قوم کے غدار بنے اور خود اپنے ہاتھوں اپنی قوم کو گڑھے میں دھکیلا۔ اسلام کہتا ہے ۔؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

یعنی میں کسی بیگانے کی شکایت نہیں کرتا میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے

Marfat.com

انہی نام نہاد اپنوں نے کیا ہے۔ دنیا کی کوئی قوم مسلمانوں کی جرأت و شجاعت اور تدبر و تفکر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر ہاں غداری کا کوئی علاج نہیں!

اپنوں کی عداوت پر ایک دلچسپ حکایت

کہتے ہیں کہ ایک صاحب حال شخص ایک جنگل سے گزر رہے تھے آپ کے ہاتھ میں کلہاڑی کا پھل تھا۔ آپ نے دیکھا کہ جنگل کے درخت جھوم جھوم کر خوشی کے ترانے گا رہے ہیں۔ اور اللہ جل شانہ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں۔ غم اور ملال کا جنگل میں نشان تک نہیں آپ کو خیال آیا کہ جلانے کے لئے لکڑیوں کا ایک گٹھا بھی ساتھ لے جانا چاہئے۔ چنانچہ آپ نے ایک لکڑی کا ڈنڈا لیا اور اسے دستہ بنا کر کلہاڑی کے پھل میں ٹھونکا۔ کلہاڑی کے پھل میں دستے کا لگانا تھا۔ کہ تمام جنگل سے زار و فریاد کی آوازیں آنے لگیں۔ آپ کو نہایت تعجب ہوا کہ ابھی تو سب جنگل خوشیاں منا رہا تھا۔ اور ابھی تھوڑی ہی دیر میں وہ سب خوشی غم کے ساتھ بدل گئی۔ چنانچہ آپ نے درختوں سے اس فوری انقلاب کا سبب پوچھا۔ تو ایک بوڑھے درخت نے آپ کے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔ کہ ہمارا سب غم اس کی وجہ سے ہے۔ آپ نے فرمایا اے درخت یہ تو جب سے میں جنگل میں داخل ہوا ہوں میرے ہاتھ میں تھا۔ مگر اس پر بھی تم کو خوشیاں منا رہے تھے۔ بوڑھے درخت نے عرض کی۔ حضرت آگے آپ کے ہاتھ میں صرف لوہے کا پھل تھا۔ جو کہ غیر جنس سے تھا اور ہم غیر جنس سے بالکل نہیں ڈرتے۔ کیونکہ وہ ہم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مگر اب یہ دستہ جو ہماری جنس کا ہے اس غیر جنس لوہے کے ساتھ مل گیا ہے۔ اس واسطے اب ہم

Marfat.com

کو عنت ہے۔ کہ یہ اپنا ہمجنس غداری کر کے ہماری بربادی ونیاہی کا باعث بنے گا تو بھائیو! بات یہ ہے کہ آج مسلمان اور اسلام بھی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے برباد ہو رہا ہے

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

مسلمان ہی مسلمان کو کاٹتا ہے

آج دنیا میں مسلمانوں کا زوال انہیں بے غیرت مسلمانوں کی وجہ سے ہے جنہوں نے غیروں کو اپنے دین وطن اور قوم پر ترجیح دی۔ اور اجنبیوں کے ساتھ مل کر اپنے ایک خدا۔ ایک رسول اور ایک کتاب پر ایمان رکھنے والے بھائیوں کے دلوں کو چور چور کیا۔ اپنے وطن عزیز کو خود غیروں کے سپرد کیا۔ اپنی غداریوں سے اپنے بھائیوں کو خود ذلت پستی اور محکومیت کے جال میں پھنسایا۔ اللہ جل شانہ تو فرماتا ہے وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ یعنی رب العزت کبھی بھی کسی بستی کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا جب تک کہ ان کے رہنے والے نیک اور صالح ہوں۔ پس حکم ربی کے مطابق ہم اس ذلت اور خواری کے مستحق تھے۔ جو ہمیں دی گئی اور ہم اس ظلم کے خود ذمہ دار ہیں جو آج ہمارے سروں کو چکیوں میں پیس رہا ہے۔ مسلمانو! حضور کے فرمان کو دل و جان سے پکڑ لو۔ اس پر عمل کرو۔ سچے مسلمان بن جاؤ۔ دوسرے مسلمان بھائیوں کی سلامتی کو اپنی سلامتی پر مقدم سمجھو۔ پھر دیکھو کہ قوم کیسی سرسبز و شاداب ہوتی ہے۔ پھر دیکھو کہ مسلمانوں کے ایثار اور قربانیوں کا کس قدر شاندار نتیجہ نکلتا ہے

Marfat.com

اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنی عزت تو اللہ۔ اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے۔ مگر آہ مسلمان کہاں۔ قرآن وحدیث کی تعریف کے مطابق آج مسلمان کا ملنا کبریت احمر کا حکم رکھتا ہے۔ مسلماناں ورگور ومسلمانی درکتاب۔ بھائی جلے ہوئے دل کی فریاد لمبی ہوتی ہے۔ اسی واسطے کہاں سے کہاں نکل گئے۔

اندکے باتو بگفتم وبدل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

پھر آپ کی توجہ اصلی مطلب کی طرف منعطف کراتا ہوں یعنی بیان یہ ہو رہا تھا کہ حضور نے فرمایا ہے۔ کہ ایک مسلمان کے دوسرے پر چھ حقوق ہوتے ہیں سلام دینا۔ دعوت قبول کرنا۔ چھینک کا جواب دینا۔ عیادت کرنا۔ جنازہ پر حاضر ہونا اور خیر خواہی کرنا۔

دعوت کے قبول کرنے کے متعلق تفصیل

دعوت قبول کرنے کے متعلق بھی تھوڑی سی تفصیل سن ہی لیجئے۔ دعوت قبول کرنے کو کیوں اسلامی حقوق میں داخل کیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے۔ جس نے ذات پات۔ گورے کالے۔ امیر غریب کی تمیز کو اٹھا کر اپنے پیرؤں میں اخوت، مودّت، یگانگت اور مساوات کو قائم کرنے کے لئے ہر بہترین اصول کو ضروری قرار دیا ہے۔ چونکہ دعوت کا قبول کرنا بھی اس مساوات ومودت کو قائم رکھنے میں مدد دیتا ہے۔ اس لئے اسے بھی حقوق اسلام میں شامل کیا گیا۔ دیکھو جب دو آدمی ایک جگہ مل کر کھائیں گے تو ان میں محبت پیدا ہوگی۔ پھر اگر غریب نے امیر کو یا کالے نے گورے کو

Marfat.com

دعوت دی۔ اور وہ اس کو منظور کر کے اس کے گھر جاتا ہے تو گویا امارت اور رنگ کے امتیاز کو دور کر کے جو آج تمام دنیا کی بے چینی کا باعث بنا ہوا ہے برادری اور بھائی چارے کی بنیاد ڈالتا ہے اسی واسطے حضورؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے تھادوا تحابوا یعنی ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے محبت پیدا ہوگی مگر آج یہ رواج بھی مسلمانوں میں مفقود ہو رہا ہے۔ اور اگر ہے بھی تو شادی و بیاہ اور موت مرگ کی فضول خرچیوں کی صورت میں جس سے محبت تو درکنار افلاس احتیاج اور نفرت بڑھتی ہے کیونکہ افلاس ایسی چیز ہے کہ اس کے باعث کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ ذلیل ہو جاتا ہے اور اپنے پرائے اس کے سائے سے ڈرتے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

بوقت تنگدستی آشنا بیگانہ میگردد
صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ میگردد

قرض کے مقراض محبت ہونے کی مثال

لکھتے ہیں کہ ایک پیر صاحب سے کسی مرید نے شکایت کی۔ کہ حضرت مخلوقات کے رجوع اور ملاقاتیوں کے ہجوم سے میری عبادتوں اور ریاضتوں میں بڑا خلل آتا ہے آپ مجھے کوئی ایسی تجویز بتائیں کہ ان لوگوں کی آمدورفت سے خلاصی مل جائے۔ پیر صاحب نے فرمایا کہ اگر تجھے لوگوں سے چھوٹنے کی خواہش ہے تو مالداروں سے تو قرضہ مانگ۔ وہ پھر کبھی بھی تیری طرف رخ نہ کریں گے۔ اور غریبوں کو قرضہ دے دو یہ بھی ادائگی کے ڈر سے تیرے پاس نہ پھٹکیں گے۔ کیونکہ القرض مقراض المحبۃ قرض کا کاروبار خواہ لینا ہو یا دینا محبت کی قینچی ہے چنانچہ مرید صاحب نے جو اسے چند روز آزمایا تو نسخے کو تیر بہدف پایا۔

تو کیا بھی اسراف اور ان رسمی خرچوں سے محبت تو کجا۔ الٹی نفرت بڑھتی

Marfat.com

اور اپنے پرائے خیال کرتے ہیں کہ کم بخت فضول خرچیوں کی وجہ سے بنیوں کا شکار ہو چکا ہے۔ اب خواہ مخواہ ہم سے قرض مانگے گا۔ سچ ہے ؎

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے — کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا انسان سے رہتا ہے

افلاس میں دوستوں سے کیا توقع ہو سکتی ہے

ایک بات یاد آ گئی۔ شیخ سعدی صاحب نے فرمایا ہے کہ

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست — در پریشاں حالی و درماندگی

یعنی دوست وہ ہوتا ہے جو دوست کے ہاتھ پریشانی اور تکلیف کے وقت پکڑتا ہے اور اس کی مال و جان سے مدد کرتا ہے چنانچہ کسی جگہ دو شخص آپس میں لڑ رہے تھے کہ اتنے میں ایک کا دوست آ گیا۔ اور اس نے آتے ہی اپنے دوست کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے۔ اب دوسرا جو کہ لڑ رہا تھا اس کے دوست کے سر پر جوتے لگا رہا ہے۔ اس شخص نے اپنے دوست سے کہا کہ کمبخت یہ تو کیا کر رہا ہے کہ میرے ہاتھوں کو مضبوط پکڑے ہوئے ہے۔ نہ تو مجھے چھوڑتا ہے اور نہ میری مدد کرتا ہے۔ اور الٹا پٹوا رہا ہے۔ اس نے فوراً جواب دیا کہ بھائی شیخ سعدی کہہ گئے ہیں ؎ دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست۔ در پریشاں حالی و درماندگی تو میں اگر تیری اس پریشانی میں ہاتھ نہ پکڑوں۔ تو پھر دوستی کیا رہی۔ اس نے کہا۔ یار تو نے شیخ سعدی صاحب کا مطلب ٹھیک سمجھا۔ تو بھائی اسی طرح جب آج کل انسان اسراف و تبذیر کی وجہ سے گر جاتا ہے۔ تو پھر اول تو دوست ہاتھ ہی نہیں پکڑتے۔ اور اگر پکڑتے بھی ہیں تو ایسے دوست کی طرح

خیال رکھو کہ سنت کی ادائگی میں فرض نہ چھوٹ جائیں

اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھو کہ آج کل دعوت کے قبول کرنے کی سنت

Marfat.com

تو بہت خوشی سے پوری کی جاتی ہے کیونکہ اس میں کچھ کھانے کو مل جاتا ہے۔ مگر فرضوں کا لحاظ قطعاً نہیں رکھا جاتا۔ آپ پوچھیں گے کہ فرض کیا ہیں میں آپ کو بتاتا ہوں۔ دیکھئے۔ رزق حلال کھانا ضروری ہے اور رزق حلال کی دعوت کو قبول کرنا سنت ہے یہ نہیں کہ میزبان سود خور ہو۔ شراب کا بیچنے والا ہو یا سور کا بیوپار کرتا ہو اور پھر آپ محض سنت کی آڑ میں ایسے لوگوں کی دعوتوں میں دوڑ جائیں یا دعوت ایسی جگہ ہو۔ جہاں منہیات شرعیہ کا ارتکاب ہو رہا ہو ایسا نہ ہو کہ شادی کی دعوت ہے۔ طوائف رقص کر رہی ہے۔ دیدبازی ہو رہی ہے۔ طبلہ پر تھاپ پڑ رہی ہے ستار و رباب اپنے جوہر دکھا رہے ہیں مگر آپ سنت کو لئے ہوئے زیب مجلس بنے بیٹھے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

تیسرا حق چھینک کا جواب دینا ہے اس کے متعلق پہلے کافی بیان ہو چکا ہے

عیادت کے متعلق

چوتھا حق عیادت کرنا ہے۔ یعنی جب کوئی مسلمان بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کے لئے جانا سے بھی مسلمانوں میں اتفاق، اتحاد اور مساوات کو قائم کرنے کے لئے حقوق اسلامیہ میں داخل کیا گیا لیکن آج ہم مسلمانوں نے اس کو بھی دوسرے حقوق کی طرح چھوڑ دیا ہے۔ پہلے جب غریب سے غریب مسلمان بیمار ہوتا تھا۔ تو ادنیٰ درجے کے لوگوں کا تو کیا ذکر۔ بڑے بڑے لوگ محض اسلامی حق کے ادا کرنے کے لئے اس کے دیکھنے کو جاتے تھے۔ اس کی جا کر دلجوئی کرتے تسلی آمیز الفاظ میں اس کی ڈھارس بندھاتے اور اس کی تکلیف کو حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کرتے۔ مگر آج تو غریب کے سائے سے بھی ڈرتے ہیں پوچھنے ہی نہیں جاتے۔ کہ کہیں کسی قسم کا سوال نہ کر بیٹھے۔ مگر یہ

Marfat.com

نہیں سوچتے کہ اگر چند قدموں کے بدلے جنت جیسا عالی شان مقام خرید اجا سکتا ہے تو کس قدر سستا اور پر منفعت سودا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را کہ بیک گل میخری گلزار را

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد آں چہ در وہمت نیاید آں دہد

یعنی پھر ایسا بازار کسی کو کہاں ملے گا۔ کہ جہاں ایک پھول کے عوض سب باغ خرید اجا سکے۔ آدھی جان لے کر رب العزت سو جان عطا فرماتے ہیں اور وہ وہ انعامات دیتے ہیں کہ تیرے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مَنْ عَادَ مریضا اوزار اخا لہ فی اللہ ناداہ مناد ان طبت وطاب ممشاک وتبوئت من الجنۃ منزلا۔ یعنی جب کوئی شخص اللہ جل شانہ کی رضامندی کے لئے کسی مریض کی عیادت یا اپنے بھائی کی زیارت کرتا ہے۔ تو ایک منادی کرنے والا ندا کرتا ہے۔ کہ تو خوش ہو۔ کیونکہ تیرا چلنا باعث خوشی ہے اور تو نے جنت میں اپنی جگہ بنالی۔ تو پھر اس فضل کے بازار سے اور کس جگہ سستا سودا مل سکنے کی امید ہو سکتی ہے۔ کہ انسان اپنی غلطی کے باعث اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

سیدۃ النساء بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا ایک رقت خیز واقعہ

لکھا ہے کہ ایک دفعہ بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پندرہ دن تک بخار میں مبتلا رہیں۔ جس کی وجہ سے نہایت کمزور اور نحیف ہو گئیں۔ جب کچھ افاقہ ہوا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا۔ کہ اے بی بی اگر آپ کا جی کچھ کھانے کو چاہے تو میں لے آؤں۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا۔ کہ میرا دل کوئی چیز نہیں چاہتا۔ پھر حضرت علیؓ نے اصرار کیا۔ کہ بی بی کچھ نہ کچھ کھانا چاہیئے۔ کیونکہ اس قدر بخار اور

Marfat.com

فاقہ سے آپ بہت کمزور ہو چکی ہیں۔ چنانچہ حضرت علی کے بار بار کے اصرار سے بی بی صاحبہ نے فرمایا۔ کہ میرا اور تو کسی چیز کو دل نہیں چاہتا۔ ہاں کہیں سے انار مل جائے تو شاید میں کچھ کھا سکوں۔ چنانچہ جب آپ نے بی بی صاحبہ کی اس خواہش کے متعلق سنا تو آپ بازار تشریف لے گئے۔ اگرچہ اناروں کا زمانہ تو نہ تھا۔ اور نہ ہی مدینہ شریف میں کوئی ایسے باغات تھے۔ جہاں سے انار دستیاب ہو سکتا۔ مگر اللہ کا کرم کہ ڈھونڈنے سے آپ کو ایک دوکاندار سے ایک انار مل گیا آپ اسے آستین میں چھپا کر گھر کو روانہ ہوئے۔ رستے میں آپ نے ایک بیمار شخص کو گلی کے کنارے پر لیٹا ہوا پایا۔ جو نہایت زور زور سے فریاد کر رہا تھا اور مدینہ کے لوگوں پر عدم مہمان نوازی اور عدم عیادت کا شکوہ کر رہا تھا آپ نے سوچا کہ اگر میں اس وقت اس کی عیادت کروں گا۔ تو شاید وہ کچھ مانگ بیٹھے۔ اور شاید وہ کچھ انار ہی نہ ہو۔ پھر اس کے سوال کرنے پر نہ دینے بنے گی۔ اور نہ انکار کرتے چھٹکارا ہو گا۔ اس واسطے آپ نے جلدی جلدی دوسرے کنارے سے گھر کی طرف قدم اٹھائے۔ ابھی چند ہی قدم چلے تھے کہ خیال آیا۔ کہ اگر قیامت کے دن باریتعالیٰ نے مخاطب فرما کر یوں سوال کیا۔ کہ اے علیؓ ہمارے ایک بیمار بندے کو دیکھ کر تم نے اس کا حال تک نہ پوچھا۔ اور کیا ہمارے مہمان سے تجھے اپنی بیوی اتنی پیاری تھی۔ کہ انار کے مطالبہ کے خوف سے تو اس کے پاس تک نہ گیا تو میں اس وقت کیا جواب دوں گا۔ چنانچہ اس سے آپ پر خشیت الٰہی طاری ہو گئی۔ اور آپ کا دل اس مہیب تصور سے کانپ گیا۔ آپ انہیں قدموں پر لوٹے اور پوچھا اے شخص تجھے کیا تکلیف ہے۔ اور تو کیوں کراہ رہا ہے اس نے کہا صاحب میں مسافر ہوں آج کتنے دنوں سے بخار میں مبتلا ہوں یہاں کے لوگ نہ تو میرا حال پوچھتے ہیں۔ اور نہ ہی اچھی طرح سے خدمت کرتے ہیں

Marfat.com

آپ نے پوچھا کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت ہے کہ لیکر دے جائیے۔ اس نے کہا صاحب مجھے کسی اور چیز کی تو ضرورت نہیں ہاں اگر مجھے کہیں سے ایک انار مل جائے تو شاید میں دو چار دانے کھا سکوں۔ انار کا نام لینا تھا کہ آپ کا ماتھا ٹھنکا وہی خطرہ پیش آیا جس کی وجہ سے دامن بچا کر آپ جا رہے تھے۔ مگر واہ رے ایثار۔ ایسوں ہی کی تو شان میں قرآن فرماتا ہے وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ کہ اے حبیب۔ تیرے صحابہ ایسے ہیں۔ کہ باوجود اپنی محتاجی اور ضرورت کے اپنے نفسوں پر ایثار کرتے ہیں۔ یہ وہ مقام تھا کہ جہاں معمولی تو کیا متوسط کے بھی قدم لڑکھڑا جاتے۔ ایک طرف بیوی اور بیوی بھی فاطمۃ الزہرا جیسی جو خاتون جنت جو حسنین جیسے قابل فخر ہستیوں کی والدہ حضور پر نور جیسے ختم المرسلین کی لخت جگر اور پھر پندرہ دن کی بیمار اور بھوکی دوسری طرف ایک اجنبی مسافر نہ دیدہ نہ شنیدہ۔ مگر آپ نے ان سب رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فورًا انار آستین سے نکال کر بیمار کے حوالے کر دیا چنانچہ بیمار نے آپ کے سامنے ہی کھولا۔ اور مزے لے لے کر آخری دانے تک سب کا سب کھا گیا۔ آپ خالی ہاتھ گھر کو چلے۔ دل تفکرات سے بھرا ہوا۔ دماغ تردّدات سے پریشان۔ ابھی آپ مکان سے دور ہی تھے۔ کہ ایک شخص نو انار لے کر حاضر خدمت ہوا۔ اور عرض کی کہ یہ نو انار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے بھیجے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ آپ نے وہ انار واپس فرما دیئے۔ اور فرمایا کہ یہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہو سکتے۔ لانے والے نے پوچھا کہ حضرت اس کی کیا دلیل ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں بھیجے گئے حالانکہ میں حضور کی زبان فیض ترجمان کے الفاظ دہرا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا میاں اللہ تعالیٰ قرآن پاک

Marfat.com

میں فرماتا ہے۔ من جاء بالحسنة فلہ عشر امثالھا یعنی جو ایک نیکی کرتا ہے۔ تو ہم اسے اس کا بدلہ دس دیتے ہیں۔ اگر جناب باری سے یہ عطیہ آیا ہے تو نو نہ ہوتے۔ بلکہ دس ہوتے۔ اس شخص نے آستین سے دسواں بھی نکال کر پیش کیا۔ اور عرض کی کہ میں تو محض آپ کی قرآنی یادداشت کا امتحان کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ فرمایا ہے۔ انا مدینة العلم وعلی بابھا یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے آج سابقہ یقین کے ساتھ اس عینی واقعہ نے مل کر پورا پورا اطمینان کر دیا چنانچہ آپ نے وہ انارے کر بی بی صاحبہ کو دئے۔ جس سے انہوں نے اچھی طرح سے کھائے۔

انا مدینة العلم وعلیؓ بابھا کے متعلق دلچسپ واقعہ

یہاں مجھے انا مدینة العلم وعلیؓ بابھا کی حدیث کے متعلق ایک واقعہ یاد آگیا جس کا بیان خلاف موقع نہ ہوگا۔ اور وہ یہ کہ جب حضور سرور عالم نے حضرت علیؓ کے متعلق یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ تو وہ لوگ جن کے دل میں حضرت علیؓ کی طرف سے بغض تھا۔ اور جو بعد میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے ان میں سے دس آدمی حضرت علی کے پاس ایک سوال لے کر آئے اور امتحان کرنا چاہا۔ کہ آیا واقعی وہ دروازۂ علم ہیں یا نہیں چنانچہ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا۔ اور اس نے پوچھا۔ کہ حضرت مال بہتر ہے یا علم۔ آپ نے فرمایا علم بہتر ہے کیونکہ علم میراث انبیاء ہے اور مال میراث عوام۔ دوسرے نے بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے فرمایا علم بہتر ہے کیونکہ مال کی تو حفاظت کرتا ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے۔ تیسرا بڑھا اور اس نے بھی پوچھا آپ نے

Marfat.com

فرمایا علم بہتر ہے کیونکہ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے۔ مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ چوتھے نے بھی یہی سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ علم بہتر ہے کیونکہ مال کے دشمن زیادہ ہیں اور دوست کم۔ مگر علم کے دوست زیادہ ہیں اور دشمن کم۔ پانچویں نے بھی یہی سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ علم بہتر ہے کیونکہ مال چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ تو بھی چوری کا خوف لگا رہتا ہے۔ مگر علم کو مسجد و بازار میں باآواز بلند ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر بھی لٹنے کا خوف نہیں چھٹا آگے بڑھا۔ اور اس نے بھی یہی سوال پوچھا آپ نے فرمایا کہ علم بہتر ہے۔ کیونکہ مال دل کو مکدر کر دیتا ہے۔ مگر علم دل کو منور اور مطمئن کرتا ہے۔ ساتویں کو آپ نے فرمایا علم بہتر ہے۔ کیونکہ مالداروں ہی نے ربوبیت اور الوہیت کا دعویٰ کیا۔ اور قارون ہامان و فرعون نے مال ہی کے زور پر انا ربکم الاعلیٰ کا اعلان کیا۔ مگر علم انسان میں شان عبودیت پیدا کر دیتا ہے۔ اور عالم اپنی عاجزی احتیاجی اور بے کسی کے فلسفہ کو سمجھ کر اس بے نیاز کے سامنے سر نیاز جھکا دیتا ہے۔ آٹھویں کو آپ فرمانے لگے کہ علم بہتر ہے۔ کیونکہ صاحب مال کا حساب ہوگا۔ کہ تو نے کیسے کمایا۔ اور کیسے خرچ کیا۔ فلانے کو کیوں دیا اور فلانے کو کیوں نہ دیا۔ زکوٰۃ اور دوسرے خداوندی احکام پورے کئے یا نہیں۔ مگر صاحب علم کو علم کے حاصل کرنے۔ اس کے صرف کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔ اور ان میں سے اکثر پنجہ حساب میں گرفتار ہونے کی بجائے مرتبہ شفاعت سے نوازے کئے جائیں گے۔ نویں کو آپ نے سمجھایا کہ علم بہتر ہے کیونکہ اگر صاحب مال اپنے مال کو خرچ نہ کرے۔ تو لوگ اسے کنجوس مکھی چوس بخیل اور ممسک وغیرہ کے برے ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ مگر صاحب علم اگر اپنے علم کو خرچ بھی کرے اور اپنے علم سے کسی کو فیض نہ بھی پہنچائے تو بھی اپنے نفس میں کامل ہونے کی

Marfat.com

وجہ سے قابل احترام ناموں سے یاد کیا جاتا ہے اور دسویں سے آپ نے فرمایا کہ علم مال سے بہتر ہے۔ کیونکہ مال میں اگر کچھ باہر سے نہ آئے اور وہ خرچ ہوتا رہے تو آخرکار کم ہوتے ہوتے ختم ہو جاتا ہے۔ مگر حاصل شدہ علم میں اگرچہ باہر سے کچھ نہ ڈالا جائے۔ اور اسے ہی خرچ کیا جائے۔ تو وہ مرور زمانہ پر اور پختہ اور ٹھوس ہوتا جاتا ہے۔ اور پھر آپ نے فرمایا۔

رَضِینَا قِسْمَۃَ الْجَبَّارِ فِیْنَا　　لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُہَّالِ مَالٌ

لِاَنَّ الْمَالَ یَفْنیٰ عَنْ قَرِیْبٍ　　وَاِنَّ الْعِلْمَ بَاقٍ لَا یَزَالُ

یعنی ہم اللہ جل شانہ کی تقسیم پر راضی ہیں جس نے ہم کو علم سے نوازا اور جاہلوں کو مال سے۔ کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جانے والا ہے۔ مگر علم باقی اور لازوال ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ قیامت تک میرے سامنے اسی سوال کو دہراتے رہتے تو ہر دفعہ تائید غیبی سے میں نیا ہی جواب دیتا۔

آج کل کی عبادت

تو بات یہ بیان ہو رہی تھی۔ کہ حضورؐ نے عبادت کو بھی حقوق اسلام سے ٹھہرایا۔ تاکہ مسلمانوں میں مساوات و اخوت پیدا ہو لیکن اب اول تو یہ چیز مسلمانوں میں ناپید ہے اور اگر کہیں ہے بھی۔ تو اس میں اتباع رسولؐ یا رضائے ربی کا کوئی دخل نہیں کیونکہ یا تو رشتہ داری کے ناموس کی خاطر حاضری دی جاتی ہے یا اور کسی فائدے کو مدنظر رکھ کر۔ اور اس کا امتحان یوں ہو سکتا ہے کہ جب ایک غریب بیمار ہوتا ہے۔ تو سوائے اس کے نہایت قریبی رشتہ داروں کے اور کوئی شخص غریب خانہ میں نظر نہیں آتا۔ لیکن اگر کوئی نواب صاحب یا امیر صاحب بیمار ہو جاتے ہیں تو پھر خوشامدیوں اور جی حضوریوں کا تانتا لگ

Marfat.com

جاتا ہے۔ کوئی قربان جاتا ہے تو کوئی واری۔ کوئی صدقے جاتا ہے تو کوئی گھولی کیا اسی کا نام اسلامی عبادت ہے کیا اسی پر اسلامی اخوت و مودت کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے حاشا و کلا مسلمانو! اپنی نیتوں کو ٹھیک کرو۔ کام وہی ہوتا ہے مگر نیت کے پھیر سے پھر جاتا ہے۔ اسی واسطے حضور نے فرمایا ہے الاعمال بالنیات یعنی اعمال نیت پر موقوف ہیں یہی عبادت اگر اتباع سنت کے لئے کی جاتی تو بے حساب اور بے انتہا ثواب دلاتی۔ یہی عبادت جو خوشامد اور غرض کے لئے کی گئی ہے ثواب تو درکنار الٹی خرابی کا باعث بن گئی۔

مسلمان کے جنازے پر جانے کا ثواب

اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر پانچواں حق یہ ہے کہ جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے جنازے پر جائے اس کے لئے مغفرت کی دعا کرے اور اس کی چارپائی کو اٹھا کر کم از کم چالیس قدم چلے اس کے متعلق بھی میں ذرا تفصیل کرنی چاہتا ہوں۔ کیونکہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ آج ایک سے ہے تو کل دوسرے سے۔ اس سے کسی کو چھٹکارا نہیں۔ کوئی کسی کی موت پر خوش نہ ہو۔ کہ وہ مر گیا اور میں رہ گیا کیونکہ

اے دوست بر جنازہ دشمن چو بگذری　　شادی مکن کہ با تو ہمیں ماجرا رود

تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جنازہ کی نماز فرض کفایہ ہے یعنی اگر جماعت سے ایک شخص اٹھ کر نماز جنازہ کے لئے چلا گیا۔ تو سب سے فرضیت ساقط ہو گئی اور اگر ایک بھی نہ گیا۔ تو سب کے سب گنہگار ہوئے۔ مسلمان کے جنازے پر جانا۔ اس پر جنازہ پڑھنا اور اس کے دفن ہو جانے تک انتظار کرنا بے انتہا ثواب کا باعث ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

من صلى على جنازة فله قيراط ومن تبعها حتى يقضى دفنها فله قيراطان احدهما اواصغرهما مثل احد یعنی جو شخص کسی مسلمان کا جنازہ پڑھتا ہے تو اس کو ایک قیراط کے برابر ثواب ملتا ہے۔ ایک ان میں سے یا فرمایا چھوٹی ان میں سے اُحد کے پہاڑ کی مانند ہوتی ہے

جنازہ اٹھانے کا طریقہ

اور جب جنازہ کے ساتھ جائے تو چاہیئے کہ مردہ کی چارپائی کو کندھا دے اور کندھا دینے میں دو چیزیں ہیں۔ ایک تو مطلق سنت اور دوسرے کامل سنت مطلق سنت تو یہ ہے کہ کم از کم چار شخص چارپایوں کو پکڑ کر دس دس قدم چلیں اور کامل سنت یہ ہے کہ اٹھانے والا پہلے مردہ کے سرہانے کے داہنے پایہ کو پکڑ کر اپنے دائیں کندھے پر رکھے اور دس قدم چلے پھر پائنتی کے دائیں پائے کو اسی طرح اٹھا کر دس قدم چلے۔ اس کے بعد سرہانے کے بائیں پایہ کو بائیں کندھے پر رکھ کر دس قدم چلے اور پھر پائنتی کے بائیں پایہ کو اسی طرح اٹھا کر دس قدم چلے۔ اسطرح مردہ کو اٹھا کر چلنے کا بے حد ثواب ہے اور اس ہیئت سے اٹھانے والے کے چالیس بڑے بڑے گناہوں کو ان چالیس قدموں کے بدلے میں معاف کیا جاتا ہے۔

دینی اور دنیوی فوائد کا مقابلہ

لیکن افسوس کہ آج ہم نے عام طور پر اس ثواب کو چھوڑ دیا ہے۔ غرباء کے جنازوں پر تو ان کے رشتہ دار بھی بمشکل نظر آتے ہیں۔ ہاں امراء کے جنازوں میں کچھ نہ کچھ رونق ہوتی ہے۔ مگر یہ رونق دنیوی اغراض کے لحاظ

Marfat.com

سے ہوتی ہے نہ کہ مسلمان بھائی کا حق ادا کرنے اور رضائے ربی کو حاصل کرنے کے لئے حضور فرماتے ہیں۔ کہ جنازہ پڑھنے والے کو ایک قیراط اور پڑھ کر تا دفن انتظار کرنے والے کو دو قیراط کا ثواب دیا جاتا ہے اور ادنےٰ قیراط کا وزن جبل اُحد جتنا ہوتا ہے۔ اب دیکھو اگر ہم کو کسی تجارت میں معمولی سے معمولی فائدے کا بھی خیال ہوتا ہے تو ہم اس کے لئے دن رات ایک کر دیتے ہیں۔ ماں۔ باپ بہن بھائی۔ اہل وعیال سب سے جدا ہو کر اس موہوم۔ خیالی اور فانی فائدے کے پیچھے ایسے پڑ جاتے ہیں۔ کہ غیر تو غیر اپنے نفس تک کی بھی پروا نہیں رہتی اور یہ فائدہ موہوم اور خیالی اس لئے ہے کہ اس میں فائدہ کا ہونا کچھ یقینی نہیں۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تجارت جب کروٹ بدلتی ہے۔ تو ہزاروں امیدوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اور اگر یہ خیال حقیقت کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے تو پھر فانی اور چند روزہ ہی ہوتا ہے۔ ہم خود دیکھتے ہیں۔ کہ بڑے بڑے سلاطین بڑے بڑے تجار اور کروڑوں پتی ہستیاں آج نہایت کس مپرسی کے عالم میں فرش خاک پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا وہ پلیسہ۔ وہ مال ودولت وہ محلات و باغات ان سے منتقل ہو کر دوسرے کے ہو چکے ہیں۔ کسی نے کیا ہی رقت آمیز اشعار لکھے ہیں ؎

کل ہوس اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
خوب ملک روس اور کیا سر زمین طوس ہے

گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجئے زندگی
اس طرف آواز طبل اور وہاں صدائے کوس ہے

صبح سے تا شام چلتا ہو مئے گلگوں کا دور
شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار و بوس ہے

اس پر عبرت بول اٹھی ؎

سنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشہ میں تجھے
چل دکھاؤں تو جو قید آز کا محبوس ہے

وہ تماشا کیا تھا ؎

Marfat.com

لے گئی یکبارگی گور غریباں کیطرف
جس جگہ جان تمنا سو طرح مایوس ہے

مرقدیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیکاؤس ہے

پوچھ تو ان سے کہ جاہ و حشمتِ دنیا سے آج
کچھ بھی ان کے ساتھ غیر از حسرت و افسوس ہے

تو بھائیو اس دنیوی چند روزہ اور عارضی فائدہ کے لئے تو اس قدر جاں فشانیاں کی جائیں مگر وہ نفع جو حقیقی نفع ہے۔ جو دوامی اور سچا ہے۔ اور جس کے ذریعہ ہماری اخروی زندگی کہ جس کے مقابلہ میں یہ دنیوی زندگی ایک خواب ہے کامیاب بن سکتی ہے۔ اس سے غافل ہو جانے کا کیا سبب ہے۔ جسے دیکھو ہائے دنیا۔ ہائے دنیا کی رٹ لگا رہا ہے۔

حضرت آدم اور دنیا کی بے ثباتی کے متعلق

حضرت آدم علیہ السلام سے آپ کے کسی بیٹے نے عرض کی۔ کہ بابا آپ ایک جگہ پر کچھ اچھا سا مکان بنا کر کیوں نہیں رہتے۔ یہ کیا کہ کبھی ایک درخت کے نیچے ڈیرا اور کبھی دوسرے کے نیچے مقام۔ بہتر ہے کہ آپ بھی ہماری طرح ایک مستقل جھونپڑا بنا کر رہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا زیادہ سے زیادہ ہزار برس کی عمر ہو گی۔ اس چند روزہ دنیا کے لئے کہاں جھونپڑے اور مکان بنائے جائیں گزر گئی گذران کیا جھونپڑی کیا میدان۔ مگر آج جب کہ ہماری عمروں کی انتہا ساٹھ ستر ہے۔ دس منزلے پانچ سو سال تک مضبوط حالت میں رہنے کی گارنٹی والے مکان بناتے ہیں مگر وہ دنیا میں جس میں ابداً ابداً رہنا ہے۔ ان کیلئے نہ تو کچھ تیاری ہے۔ اور نہ اہتمام۔ مسلمانو! اپنے مردوں کی قبروں سے عبرت پکڑو۔ ایک دن جانا ہے۔ اس لمبے سفر کا بھی کچھ انتظام کرو۔ زاد راہ اور خرچ سفر ضروری ہے۔ کیونکہ وہ منزل بہت کٹھن اور بھاری ہے۔

Marfat.com

اگر مردی بگورستان گزر کن — مقام منزل ہر کس نظر کن
تہیدستی صاحب دولتاں بیں — زدل ذوق زر اندوزی بدر کن

فرماتے ہیں کہ اے شخص تو بہادر ہے۔ تو قبرستان میں جا کر لوگوں کے مقام اور ٹھکانے پر نظر ڈال۔ امیروں کے افلاس کو دیکھ اور اس فانی مال کے جمع کرنے کے ہی پیچھے نہ پڑ جا۔ بلکہ دوامی اور پائدار مال کو بھی ساتھ ساتھ جمع کر۔ اور قرآن پاک کی اس آیت پر ٹھنڈے دل سے غور کر اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّکَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا

مسلمان کی خیر خواہی

اس کے بعد حضور نے اسلام کا چھٹا حق یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک مسلمان دوسرے کی پوری پوری خیر خواہی کرے یعنی جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے اور جو اسے اپنے لئے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اسے چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔

مسلمانو! غور کرو۔ حضور نے کس طرح دو لفظوں میں مذہب و ملت کی ترقی کا راز بتا دیا ہے۔ اب عمل کرنا یا نہ کرنا یہ امت کا کام ہے۔ حضور پر نور نے تو وما علینا الا البلاغ کا حق ادا فرما دیا۔ ذرا اس چھوٹے سے جملے کے فلسفہ پر غور تو کرو۔ کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہو گا تو دوسرے الفاظ میں ہر مسلمان اپنی قوم کا خیر خواہ ہو گا۔ اور جب قوم کو اس کی خیر خواہی سے فائدہ حاصل ہو گا۔ تو اسے بھی قوم کا فرد اور ممبر ہونے کی حیثیت سے اس فائدہ سے حصہ ملے گا۔ قوم اگر سرسبز و شاداب ہو گی۔ تو اس کی ٹہنی

Marfat.com

کو بھی ضرور اس کا پہنچنا لازمی ہے۔ قوم اگر پھلے پھولے گی تو اس پر بھی بہار کا اثر ہونا ضروری ہے اور اگر خیر خواہی نہ کرے گا۔ بلکہ بدخواہی کر کے کچھ نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ تو گویا وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہا ہے۔ کیونکہ اگر قوم ہلاک و تباہ ہوگی تو اس کی ہلاکت و تباہی سب سے اول ہوگی ؎

شاخِ بریدہ سے سبق آموز ہو کہ تو! | نا آشنا ہے قاعدۂ روزگار سے
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ | پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

قوم کی تباہی سے ہر فرد تباہ ہو جاتا ہے

دیکھو اگر چند شخص ایک کشتی میں بیٹھے ہوئے ہوں اور ایک شخص غداری کر کے کسی ایک یا تمام مسافروں کو تباہ کرنے کے لیے کشتی میں سوراخ کرے تو کیا آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ان کے تباہ ہونے کے بعد یہ بچ جائے گا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا بھی حشر انہیں جیسا ہوگا۔ مثلاً آج اگر اپنے غداروں کے طفیل تمام اسلامی مقبوضات غیروں کے ہاتھوں میں چلے گئے تو کیا ان غداروں کو محکوم قوم میں سے مستثنیٰ کیا گیا کیا وہ اپنے تمام ہموطنوں اور ہم مذہبوں کے ساتھ ایک شکنجے میں نہ کسے گئے کیا ان کی امیدوں کے کھلیان قوم فروشی اور اسلام دشمنی کے باعث ذلت و رسوائی کی بجلیوں سے محفوظ رہے۔ نہیں بلکہ انہوں نے تو قوم کی دشمنی میں اپنے آپ کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔

اعضا کا دلچسپ مکالمہ اور اس کا انطباق تفریق پر

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ تمام اعضا اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ کام کرتا ہے مثلاً ہاتھ پکڑتے ہیں پاؤں چلتے ہیں۔ آنکھ دیکھتی

Marfat.com

ہے۔ کان سنتے ہیں۔ اور پھر ان سب کی مجموعی کوشش سے ہم لوگ کچھ کھانا پانی جمع کرتے ہیں۔ مگر کم بخت پیٹ کچھ کام وغیرہ تو کرتا نہیں اور صرف ہماری محنت کے پھل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گویا ہمارا مفت کا بادشاہ بنا ہوا ہے۔ کہ ہم تو کما کما کر تھک جائیں اور یہ مفت کا فائدہ اٹھاتا رہے اور پھر نہ چلنا نہ پھرنا بچارے ٹانگوں پہ رات دن سواری کرتا ہے۔ اس کا آج سے کچھ نہ کچھ انتظام کرنا چاہیے ورنہ اس کا ظلم روزانہ ترقی ہی کرتا جائے گا۔ چنانچہ بڑی بحث و تمحیص اور تکرار و مناظرے کے بعد یہ قرار پایا کہ آج سے ہر ایک عضو اپنا کام کرنا چھوڑ دے اگر پیٹ کو اپنے بھرنے کی فکر ہو گی تو وہ بذات خود اس کا انتظام کرے گا۔ چنانچہ ہاتھوں نے کمانا۔ پاؤں نے چلنا۔ کانوں نے سننا اور آنکھوں نے دیکھنا چھوڑ دیا۔ اور وہ اپنی اس ہڑتال پر بڑے استقلال سے چند دن تک جمے رہے۔ آخر انہوں نے محسوس کیا۔ کہ ہم دشمنی تو کرتے ہیں پیٹ کے ساتھ۔ مگر اس کا اثر الٹا ہم پہ پڑ رہا ہے۔ اور ہم خود روزانہ نحیف اور کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ انہوں نے پیٹ سے کہا۔ بھائی صاحب ہڑتال تو ہم نے تیرے ساتھ کی ہے اور کھانا تیرا بند کیا ہے۔ مگر تعجب کا مقام ہے۔ کہ تیرے ساتھ ہم بھی کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ پیٹ نے کہا۔ بھلے مانسو۔ ہم سب اگرچہ الگ الگ ہیں۔ مگر حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایک کی کمزوری کا دوسرے پر ضرور اثر پڑے گا۔ اور ایک کی تازگی سے دوسروں کو بھی ضرور حصہ ملے گا۔ مجھے آباد کرو تم آباد ہو جاؤ گے۔ مجھے طاقتور بناؤ۔ تم طاقتور ہو جاؤ گے۔

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند   کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار   دگر عضوہا را نماند قرار

Marfat.com

یعنی بنی آدم بھی ایک دوسرے کے لئے اعضاء اور اندام ہیں۔ کیونکہ پیدائش اور اصل ایک ہی جوہر سے دیکھو جب ایک اندام کو درد پہنچتا ہے تو دوسرے اعضا بھی بیقرار ہو جاتے ہیں تو بھائیو غور کرو جب تمام بنی آدم محض پیدائش کے اتحاد سے اندامون کی طرح ایک دوسرے سے متعلق ہوں۔ تو پھر مسلمان جو پیدائش کے اتحاد کے ساتھ مذہب و دین کا بھی اتحاد رکھتے ہیں کسطرح اندامون کی طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہونے چاہئیں۔

اتحاد دینی ہی سچا اتحاد ہے

اور یہ دینی اتحاد تو وہ اتحاد ہے جس کے سامنے دنیا کے دوسرے اتحاد لاشی اور بلاعدم محض ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھئے کہ جب مسلمان ہوئے تو اپنے کافر بھائیوں اور رشتہ داروں کو مسلمانوں کے ساتھ ہو کر ذبح کیا۔ جب حضور ہجرت فرما کر مدینہ شریف تشریف لائے۔ تو انصار و مہاجرین صرف اسلامی رشتہ کی بنا پر ایسے بھائی بنے۔ کہ انصار نے اپنی کھیتوں اور مکانوں تک سے ان کو برابر کا حصہ دیا۔ اور حد درجے کا ایثار یہ کہ اپنی چاہتی بیویوں کو اگر ایک سے زیادہ تھیں۔ تو طلاق دے کر اپنے مہاجرین بھائیوں کے نکاح میں دے دیا۔ عزیز بھائیو! دیکھو اسلام کا رشتہ تمام دنیا کے رشتوں سے نرالا اور پکا ہے۔ اس کا خیال کرو۔ اور اس کا حق ادا کرو۔ قوم تباہ ہو رہی ہے جس سے قوم کا ہر فرد بھی برباد ہو رہا ہے۔ قوم ذلیل ہو رہی ہے اور اس کی ذلت کا اثر قوم کے سب افراد پر پڑ رہا ہے۔ خدارا جاگو۔ خواب غفلت سے چونکو پرانی شان پیدا کرو۔ اور پھر دنیا کو بتا دو۔ کہ مسلمان مردہ نہیں بلکہ زندہ ہیں جس طرح ترکی کا مرد بیمار آج تندرست اور توانا نظر آ رہا ہے اسی طرح ہر

Marfat.com

مسلمان کو اپنے کینے۔ قوم کی غداری۔ وطن فروشی۔ ملت کشی کی بیماری کا علاج اتباع نبوی سے کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کی پھر گزشتہ طاقت شوکت اور وقار عود کر آئے

اسلامی اخوت کا ایک زبردست مظاہرہ

ایک اور مثال بھی میں آپ کو سناتا ہوں جس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکینگے کہ اسلام کا رشتہ مغرب و مشرق اور جنوب و شمال کے مسلمانوں کو کس طرح یگانہ بناتا ہے اور کس طرح اگر مغرب میں ایک مسلمان کی انگلی درد کرتی تھی۔ تو مشرق میں دوسرے مسلمانوں کو اس کا درد محسوس ہوتا تھا۔ شمال میں اگر کسی مسلمان کو ٹھوکر لگتی تھی تو کس طرح جنوب کے مسلمانوں کے آنسو نکل آیا کرتے تھے۔

ایک شخص نے خلیفہ معتصم باللہ کو آکر خبر دی۔ کہ میں نے عموریہ میں ایک لونڈی کو دیکھا ہے۔ کہ عیسائی اسے پیٹ رہے تھے۔ اور وہ ہر ضرب پر بغداد کیطرف منہ کرکے "وامعتصما" کے الفاظ پکارتی تھی۔ عیسائی ہنس ہنس کر اسے مارتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ ابھی معتصم نبری مدد کو آتا ہے تو کچھ فکر اور رنج نہ کر۔ اس بات کے سنتے ہی معتصم باللہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہاں ہی سے عموریہ کیطرف منہ کرکے کہا لبیک ایتھا الجاریۃ لبیک ھذا المعتصم باللہ فلا اجابک یعنی ہاں اے لونڈی یہ دیکھ معتصم باللہ تجھے جواب دے رہا ہے۔ فوراً لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ اور ایک معمولی سی مسلمان لونڈی کے لئے کثیر خرچ اور بے انتہا تکلیفوں کے ساتھ وہاں پہنچ کر عموریہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور ثابت کر دیا۔ کہ ایک مسلمان لونڈی بھی اسلامی برادری کے ساتھ تعلق رکھنے کی وجہ سے حفاظت اور خیر خواہی کی اتنی ہی مستحق ہے۔ جتنی کہ ایک بادشاہ یا شہزادہ مستحق ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

چیست انسانی تپیدن از تب ہمسائگاں　　　　وز سموم نجد در باغ عدن پژمان شدن

اسلام کی بے نظیر مساوات

چنانچہ جب مسلمانوں نے حضرت ابو عبیدہ کی زیر قیادت ایران پر حملہ کیا اور ایرانی لشکر کو شکست پر شکست ہوتی ہے۔ تو ایرانی لشکر کا سردار جابان نامی مسلمانوں کے ایک معمولی سے سپاہی کے ہاتھ آتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ایک معمولی سپاہی ظاہر کر کے مسلمان سپاہی سے امن کا وعدہ لے لیتا ہے۔ عربی لشکر کو جب جابان کے دھوکے کا حال معلوم ہوتا ہے۔ تو سب چھوٹے بڑے غصے سے بھر جاتے ہیں۔ اور مسلمان سپاہی کے وعدۂ امن کو ٹھکرا کر جابان سے بدلہ لینے کا مشورہ کرتے ہیں جب حضرت ابو عبیدہ سالار فوج کو یہ حال معلوم ہوتا ہے تو فرماتے ہیں نہیں۔ اب جابان کو امن مل ہی چکا ہے۔ ہم میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں اسلام نے ہم کو مساوات اور اخوت کے رشتے میں پرو دیا ہے۔ ہمارے ایک معمولی سپاہی کا وعدہ دینا تمام دنیا کے مسلمانوں کے وعدہ دینے کے برابر ہے اور فرمایا

گفت اے یاراں مسلمانیم ما　　　　تار چنگیم و یک آہنگیم ما
نعرۂ حیدر نوائے بوذر است　　　　گرچہ از حلق بلال و قنبر است
ہر یکے از ما امین ملت است　　　　صلح و کینش صلح و کین ملت است
ملت ار گردد اساس جان فرد　　　　عہد ملت میشود پیمان فرد
گرچہ جاباں دشمن ما بودہ است　　　　مسلمے اورا اماں بخشودہ است
خون او اے معشر خیر الانام　　　　بر دم تیغ مسلماناں حرام

دیکھو کس طرح ایک معمولی سپاہی کی بات کو قوم کی بات قرار دیا جاتا ہے اور حضرت ابو عبیدہ سردار لشکر ہو کر کس خلوص سے فرما رہے ہیں کہ ہمارے ایک

Marfat.com

مسلمان کا صلح سب قوم کی صلح ہے اور ہمارے ایک مسلمان کا کینہ سب مسلمانوں کا کینہ ہے۔ اسی واسطے تو حضورؐ نے فرمایا ہے المؤمن للمؤمن کالجسد الواحد اذا اشتکی عنہ عضو تداعی سائر الجسد بالحمی والسھر یعنی سب مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں جس کا اگر ایک اندام درد کرے تو باقی سب تمام جسم کو بھی بخار اور بے آرامی ہو جاتی ہے مگر آہ آج کہاں کی خیر خواہی اور برادری قیامت کے قیام سے پہلے ہی قیامت کا منظر دیکھ رہے ہیں نفسی نفسی کا بازار گرم ہے اپنا بھلا جگ بھلا سمجھا جا رہا ہے نہ محبت نہ ہمدردی خون سفید ہو گیا اور اخوت و مودت کی پر بہ ندی پایاب ہو گئی۔ ؎

نالہ را ہر چند میخواہم کہ پنہاں میکنم — سینہ میگوید کہ من تنگ آمدم فریاد کن

رَبِّ الْعٰلَمِیْن

(یعنی پالنے والا تمام جہانوں کا)

رب یعنی تربیت کرنے والا اور عالم کا معنی جہان۔ عالمین اس کی جمع ہے یعنی جہانوں کا تربیت کرنے والا۔ تربیت لغت میں کسی چیز کے آہستہ آہستہ بتدریج بڑھانے اور اس کی پرورش کے ضروری سامان مہیا کرنے کا نام ہے۔ رب دراصل میں رابب تھا۔ مگر کثرت استعمال کی وجہ سے الف گر کر رب رہ گیا۔ رب پر جب الف لام کو داخل کر کے الرب بنایا جائے یا مضاف رب بغیر اضافت ہو تو بغیر ذات باری کے اور کسی مخلوق کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ ہاں بغیر الف لام یا بصورت اضافت کے مخلوق کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ جیسے رب الدار مالک مکان۔

رب العلمین۔ الحمد للہ کے دعوے کی دلیل ہے

الحمد للہ میں اس بات کا دعویٰ فرمایا تھا۔ کہ تمام صفتیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہیں۔ اور اللہ کے لفظ میں اس دعوے کا اجمالاً ثبوت بھی پیش کر دیا تھا جو صاف دل اور عقل سلیم والوں کے لئے اشارۃً کافی تھا۔ مگر عوام کے لئے اب رب العالمین فرما کر تفصیلی ثبوت پیش فرماتے ہیں۔ تاکہ ذات باری کے مختص بجمیع محامد ہونے میں کسی قسم کا شک نہ رہ جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں ہر ہر جہان اور عالم کی پرورش کرتا ہوں۔ اور ان کی زندگی کی تمام ضروریات ان کے لئے مہیا کرتا ہوں اور ان پر میرے طرح طرح کے احسان و انعام ہیں اس واسطے میری ہی ذات تمام تعریفوں کی مستحق ہے

لفظ ربّ میں دو دقیق اشارے

رب فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس میں دو چیزوں کی طرف دقیق اشارہ فرما دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ اے انسان تیرا رزق۔ تیرا لباس۔ تیری زندگی کی سب ضروریات میری ہی طرف سے ہیں۔ اگر نہ دوں تو ہزار کوشش کرنے سے بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور میں اگر دوں۔ تو ہزاروں کی کوشش کرنے سے بھی نہیں رک سکتا۔ سچ ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ۔ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یعنی اگر اللہ تجھے کچھ تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اور اگر وہ کسی سے بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں۔ ہر ایک ضرورت کے لئے میرا ہی دروازہ کھٹکھٹا کیونکہ میرے بغیر حقیقی معطی دوسرا کوئی بھی نہیں غیر اللہ سے امیدیں

Marfat.com

کو توڑ کر مجھ سے توقعات کو جوڑ۔ تو مجھے نہ بھلا تاکہ تو بھی نہ بھلایا جائے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

رب العالمین پر اعتراض اور اس کا جواب

ہاں اس پر ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ ہم نے تو کبھی نہ دیکھا کہ اللہ جل شانہ نے بذات خود کسی کو کھانا دیا ہو یا کپڑا پہنایا ہو یا اور کوئی ضرورت کی چیز ہاتھ لمبا کر کے دی ہو۔ ہم تو ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی پر گزر اوقات کرتی ہے ایک تاجر صبح سے شام تک تجارت کرتا ہے۔ تو تب کہیں جا کر بال بچوں کی خوراک گھر لاتا ہے بعض زراعت کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں تو بعض اور کسی شغل کے ذریعے اپنے اور اپنے کنبہ کی نگرانی کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ رب العالمین کیسے ہوا کیونکہ ظاہراً ہماری تربیت میں اس کا کوئی ہاتھ نظر نہیں آتا۔

مجمل جواب:۔ اللہ جل شانہ نے دنیا کا ایک قاعدہ مقرر کیا ہے کہ ہر مخلوق کو اس کی ضرورت اور شان کے مطابق کچھ اسباب اور ذریعے دئے ہیں جب وہ ان ذرائع اور اسباب کو استعمال کرتی ہے۔ تو ان کی وساطت سے اس کی ضروریات کو پورا کر دیا جاتا ہے چونکہ ان اسباب کا معطی وہی کریم و رحیم اللہ ہے تو گویا ان اسباب کے نتائج بھی اسی کی طرف سے ہیں۔ اگر ہم کو وہ اسباب نہ دیتا۔ تو ہم ان کو استعمال کیسے کرتے۔ اور اگر استعمال نہ کرتے۔ تو وہ ضرورت اور نتیجہ جو ان آلات کے استعمال پر موقوف ہے۔ کیسے پیدا ہوتا۔ تو جب ضروریات زندگی ہمیں میسر نہ آتیں تو ہماری تربیت کیسے ہو سکتی تو معلوم ہوا کہ ہماری تربیت و پرورش اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔

مفصل جواب:۔ میں اس جواب کو ذرا تفصیل سے بیان کرتا ہوں تاکہ

Marfat.com

آپ میرے مطالب اور جواب کو پوری طرح سمجھ سکیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے درخت کو ہاتھ پاؤں اور زبان وغیرہ نہیں دی کہ وہ کام کرکے یا چل پھر کر اپنی ضروریات کو مہیا کرسکے۔ اس کو صرف جڑیں دیں تاکہ وہ ان جڑوں کے ذریعے زمین سے اپنی خوراک کو حاصل کرے۔ مگر چونکہ اسے ہاتھ پاؤں اور زبان وغیرہ نہیں دی۔ اس واسطے اس کے رزق کو بھی ان چیزوں پر موقوف نہ ٹھیرایا۔ اب جانوروں کو لو۔ انہیں اللہ جل شانہ نے پاؤں یا پر عطا فرمائے۔ مگر چونکہ ان کو ہاتھ اور زبان سے محروم رکھا گیا۔ اس لیئے ان کو اپنی روزی اور ضروریات کے بارہ میں کسب کرنے یا بات کرکے حاصل کرنے کی تکلیف نہ دی بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے یا اڑنے سے ان کو روزی دی جاتی ہے۔ اب پرندہ اگر دھا۔ درخت کی طرح ایک ہی جگہ پر بیٹھا رہے۔ اور ضروریات زندگی کا دہاں بیٹھے بٹھائے مل جانے کا خواہشمند ہو۔ تو یہ کبھی بھی نہ ہوسکے گا۔ بلکہ اُسے دیئے ہوئے اسباب کے استعمال کے بعد ضروریات زندگی عطا فرمائی جائیں گی اسی طرح اللہ جل شانہ نے انسان کو دنیا کی تمام مخلوقات سے زیادہ اسباب عنایت فرمائے۔ چلنے کو پاؤں۔ کام کرنے کو ہاتھ۔ دیکھنے کو آنکھیں سوچنے کو دماغ اور سننے کو کان دیئے۔ اب انسان جب ان سب آلات سے کام لیتا ہے۔ کہیں تجارت کرتا ہے تو کہیں زراعت۔ کہیں ملازمت ہے۔ تو کہیں صنعت تو اب ذات باری اس انسان کو ان اسباب کے ذریعہ مصلحت کے مطابق روزی پہنچاتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور پھر روزی نہ ملنے کا اللہ جل شانہ سے شکوہ کرے۔ تو یہ اس کی حماقت اور بیوقوفی ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء بے کار نہیں دیئے ان کو معطل کرکے انہیں بے کار سمجھنا باری تعالیٰ پر فعل عبث کا

کا الزام لگاتا ہے جس سے شان خداوندی پاک اور مبرا ہے۔
ہاں مثلاً اسباب نہ دیتے اور پھر روزی کمانے کے لئے مجبور کرتے تو البتہ یہ صریح ظلم ہوتا۔ مثلاً درخت کو چل پھر کر یا پرندوں اور دوسرے جانوروں کو کما کر روزی مہیا کرنے کا حکم فرماتے تو یہ حکم ضرور حکمت کے خلاف سمجھا جاتا۔ مگر وہ تو ایسی بے نیاز ذات ہے کہ اگر ایک ہی نوع میں سے کسی فرد کو کوئی سبب کم دیا ہے یا بالکل نہیں دیا۔ تو اس کی روزی کو بھی اس سبب پر موقوف نہیں رکھا۔ مثلاً انسانوں میں ہی دیکھ لیجئے کہ جس کو مجنوں یا پاگل بنا دیتے ہیں تو پھر اسے کسب واکتساب کیلئے بھی مجبور نہیں فرماتے۔ بلکہ عقل نہ ہونے کی وجہ سے چونکہ وہ جانوروں کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس واسطے اسے بھی ان جانوروں کی طرح اسباب استعمال کرنے پر رزق دیا جاتا ہے یعنی صرف چلنے پھرنے یا زبان ہلانے سے اس کی روزی کہیں نہ کہیں غیب سے مہیا کر دی جاتی ہے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں ؎

بناداں آں چناں روزی رساند   کہ دانا اندراں حیراں بماند

یعنی نادان اور مجنون کو اس طرح روزی دی جاتی ہے۔ کہ دانا اس میں حیران وسرگرداں رہ جاتا ہے یہ کیوں اس لئے کہ نادان کو دانستن یعنی علم وعقل کا مادہ نہیں دیا گیا جو کہ دانا کو دیا گیا ہے۔ اس واسطے رزق کے دیئے جانے میں بھی دانا اور نادان میں فرق رکھا گیا۔
دیکھئے ایک چھوٹا بچہ جب چل نہیں سکتا۔ اور اس کے پاؤں نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں تو لوگ اسے اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں مگر جب یہ قوی ہو کر استعمال کے قابل ہو جاتے ہیں تو پھر اگر وہ خود بھی اٹھائے جانے کی خواہش کرتا ہے تو چپت لگا دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کم بخت کیا تو خود لنگڑا ہے۔ جو چلتا نہیں۔ مولانا روم ؒ فرماتے ہیں ؎

Marfat.com

طفل تا گیرا و تا پو یا نبود ۔ مرکبش جز گردن بابا نبود
چوں فضولی کرد و دست و پا نمود ۔ در عنا افتاد و در کور و کبود

یعنی بچہ جب تک نہ پکڑ سکتا تھا اور نہ دوڑ سکتا تھا۔ اس وقت تک اس کی سواری باپ کی گردن تھی۔ مگر جب کہ بیہودگیاں کرنے لگا اور لگا ہاتھ پاؤں نکالنے تو گردن کی سواری سے اتار کر تکلیفوں میں ڈال دیا گیا۔ اور یہ بڑا ہونے پر اسے گردن کی سواری سے کیوں محروم کیا جاتا ہے۔ اسلئے کہ وہ دئے ہوئے اسباب سے باوجود قدرت استعمال کے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اسی طرح جو بھی دئے ہوئے اسباب کو معطل کر کے طالب رزق ہوتا ہے تو آخر کار اسے بھی فقر و فاقہ کی چپت لگا دی جاتی ہے

اس تفصیل سے آپ بالوضاحت سمجھ چکے ہوں گے کہ رزق موقوف ہے اسباب پر اور اسباب کا معطی ہے اللہ جل شانہ۔ تو گویا رزق کا معطی اللہ جل شانہ ہوا۔ تو ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ ہی تمام جہانوں کو تربیت فرماتا ہے۔ اور باری تعالیٰ کو نہ دیکھنا اور پھر بھی تربیت کو ان کی طرف منسوب کرنا ایسا ہے جیسے بادشاہ کسی کے لئے ایک ہزار روپیہ دینے کا حکم دے اور وہ شخص جا کر شاہی خزانہ سے فرمان کے مطابق خزانچی سے روپیہ وصول کرے تو اگرچہ اس شخص کو انعام بواسطہ خزانچی ملا۔ اور بادشاہ کی شکل تک نہ دیکھی۔ مگر پھر بھی یہ انعام بادشاہ ہی کا کہلائے گا نہ کہ خزانچی کا۔

خارق عادت

یوں تو اللہ جلشانہ کا ایک قاعدہ ہے جسے سنت اللہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ہر ایک قاعدہ میں بعض مستثنیٰ امور بھی ہوتے ہیں اسی طرح اللہ جلشانہ بھی بعض دفعہ بعض باتیں اپنی عادت اور قاعدے کے خلاف بھی کرتے ہیں جن کو خارق عادت امور کہا جاتا ہے۔ جیسے بنی اسرائیل پر من وسلویٰ کا نزول۔ حضور سرورِ عالم کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ

Marfat.com

جاری ہونا وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ خلافِ عادت کام کا ظہور اس لئے فرماتا ہے کہ کہیں کوتہ بین انسان انہیں اسباب میں نہ پھنس جائے اور انہیں کو علتِ حقیقی سمجھ کر ذاتِ باری سے بے نیاز نہ ہو جائے بلکہ اسے معلوم ہو کہ ان اسباب کے اوپر ایک اور بڑی قادر و جابر ہستی ہے جس کے سامنے ان اسباب کا وجود اور عدم دونوں برابر ہیں۔ اس کی شان تو وَاِذَا قَضٰٓی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ہے یعنی وہ جب کسی بات کا ارادہ فرماتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔

ارہاص معجزہ۔ کرامت معونت اور قضائے حاجت کا فرق

اگر یہ خارقِ عادت یا خلافِ سنت کام کسی پیغمبر کے ذریعے اس کے دعوئے نبوت سے پہلے ظاہر کیا جائے تو ارہاص کہلاتا ہے۔ اور اگر اس کا ظہور نبوت کے بعد ہو تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر ایسا ہی خلافِ عادت کام کسی ولی کے ذریعے سے ظاہر ہو تو کرامت کہلاتا ہے۔ اور اگر کسی عام مومن صالح سے ظاہر ہو۔ تو اسے معونت کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی خارقِ عادت بات کسی کافر سے ظاہر ہو۔ تو اسے قضائے حاجت کہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی ریاضت اور نفس کشی کے بدلے میں ایک کرامت کے مشابہ طاقت دیتا ہے جس سے ان کی بہت کچھ دنیوی مرادیں حسبِ خواہش پوری ہو جاتی ہیں۔ اور اس سے وہ اور زیادہ مغرور ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے چونکہ اس طاقت کے ذریعے بڑی حد تک اس کی دنیوی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ اس لئے اس کو قضائے حاجت کہا جاتا ہے۔ اس کے سوا آخرت میں انہیں ان تکلیفوں کا کچھ معاوضہ نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ اعمال کے آخرت میں کارآمد ہونے کے لئے ایمان باللہ و بالرسول کی ضرورت ہوتی ہے۔

Marfat.com

لفظِ رب کا دوسرا اشارہ

ابھی میں نے بیان کیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رب کے لفظ میں دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ایک تو یہ کہ اے انسان تیری تمام ضروریات کا دینے والا میں ہی ہوں اسلئے تو میرے ساتھ تعلق کو مضبوط کر۔ اب دوسرا راز جس کی طرف لفظ رب اشارہ کرتا ہے یہ ہے کہ اے انسان جب میں عالمین کی تربیت کی وجہ سے مستحق محامد بنا ہوں تو تجھے بھی اگر دین و دنیا کی تعریف اور مدح کی ضرورت ہے اور تو چاہتا ہے۔ کہ تیرا نام تیری زندگی میں اور تیرے بعد محمود اور پسندیدہ طریقہ سے لیا جائے اور لوگ تیری ہستی کو قابل ستائش اور لائق فخر سمجھیں تو۔ تو بھی دنیا کی تمام مخلوق کی خدمت کر جو بدلہ ہے تربیت کا اور یہ تیری خدمت صرف تیرے عیال یا رشتہ داروں یا ہمسایوں یا ہموطنوں یا بنی نوع ہی تک محدود نہ ہو۔ بلکہ میری عام تربیت کی طرح تیری خدمت و خیر خواہی بھی عام ہو حتیٰ کہ دنیا کی ادنیٰ سے ادنیٰ جاندار مخلوق تیری خیر خواہی و خدمت سے مستفید ہو۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ۔۔۔ دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ

مقربین ادنیٰ مخلوق کو بھی رنجیدہ نہیں کیا کرتے

دشمنوں کے دلوں کو چھوڑ کر خدا کے بندے تو چیونٹی کے دل تک کو بھی رنجیدہ کرنا گناہ سمجھتے تھے لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ شہر سے باہر رہا کرتے تھے ایک دفعہ آپ غلے کے لئے شہر میں آئے۔ ایک دکان سے آپ نے غلہ خریدا اور چادر میں باندھ کر اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ آپ شہر سے خاصے فاصلہ پر رہا کرتے تھے اسواسطے گھر پہنچتے پہنچتے سورج بالکل غروب ہو گیا مغرب کے جھٹ پٹے میں گھر پہنچ کر غلہ کی جو

Marfat.com

گٹھڑی کھولی تو اناج کے اندر آپ کو ایک موٹا سا چیونٹا نظر پڑا۔ جو نہایت پریشانی سے اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔ آپ کو اس کی تنہائی، مصیبت اور فراق احباب پر بہت رحم آیا۔ اپنے دل میں سوچا کہ اسے اس وقت تو شہر میں پہنچانا مشکل ہے۔ ہاں صبح ہوتے ہی اسے اسی دکان پر جا کر چھوڑ آؤں گا چنانچہ آپ نے چیونٹے کو پکڑ کر ایک ڈبیہ میں بند کر دیا۔ اور آپ اپنے معمولات میں مشغول ہو گئے۔ مگر چیونٹے کی تکلیف سے نہ تو آپ کو وظائف میں روزمرہ جیسا لطف ملا۔ اور نہ ہی رات بھر نیند آئی۔ آخر انہوں نے تنگ آ کر صبح ہونے سے بہت پہلے ڈبیا اٹھا کر شہر کا رستہ لیا۔ جب شہر میں پہنچے۔ تو اس دکان کو سویرا ہونے کے باعث بند پایا۔ انہیں خیال آیا کہ اگر میں اسے یہیں چھوڑ دوں گا۔ تو شاید وہ غلطی سے کسی اور دکان میں چلا جائے۔ اور وہاں پر بھی اسے وہی پریشانی پیش آئے لہذا آپ نے دکان کے کھلنے تک انتظار کرنا ہی بہتر سمجھا۔ جب مالک دکان آیا۔ تو آپ کو دروازے کے پاس کھڑا پایا۔ پوچھا حضرت کیا بات ہے کہ آج آپ نے اس قدر سویرے سویرے مہربانی فرمائی۔ آپ نے فرمایا بھائی ذرا تو اپنی دکان کھول مجھے اندر کچھ کام ہے۔ اس نے پوچھا۔ کیا صاحب آپ کا اندر کچھ رہ گیا ہے آپ نے فرمایا نہیں رہ نہیں گیا۔ بلکہ اندر سے کچھ لے گیا تھا۔ اسے رکھنے آیا ہوں اس دکاندار کو حیرت ہوئی کہ اندر سے آپ جیسے شخص کیا چیز لے جا سکتے ہیں چوری کرنا تو ان کی شان سے بہت بعید ہے۔ پھر وہ کیا ہو سکتا ہے جو آپ ساتھ لے گئے اس نے کہا حضرت وہ مجھے دے دیجئے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے جہاں سے لیا ہے وہاں ہی رکھوں گا چنانچہ وہ شخص اور زیادہ حیران ہوا۔ اور آخر کار دکان کو کھولا۔ آپ اندر گئے اور غلہ کی بوریوں کے پاس جا کر ڈبیا کو کھول کر چیونٹے کو نکالا۔ چیونٹا دوڑ کر بوریوں کے اندر گھس گیا۔ آپ اس کے دوڑ کر چھپ جانے سے بہت خوش ہوئے۔ پھر اس شخص کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی مجھے تو

Marfat.com

اس غریب کی مصیبت کے باعث رات بھر نیند نہ آئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کی مصیبت میرے ہاتھوں دور ہو گئی۔ دیکھا خدا کے بندوں کو کہ وہ چیونٹیوں کی "تکلیفوں کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے شیخ سعدیؒ اسی واسطے فرماتے ہیں ؎

میازار مورے کہ دانہ کش ست   کہ جاں دارد و جاں شیریں خوش است

یعنی اے شخص تو دانہ کھینچنے والی چیونٹی کو بھی نہ ستا۔ کیونکہ وہ جان رکھتی ہے۔ اور جان ہر ایک کو میٹھی اور پیاری ہے مگر بھائی آج چیونٹی تو در کنار ہم اپنے سگے بھائیوں اور بہنوں کے خون کے پیاسے نظر آتے ہیں۔ غیر سے دوستی کریں گے مگر اپنوں سے دشمنی ماں باپ کی نافرمانی کریں گے۔ مگر دشمنوں کی اطاعت۔ دوستوں کی مجلسوں اور رنگ رلیوں میں سینکڑوں اڑائیں گے۔ مگر والدین کی خدمت کے لئے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ دینگے

اولاد کی تربیت میں والدین کا قصور

اور اس میں ایک لحاظ سے تو والدین کا بھی قصور ہے۔ کیونکہ آج ماں باپ شاذ و نادر ہی اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلاتے ہیں۔ ذرا بات چیت سیکھی تو دنیوی علوم میں لگا دیا۔ اب جبکہ اس غریب نے دینی علوم پڑھے ہی نہ ہوں اسے نہ معلوم ہو کہ والدین کے شرعی حقوق کیا ہوتے ہیں۔ اسے خبر ہی نہ ہو کہ صلہ رحمی کے دینی و دنیوی کیا کیا فوائد ہیں تو۔ وہ کیسے ماں باپ یا رشتہ داروں کا خیال رکھ سکتا ہے چونکہ وہ دنیا کا علم پڑھتا ہے۔ اور دنیا کی زینت بیوی بچوں اور احباب سے ہے اسواسطے وہ انہی مادیات میں پھنس کر روحانیات کو چھوڑ دیتا ہے

اولاد کی گستاخیاں ان کے علم دین سے بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہیں

ایک دفعہ ایک شخص نے امیر المومنین حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ مجھے میرے بیٹے

Marfat.com

نے مارا ہے آپ نے فرمایا کہ کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بیٹا باپ کو مارے اس نے عرض کی صاحب میرے پاس اس واقعہ کے بہت سے گواہ بھی ہیں اگر حکم ہو تو حاضر کر دوں آپ نے فرمایا نہیں پہلے تو اپنے بیٹے کو حاضر کر تا کہ مجھے حقیقت حال معلوم ہو چنانچہ اس شخص کے بیٹے کو بلایا گیا آپ نے اس لڑکے سے پوچھا کہ کیا تو نے اپنے باپ کو مارا ہے اس نے اقرار کیا اور کہا کہ یہ خواہ مخواہ میرے معاملات میں دخل دیتا تھا۔ اس لیے میں نے آج اس کی ذرا مرمت کر دی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا تو نے قرآن شریف بھی پڑھا ہے اس نے کہا نہیں تو آپ نے اس کے باپ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب تو نے اپنے بیٹے کو قرآن پاک کی تعلیم تک نہیں دی تو وہ تیرے حقوق کو کیا سمجھے اسے کیا معلوم کہ باپ اور گدھے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ یہ سب تیرا اور تیری تربیت کا قصور ہے اگر تو اسے کچھ بھی شرعی امور سے واقف کرتا۔ تو وہ کتنا ہی خراب ہو جاتا مگر نوبت اس معاملہ تک نہ پہنچتی حقیقت میں قصور تیرا ہے تیرے بیٹے کا نہیں۔

بیٹے کی لیاقت باپ کی قابلیت کا اندازہ لگا سکتا ہے

ایک شخص نے مجھے بات سنائی کہ ایک حجام نے اپنے بیٹے کو دینی تعلیم دی اور اچھا عالم بنایا۔ ایک دن یہ عالم صاحب کسی مجلس میں وعظ فرمانے کے لیے گئے وہاں پر ان کا باپ گاؤں کا کمین ہونے کی حیثیت سے مجلس کے سب انتظامات میں لگا ہوا تھا بیچارے سے کچھ قصور ہوا تو گاؤں کا نمبردار اسے کہنے لگا کہ تو بہت بڑا نالائق انسان ہے اگر تیرا بیٹا یہاں نہ ہوتا۔ تو میں تجھے اس حماقت کا مزا چکھاتا۔ عالم صاحب نے فرمایا۔ نمبردار جی میرا باپ نالائق نہیں بلکہ بہت بڑا لائق انسان ہے۔ اگر یہ لائق نہ ہوتا۔ تو آج میری اس لیاقت کا کہیں وجود تک نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ اسی کی دانائی اور لیاقت کا طفیل ہے۔ کہ مجھے تعلیم و تربیت دلائی ہاں اگر آپ میرے والد کے متعلق یہ الفاظ استعمال

Marfat.com

کرتے تو مجھے کچھ رنج نہ ہوتا کیونکہ میرے والد کی جہالت میرے دادا کی نالائقی کا نتیجہ ہے تو اسی طرح آج ہم اپنی اولاد کی گستاخیوں، بدکاریوں اور نافرمانیوں کے بڑی حد تک خود ہی ذمہ دار ہیں اے اللہ ہم کو صراط مستقیم کی ہدایت دے۔ اور ہمارے دلوں کو اپنی طرف متوجہ فرما ہمیں طاقت دے کہ ہم اپنی اولاد کو دینی تعلیم دیں۔ اور ان کی تربیت دینی احکام کے ماتحت کریں۔ تاکہ یہ ہونہار پودے بڑے ہو کر اسلام کے تناور درخت بنیں اور یہ چھوٹی نسل آئندہ دین کی بہترین خادم بن سکے۔ آمین۔

رب اور اب کا فرق

رب کا لفظ فرما کر اس قوم کی بھی تردید فرمائی۔ جو اللہ تعالیٰ کو لفظ اب سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ اب کا تعلق اولاد سے بہت محدود اور کم ہوتا ہے۔ مگر رب کا تعلق اپنی مخلوق سے نہایت وسیع اور زیادہ ہوتا ہے۔ باپ اپنی اولاد سے سب سے زیادہ پیار اس وقت کرتا ہے جبکہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جوں جوں ضروریات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے باپ کی محبت بھی کم ہوتی جاتی ہے۔ دیکھئے جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے اور کچھ مانگتا نہیں بلکہ ماں کا خون اس کی خوراک ہوتی ہے اس وقت والدین کی خوشی بے اندازہ ہوتی ہے نو ماہ کے بخیر و عافیت دنیا میں آنے کی گھڑیاں گنی جاتی ہیں نذر و نیاز دی جاتی ہے۔ اور اس کی صحت و سلامتی کے ساتھ پیدا ہونے کے لئے علاج معالجہ۔ تعویذ گنڈے اور قبر و زیارت کسی چیز کو نہیں چھوڑا جاتا چنانچہ خدا خدا کر کے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ خوشی کے شادیانے بجتے ہیں۔ مبارک سلامت ہوتی ہے تحفے تحائف دئیے جاتے ہیں۔ اور ڈوموں میراثیوں کی خوب آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ مگر یہ سب اس قدر محبت کا اظہار کیوں کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ابھی تک بچہ کچھ مانگتا نہیں۔ وہی غلیظ خون جو پہلے پیٹ میں کھاتا تھا۔ اب سفید ہو کر دودھ کی شکل

Marfat.com

میں پستانوں میں آکر اس کی خوراک بن جاتا ہے۔ اب بچہ جب ذرا بڑا ہوتا ہے۔ اور چلنے پھرنے لگتا ہے۔ تو اب محبت میں بھی کچھ کمی آنی شروع ہو جاتی ہے۔ اب پہلے کی طرح اسے ہر وقت نہیں اٹھایا جاتا۔ بلکہ ماں جو حد درجہ شفیق ہوتی ہے وہ بھی کسی وقت چپت لگا دیتی ہے۔ کہ کم بخت ہر وقت سوار رہتا ہے۔ جا اپنا کھیل کود۔ بار بار دودھ مانگتا ہے۔ تو اس پر بھی مرمت کی جاتی ہے۔ اب جب ذرا اس سے بڑے ہوئے۔ تو ٹوپی جوتا کوٹ قمیص وغیرہ کی ضرورت پڑی۔ اب والدین کی محبت سو درجے سے ساٹھ ستر پر پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد جب منگنی ہوتی ہے تو محبت میں نمایاں فرق ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد جب شادی ہوتی ہے۔ تو باپ سخت بے مہری سے کہہ دیتا ہے۔ کہ جا اور کما کھا۔ میں نے تجھے سارا ساری عمر کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ تو ایک تھا تو گاڑی چل رہی تھی۔ اب بابو صاحب کو کون کھلائے۔ اب اگر گھر بار ذرا شریف ہے تو پہلے دو سال شور و فساد میں کچھ زمانہ اور بھی نکل جاتا ہے۔ مگر جب اپنے میاں صاحب تشریف لے آتے ہیں۔ تو اب باپ جب بیٹے کی روز افزوں بڑھتی ہوئی عمر پر نظر ڈالتا ہے۔ تو بالآخر اسے کما لے کو کہتا ہے۔ ورنہ اگر گھر سے باہر نکال دیتا ہے۔ اور جب پانچ سات بچے ہو جائیں۔ تو پھر تو والدین شریف سے شریف بیٹے کا بوجھ اٹھانا گوارا نہیں کرتے۔ ہاں اس کی ان سے کچھ حاجت نہ ہو تو محبت و مروت کا ظاہری رشتہ قائم رہتا ہے۔ لیکن رب کا یہ حال نہیں۔ وہ تو جس قدر ضروریات بڑھتی جاتی ہیں اسباب رزق کو اور زیادہ وسیع کرتا جاتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ اسی قدر اس کو زیادہ دینا شروع کر دیتا ہے۔ اب اگر باپ پانچ بچوں سے گھبراتا ہے۔ تو رب پچاسوں کو پالتا ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی رحیمی و کریمی کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

صد پدر صد مادر اندر حلم ما — ہر نفس زاید در افتد در فنا
حلم ایشان کف بحر حلم ماست — کف رود آید ولے دریا بجاست

Marfat.com

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ ہماری حلیمی میں سینکڑوں والدین سمائے ہوئے ہیں یعنی ہماری حلیمی سو ماں باپ سے بھی زیادہ ہے جو سر گھڑی سمندر کی جھاگ کی طرح صفحہ ہستی پر نمودار ہو کر فنا ہو جاتے ہیں اور نہیں کے ساتھ ان کا حلم بھی ختم ہو جاتا ہے لیکن ہماری حلیمی کا دریا ہے سواج ہر وقت موجود ہے۔

اس کے علاوہ اب بہ نسبت غیروں کے اپنی اولاد کو زیادہ محبت کرتا ہے۔ اور اسی واسطے وہ دوسروں سے زیادہ توجہ کے ساتھ اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے اب اگر کوئی یتیم بیلے کس بچہ اس کے گھر لے۔ تو وہ کبھی بھی اس بچے کی نگہداشت اپنے بچے جیسی نہ کریگا۔ مگر رب ایسا نہیں۔ اس کا تعلق سب سے مساوی ہے۔ وہ ہر ایک کو ایسی شفقت۔ توجہ اور نوازش سے پالتا ہے کہ گویا وہ کسی دوسرے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ جسے جو کچھ ضرورت ہو۔ اسے وہ مناسب طور پر حسب مصلحت عنایت فرما دیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اب اور رب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اب کی محبت اور تربیت کا تعلق خاص اور محدود ہے۔ مگر رب کی تربیت اور نوازش عام اور غیر محدود ہے۔

پیغمبر اُمت کی محبت کی وجہ سے میراث نہیں چھوڑتے

چونکہ رب کا تعلق مخلوقات سے بحیثیت مخلوق بلا امتیاز ہوتا ہے اس لئے اس کا احسان بھی بلا امتیاز مگر حسب حال ہوتا ہے۔ اب چونکہ انبیا علیہم السلام کا گروہ تمام مخلوقات سے برگزیدہ اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس واسطے وہ بھی سر سے پاؤں تک خدائی صفات میں رنگا ہوا ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ اس مقدس طبقہ کا تعلق بھی اولاد یا رشتہ کی حد تک محدود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا تعلق بھی اپنی

Marfat.com

اُمت سے بحیثیت اُمت کے بلا امتیاز ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضور فرماتے ہیں۔ نحن عصبة الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقة یعنی ہم انبیا کا گروہ کسی کو وارث نہیں بناتے۔ بلکہ جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں۔ وہ صدقہ ہوتا ہے۔ یعنی صدقہ کی طرح اس میں تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ اس لئے اس کو ایسے امور میں خرچ کیا جائے جس سے سب اسلامی برادری کو فائدہ پہنچ سکے کیونکہ اگر انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری ہوتی ہے۔ اور اُن کا ترکہ اُن کے ورثا ہی کو ملتا۔ تو اس سے ان کا تعلق اپنے ورثا سے مخصوص سمجھا جاتا لیکن جب تمام اُمت وارث قرار پائی۔ تو گویا ثابت ہوا۔ کہ پیغمبر تمام اُمت کے روحانی باپ ہیں۔ اور اس رشتہ میں اُمت کا ادنیٰ سے لے کر اعلےٰ تک سب افراد شامل ہیں۔ مگر اب یعنی باپ کا ترکہ ہمیشہ اس کی اولاد ہی کو ملتا ہے۔ تو جب اب اور پیغمبر میں اس قدر فرق ہوتا ہے۔ تو رب اور اب میں کس قدر ہونا چاہیئے۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

اسلامی دعا کا ربنا سے شروع ہونے کی وجہ اور اعمی کا اپنی دعا میں غیروں کو ملانے کی حکمت

لفظ رب کے اس قدر ممتاز وسیع اور بحر معانی ہونے ہی کی وجہ سے مسلمانوں کی ہر دعا ربنا کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ مثلاً رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ۔ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وغیرہ وغیرہ۔ اور پھر اس میں ایک اور لطف یہ ہے۔ کہ دعا کرنے والا رب کے عام تعلق کو مدنظر رکھ کر یوں نہیں کہتا۔ ربی یعنی اے میرے رب۔ بلکہ ربنا اے ہمارے رب کہہ کر دعا کرتا ہے۔ پھر وہ جیسا ربنا کہہ کر دعا شروع کرتا ہے اسی طرح رب کی

Marfat.com

دوسری مخلوقات کو بھی اس دعا میں شامل کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ اگر کوئی بہتری صرف اپنے لئے مانگونگا۔ تو شاید رب العزت ناراض نہ ہو جائیں۔ کہ اے شخص تو نے میری اور مخلوقات کو اپنے سوال میں کیوں شامل نہ کیا۔ شاید اُن کی وجہ سے تجھ پر بھی نوازش کی جاتی۔ اور پھر میرا خزانہ تو اتنا وسیع و عظیم ہے۔ کہ اگر تیری دعا کی وجہ سے ان کو کچھ دونگا بھی۔ تو یہ دینا تیرے حصہ سے کچھ کمی نہ کریگا اس لئے تو خواہ مخواہ کیوں کا سب کو بخل کرتا ہے۔ اسی واسطے تو اللہ جل شانہٗ نے ربّ کے ساتھ عالمین کا لفظ لگا دیا۔ تاکہ ربوبیت کے تعلق عمومی میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ فرمایا۔ رب العالمین یعنی سب جہانوں کا رب ہوں۔ میں رب المسلمین یا رب المومنین ہی نہیں بلکہ میری ربوبیت کا تعلق تو اٹھارہ ہزار جہانوں سے ہے۔ میں ہی سب کی پرورش کرتا ہوں۔ اور اُن کو اُن کی سب ضروریات حسب حال اور مناسب شان دیتا ہوں۔

ضروریات دیئے جانے کو حسب مصلحت مقید کرنے کی وجہ

آپ خیال کرینگے کہ جب میں ضروریات کے دیئے جانے یا تربیت عامہ کا ذکر کرتا ہوں تو ساتھ ہی حسب مصلحت حسب حال یا مناسب شان بھی کہہ دیتا ہوں۔ یہ لفظ میں یونہی نہیں کہتا۔ بلکہ اس کے کہنے میں ایک راز ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان بعض دفعہ بعض چیزوں کو دیکھ کر اُن کی ضرورت کو اپنی سمجھ میں مناسب نہیں سمجھتا۔ جس سے وہ اپنے خیال میں خداوندی تربیت کا کچھ نقصان سمجھ بیٹھتا ہے۔ حالانکہ یہ اس کی سمجھ کی غلطی ہوتی ہے۔ حسب مصلحت سے مصلحت الٰہی مراد ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ بہتر سمجھتا ہے۔ ویسے ہی اسے ضروریات عنایت فرماتا ہے۔ اور حقیقت میں بالکل اس کے مناسب حال ہوتی ہیں اگرچہ ظاہر بین انسان اس راز کو ظاہری طور پر نہ سمجھ سکے۔

Marfat.com

حسب مصلحت پر ایک لطیف حکایت

لکھا ہے کہ کوئی بزرگ صاحب سفر کو روانہ ہوئے۔ رستہ میں دھوپ اور تھکاوٹ کی وجہ سے ایک بڑ کے درخت کے نیچے آرام کرنے کو لیٹ گئے۔ لیٹے لیٹے خیال آیا۔ کہ اللہ جل شانہ نے اس اتنے بڑے درخت کو اتنا چھوٹا پھل کیوں دیا۔ اس کی حیثیت اور قد و قامت کے لحاظ سے تو یہ چھوٹا سا پھل حکمت کے مطابق نظر نہیں آتا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس کا پھل تربوز کی نحیف سی بیل کو دیا جاتا۔ اور اس کا پھل اس عظیم الجثہ درخت کے ساتھ لگایا جاتا۔ ابھی سلسلہ خیالات یہیں تک پہنچا تھا کہ درخت کے اوپر سے ایک پھل ٹوٹ کر سیدھا آپ کی آنکھ پر آ کر لگا۔ درد تو ہوا۔ مگر تھوڑا۔ فوراً اٹھ کر سجدہ میں گر گئے اور عرض کی کہ اے رب العزت تو واقعی حکیم ہے۔ اور فعل الحکیم لا یخلو من الحکمۃ کے مطابق آپ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اب میں اس حکمت کو سمجھ گیا۔ اگر آج تو اس درخت کو اس کے قد جیسا پھل دیئے ہوتا تو میری آنکھ کا خاتمہ ہی تھا۔ پروردگار تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تیری بے مثال حکمت سے میری آنکھ سلامت رہ گئی۔ سچ ہے۔

آنکس کہ تو نگرت نمے گرداند　　او مصلحت تو از تو بہتر داند

تو بھائیو مجھے بار بار حسب مصلحت اور حسب حال کے الفاظ اسی غرض سے کہنے پڑتے ہیں کہ مصلحت سے مراد مصلحت خداوندی ہے۔ جو کوتاہ بین عقل کے تصور میں نہ آجاؤ۔

رب العالمین کے لفظ سے اسلام کے عالمگیر ہونے کا ثبوت

تو بات یہ بیان ہو رہی تھی کہ اللہ جل شانہ نے اپنی تعریف میں رب العالمین

Marfat.com

فرمایا۔ رب المسلمین یا مومنین نہ کہا۔ تاکہ سب مخلوقات کو معلوم ہو جائے کہ وہ اُن سب کا رب ہے۔ اور اُن سب کی تربیت وہی کرتا ہے۔ اب کی طرح کسی کے ساتھ مخصوص تعلق نہیں رکھتا کہ اُن کی تربیت میں مشغول ہو کر دوسروں کو چھوڑ دے یا کم توجہ کرے۔

رب العالمین نے ایک بات یہ بھی سکھائی کہ اے انسانو! تم سب ایک ہی رب کے مربوب ہو۔ اور تم سب بندے اور مخلوق ہونے میں بالکل برابر ہو۔ اس لئے تم کو نسب۔ رنگ اور مال کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فخر نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ہر ایک سے مساویانہ سلوک کرو۔ اور دنیا کے امتیازات کو ایک دوسرے کی تحقیر کا باعث نہ سمجھو۔

اسلام کے عالمگیر اور تمام دنیا کے مذہب ہونے پر اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ اس کا معبود اور خدا وہ ہے۔ جو تمام جہان کا پالنے والا ہے۔ اور جس کے سامنے تمام انسان مخلوق ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں۔ وہ اسلام کہ جس کا معبود اگر رب العلمین ہے تو اُس کا پیغمبر رحمتہ العالمین ہے یعنی وہ پیغمبر جو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے۔ اس کی رحمت۔ اُس کی خیر خواہی کسی خاص فرد قوم یا ملک سے مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ جل شانہ کی ربوبیت عامہ کی طرح اُس کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت بھی عام ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اگر اسلام کا معبود رب العالمین اور پیغمبر رحمتہ العلمین ہے۔ تو اُس کی کتاب قرآن پاک بھی ذکر العلمین ہے یعنی تمام جہان والوں کے لئے نصیحت۔ اس میں بھی کسی قوم یا ملک کی کوئی خصوصیت نہیں۔ بلکہ دنیا کا ہر ایک انسان خواہ وہ کسی ملک یا قوم سے تعلق رکھتا ہو قرآن اُس کے لئے نصیحت نامہ اور ہدایت نامہ ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ اُس کا قبلہ جس کی طرف تمام دنیا کے مسلمان منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں ہدی للعلمین ہے یعنی تمام جہان والوں کے لئے ہدایت ہے۔ تو آپ بتائیے کہ اسلام سے زیادہ

Marfat.com

عالمگیر، وسیع اور دنیا کا مذہب اور کونسا ہو سکتا ہے۔ کہ جس کے ماننے سے اسلام کے نام کی طرح دنیا میں سلامتی اور چین کا دور دورہ ہو جائے۔ کیونکہ جب دنیا کے لوگ ایک خدا کے بندے ایک رسول کی امت۔ ایک کتاب کو ماننے والے اور ایک قبلہ کی طرف منہ کرنے والے ہوں۔ وہ خدا اور رسول۔ وہ کتاب اور قبلہ جو خود تمام جہان کے لئے ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ تو پھر دنیا میں موجودہ کشمکش اور بے چینی کس طرح رہ سکتی ہے۔

عالمین کے لفظ کی تشریح

رب کے بعد عالمین کا لفظ قابل غور ہے۔ عالم ماسوی اللہ کو کہا جاتا ہے یعنی اللہ جل شانہ کے بغیر تمام چیزوں کے مجموعے کا نام عالم ہے لیکن بعض دفعہ مخلوقات کی ہر جنس کو بھی مستقل طور پر عالم کہہ دیا جاتا ہے مثلاً عالم انسان، عالم ملائکہ، عالم جن وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی معنی کے لحاظ سے اس جگہ عالمین کو جمع لایا گیا۔ کہ میں مخلوقات کی ہر ہر جنس اور ہر ہر قسم کا رب ہوں۔ ایک روایت میں آتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا فرمائے۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ یعنی اللہ کے لشکروں کو اس کے بغیر اور کوئی نہیں جانتا۔ کون ہے جو اس کی تمام مخلوقات کا احاطہ کر سکے۔ اس کی عجیب و غریب مخلوقات سے زمین، تحت الثریٰ دریا، سمندر، ہوا ہر ایک دنیا بھری پڑی ہے۔

بعض نے عالمین کو عالم کی جمع تو کہا ہے۔ مگر عالم کو علم سے مشتق مانا ہے (علم عربی زبان میں جھنڈے یا نشان کو کہتے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام نشانوں یا علامتوں کو جو وجود باری کے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ بتدریج پرورش فرماتے ہیں۔ دنیا کا ذرہ ذرہ اور پتہ پتہ اللہ تعالیٰ کے وجود باجود پر دلالت کرتا ہے

فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ تَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ وَاحِدٌ

Marfat.com

تربیت انسانی کی دلچسپ اور حیرت انگیز تفصیل

اب جب اس بات کی پوری تشریح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہی تمام صفتوں کی مستحق ہے۔ کیونکہ وہی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تو اب میں آپ کو اللہ جل شانہ کی تربیت کا ایک نمونہ بھی بیان کر کے تفصیل کر دیتا ہوں۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ باری تعالیٰ کس طرح اپنی مخلوق کی پرورش فرماتے ہیں۔ اور کس طرح اس کے مناسب حال اور ضرورت کے مطابق چیزوں کو مہیا فرماتے ہیں۔ یوں تو تربیت کی کتاب کا ہر ایک باب بعد درجہ حیرت انگیز ہے۔ مگر وقت کے خیال سے میں صرف آدمی کی تربیت کے متعلق کچھ اختصار کے ساتھ عرض کر دیتا ہوں کیونکہ اس کی تربیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے خود بار بار قرآن پاک میں توجہ دلائی ہے۔ اور فرمایا ہے۔ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ یعنی کیا تم اپنے نفسوں میں غور نہیں کرتے۔ کیونکہ انسانی تربیت اس کی پرورش۔ اس کی بناوٹ میں غور کرنے کے بعد انسان حیرت زدہ ہو کر بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے۔ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔

مسلمانوں کی غفلت کا دکھڑا

دہد نطفہ را صورتے چوں پری   کہ کرد است بر آب صورتگری

تربیت انسانی کے متعلق عرض کرنے سے پہلے میں آپ سے اتنا سوال کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ کیا آپ میں سے کبھی کسی نے قرآن پاک کے ان الفاظ پر بھی غور کیا ہے کہ جس میں قرآن پاک نے انسان کے وجود کی تشریح فرمائی ہے۔ کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک پانی کے قطرے سے درجہ بدرجہ تربیت کر کے پیدا فرمایا کس طرح اس کے جوڑوں میں پر حکمت تناسب رکھا۔ کس طرح اس کی جسمانی

Marfat.com

مشین کو تمام ضروریات سے نوازا۔ مگر افسوس کہ آج جس قدر قرآنی علوم تھے غیر قوموں نے لے لئے۔ مسلمان سوائے طوطے کی طرح پڑھنے کے اور کوئی اس سے تعلق ہی نہیں رکھتے۔ ۹۹ فیصدی مسلمانوں کا علم صرف قرآن پاک کے حروف تک محدود ہے وہ اس کو سر ہلا ہلا کر تو پڑھتے ہیں۔ مگر افسوس وہ اس سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں کہ قرآن پاک ان سے کیا مانگ رہا ہے۔ نہ قرآن پاک کی عبارت کی لذت تو اٹھاتے ہیں۔ مگر اس کے قیمتی اور نایاب معنوں سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ اور قرآن پاک کو نہ سمجھنا ہی آج ہماری تمام خرابیوں اور پریشانیوں کا باعث ہے۔

قرآن کو کیوں سمجھ کر پڑھنے کی ضرورت ہے

میں یہ نہیں کہتا کہ قرآن پاک بغیر سمجھے کے پڑھنا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ نہیں دیتا ہے اور ضرور دیتا ہے۔ پڑھنا تو بجائے خود اس کا دیکھنا۔ اس کا چھونا۔ اس کا سننا اس کو گھر میں رکھنا تک باعث برکت اور یمن ہے۔ حضور فرماتے ہیں من قرأ حرفاً من کتاب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا لا اقول الم حرف بل الالف حرف واللام حرف والمیم حرف۔ یعنی جس نے قرآن پاک سے ایک حرف پڑھا اس کے لئے بھی نیکی ہے اور نیکی کا بدلہ دس گنا ہوتا ہے۔ اور پھر فرمایا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے۔ اور میم ایک حرف ہے۔ تو گویا صرف الم کے پڑھنے سے تین نیکیاں ملیں اور پھر تین کا دس گنا ہوئیں تو تیس بنیں۔ میرا اس وقت کہنے کا مطلب ہے کہ ہم نے صرف اس کی سطحی برکت کو لے لیا اور اس کے مطالب کو بوجہ نہ جاننے کے پس پشت ڈال دیا۔ قرآن پاک کو کلام اللہ کیوں کہتے ہیں۔ اس لئے کہ گویا قرآن پاک کا پڑھنے والا اس محبوب حقیقی سے باتیں کر رہا ہے۔ اب اگر تم اپنی کسی دنیوی محبوبہ سے

Marfat.com

بات چیت کرو۔ اگر تم اس کی بات کو نہ سمجھو اور تمہارا حال "زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم" کا سا ہو۔ تو آپ سوائے لذت آواز سوائے لذت سماع اور سوائے لذت دید کے کس چیز سے متمتع ہو سکو گے ۵

چیست قرآن اے کلام حق شناس رونمائی ربناس آمدہ ناس

حرف حرفش راستہ در بہ معنی معنی در معنی در معنی

تو کچھ افسوس نہیں کہ ہم آج صرف حروف کی لذت پر ہی اکتفا کئے ہوئے ہیں اور ان حروف کی تہ میں معانی و مطالب کے جو زر نگار پڑے ہوئے ہیں۔ ان سے قطعاً بے خبر اور ناواقف ہیں۔

فرض کرو کہ آپ کو گھر سے ایک خط آئے جس کا آپ مطلب نہیں سمجھ سکتے کیونکہ وہ ایسی زبان میں ہے۔ کہ جس کے آپ سوائے حروف پڑھ سکنے اور کوئی معنی حاصل نہیں کر سکتے۔ تو کیا آپ اس کے صرف الفاظ پڑھ کر مطمئن ہو جائینگے ہرگز نہیں۔ بلکہ آپ تمام شہر کا چکر لگا دینگے۔ یار و اغیار کو وہ خط دکھا کر اس کے مطلب کو سمجھنے کی کوشش کرینگے اور اس وقت تک آپ کو چین نہ پڑیگا جب تک کہ آپ کو اس کا پورا پورا مطلب معلوم نہ ہو جائیگا۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم ایک دو پیسے کے کارڈ کے سمجھنے کے لئے جو ایک انسان کی طرف سے آتا ہے۔ اور جس میں اس خسیس دنیا کی باتوں کے سوا شاذ و نادر ہی یاد کوئی ذکر ہوتا ہے۔ سمجھنے کے لئے اس قدر تکلیف طبع خاطر برداشت کرتے ہیں۔ مگر وہ خط نور رب العزت کی طرف سے آیا جس کے لانے والے سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ اور جس کے ساتھ ہماری ترقی و زوال۔ دین و ایمان اور مال و عیال تک وابستہ ہیں ان کے صرف الفاظ پڑھ لینے ہی کافی سمجھے جائیں۔ اگر ہماری اولاد یا ہم خود صرف قرآن پاک کے الفاظ پڑھ کر کتاب اللہ کو ختم کر لیتے ہیں۔ تو گویا ہم نے بہت بڑا معرکہ سر کر لیا اور یہی ہماری انتہا اور منزل مقصود ہوتی ہے۔ مسلمانو! غور کرو۔ قرآن پاک کے

Marfat.com

خود سمجھو اور دوسروں کو سمجھاؤ۔ اس کے الفاظ کی تہ میں بے بہا اور بے انتہا خزانہ ہے
مگر اس خزانہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر ہم مالک خزانہ ہو کر خزانہ کے اندر سے بالکل
ناواقف ہیں۔ خدارا جاگو ؎

جاگنا ہے جاگ تو افلاک کے سایہ تلے حشر تک سوتا رہیگا خاک کے سایہ تلے

دُنیا میں انقلاب آگیا۔ دُنیا کی دُنیا نے کروٹ بدل دی۔ وہ جو کل ہمارے
دست نگر اور غلام تھے آج ہماری بداعمالیوں اور غفلت شعاریوں کے باعث ہمارے
حاکم اور سردار بن گئے ؎

درس قرآن نہ اگر ہم نے بھلایا ہوتا یہ زمانہ نہ زمانے نے دکھایا ہوتا
ہم نے قرآن کو مسلک جو بنایا ہوتا قوم کے خضرِ نصیبوں کو جگاتا ہوتا
چاٹ لیں تم نے کتب فلسفہ و منطق کی ہاتھ بھولے سے بھی قرآن کو لگایا ہوتا
لائی ہر ڈاک ترے واسطے لندن کی کتاب گھر سے ہمسایہ کے قرآن بھی منگایا ہوتا
وہ جو انجیل یہاں تجھ کو سنانے آئے تو نے قرآن وہاں جا کے سنایا ہوتا
قوم کے درد کا درماں ہے تو یہ قرآن ہے مفلسی میں کوئی سامان تو یہ قرآن ہے

رجوع تربیت انسانی

توضیح و تکرار طویل ہے اسے چھوڑ کر پھر اصل مطلب کو بیان کرتا ہوں بیان
یہ ہو رہا تھا کہ قرآن پاک نے انسانی تربیت کا مختصر اور جامع فوٹو کس طرح کھینچ دیا
کیا ہے۔ اور اسی انسانی تربیت کے متعلق وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ
فرما کر کیوں توجہ دلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں انسانی تربیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔
اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ مِنۡ مُّضۡغَۃٍ

Marfat.com

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۔ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاءُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْا اَشُدَّكُمْ ۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا یعنی ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے۔ پھر لوتھڑے سے۔ پھر گوشت کے ٹکڑے سے جو کبھی پورا بن جاتا ہے۔ اور کبھی ادھورا رہ جاتا ہے تاکہ تمہارے لئے کھول کر بیان کر دیں۔ اور ہم جو چاہتے ہیں۔ رحموں میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر تم اپنے کمال کو پہنچتے ہو یعنی جوان ہوتے ہو۔ اور تم میں سے کوئی تو وفات پا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے بیکار عمر کو لوٹایا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد پھر نادان بن جائے۔

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ انسان کی تربیت کے مختصراً بڑے بڑے دس درجے بیان فرمائے ہیں یعنی تراب[1]۔ نطفہ[2] علقہ[3] مضغہ[4] مخلقہ[5]۔ غیر مخلقہ[6] طفل[7]۔ بلوغ الاشد[8]۔ الشیخوخۃ[9]۔ وفات[10]۔ اب سب سے پہلے تراب یعنی مٹی کو لیں۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ چونکہ آدم علیہ السلام جو تمام انسانوں کے باپ ہیں مٹی سے پیدا ہوئے۔ اس لئے سب انسانوں کی ابتداء اور آغاز بھی مٹی سے ہے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک میں وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ یعنی ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ اور نچوڑ سے پیدا کیا چونکہ انسان کی سب خوراک اور ضروریات زمین سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور وہی پھر انسان کے جسم میں غذا کی صورت میں داخل ہو کر خون پیدا کرتی ہیں جس سے منی یا نطفہ بنتا ہے۔ چونکہ وہی نطفہ یا زمین کا نچوڑ انسان کی ظاہری پیدائش کا سبب ہوتا ہے۔ اس لئے بھی انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔

نطفہ۔ جب زمین کا کثیف اور گدلا نچوڑ انسانی مشین میں فلٹر ہو ہو کر بالکل

Marfat.com

صاف ہو جاتا ہے۔ تو اُس سے منی یا نُطفہ بنتا ہے۔ پھر اس میں یہ حکمت بھی دیکھ
کہ خوراک کیسی تھی۔ اُس سے سُرخ خون بنایا۔ اور پھر سُرخ خون کو سفید منی میں
بدل دیا۔ نہ معلوم قدرت کا کونسا انگسانا اندر ہی اندر کام کر رہا ہے۔ کہ بغیر ہمارے
محسوس کئے ہوئے یہ سب کی سب حیرت انگیز تبدیلیاں ہوتی جاتی ہیں۔ اب
جب نطفہ بنتا ہے۔ اور مرد عورت کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ تو یہ نطفہ عورت
کے رحم کے اندر داخل ہو کر اُس سے تعلق پکڑتا ہے جسے علقہ کہتے ہیں۔ تھوڑا
عرصہ گزرنے پر پھر یہ علقہ مضغہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی گوشت بن جاتا
ہے۔ اب مضغہ بننے کے بعد کبھی تو بچہ پورا ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ جیسے قرآن
پاک نے غیر مخلقہ کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ اور کبھی مخلقہ یعنی پورا ہو کر مقررہ مدت کے
بعد دُنیا میں آتا ہے۔ حمل کی حالت میں وہ ماں کا خون جو ماہواری کی صورت
میں خارج ہوا کرتا تھا کھا کر بڑھتا ہے۔ پھر اس کی پیدائش بھی کم حیرت انگیز
نہیں ہوتی۔ کہ ایک ایسے مقام سے جو بچے کے جسم اور قد و قامت کے لحاظ بالکل
تنگ اور چھوٹا ہوتا ہے۔ پیدا کیا جاتا ہے۔

پھر یہ بھی تو غور کرو کہ یہ تمام انسانی جسم کا نقش و نگار کس چیز پر بنایا جاتا ہے
پانی پر۔ کیا دُنیا کا کوئی کاریگر پانی پر بھی نقش و نگار بنا سکتا ہے۔ اور پھر ایسے
اور پھر لُطف تو یہ۔ کہ یہ نقش و نگار کسی آلہ یا ہتھیار کے ذریعے سے نہیں بنائے
گئے۔ بلکہ نقاش قدرت نے آلات کے بغیر ہی بنایا ہے۔ اور پھر آلات کے
بغیر تو ٹھیک۔ نہ وہاں روشنی نہ اُجالا۔ کتنے تہ در تہ اندھیروں کے اندر بغیر
آلات کے۔ پانی پر نقش باندھے جاتے ہیں۔ اور پھر ایسے اندھیرے میں نہ خطا نہ
غلطی۔ پھر ایسا تناسب اور اندازہ کہ سبحان اللہ۔ پھر اسی ذرا سے پانی میں گوشت پوست اور
ہڈیاں پیدا کرنا۔ پھر اُس کو اندر ہی اندر زندہ بنانا۔ پھر اُن کی طبیعتوں میں اختلاف

Marfat.com

ڈالنا۔ پھر کسی کو سلطنت کے قابل بنانا تو کسی کو زراعت کے کسی کو خوبصورت بنانا تو کسی
کو بدصورت۔ پھر ۳۶۰ جوڑ بنانا۔ ان میں کوئی ٹیڑھا۔ کوئی سیدھا۔ کوئی کانٹے دار۔ کوئی پتلا۔
کوئی موٹا۔ کوئی سخت۔ کوئی لچکدار۔ اور پھر ان کو رگوں پٹھوں اور نسوں سے باندھنا۔ اور پھر وہ گوں
کی رسیاں بھی۔ کوئی گول۔ کوئی چوڑی۔ کوئی چپٹی۔ کوئی تکونی۔ کوئی پتلی۔ کوئی لمبی اور کوئی چھوٹی بنا
پھر اس انسانی مکان کے اندر اس کی صفائی اور ضرورت کے لئے ۹ کھڑکیاں رکھنا۔ دو سننے
کیلئے۔ دو دیکھنے کے لئے۔ دو سونگھنے کے لئے۔ ایک کھانے پینے بولنے اور سانس لینے کے لئے
اور دو فضلہ نکالنے کے لئے پھر اس کے جوڑوں کی مساحت جو نہایت باقاعدہ اور مضبوط ہوتی
ہے۔ اور بھی قابل توجہ ہے۔ ہر انسان کی کلائی سے لے کر انگلیوں کے سرے تک کی لمبائی
دو پستانوں کا فاصلہ، ناف اور عانہ کی دوری اور دل کے سرے سے لے کر ہنسلی تک کا بعد
ایک بالشت ہوتا ہے۔ دو کانوں کا درمیانی فاصلہ اور پاؤں کا طول سوا بالشت ہوتا ہے ناک
اور ہونٹوں کی لمبائی منہ کا طول پاؤ بالشت ہوتا ہے۔ ایک انگلی کا دوسری سے فرق۔ اور آنکھ
کی لمبائی ⅛ بالشت کے برابر ہوتی ہے۔ پھر اس کے ایک ایک جوڑ کو لے کر مستقل تشریح و غور
کرو۔ تو وہ اور بھی حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے آنکھوں کی پتلی ہی کو دیکھو۔ کہ کتنی ذرا سا چیز
ہے مگر زمین و آسمان، پہاڑ و میدان کو اپنے اندر لے لیتی ہے پھر اس کے لئے سات پردے اور
تین رطوبتوں کے خزانے بنا لئے۔ کہ ہمیشہ نرم رہے۔ اور ہر طرف پھر سکے۔ ان میں سے اگر کوئی
پردہ بھی ذرا سا خراب ہو جائے۔ تو اس قدرتی کیمرے میں فوراً فرق آجاتا ہے۔ پھر ایک یہ بات
بھی دیکھو کہ رب العزت نے آنکھ کے دونوں پٹھوں کو ماتھے پر ایک دوسرے کو قینچی کی طرح
× کاٹتا ہوا بنایا۔ اور یہ اس لئے کہ دونوں آنکھوں کی دیکھی ہوئی چیز اس مقام پر مل کر ایک
دکھائی دے۔ ورنہ دو آنکھوں کے ہونے کی وجہ سے ہر ایک چیز دو عدد دکھائی دیا کرتی۔
کو اسی قینچی کے بگاڑ سے ہر چیز دو عدد نظر آتی ہے آنکھوں پر پپوٹوں کے کواڑوں کو
ملاحظہ کرو۔ کہ خطرہ کے وقت خود بخود بند ہو کر آنکھ کو بیرونی اذیت سے بچا لیتے ہیں۔ اور

Marfat.com

اگر دروازے کھلے ہوئے ہوں تو اندر کو گرد و غبار سے بچانے کے لئے پلکیں عطا فرمائیں ماتھے اور سر وغیرہ کے میل اور پسینے سے بچانے کے لئے ان پر ابروؤں کے چھجے باندھے اور پھر اس کا دل کے ساتھ ایسا تعلق رکھا کہ ادھر کسی چیز کو دیکھا اور ادھر دل کو خبر ہو گئی۔ یہی نہیں بلکہ اپنی دیکھی ہوئی چیز کے خفیہ رنج و غم اور پوشیدہ احساسات تک بھی دل کو پہنچا دیتی ہے۔ کان کو دیکھو کیسی مناسب جگہ پر ان کو لگایا نہ آگے نہ پیچھے۔ بلکہ دائیں بائیں تاکہ چوطرفہ آواز دل کو سن سکیں پھر ان کے اندر ایسے پیچ رکھے کہ کتنی ہی تند ہوا کیوں نہ ہو جھلی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ اس کا جوش اس کے مروڑوں میں ٹھنڈا ہو جاتا ہے پھر ان کے ساتھ باہر کی طرف چھاج کی سی دیوار بنا دی۔ کہ وہ ہوا کو روک کر کان میں گھسنے کے لئے مدد دے۔ اگر یہ دیوار نہ ہوتی۔ تو ہوا کا بہت حصہ ادھر ادھر چلا جاتا اور بیرونی ہوا کان کے اندر والی ہوا کے ساتھ ٹکرا کر اچھی حرکت پیدا کرتی جس سے اندر کی ہوا بہت نرمی کے ساتھ کان کی جھلی سے ٹکراتی۔ اور اس سے ثقل سماعت کی شکایت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہتی۔ ناک کی قوت ممیزہ بھی سبحان اللہ کا ورد کرنے کے قابل ہے۔ اس کا خوشبو اور بدبو میں فرق کرنا پھر مختلف خوشبوؤں اور بدبوؤں میں سے اس کی قسم کا الگ کرنا کچھ کم حیرت انگیز نہیں پھر انسانوں کی اس قدر کثرت کہ اللہ اکبر اگر جیسے دیکھو صورت اور نقش و نگار میں دوسرے سے ممتاز اور الگ غرضیکہ جتنا اس معاملہ کو کھودتے اور کریدتے جاؤ گے۔ اتنے ہی عجائبات قدرت اور زیادہ حیران بناتے جائیں گے جس طرح دنیا کے عجائبات ختم نہیں ہوتے۔ اسی طرح انسانی جسم کے عجائبات کا ختم ہونا بھی مشکل ہے

انسان عالم صغیر ہے اور اس کا مقابلہ عالم کبیر سے

انسان کے مخزن عجائبات ہونے ہی کی وجہ سے صوفیائے کرام نے اس کو عالم صغیر یا چھوٹا جہان کہا ہے۔ کیونکہ اگر غور کیا جائے۔ تو جو کچھ اس عالم کبیر یا دنیا میں پایا جاتا

Marfat.com

ہے۔ وہ سب کچھ اس انسانی عالم میں مختصر طور پر ملتا ہے۔ مثلاً جس طرح اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ اس جہان کی حاکم ہے۔ اور اسی کے حکم سے اس جہان کا نظام چلتا ہے۔ اسی طرح اس عالم صغیر کا سب نظام روح سے متعلق ہے جس طرح اللہ تعالیٰ باوجود ہر جگہ موجود ہونے کے نظر نہیں آتا اسی طرح روح بھی سب جسم میں موجود ہونے کے باوجود کسی جگہ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح روح بھی سب جسم میں موجود ہونے کے باوجود کسی جگہ نظر نہیں آتا۔ یہ جہان یا عالم کبیر چار چیزوں سے بنا ہوا ہے۔ مٹی۔ پانی۔ ہوا اور آگ۔ پانی مٹی کے اردگرد ہے ہوا پانی پر محیط ہے اور سب کے اوپر کرۂ ناری ہے۔ اسی طرح انسانی جسم یا عالم صغیر میں انسانی ٹانگیں زمین سے متصل ہونے کی وجہ سے زمین ہیں۔ اس کے اوپر معدہ اور مثانہ پانی سے بھرا ہوا ہے اس کے اوپر سینہ ہوا کا مقام ہے۔ اور پھر اس کے اوپر سر ہے جو عقل۔ بصارت۔ ذکاوت اور حواس کا گھر ہے۔ اور یہ روشنی وحرارت میں مشابہ ہیں آگ کے۔ یا اس طرح بھی یہ چاروں چیزیں انسان کے جسم میں ثابت کی جا سکتی ہیں۔ کہ جب انسان کھجلاتا ہے۔ تو مٹی کے ذرات نکلتے ہیں۔ جب روتا ہے۔ تو پانی نکلتا ہے جب کہ دتا ہے۔ تو ہوا اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور جب غصے ہوتا ہے۔ تو آگ کے وجود کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

اس جہان میں بخارات ہوتے ہیں۔ بادل آتے ہیں۔ بارش ہوتی ہے اس میں حیوانات۔ نباتات اور جمادات پائی جاتی ہے۔ اسی طرح عالم صغیر میں آنسو۔ پیشاب تھوک اور دوسری رطوبتیں ہیں۔ گوشت اگر زمین ہے تو ہڈیاں پہاڑ پیٹ سمندر۔ انتڑیاں دریا۔ رگیں نہریں اور ڈولیں۔ جہاں بالوں کی سبزی اگی ہوئی ہے۔ وہ جگہ مزروعہ زمین کے مشابہ ہے۔ اور جہاں بال نہیں اگتے وہ بنجر کا نمونہ ہے۔ انسان کا سانس لینا ہوا کا چلنا ہے۔ اس کی بات بادل کی گرج ہے۔ اس کا ہنسنا بجلی کا کوندنا۔ اور اس کا رونا بارش کا برسنا ہے۔ اس کی خوشی دن اور غمی رات ہے اس کی

Marfat.com

نیند موت اور بیداری حیات ہے۔ اس کا بچپن فصل ربیع تو شباب بہار ہے۔ اس کی پختہ عمر فصل خریف ہے تو بڑھاپا خزاں ہے۔ اس کے اخلاق میں کبھی شیر کی سی بہادری ہوتی ہے اور کبھی گیدڑ جیسی بزدلی۔ کبھی بلّی جیسی خوشامد کرتا ہے۔ تو کبھی لومڑی جیسا مکر۔ کبھی مرغے جیسا سخی بن جاتا ہے۔ تو کبھی کتے جیسا بخیل۔ اس کے حواس خمسہ یعنی سامعہ۔ باصرہ ذائقہ۔ شامہ اور لامسہ پانچ جاسوسوں کی طرح اسے تمام مفاد و مضار سے مطلع کرتے رہتے ہیں۔ وہ تمام دنیا کے حالات کی چھان بین کر کے قوتِ متخیلہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔ قوتِ متخیلہ اپنے سردار قوتِ حافظہ کے حوالے کرتا ہے۔ اور قوتِ حافظہ شاہ عقل کا بیدار مغز وزیر ہے۔ اور یہ ظاہری و باطنی قویٰ کا سلسلہ دنیا کے بادشاہی سلسلہ کے مماثل ہے

ستم است اگر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن در آ

تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ در دل کشا بچمن در آ

دیکھئے بات کہاں سے کہاں چلی گئی ہیں تو انسانی تربیت کے دس درجے بیان کر رہا تھا جس سے سلسلہ دوسری طرف چلا گیا۔ تو خیر بیان یہ ہو رہا تھا کہ نطفہ پوری مدت کے بعد ایک نہایت تنگ مقام سے ایک نہایت حسین و جمیل بچے کی صورت میں صفحہ دنیا پر لایا جاتا ہے جس کے مختصر سے جسم میں وہ وہ عجائبات ہیں جن کا ایک ذرہ بھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ اب یہ طفل نومولود جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے۔ اسی تناسب سے دودھ کا سلسلہ بھی کم کیا جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد اس کے نرم و نازک مسوڑھوں میں سخت دانت پیدا کر کے اس کو روٹی اور سخت غذا کھانے کے قابل بنا دیا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ بتدریج دوسری قوتوں کو بھی بڑھایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بچپن سے نکل عالم جوانی میں جا پہنچتا ہے اسی درجہ کا نام قرآن پاک نے بلوغ الاشد رکھا ہے کیونکہ اس وقت اس کے تمام اعضا اور قوتیں انتہا زور اور جوش میں ہوتی ہیں۔ وہ دوسروں کی مدد سے بے نیاز ہو کر اپنے زور بازو سے کماتا ہے خود کھاتا ہے اور دوسروں کو کھلاتا ہے۔ قوتوں کے اٹھان اور خون کے ہیجان کے باعث وہ

Marfat.com

زمین پر اکڑ کر چلتا ہے۔ اور اپنے جیسا کسی دوسرے کو نہیں سمجھتا۔

حضرت علیؓ کی زبان درفشاں سے تکبر کا بہترین علاج

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ وہ انسان کیا فخر کرسکتا ہے جو تین دفعہ پیشاب کے نجس مقام سے نکل چکا ہو۔ دوستوں نے پوچھا حضرت وہ کیسے؟ فرمایا ایک دفعہ وہ باپ کی پاٹیھ سے چل کر اس کے پیشاب کے مقام سے نکل کر ماں کے پیشاب کے مقام میں سے ہوتا ہوا رحم میں داخل ہوتا ہے۔ اور تیسری دفعہ جب پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر وہی مقام اس کا مخرج اور مصدر بنتا ہے۔ اس لئے ہر جوان کو جبکہ وہ تکبر غرور کی مرض میں مبتلا ہو جائے۔ تو اپنی اصل کو یاد کرکے اس نامراد مرض کا ازالہ کرے۔ نامراد اس لئے کہ:۔

تکبر عزازیل را خوار کرد   بزندان لعنت گرفتار کرد

اسے یاد کرنا چاہیے کہ میرا یہ متکبر وجود تو وہ ہے۔ جو ایک قطرہ منی سے بنا۔ تین دفعہ غلیظ مقام سے نکالا گیا۔ حالات حمل میں نو مہینے تک حیض کا خون کھایا اس یاد و تدبیر سے انشاء اللہ تکبر کا بھوت اتر جائیگا۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا۔ اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا یعنی زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل کیونکہ تو زمین کو پھاڑ ڈالیگا اور نہ طول میں پہاڑوں کو پہنچ سکیگا۔ کسی عربی شاعر نے کہا ہے۔

ولا تمش فی الارض الا تواضعا   فکم تحتھا قوم ھم منک ارفع
فان کنت فی عز وحرز ومنعة   فکم مات من قوم ھم منک امنع

تو مطلب یہ ہے کہ جب جوانی کا سورج عین نصف النہار پر ہوتا ہے۔ تو اسکی حرارت و گرمی بہت تیز ہوتی ہے اور اسمیں انسان وہ کچھ کر بیٹھتا ہے۔ جو اسے نہ کرنا چاہیئے تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد آفتاب جوانی ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر بڑھاپے کی عصر آجاتی ہے جسمیں جوانی کے سورج کی شعاعیں بالکل پھیکی اور ماند پڑجاتی ہیں۔ اور یہی زمانہ شیخوخت کا ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں جوانی

Marfat.com

کے کمال کا ردعمل شروع ہوجاتا ہے۔ روز بروز قویٰ میں انحطاط اور زوال آنا شروع ہوجاتا ہے کرتے کرتے یہ تنزل کی حالت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان پھر ایک بچہ کی طرح ہوجاتا ہے۔ سب کچھ حاصل کیا ہوا پھر نسیاً منسیا ہوجاتا ہے۔ یہ زمانہ بھی کچھ ہی عرصہ تک رہتا ہے اس کے بعد جلدی ہی یہ سورج بالکل غروب ہوجاتا ہے اور اندھیری رات کا سماں بن جاتا ہے اسی کو قرآن پاک نے وفات کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا تربیت انسانی کے علم پر انطباق

دیکھا قرآن پاک نے کس طرح منی کے ابتدائی نقطہ سے لے کر وفات کے آخری نقطہ تک دو سطروں میں جامع و مانع الفاظ میں سب کچھ بیان کر دیا اور پھر میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ وقت موضوع کو مدنظر رکھ کر نہایت ہی مختصر بیان کیا ہے۔ اگر صرف انسانی جسم کے عجائب غرائب کو تفصیل سے بیان کیا جائے۔ تو ایک طویل عرصہ کی ضرورت ہے حقیقت تو یہ ہے کہ انسان قدرت کا ایک عجوبہ اور اس کے رازوں کا ایک مقفل صندوق ہے کسی شاعر نے کہا ہے

نظر سوئے خود کن کہ تو جانِ دلربائی — مفگن بخاک خود را کہ تو روح جانفزائی
تو ز چشم خود نہانی۔ تو کمال خود چہ دانی — چو دُر از صدف برون آ کہ تو از نابند جائی

فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اپنی طرف نظر کر کیونکہ تو ہی دلربا ہے۔ اور اپنے آپ کو ذلیل نہ کر کیونکہ تو روح جانفزا ہے چونکہ تو اپنے آپ سے چھپا ہوا ہے۔ اس لئے تجھے اپنے اندرونی کمال کی خبر نہیں۔ تجھے چاہئے کہ سیپ سے موتی کی طرح باہر نکل۔ اور اس جہالت نفس کو دور پھینک کر عرفان نفسی کا مادہ پیدا کر کیونکہ تو نہایت بلند مقام سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی واسطے حضور پُر نور فرماتے ہیں۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ یعنی جو اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے اور اپنے پوشیدہ کمالات پر مطلع ہوجاتا ہے۔ اور نفس کے سربستہ صندوق کو کھول کر عرفان و معرفت کو حاصل کر لیتا ہے۔ تو وہ اس اطلاع نفس کے بعد اپنے ربّ اپنے مالک و خالق کو بھی پہچان جاتا ہے

Marfat.com

تسمیہ کا الرحمٰن الرحیم فاتحہ کے الرحمٰن الرحیم سے الگ ہے

الرحمٰن الرحیم یعنی جو نہایت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس کا مفصل بیان تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہو چکا ہے۔ مگر پھر بھی اس وقت نئے طور پر کچھ مختصراً بیان کرتا ہوں۔ اور اگر سچ پوچھو تو یہ کچھ نیا بیان نہ ہوگا بلکہ ایک دوسری چیز کا دوسرا بیان ہوگا کیونکہ سورہ فاتحہ کے الرحمٰن الرحیم کا بسم اللہ کے الرحمٰن الرحیم سے بہت فرق ہے۔ اور اگر فرق نہ ہوتا۔ تو پھر تو محض تکرار بلا فائدہ تھا اور تکرار بلا فائدہ کلام خداوندی کے ساتھ کیسے مناسب اور زیبا ہے

رحمت کا معنی اور اس کی اقسام

لیکن اس سے پہلے کہ میں تسمیہ کے الرحمٰن الرحیم اور فاتحہ کے الرحمٰن الرحیم کا فرق بیان کروں۔ یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو رحمت کا معنی اور اقسام بھی بتا دوں۔ کیونکہ اس کے معنی اور نام معلوم کر لینے کے بعد آپ آیندہ فرق کو بلا تکلیف سمجھ سکیں گے۔ رحمت لغت میں رقت قلب اور دل کے میلان کو کہتے ہیں۔ مگر چونکہ ذات باری قلب اور رقت جیسے الفاظ کے تعلق سے پاک ہے اس واسطے یہ سمجھ لیجئے۔ کہ جب ایسے لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کئے جائیں۔ تو ان سے مراد ان الفاظ کی غایت اور مقصود ہوتا ہے۔ جیسے رحمت کا مقصود اور غایت احسان اور مہربانی ہے۔ تو رحمت الٰہی سے مراد اللہ تعالیٰ کا احسان کرنا اور کسی مخلوق پر مہربان ہونا ہے۔ اور رب العزت کا یہ احسان کبھی تو ایصال خیر کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی دفع شر کی شکل میں۔

اب رحمت کے معنی اور اللہ جل شانہ کی طرف منسوب ہونے کا مطلب سمجھنے کے بعد یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت دو قسم کی ہے ایک ذاتی اور دوسرے صفاتی۔ پھر یہ دونوں رحمتیں یعنی ذاتی اور صفاتی ہر ایک اپنی جگہ پر دو دو قسم ہے۔ ایک عام اور ایک خاص۔ تو گویا رحمت خداوندی کی چار قسمیں ہوئیں

ذاتی عام ذاتی خاص صفاتی عام صفاتی خاص۔ اب ذاتی عام وہ رحمت ہے کہ جس سے عالم مخلوقات کے وجود موجود ہوئے۔ اور اُن کی ذات عدم سے ظہور میں آئی۔ ذاتی خاص وہ رحمت ہے کہ جس سے بعض مخلوقات کے وجود کو باری تعالیٰ نوازتے ہیں۔ اور اپنی ولایت کا معزز درجہ عطا فرماتے ہیں صفاتی عام وہ رحمت ہے کہ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر موجود کو اُسکی ضرورت کے مطابق چیزیں عطا فرمائی ہیں۔ اور صفاتی خاص وہ رحمت ہے کہ جس کے سبب سے ہر موجود کو کچھ ایسی چیز یا چیزیں عنایت فرمائی ہیں کہ جس کی وجہ سے وہ باقی موجودات سے ممتاز اور ممیز ہے۔

تسمیہ اور فاتحہ کے الرحمٰن الرحیم میں کیا فرق ہے؟

اب اس تمام بیان کو سمجھ لینے کے بعد آپ کو کوئی دقت یا شبہ نہ رہیگا۔ کہ تسمیہ کا الرحمٰن الرحیم فاتحہ کے الرحمٰن الرحیم سے الگ ہے کیونکہ تسمیہ میں الرحمٰن الرحیم کا ذکر اللہ کے بعد ہے اور اللہ اسم ذات ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اسم ذات کے ساتھ رحمت ذاتی کا ہی تعلق ہوتا ہے۔ مگر فاتحہ میں الرحمٰن الرحیم رب العلمین کے بعد آیا ہے۔ اور رب العلمین اسم صفاتی ہے۔ اس واسطے اسم صفاتی کی متعلقہ رحمت بھی صفاتی ہی ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ تسمیہ کا الرحمٰن الرحیم ذاتی رحمت پر دلالت کرتا ہے۔ اور فاتحہ کا الرحمٰن الرحیم صفاتی رحمت کے متعلق ہے۔ اس واسطے دونوں الرحمٰن الرحیم میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور اس کا تکرار بلا فائدہ نہیں۔ بلکہ عین حکمت سے بھرا ہوا ہے۔

تسمیہ فاتحہ کا جزو نہیں

اس کے علاوہ اس تکرار میں یہ فائدہ بھی ہے۔ کہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ فاتحہ کا جزو نہیں جیسا کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا قول ہے بلکہ امام اعظمؒ کے قول کے مطابق بسم اللہ الگ ہے سورہ فاتحہ سے۔ اگر

Marfat.com

جزو فاتحہ ہوتی اور پہلے فرق کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تو پھر یہ اعادہ بلا ضرورت ہو جاتا ہے۔

اسلام کی بنیاد رحمتِ خداوندی پر ہے

ساتھ ہی تکرار سے یہ فائدہ بھی ہے۔ کہ قرآن پاک پڑھنے والے کو معلوم ہوتا رہے۔ کہ مذہب اسلام کی بنیاد زیادہ تر رحمتِ خداوندی پر ہے۔ وہ بے مثال ہستی بار بار انسان کو اپنی رحمت کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ کہ اے انسان تو گناہوں کے ارتکاب سے۔ عبادات کے نقصان سے میرے احسان و انعام سے مایوس نہ ہو بلکہ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ پر نظر کر کے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ کا مصداق بن۔ دیکھ میری رحمت تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اس واسطے تو میری رحمت سے ناامید نہ ہو۔ بلکہ اپنے کئے پر نادم ہو کر میرے دربار میں جھک۔ گزشتہ کو چھوڑ کر آیندہ کو سنبھل جا۔ تو میں تیری تمام گناہوں اور قصوروں کی آلودگی کو دریائے رحمت سے صاف کروا دونگا شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ — گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

فرماتے ہیں۔ اے انسان اگرچہ تو کافر۔ گبر یا آتش پرست ہی کیوں نہ ہو سچے دل سے توبہ کر کے اپنے کئے سے باز آجا۔ تو تو ہماری رحمت کا مستحق ہو جائیگا۔ کیونکہ ہماری سرکار میں نا امیدی اور مایوسی کا کوئی گذر نہیں۔ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ اگرچہ تو نے سو بار توبہ کیوں نہ توڑی ہو۔ باز آجا۔ ہم تجھے معاف کرینگے۔

انسان کیا اور اُس کی عبادت کیا

اور سچ پوچھو تو انسان کیا ہوگا۔ اور اس کی عبادت اور اس کا ذکر و شکر کیا ہوگا۔ انسان ہزار کوشش کرے۔ مگر وہ حقِ عبادت کو کبھی بھی ادا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ رب العزت

Marfat.com

کے اُس پر اس قدر انعام اور احسان ہیں۔ کہ اُن کا شمار و احاطہ انسان کی طاقت سے باہر
وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا کسی نے کہا ہے۔

لو عشت الف عام فی سجدہ لربی　　شکر الفضل یوم۔ لم اقض بالتمام

والعام الف شھر والشھر الف یوما　　والیوم الف حین والحین الف عام

یعنی اگر میں رب العزت کے ایک دن کے انعامات کے شکر کو ادا کرنے کے لئے ہزار سال تک سجدہ میں پڑا رہوں تو ایک دن کے احسانات کا شکر یہ بھی پوری طور پر ادا نہ ہوگا۔ اور ہزار سال یہ دنیوی معمولی سال نہیں۔ بلکہ ایک سال ہزار مہینے کا ہو۔ اور ہر مہینہ ہزار دن کا ہو اور دن ہزار گھڑی اور ہر گھڑی ہزار سال کی تو بھی اس کے حق شکر کو پوری طرح سے ادا کر سکنا قطعاً محال ہے ہاں اتنا ہو سکتا ہے۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کرتا جائے۔ اور اپنے افعال کی ابتدا اثنا اور انتہا پر اللہ تعالیٰ سے اُس کی رحمت کا طلبگار رہے۔ باری تعالیٰ اپنی کرم سے اُس کے افعال کے نقائص و عیوب کو اپنی رحمت کی چادر سے ضرور ڈھانک دینگے

حمد ربی اور رحمت خداوندی لازم و ملزوم ہیں

اس الرحمٰن الرحیم کو یہاں لا کر اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک نہایت لطیف اور پاکیزہ سبق سکھایا اور وہ سبق یہ ہے کہ رب العزت کی حمد و ثنا کرنے سے اُس کی رحمت لازم و ملزوم کی حیثیت سے بندے کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے الحمد للہ رب العلمین میں حمد ربی کو بیان کرنے کے بعد الرحمٰن الرحیم کو لایا گیا۔

دیکھئے جب آدم کا قالب بنا کر روح کو اُن کے قالب میں پھونکا گیا۔ تو آپ کی روح جب دماغ میں پہنچی تو آپ کو چھینک آئی چھینک کے آنے پر آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ باری تعالیٰ نے آدمؑ کی اس الحمد للہ کا جواب یرحمک کے الفاظ میں عنایت فرمایا کہ اے آدم آپ پر میری رحمت ہو۔ اور پھر رحمت کیسی ہوئی جنت کی نعمتوں سے نوازے گئے

Marfat.com

خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے دنیا میں بھیجے گئے۔ صفی اللہ کے مقدس خطاب سے مشرف کئے گئے۔ اور کروڑوں انبیاء علماء صلحا اور اولیاء کے باپ ہونے کا فخر عطا کیا گیا۔ اسی لئے آپ کی اولاد میں بھی آج تک یہی سلسلہ چل رہا ہے۔ کہ جب کوئی چھینک مار کر الحمد للہ کہتا ہے۔ تو سامع یرحمک اللہ کے الفاظ میں جواب دیتا ہے جس سے ظاہر ہے۔ کہ الحمد للہ یعنی خدا کی تعریف و توصیف کرنے والے کا بدلہ لازمی طور پر رحمت خداوندی ہے اس لئے یہاں بھی جب نمازی نے الحمد للہ کے الفاظ منہ سے نکالے۔ تو الرحمٰن الرحیم کہلا کر دنیوی و اخروی رحمت کا وعدہ کر دیا گیا۔ کیونکہ اس مقام پر اپنی تعریف ان الفاظ میں فرمانے کا صاف مطلب یہی ہے۔ کہ حامد ان اسماء کی صفات کا مستحق ہو رہا ہے۔

اللہ کی تربیت رحمٰن و رحیم سے مرکب ہے

اور ان دونوں کی رحمت کے الگ الگ ہونے کی دلیل

الحمد للہ میں اللہ جل شانہ نے دعوےٰ فرمایا تھا۔ کہ تمام کی تمام صفتیں میری ہی ذات کے لئے مختص ہیں۔ اس کے بعد اس دعوےٰ کی دلیل رب العلمین بیان فرمائی۔ اب رب العلمین کی تشریح فرماتے ہیں۔ کہ تربیت ہم کس طرح کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کہ ہماری تربیت رحمٰن اور رحیم سے مرکب ہے۔ اور یہ تو بیان کر ہی چکا ہوں۔ کہ رحمٰن کا تعلق دنیا سے ہے۔ اور رحیم کا تعلق آخرت سے۔ سابقہ بیان کے علاوہ یہاں پر سورہ فاتحہ کے محض الفاظ پر غور کرنے سے رحمٰن و رحیم کی رحمت کا فرق فوراً ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ رحمٰن کے پہلے رب العلمین آیا ہے۔ اور ربوبیت کا اوّلین تعلق دنیا سے ہے۔ اس واسطے رحمت رحمانی کا تعلق بھی دنیا سے ہے۔ اور رحیم کے بعد مالک یوم الدین آتا ہے۔ اور یوم دین آخرت کا دوسرا نام ہے۔ تو گویا بتا دیا۔ کہ رحمت رحیمی کا تعلق یوم آخرت سے ہے۔

Marfat.com

تو اب اس فرق کو سمجھنے کے بعد آپ کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ الرحمن الرحیم فرما کر اپنی تربیت کی یوں تشریح فرماتے ہیں کہ اے لوگو میں ہی تم کو دنیا میں تمہاری ضروریات عطا کرتا ہوں جس سے تم بڑھتے اور پھلتے پھولتے ہو۔ اور میں ہی ہر شخص کو آخرت میں اس کے اعمال اور استعمال دنیا کے مطابق بدلہ دونگا اور یہ دونوں صفتیں تربیت عالم میں کیوں داخل فرمائیں۔ اس کی وضاحت میں ایک مثال دے کر بیان کرتا ہوں۔

رحمٰن اور رحیم کی صفتوں کو تربیت عالم میں داخل کرنے کی وجہ

دیکھئے بچہ جس وقت پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ دنیا میں آکر دو تربیتوں کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک عام اور دوسری خاص۔ عام رحمت تو باپ کی طرف سے ہوتی ہے کہ بچے کے کھانے پینے اور ضروریات یومیہ کے علاوہ اس کو قابل اور لائق بنانے کی بھی فکر کرتا ہے۔ وہ اس کے لئے ایسے بندوبست کرتا ہے کہ جس سے اس کی آئندہ زندگی سدھر جائے۔ اور ایسے امور عامہ کلیہ اس کے ذہن میں جزوی امور مثل کپڑے۔ خوراک وغیرہ کے زیادہ قابل توجہ ہوتے ہیں۔ مگر ماں اگرچہ وہ بھی ان امور عامہ کا لحاظ تو کرتی ہے۔ مگر باپ جتنا نہیں ہاں وہ زیادہ تر اس کے امور جزئیہ کا خیال رکھتی ہے۔ بچے کے کھانے پینے لباس اور جوتے وغیرہ کا خیال اسے باپ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر یہ دونوں جزئیہ وکلیہ رحمتیں نہ ہوتیں۔ تو بچے کی تربیت میں ضرور نقص رہ جاتا۔ اسی واسطے یتیم بچے عموماً امور کلیہ سے محروم رہ جاتے ہیں۔ مگر یسیر بچوں کو امور جزئیہ کی تکلیفوں میں مبتلا دیکھا جاتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی رحمت رحمانی بھی مخلوقات کے امور کلیہ اور عام ضرورتوں کا لحاظ رکھتی ہے۔ اور رحمت رحیمی کا کام امور جزئیہ اور خاص خاص کاموں کا خیال رکھنا ہے تا کہ انسان کی تربیت جزئی اور کلی ہر دو امور میں پوری پوری ہو۔ اور کسی قسم کی کمی نہ رہے۔

Marfat.com

ہر بڑے و چھوٹے کام میں خدا ہی کا دروازہ کھٹکھٹاؤ۔ اور حکایت اس کا تقابل دنیوی سلاطین سے

رب العزت نے رب العالمین کے بعد یہ صفتیں بیان فرما کر انسان کو ایک یہ سبق بھی سکھایا۔ کہ اے ابن آدم تو چھوٹے اور بڑے ہر ایک کام میں میرا ہی دروازہ کھٹکھٹا۔ کیونکہ اگر صفت رحمن کے بعد صفت رحیم کو بیان نہ فرماتے۔ تو شاید انسان بڑے بڑے کاموں میں تو اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر سر نیاز جھکاتا۔ تو چھوٹے چھوٹے کاموں کو ذات خداوندی کی شان عالیشان کے لائق نہ سمجھ کر کسی اور طرف سر ٹکراتا۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ کسی شخص نے ایک جلیل القدر بادشاہ سے ایک پیسہ کا سوال کیا اس پر بادشاہ نے کہا۔ کہ تو نے یہ سوال میری شان کے مطابق نہ کیا۔ اس لئے تیرا سوال رد کیا جاتا ہے۔ پھر اس نے کہا اچھا اگر آپ اپنی شان کے مطابق مجھ سے سوال کروانا چاہتے ہیں۔ تو مجھے سو گاؤں عنایت فرما دیجئے بادشاہ نے کہا کہ اگرچہ تو نے یہ سوال میری شان کے مطابق کیا ہے۔ مگر اس میں تو نے اپنی شان کا خیال نہیں رکھا اس واسطے یہ بھی پورا نہیں کیا جا سکتا ؎

اللہ جل شانہ رحمن اور رحیم دو الفاظ لا کر ہدایت فرما رہے ہیں کہ یہاں دنیوی بادشاہوں کی طرح شان کا سوال نہیں۔ بلکہ ہر چھوٹا بڑا سوال مجھ ہی سے کرو۔ اور قرآن پاک میں بھی ارشاد فرمایا۔ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ یعنی اے میرے حبیب جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں۔ تو آپ فرما دیجئے۔ کہ میں تو قریب ہوں۔ اور ہر ایک دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں۔ شیخ شیراز فرماتے ہیں ؎

محال است اگر سر بریں در نہی	کہ باز آیدت دست حاجت تہی

یعنی محال اور ناممکن ہے۔ کہ کوئی اس دروازہ پر آکر ہاتھ لمبا کرے۔ اور پھر اس کے

Marfat.com

ہاتھ کو خالی لوٹایا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے رب العلمین کے بعد یہ دو صفتیں اس لئے بیان فرمائیں تاکہ انسان ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں اُس سے سوال کرے حتی شراك نعلك و ملح قدرك یعنی یہاں تک کہ جوتی کا تسمہ اور ہانڈی کا نمک بھی اگر ضرورت ہو تو اللہ جل شانہ سے مانگے۔

رحمت خداوندی اور ضرورت انسانی کا تعلق

اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی قربان ہونے کے قابل ہے۔ کیونکہ جس چیز کی انسان کو زیادہ ضرورت ہے۔ وہ بالکل بلا تکلیف دے رہا ہے۔ اور جس کی کم ضرورت ہے۔ وہ ضرورت کے فرق کے مطابق محنت کے ساتھ متعلق فرما دی ہے مثلاً انسان ہوا کے بغیر ایک دو منٹ تک مشکل زندہ رہ سکتا ہے۔ اور اس کی ہر جاندار کو اس قدر ضرورت ہے کہ اسکی غیر حاضری میں تھوڑے ہی عرصہ میں دُنیا کا نظام تباہ و برباد ہو جائے مگر رحمتِ خداوندی تو دیکھو کہ ہوا کو اس قدر سستا اور سہل الحصول بنا دیا ہے۔ کہ نہ اس پر پیسہ پائی خرچ کرنے کی ضرورت اور نہ اس کے اندر لے جانے اور باہر نکالنے کا فکر نہ اس کی کمی کا ڈر اور نہ اس کی زیادتی کا خوف کسی سے باتیں کرو سوؤ یا جاگو۔ اُٹھو یا بیٹھو۔ ہر حالت میں خود بخود قدرتی طور پر اندر جا آ رہی ہے۔ نہ قیمت اور نہ تکلیف۔ ہوا کے دوسرے درجے پر پانی ہے۔ چونکہ پانی کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ہوا کی ہے۔ بلکہ اس کے بغیر انسان دنوں زندہ رہ سکتا ہے۔ اس واسطے اسے بھی اگرچہ سہل الحصول اور عام تو بنایا۔ مگر اس کی ضرورت دوسرے درجے کی ہونے کے باعث ساتھ ہی انسان کی محنت کا تعلق بھی رکھ دیا یعنی کنوئیں کھودو یا چل کر لے آؤ اور پھر پینے میں بھی کچھ محنت صرف کرو۔ ہوا سے تیسرے اور پانی سے دوسرے درجہ پر طعام ہے۔ اسکی کمی ضرورت کے باعث اسمیں اور زیادہ محنت خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اس کے واسطے ہل چلاتے ہیں بیج بوتے ہیں فصل کاٹتے ہیں۔ صاف کرکے پیستے ہیں پھر پکاتے ہیں تب

Marfat.com

کہیں جا کر کھانے کی نوبت آتی ہے سب سے آخری رجہ مال و دولت و زر و جواہر کا ہے چونکہ انسان کا ان کے بغیر بھی گزارہ ہو سکتا ہے اس واسطے ان کے حصول میں طرح طرح کی مشکلات رکھ دی گئیں انسان انکے پیچھے کہاں سے کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔ موتی کے نکالنے میں کبھی دریا برد ہو جاتا ہے۔ تو کبھی مچھلی کا نوالہ بن جاتا ہے ہیروں کیلئے کانوں کے اندر گھستا ہے اور بعض دفعہ اس کشمکش میں جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ غرضیکہ اس تمام تقریر سے یہ بات پوری واضح ہو گئی کہ رب العزت نے اُس چیز کو نہایت ہی سہل الحصول بنایا ہے۔ جو انسانی زندگی کیلئے نہایت ضروری اور اہم ہے۔ اور وہ چیز جس کے بغیر انسان گزارہ کر سکتا ہے اُسکے حصول میں تکلیف کے مختلف مدارج رکھ دیئے ہیں۔ جہاں ضرورت زیادہ ہے وہاں تکلیف کم اور جہاں ضرورت کم ہے وہاں تکلیف زیادہ۔ مگر انسانوں کا یہ حال نہیں۔ وہ تو جس چیز کی زیادہ کھپت اور زیادہ ضرورت ہو اُسے بہت ہی مہنگا اور گراں کر دیتے ہیں۔ اور جس چیز کی کم ضرورت ہو اُسے سستا اور ارزاں کر دیتے ہیں۔ مثلاً آج اگر کسی بیوپاری کے پاس گیہوں کا ایک بڑا گدام ہو اور اس علاقہ میں قحط پڑ جائے۔ تو وہ تاجر لوگوں کی ضرورت کو دیکھ کر اس گیہوں کی کئی گنی قیمت کر دیگا۔ مگر اللہ جل شانہ تو مربی اور کریم ہیں۔ وہ تو ضروری کو زیادہ سستا اور عام بناتے ہیں۔

الحمد للہ کی رب العلمین الرحمن الرحیم بھی دلیل بن سکتے ہیں اور اسکی تشریح

اور الرحمن الرحیم کو رب العلمین کی تشریح نہ مانا جائے۔ تو ان دونوں الفاظ کو رب العلمین کی طرح الحمد للہ کی دلیل بھی ٹھہرا سکتے ہیں یعنی الحمد للہ میں جو باریتعالیٰ نے اختصاص کا دعوےٰ فرمایا ہے اسکی ایک دلیل تو رب العلمین ہے اب الرحمن الرحیم بھی رب العلمین کے ساتھ ملا کر رب العلمین الرحمن الرحیم سب کو اُس دعوے کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ انسان دنیا میں تین شخصوں کی تعریف کرتا ہے۔ ایک تو وہ جس نے اس کے ساتھ گذرے ہوئے زمانے میں مہربانی کی ہو دوسرا وہ جو اسکے ساتھ فی الحال احسان کر رہا ہو تیسرا وہ جس سے اسے آیندہ نوازش کی امید ہو

Marfat.com

تو اللہ جل شانہ نے رب العلمین میں تو نعمائے ماضیہ اور گذشتہ احسانات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ میں نے تجھے پیدا کیا پالا بڑا کیا۔ تجھے تیرے سب ضروریات سے نوازا تیرے متناسب اعضا تیرے قد قامت اور تیرا عقل و فکر سب کچھ میرا رہین منت ہے۔ پھر الرحمن فرمایا یعنی فی الحال بھی میں ہی تیری ضروریات کا کفیل ہوں ہر ایک چیز تجھے میری ہی طرف سے دی جاتی ہے۔ پھر فرمایا الرحیم یعنی زمانہ مستقبل میں کہ زمانہ آخرت ہے میری ہی رحمت سے تیری نیا پار لگیگی میں ہی تیرے گناہوں کو معاف کر کے تجھے جنت میں داخل کرونگا۔ اور آخرت کی سب نعمتیں میری ہی عطا کردہ ہیں۔ اور چونکہ انہی تین قسم کی نعمتوں کا اعطا استحقاق حمد کو پیدا کرتا ہے۔ اسلئے دنیا کی ہر ہر حمد میرے ہی ذات والاصفات کے لئے مختص ہے۔

رحمت خداوندی پر اعتراض اور اس کا جواب

اعتراض۔ اگر اللہ جل شانہ رحمٰن ہیں اور آپ کی رحمت سے ہر ایک مخلوق پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہے۔ تو پھر یہ بیماریاں تکلیفیں مفلسی او محتاجی وغیرہ دنیا میں کیوں پائی جاتی ہے۔

جواب۔ اس شبہ کا جواب دینے سے پہلے ایک اور بات آپ کے ذہن نشین کرنی مناسب سمجھتا ہوں۔ اس کے سمجھنے سے یہ شبہ خود بخود زائل ہو جائیگا۔

آپ غور کرینگے تو دنیا میں ہم کو جس قدر چیزیں ملتی ہیں۔ وہ بڑی بڑی چار قسموں پر منقسم ہوتی ہیں۔

(۱) وہ چیزیں جو ہمارے لئے ضروری بھی ہیں اور نافع بھی مثلاً ہوا کہ ضروری بھی ہے اور نافع بھی اس کے بغیر انسان چند لمحوں کا مہمان ہوتا ہے۔

(۲) وہ چیزیں جو ہمارے لئے ضروری تو ہیں مگر نافع نہیں مثلاً مرضیں۔ تکلیفیں۔ آفتیں۔ کہ ضرور ہر انسان پر آتی ہیں۔ مگر نافع نہیں بلکہ تکلیف دہ ہیں۔

(۳) وہ چیزیں جو ہمارے لئے ضروری تو نہیں مگر نافع ہیں مثلاً مال اسباب۔ دھن دولت۔ کہ ضروری تو نہیں۔ کیونکہ انسان اس کے بغیر بھی گزارہ کر سکتا ہے

Marfat.com

(۴) وہ چیزیں جو ہمارے لئے نہ ضروری ہیں اور نہ نافع مثلاً فقیری اور محتاجی کہ نہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر کام نہ چلے اور نہ نافع ہے بلکہ سوچو تو اس سے تکلیف اور نقصان ہے
اس تفصیل کو سمجھنے کے بعد معلوم ہو کہ جو چیزیں مخلوقات کے لئے ضروری اور نافع ہیں وہ تو بالکل عام ہیں اور ان سے ہر ایک شخص کو پورا پورا حصہ دیا گیا ہے۔ مگر وہ چیزیں جن میں ضرورت اور نفع بیک وقت جمع نہیں ہوتے۔ بلکہ بعض نفع دیتی ہیں تو ضروری نہیں اور بعض ضروری ہیں تو نفع نہیں دیتیں اور بعض نہ ضروری ہیں نہ نافع۔ تو ایسی چیزوں کے دینے میں صفت رحمانی کی رحمت اضافی طور پر اثر دکھاتی ہے یعنی کسی کو کم اور کسی کو زیادہ اور یہ کم و بیش دینا بجائے خود ایک رحمت ہے۔ اگر یہ رحمت نہ ہوتی بلکہ نعوذ باللہ زحمت ہوتی۔ تو رب العزت کے لیے دعوائے رحمانیت کسی طرح زیبا نہ تھا مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست　　صد درستی در شکست خضر ہست

یعنی دیکھو کہ ظاہر میں خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑا تھا اور آپ کا یہ کام ہماری عقل میں اچھا نظر نہیں آتا مگر حقیقت میں آپ کا یہ کام حکمت اور دور اندیشی پر مبنی تھا۔ اور یہ کشتی کو برباد کرنے کیلئے نہ تھا۔ بلکہ اسی میں کشتی کی حفاظت اور بچاؤ کا راز پوشیدہ تھا جیسا کہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَکَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا یعنی خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے کشتی توڑنے کی وجہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ کشتی مسکینوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کیا کرتے تھے۔ تو میں نے چاہا کہ اسے عیبدار کر دوں۔ کیونکہ دوسری طرف ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا۔

تو گویا اگرچہ ظاہر میں توڑنا اور برباد کرنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں ان مسکینوں کے فائدے کے لئے تھا۔ اسی طرح یہ بیماریاں دکھ تکلیفیں اگرچہ بادی النظر میں زحمت معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقیقت میں اگر غور کیا جائے تو یہ بھی باری تعالیٰ کی رحمت و رافت ہے۔

Marfat.com

اور اس سب کی تفصیل یوں ہے کہ دنیا میں اگر غنا کے مقابل میں محتاجی نہ ہوتی تو کوئی کسی کا ملازم کیوں ہوتا۔ کوئی کسی کی اطاعت اور فرمانبرداری کس لئے کرتا۔ بادشاہ کے پاس لشکر کہاں سے آتا۔ امراء خدمتگار کہاں سے حاصل کرتے۔ اور اگر دوسرے کی طرف دنیوی احتیاج نہ ہوتی۔ تو دنیا کا نظام کیسے قائم رہتا۔ اور پھر خدا کو بھی کون جانتا۔ اگر بیماری نہ ہوتی تو اطبا کو کون پوچھتا۔ عطاروں اور دواسازوں کی کیا قدر ہوتی۔ کتنے بڑے بڑے مالدار ہیں کہ مفلس طبیبوں کے دروازوں پر پڑے ہیں۔ اور کتنے صحت ور اور تنومند سپاہی بیمار بادشاہ کی چاکری کر رہے ہیں۔ کتنے ہی مفلس فقیر بادشاہوں سے زیادہ آرام کے ساتھ پڑے ہوئے ہیں۔

کتنے ہی امیر اُن کے آرام و آسائش پر رشک کرتے ہیں۔ بادشاہ کی مرض اگرچہ اس کے لئے تکلیف ہے۔ مگر طبیب کے حق میں رحمت۔ سپاہی کی محتاجی اگرچہ اس کیلئے مصیبت ہے۔ مگر بادشاہ کے حق میں رحمت۔ تو اسی طرح پچھلی تین چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے رحمت اضافی کی صورت میں تقسیم فرمایا جس سے اس سارے جہان کا انتظام اور آبادی ہے۔ اگر وہ رحمت بھی پہلی ضروری اور نافع رحمت کی طرح عام ہوتی تو پھر یہی رحمت دنیا کی بربادی اور خرابی کا باعث بن کر زحمت ہو جاتی۔ تو یہ شخصی تکلیف یا انفرادی احتیاج بھی حقیقت میں رحمت ہے۔ اور اسی واسطے وہ بے نیاز ہستی رحمٰن الدنیا کہلائے جانے کی مستحق ہے۔

تو چہ دانی کہ دریں کار خداوند خطاست   زانکہ او ہر چہ کند عین ثواب است

بالشوزم سرمایہ داری کو مٹانے کا غلط علاج ہے

شبہ۔ ہاں یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہ تفاوت اور فرق جو ظاہراً ایک شخص کے لئے دُکھ درد تکلیف معلوم ہوتا ہے۔ اگر حقیقت میں رحمت ہی ہوتا۔ تو پھر روس جیسے ملکوں میں اس فرق کو دور کرنے کی کیوں کوشش کی جاتی ہے۔ وہاں پر اسی فرق کو مٹانے کے لئے بالشوزم

Marfat.com

کی تحریک کو جاری کیا گیا ہے۔ تاکہ موجودہ بے چینی اور تکلیف کو جو سرمایہ داری کی وجہ سے پھیلی ہوئی ہے مٹا کر امیر و غریب کو برابر کر دیا جائے۔ جب لوگوں میں مالی تفاوت نہ رہیگا تو زمانہ موجودہ کی کشمکش اور بے اطمینانی کا بھی خاتمہ ہو جائیگا۔

جواب۔ اگر سوچیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ انسانوں کا یہ ظاہری فرق رب العزت کی طرف سے مقررہ شدہ ہے۔ اور اس فرق کے من جانب اللہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کوئی انسانی ہاتھ یا طاقت اس فرق کو نہیں مٹا سکتے۔ انسان لاکھ کوشش کرے مگر یہ فرق ضرور ہی رہیگا۔ اور اس فرق کے رحمت ہونے کی یہ دلیل ہے۔ کہ اگر اس فرق کو کوشش کر کے کسی حد تک دور بھی کیا جائے۔ تو انجام کار وہ ملک اور وہ قوم تباہ ہو جائیگی۔

تفصیل۔ اگر دنیا کے انسانوں کا فرق صرف مال و دولت ہی تک محدود ہوتا۔ تو یہ ممکن تھا۔ کہ بالشوزم کی تحریک اس فرق کو مٹا کر اس بے چینی کا خاتمہ کر سکتی مگر یہاں تو مال و دولت کے فرق کے علاوہ اور ہزاروں ایسے فرق ہیں۔ کہ اُن کا مٹانا کسی انسانی ہاتھ سے ممکن نہیں۔ اور جب تک وہ فرق نہ مٹائے جائیں موجودہ کشمکش ضرور ہی رہیگی مثلاً عام انسانوں کو دیکھو۔ تو قد میں فرق۔ رنگ میں فرق۔ اخلاق میں فرق صحت میں فرق۔ قوت میں فرق عقل میں فرق میلان میں فرق۔ اعضا میں فرق۔ غرضیکہ ایک انسان دوسرے سے سینکڑوں امتیازات کے ساتھ جدا ہے۔ جن کا دور کرنا کسی انسانی طاقت سے ممکن نہیں۔ تو جب اس قدر اختلافات کو انسان مجبوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسلیم کرتا ہے تو پھر مال و دولت کے فرق کو من جانب اللہ ماننے میں کیا حجت ہو سکتی ہے۔

بالشوزم کا ملکی اثر

اب لیجئے دوسری شق۔ کہ یہ فرق اور تفاوت رحمت اضافی سے متعلق ہے۔ اور اس کے رحمت ہونے کی یہ دلیل بیان کی ہے۔ کہ اگر کسی ملک یا قوم سے اس فرق کو مٹانے کی کوشش

Marfat.com

کی جاتی ہے۔ تو آخر کار وہ ملک یا قوم خود بھی مٹ جاتی ہے۔ اور وہ اس طرح کہ انسان فطرتاً اور طبعاً خود غرض پیدا ہوا ہے۔ جسے قرآن پاک واحضرت ...لا نفس الشح کے الفاظ میں بیان فرماتا ہے جس کام میں اس کا ذاتی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ کام یہ بالکل نہیں کرتا۔ اور اگر اس سے مجبوراً کرایا جائے۔ تو وہ بددلی سے کرتا ہے۔ اور بجائے سنوارنے کے الٹا اس کو بگاڑ دیتا ہے۔ انسان کی اس خود غرضانہ طبیعت ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت اور حور و قصور پیدا فرمائے۔ اور انسان کو عبادت و اطاعت پر بڑے بڑے وعدے دلائے۔ تو اب اگر انسان دنیا میں مزدوری کرے۔ اور اس کے پسینے کی کمائی اسے یا اس کے بال بچوں کو ملنے کی بجائے قوم میں تقسیم کر دی جائے۔ تو پھر وہ اپنی مزدوری میں قطعاً تندہی اور شوق سے مشغول نہ ہو سکیگا۔ اور یہ ایک ایسا فطری جذبہ ہے۔ کہ معمولی سے معمولی حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا روح مسابقت یا دنیا میں آگے بڑھنے کا جذبہ بالکل مردہ ہو جائیگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ خواہ کام کروں یا نہ۔ پھر سنوار کر دوں یا بگاڑ کر۔ ہر حالت میں میرے اخراجات اور ضروریات کی ذمہ دار گورنمنٹ ہے۔ تو پھر اسے خواہ مخواہ محنت مزدوری میں رات دن ایک کر دینے سے کیا فائدہ۔ اور اگر ایک آدھ ایسی شخصیت نکل بھی آئے جو قوم کے مفاد اور ترقی کو اپنے ذاتی فائدے اور آرام پر ترجیح دے۔ تو ایسے کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے۔ کیونکہ حکم عام کا ہوتا ہے۔ اور عام انسان فطرتاً خود غرض ہیں۔ تو جب کسی ملک سے جذبہ مسابقت ناپید ہو جائے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ دنیا کے اور ملکوں سے تہذیب۔ تمدن اور طاقت میں پیچھے رہ جائیگا اور بالآخر غلامی اور محکومیت کی کڑیوں میں جکڑ دیا جائیگا ۞

بالشوزم کا اخلاقی اثر

ساتھ ہی اس فرق کے مٹانے سے اخلاقی حیثیت سے بھی بہت بڑا نقصان

Marfat.com

ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں کسی کی عزت دو وجہ سے کی جاتی ہے کسی خوف سے یا کسی امید سے جیسے چھوٹے بیویاں رشتہ داروں کو اپنے باپ۔ خاوند اور قریبیوں سے کسی چیز سے محروم کیے جانے کا خوف ہوگا۔ اور نہ کسی چیز کے حاصل ہونے کی امید تو وہ کبھی بھی اس کی عزت یا تعظیم نہ کریں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ بچے نافرمان۔ عورتیں ناشزہ۔ اور اقارب کالعقارب ہو جائیں گے عفت عصمت پیار و محبت شجاعت و سخاوت جیسے پاک جذبات بھی رخصت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مثلاً سخاوت کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک مال کی دوسرے دینے والے کی اور تیسرے لینے والے کی۔ جب مال ہی کے پاس نہ ہوگا۔ تو یہ سخاوت ہی کیا کریگا۔ کیونکہ مال تو سب گورنمنٹ کا ہے۔ اور اگر بالفرض مال بھی ہے۔ مگر لینے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ سب یکساں حال ہیں۔ تو دے گا کسے؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ جود اور باقی اخلاقی جذبات بھی آہستہ آہستہ آگ کی طرح بجھ جائیں گے۔

اس سے یہ خیال نہ ہو۔ کہ آج کل ایسے ملک تو نہایت ترقی کر رہے ہیں۔ کیونکہ یہ ترقی عارضی اور چند روزہ ہے۔ اس کے پیچھے پھانسی کا تختہ یا قتل کا خونی ڈنڈا کام کر رہا ہے۔ اس ڈنڈے کے گرتے ہی یہ سب کچھ جاتا رہیگا۔ ہاں اخلاقی پستی تو مسلم ہے۔ اور جو کچھ ذرہ برابر ہے تو وہ بھی ملکی قوانین کی پابندی ہے۔ نہ کہ انسانیت کے تقاضے سے۔

Marfat.com

اسلام اور نسلی و مالی امتیازات

مگر قربان جائیے اسلام اور پیغمبر اسلام کے جنہوں نے اس قدرتی فرق کا ایک نہایت اعلیٰ علاج بتایا جس سے نہ تو قدرت کے ساتھ ٹکر لگتی ہے اور نہ ہی یہ فرق حد اعتدال سے بڑھ کر تباہی کا باعث بن سکتا ہے قرآن نے نسلی اور قبائلی امتیازات کو دور کرتے ہوئے فرمایا یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ یعنی اے لوگو ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے گویا قرآن پاک نے ہدایت فرمائی کہ تمہاری قومی تفریقات اور قبائلی امتیازات محض ایک دوسرے کو پہچاننے کے لئے ہیں یہ کچھ فخر ومباہات یا بڑائی چھٹائی کا معنی نہیں۔ اللہ کے نزدیک بڑا وہی ہے جو اس کے احکام کو ملحوظ رکھتا ہے گورا یا کالا ہونا مغل یا پٹھان ہونا نہ باعث عزت ہو سکتا ہے اور نہ باعث ذلت چنانچہ حضور نے بھی اپنے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا ہے

ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم وآدم من تراب ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی الاسود الا بالتقوی یعنی اے لوگو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے تھے تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو بس عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر یا کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی بزرگی نہیں سوائے تقویٰ کے۔ یہ تو تھا ذات پات اور رنگ و نسل کے اختلاف کا علاج۔

اب مالی امتیاز کا علاج سنئے اسلام نے اس امتیاز کو قائم رکھتے ہوئے اسے حد اعتدال پر رکھنے

Marfat.com

نہایت اعلیٰ اصول اور قوانین مقرر فرمائے مثلاً مالداروں پر زکوٰۃ فرض فرمائی جس کی وجہ سے ان کے مال کا چالیسواں حصہ ہر سال غربا کے پاس بلا جبر واکراہ پہنچ جاتا ہے۔ صدقہ فطر مقرر فرمایا قربانی کا سبق سکھایا قرض حسنہ کی تعلیم دی قسم وغیرہ پر دم اور کفارے مقرر فرمائے حج فرض کیا کہ مالداروں کے مال کا بہت سا حصہ اللہ کے رستے ہیں غربا کو پہنچ جائے وراثت کا قانون قائم فرمایا کہ مورث کے مرنے کے بعد بجائے اس کے کہ اس کا مال ایک شخص کے پاس رہ کر سرمایہ داری کی لعنت کو بڑھائے تمام وارثوں میں مقررہ حصص کے مطابق تقسیم ہو کر تمول کو اعتدال پر لے آئے سود کھانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کہ کسی غریب کا روپیہ بلا محنت کسی کی تجوری میں داخل ہونے سے بچا رہے اور آج کل سودی کاروبار جس قدر سرمایہ داری کو بڑھا رہا ہے اس کی ایک ادنیٰ سی مثال آپ کے سامنے پیش کر کے اس کی وضاحت کرتا ہوں

زکوٰۃ کے دینے اور سود کے لینے سے سرمایہ داری کیا اثر پڑتا ہے

فرض کرو کہ ایک شخص کسی کو آج صرف ایک روپیہ قرضہ ایک فی صدی سود کے حساب سے دیتا ہے تو یہ ایک روپیہ سود در سود کے حساب سے تیس سال میں ۴۶ روپے بن جاتا ہے یہی ایک روپیہ ساڑھے سینتیس سال میں ۱۲۸ - اور ۱۰۰ برس میں ایک لاکھ اکتیس ہزار بہتر اور ۱۵۰ برس میں تین کروڑ تینتیس لاکھ چون ہزار چار سو تین ہو جائیں گے۔ مگر اس کے برعکس اگر آج ایک شخص کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے اور وہ اس کے باقاعدہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ تو تین سال میں اس ایک لاکھ سے ۷۳۱۴-۱ روپے زکوٰۃ کے نکل کر ۹۲۶۸۵-۱۵ رہ جائیں گے۔ اب یہی روپیہ وہ کسی بنک میں ۵ فی صدی پر تین سال کے لئے رکھتا۔ تو تین سال بعد یہ ایک لاکھ ۱۶۸۱۲-۸ بن جاتا۔ تو اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے اور سود لینے میں سرمایہ داری پر مخالف و موافق کتنا حیرت انگیز اثر پڑتا ہے۔ غرضیکہ اور ایسے ایسے بہت سے

Marfat.com

اصول قائم کیے کہ جس سے باوجود مالی فرق کے دوسرے قدرتی فرقوں کی طرح قائم رہنے سے
سرمایہ داری کی موجودہ کشمکش پیدا نہیں ہو سکتی۔ مگر افسوس کہ نہ تو آج مسلمان ان اصولوں
پر کاربند ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور
نہ ہی دوسری قومیں تمام اس سے ان بے شمار اصولوں پر غور کرتی ہیں۔

دنیا کی موجودہ بے چینیوں کا واحد علاج اسلام ہے

دنیا کی موجودہ کشمکشوں بے چینیوں پریشانیوں اور لڑائیوں کا علاج اگر کہیں مل سکتا ہے
تو وہ اسی امی محمد رسول اللہ صلی اللہ کی لائی ہوئی کتاب قرآن مجید میں ہی مل سکتا ہے
جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں
کوئی ہے جو تاجدار مدینہ کے اصولوں کو آزمائش پر رکھے اور ہمارے صدق و کذب کا
فیصلہ خود ہی اپنی معترف زبان سے کرے الفضل ما شہدت بہ الاعداء بات وہ
قابل تسلیم ہے جو مخالفین کے منہ سے نکلے۔

مالک یوم الدین مالک ہے بدلے کے دن کا

دین بدلے اور جزا کو کہتے ہیں حدیث شریف میں آتا ہے کما تدین تدان یعنی جیسا
تو کرے گا ویسا ہی تجھے بدلہ ملے گا۔ بعض قرأتوں میں ملک آتا ہے یعنی بادشاہ ہے روز جزا کا مگر
غور کیا جائے تو مالک کی قرأت میں جو راز اور اسرار ہیں وہ ملک والی قرأت میں نہیں پائے جاتے

مالک اور ملک کا فرق

کیونکہ ملک یعنی بادشاہ کا قبضہ جزوی ہوتا ہے اور بہت سی چیزیں اس کے قبضے سے باہر
ہوتی ہیں مثلاً وہ صرف ظاہری تصرف کر سکتا ہے اگر کوئی اس کا ظاہراً حکم نہ مانے تو وہ اسکو سزا دے سکتا ہے
یا اسکے قانون کو توڑے تو قید کر سکتا ہے مگر باطنی حالات سے وہ بے خبر ہوتا ہے اور دلوں میں اسے تصرف کرنیکا کچھ اختیار

Marfat.com

حاصل نہیں ہوتا۔ فرض کرو۔ کوئی اسے دل سے برا مانے یا برا کہے یا خفیہ طور پر اسکے قانون کے برخلاف کرے تو وہ کچھ نہیں کرسکتا یا مثلاً اس کا تصرف محض جسم تک منحصر ہے اور روح پر اس کی بادشاہی نہیں یا مثلاً اس کا اختیار زندوں تک محدود ہے مردوں کو نہ وہ کچھ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان مگر مالک کا تصرف اپنے ملک پر ظاہرا باطناً جسماً اور روحاً ہر طرح ہوتا ہے دنیا کے انسانوں کو جو مالک و مملوک کہا جاتا ہے یہ مجازاً ہے نہ حقیقتاً۔ پھر عربی کا یہ قاعدہ بھی ہے کہ حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے اسلئے مالک کے حروف ملک سے زیادہ ہونے کے باعث اس کا مالک بھی ملک سے زیادہ ہوگا پھر حضور ﷺ ایک حدیث میں فرماتے ہیں من قرأ حرفا من کتب اللہ فلہ بہ حسنۃ والحسنۃ بعشر امثالہا لا اقول الم حرف ولکن الف حرف لام حرف میم حرف یعنی جس نے قرآن پاک سے ایک حرف پڑھا تو اس کے لئے اس کا بدلہ ایک نیکی ہے اور پھر یہ نیکی دس گنا ہوجاتی ہے اور پھر فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے نہیں بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے تو گویا الم کے پڑھنے والے کو تین حرفوں کے بدلے میں تیس نیکیاں ملیں۔ تو اسی طرح جب ملک سے مالک میں ایک الف زیادہ ہے۔ تو اس قراءت کے پڑھنے میں دس نیکیاں بھی زیادہ ملیں تو پھر آخرت کے ایسے سستے سودے کو مالک پڑھ کر کون عاقل مفت میں جانے دے گا۔ چنانچہ روح البیان جلد اول میں لکھا ہے کہ محمد بن شجاع بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ سورۂ فاتحہ میں مالک پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے کسی سے سنا کہ ملک کی قراءت مالک سے زیادہ فصیح ہے چنانچہ اسی دن سے انہوں نے مالک یوم الدین کی بجائے ملک یوم الدین پڑھنا شروع کردیا چند دنوں کے بعد خواب میں کسی شخص نے آکر کہا کہ اے شخص تو اپنے نامۂ اعمال سے مالک کی بجائے ملک پڑھ کر دس نیکیاں کیوں کم کروا رہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں

Marfat.com

گھبرا کر اٹھا اور اسی دن سے پھر مالک پڑھنا شروع کر دیا اور آج تک وہی پڑھتا ہوں۔
دیکھو مالک اپنے مملوک یعنی غلام کو بیچ سکتا ہے مگر ملک اپنی رعیت کو نہیں بیچ سکتا رعیت بادشاہ کی بادشاہت سے نکل سکتی ہے مگر غلام مالک کی ملک سے نہیں نکل سکتا مملوک مالک کی خدمت کرتا ہے مگر ملک رعیت کی۔ مملوک اپنے مالک کے اذن کے بغیر کسی سے عہد و پیمان یا بیع وغیرہ نہیں کر سکتا مگر رعیت کر سکتی ہے مملوک کو اپنے مالک سے طمع کا لالچ اور احتیاج ہوتی ہے مگر بادشاہ کو رعیت سے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مالک کا تصرف ملک سے زیادہ ہے۔ اور اسی تصرف کی زیادتی کے باعث اللہ جل شانہ اپنے آپ کو قرآن پاک میں مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ کے الفاظ کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں یعنی اپنے آپ کو قرآن پاک میں مالک الملک کہتے ہیں ملک الملک نہیں فرماتے۔ اور پھر بعض کتابوں میں آیا ہے کہ ملک حقیقت میں ملک الشی من الدنیا یعنی دنیا کی کسی چیز کا بادشاہ ہوتا ہے مگر مالک الذی ملک الملوک یعنی مالک وہ ہوتا ہے جو بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہو اور اللہ تعالیٰ چونکہ احکم الحاکمین ہیں۔ اس لئے آپ کے شان کو باحسن وجوہ ظاہر کرنے والا لفظ مالک ہی ہو سکتا ہے۔

پھر اللہ جل شانہ پیچھے اپنے آپ کو رحیم فرما چکے ہیں اور رحمت کا تقاضا ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرنا اگر یہاں ملک یوم الدین ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات ملک ٹھہر گی اور ملک یا بادشاہ تو صرف انصاف کرنے والی ہستی ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے کہ جانبین میں سے مظلوم کی داد رسی کرے اور ظالم کو سزا دے۔ اسے ظالم کو معاف کرنے کا کوئی حق نہیں اگر وہ ظالم کو باوجود شہادت تامہ کے معاف کر دے گا۔ تو وہ خود اس ناانصافی کے لئے دربار رفیع میں پکڑا جائیگا اس کو دوسرے پر کئے ہوئے ظلم کے معاف کرنیکا کوئی اختیار نہیں ہاں اگر خود اس اپنے نفس کا کسی سے معاملہ ہو تو وہ بجائے انتقام لینے کے ظالم کو معاف کر سکتا ہے کیونکہ اس نے دوسروں

خود اس کا اپنا نفس مظلوم ہے مگر کسی اور دو شخصوں کے جھگڑے میں سوائے انصاف کرنے کے اسے اور کوئی اختیار نہیں ہے برعکس اس کے مالک کو اپنے مملوک پر کلی اختیار ہوتا ہے خواہ وہ ان میں سے کسی کو معاف کر دے یا سزا دے اس کے فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کر سکتا کیونکہ ظلم تعریف غیر کی چیز میں تصرف کرنے کا نام ہے لیکن جب دونوں فریق اپنے مملوک ہوں اور مملوک بھی ایسے کہ جن کا وجود جن کی حیات جن کی حرکت و سکون بھی مالک ہی کی دی ہوئی ہو تو پھر ان کے درمیان مالک کو اپنی مرضی کے مطابق فیصلہ کرنے میں کیسے اعتراض ہو سکتا ہے مثلاً آپ کا ریشمی کپڑا ہو اور آپ اس سے آگ جلانے کا کام لیں تو کوئی شخص آپ کو ظالم نہیں کہہ سکتا کیونکہ آپ کسی غیر کے حق میں تصرف نہیں کر رہے۔ بلکہ آپ کی اپنی چیز ہے اور آپ اسے ہر طرح استعمال کر سکنے کے پورے پورے مجاز ہیں۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کے عفو و سزا کے کلی اختیارات کو مد نظر رکھتے ہوئے رحیم کے بعد مالک کا لفظ ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے

مالک کا لفظ تناسخ اور کفارہ کی تردید کرتا ہے

قرآن پاک نے اللہ تعالیٰ جل شانہ کیلئے معافی کی طاقت و اختیار ثابت کر کے ہندوؤں کے تناسخ اور عیسائیوں کے کفارہ کا بھی پورا پورا رد کر دیا ہے کیونکہ ان دونوں عقیدوں کی رو سے اللہ تعالیٰ کو معافی کا اختیار نہیں رہتا۔ بلکہ وہ سزا دینے کیلئے مجبور ہے

تناسخ کا رد

ہندو کہتے ہیں کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم سے الگ ہو کر اس جسم کے اعمال کے مطابق دوسرے جسم میں جنم لیتی ہے اور پھر جب اس سے الگ ہوتی ہے تو تیسرے میں دوسرے کے اعمال کے مطابق لوٹائی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اسطرح سینکڑوں، ہزاروں بلکہ لاکھوں اجسام سے چکر گزر کر مکتی یعنی نجات حاصل کرتی ہے کبھی کتے کے جسم میں جاتی ہے تو کبھی گدھے کے جسم میں کبھی بھکاری بنتی ہے تو کبھی بادشاہ غرضیکہ اسی طرح پس پس کر نجات کے قابل بنتی ہے اللہ

Marfat.com

اسے بغیر اس اواگون یا تناسخ کے چکر کے معاف کر دینے کا مجاز نہیں ہندوؤں کے عالم اواگون کے ثبوت کیلئے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں کسی کو بیمار دیکھتے ہیں اور کسی کو تندرست۔ کسی کو اندھا اور کسی کو سجاکھا کسی کو غریب اور کسی کو امیر کسی کو خوبصورت تو کسی کو بدصورت کسی کو ٹانگوں والا تو کسی کو لنگڑا ان سب کی حالتوں کا فرق ان کے اگلے اعمال کا نتیجہ ہے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس فرق کو بلاوجہ رکھا ہو۔ تو پھر وہ کسی طرح بھی منصف کہلانے کے قابل نہیں مگر افسوس کہ وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ اس فرق کا انحصار انسانوں یا جانداروں ہی پر نہیں بلکہ دنیا کا ذرہ ذرہ اور پتا پتا ایک دوسرے سے مختلف ہے بستیوں کو دیکھو۔ درختوں کو دیکھو پتھروں کو دیکھو۔ آسمان، چاند، سورج، تاروں پر نظر کرو ہر طرف اختلاف ہی اختلاف ہے۔ اگر انسان کا اندھا یا سجاکھا ہونا کسی گزشتہ اعمال کا نتیجہ ہے تو ایک ہی پہاڑ کے دو پتھروں میں سے ایک کا مسجد میں لگ کر لوگوں کی سجدہ گاہ بن جانا اور دوسرے کا پاخانہ میں لگ کر رات دن گندگی سے آلودہ رہنا کون سے اعمال کا باعث ہے لعل نے کونسے اچھے اعمال کئے کہ اس قدر قیمتی بنا اور عام پتھر سے کیا قصور سرزد ہوا کہ کسمپرسی کی حالت میں پھینک دیا گیا۔ زعفران تو دو روپے تولہ بکے اور کھانوں میں ڈالی جائے مگر بھوسے نے کیا گناہ کیا۔ کہ روپے کی دو من بک کر گدھوں کے کام آئے۔ چاند بھی آسمانی جسم ہے۔ اور سورج بھی۔ مگر سورج تو دن کو نکلے اور اس قدر روشنی دے۔ اور پھر وہ روشنی بھی بالذات مگر چاند غریب رات کو نکلے اور پھر سورج سے روشنی بھی کم۔ اور وہ بھی مستعار تو اب وہ ہی بتائیں کہ اس چاند نے پہلے جنم میں کیا قصور کیا تھا اور سورج نے کونسا اچھا کرم کیا ان کا مرتبہ میں اتنا فرق رکھا گیا پھر اور تو چھوڑ دو خود انسان کے جسم ہی کو لو آنت نے کیا قصور کیا کہ رات دن آلودگی اور پاخانہ سے بھری رہے اور آنکھ نے کونسا کام کیا کہ اسکو نور کا خزانہ بنایا گیا مقعد کے سوراخ نے کیا گناہ کیا کہ جسم کی سب کثافت و غلاظت اسی سے نکالی جاتی ہے اور منہ نے کونسا عمل خیر کیا کہ تمام دنیا جہان کی لذتیں اسے ہی دی جاتی ہیں۔

Marfat.com

خوبصورتی و بدصورتی کی حقیقت

پھر یہ خوبصورتی اور بدصورتی جسے کہا جاتا ہے حقیقت میں کوئی چیز ہی نہیں۔ ہر ایک شخص کا اپنا اپنا معیار اور اندازہ ہے۔ جو بھی اس کے اندازے پر صحیح اتر جاتا ہے وہ اس کے نزدیک خوبصورت کہلاتا ہے۔ مگر دوسرا اسے بدصورت سمجھ کر اس سے نفرت کرتا ہے مولانا روم صاحب نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ لیلیٰ کو خلیفۂ وقت نے بلایا کیونکہ خلیفہ کو خیال تھا کہ لیلیٰ نہایت خوبصورت ہوگی جس کے لئے قیس عامری نے اپنی سرداری و شہزادگی کو تباہ کر کے مجنونانہ حالت بنائی ہوئی ہے چنانچہ جب لیلیٰ خلیفہ کے سامنے پیش ہوئی تو بادشاہ کو اس کی کالی شکل جس کی وجہ سے وہ لیلیٰ کہلاتی تھی۔ پسند نہ آئی۔ لیلیٰ لیل سے ہے اور لیل کہتے ہیں رات کو خلیفہ نہایت تعجب سے لیلیٰ کیطرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

گفت لیلیٰ را خلیفہ کاں توئی — کز تو مجنوں شد پریشان و غوی

از دگر خوباں تو افزوں نیستی — گفت خامش چوں تو مجنوں نیستی

دیدۂ مجنوں اگر بودے ترا — ہر دو عالم بے خطر بودے ترا

یعنی خلیفہ نے لیلیٰ کو کہا کیا تیرے ہی لئے قیس مجنون اور پریشان ہے تو تو اور حسینوں سے کچھ زیادہ خوبصورت نہیں۔ لیلیٰ نے کہا خلیفہ صاحب آپ اس معاملے میں خاموش رہیں اور کچھ نہ کہیں کیونکہ آپ مجنون نہیں اگر آپ مجنوں کی آنکھوں سے مجھے دیکھتے۔ تو پھر میرے حسن و جمال کے مقابلے میں آپ کو دونوں جہاں بے قدر معلوم ہوتے۔

پھر ہر ملک کا معیار حسن الگ ہے ہندوستانی سیاہ آنکھ کو پسند کرتے ہیں۔ تو یورپین نیلی کو گرم ملک والے کالے بالوں کو فخراً کالا ناگ کہتے ہیں مگر یورپ کے رہنے والے سنہری بالوں کو پسند کرتے ہیں۔ افریقن سیاہ رنگ کو پسند کرتے ہیں عرب اور انڈین وغیرہ ملیح یا گندم گوں کو۔ مگر یورپین سفید رنگ کو اچھا سمجھتے ہیں اور ہر ایک کے پاس اپنے اپنے پسندیدہ رنگ کے لئے دلائل ہیں۔

Marfat.com

ہارون رشید کی دو لونڈیوں کی خوبصورتی کے متعلق دلچسپ بحث

چنانچہ ایک دفعہ ہارون رشید نے دو لونڈیوں کو اپنے پاس بلایا۔ ایک نہایت سفید اور گوری تھی دوسری نہایت سیاہ اور کالی تھی خلیفہ نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم میں سے زیادہ خوبصورت کون ہے سفید نے کہا امیرالمؤمنین یہ بات بھی کوئی پوچھنے کی ہے سب لوگ سفید ہی کو خوبصورت کہتے ہیں اور گورا رنگ ہی سب کو پسند آتا ہے دوسری لونڈی نے کہا حضور یہ غلط کہتی ہے اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں کوئی کالی عورت سے تعلق نہ پیدا کرتا۔ بلکہ ہر ایک اپنے اپنے مذاق پر موقوف ہے اور اگر مجھ سے حقیقت پوچھتے ہو تو میرے خیال میں سیاہ رنگ سب رنگوں سے زیادہ خوبصورت اور جاذب ہے۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ تم دونوں نے صرف دعوے پیش کئے مگر کسی قسم کی دلیل دعووں کے ثبوت میں نہ لائیں۔ اور دعوے بغیر دلیل کے قابل سماع نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے تمہیں چاہیے کہ اپنے اپنے قول کی صداقت پر دلیل پیش کرو۔ تاکہ صحیح وغلط کا فیصلہ ہو سکے چنانچہ سفید لونڈی نے کہا

الم تر ان الدر لا شئی مثلہ　　　　وان سواد الفحم حمل بدرہم

وان رجال اللہ بیض وجوھہم　　　　وان وجوہ السود اھل جہنم

یعنی اے امیرالمؤمنین کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کوئی چیز بھی سفید موتی کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر سیاہ کوئلے تو ایک درہم میں پورا بوجھ مل جاتے ہیں۔ اور پھر قیامت کے دن اللہ والوں کے منہ سفید ہوں گے اور سیاہ منہ تو جہنمیوں کے ہوں گے اس واسطے معلوم ہوتا ہے کہ سفید اور گورا رنگ قیمتی ہے۔ اور جہاں پر یہ ہوگا اسے بھی قیمتی اور پیارا بنا دیگا اسپر کالی لونڈی آگے بڑھی اور عرض کرنے لگی ؎

الم تر ان المسک لا شئی مثلہ　　　　وان بیاض اللفت حمل بدرہم

وان سواد العین لا شک نورھا　　　　وان بیاض العین لا شئی فافہم

Marfat.com

یعنی اے سلطان السلاطین کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کستوری جو سیاہ ہوتی ہے قیمت اور خوشبو کے لحاظ سے اس کا کونسی چیز مقابلہ کر سکتی ہے۔ مگر روئی کو تو دیکھو جو سفید ہے ایک درہم میں پورا گٹھا مل جاتی ہے۔ اور پھر دیکھئے کہ آنکھ کی سیاہی میں ہی نور ہوتا ہے اور آنکھ کی سفیدی تو کسی کام کی نہیں ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کالا رنگ قدر و قیمت کے لحاظ سے اور رنگوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اس واسطے یہ جس جگہ ہوگا اسے بھی قیمتی اور پیارا بنا دیگا۔ بادشاہ دونوں کی دلیلوں سے بہت محظوظ ہوا اور دونوں کو انعام کا حکم دیا اور فیصلہ بھی دیا۔ کہ تم دونوں کے دعوے اور دلائل اپنی اپنی جگہ پہ بالکل صحیح اور درست ہیں اور خوبصورتی دیکھنے والے کے معیار پر اترنے کا دوسرا نام ہے اس سے نہ تو آواگون کا تعلق ہے اور نہ اگلے کرموں کا اثر۔

تناسخ کی خرابیاں

پھر اگر آواگون کا مسئلہ صحیح ہے تو اس مسئلہ کے معتقدین اپنے بیماروں کا علاج کیوں کرتے ہیں کیونکہ یہ بیماری تو اس کے کسی پہلے جنم کے برے عمل کا نتیجہ ہے اور اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کی سزا اس طریقہ سے دے رہا ہے اب اس کی بیماری کو دور کرنے کی کوشش کرنا گویا مجرم کو جرم سے بلا سزا دیئے چھڑا دینا ہے اور یہ بجائے خود ایک بہت بڑا جرم اور انصاف کا خون ہے۔

تو معلوم ہوا کہ تناسخ مسئلہ محض وہمیات اور ظنیات پر کھڑا کیا گیا ہے حقیقت میں اس کیلئے کوئی قابل توجہ اصولی دلائل نہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے مالک یوم الدین میں اپنے لئے جزا و سزا اور رحم کا اختیار ثابت کر کے اس عقیدہ کی بھی تردید فرما دی ہے۔

انسانی حالات کے مختلف ہونے کی وجہ

اعتراض: ہاں اس سے یہ بات رہ جاتی ہے کہ اگر تناسخ کا مسئلہ صحیح نہیں اور موجودہ دکھ سکھ کسی اگلے جنم کا نتیجہ نہیں تو پھر یہ دکھ سکھ امیری غریبی حسن و جمال اور صحت و بیماری وغیرہ کے

Marfat.com

انسانی حالات میں اس قدر کیوں فرق ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب آگے الرحمن الرحیم وغیرہ کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے مگر پھر بھی یہاں اختصار کے ساتھ کچھ عرض کر دیتا ہوں یہ بات تو آپ پوری طرح پر سمجھ چکے ہیں کہ اللہ جلشانہ مالک الدنیا والآخرہ ہیں اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ مالک کو اپنے ملک میں ہر طرح کا اختیار حاصل ہے وہ جس طرح چاہے اپنے ملک میں تصرف کر سکتا ہے اسواسطے اللہ تعالیٰ جیسے بھی انسان کو رکھیں یہ انکی اپنی مرضی ہے اور ہر حالت میں ان کی مرضی عین انصاف ہی کہلائیگی کیونکہ ظلم تو کسی غیر کے ملک میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں اور وہ یہاں ہے نہیں اور پھر یہ فرق بھی رحمت اضافی کا اثر ہے جس کا مفصل بیان آگے ہو چکا ہے یعنی وہ تکلیف یا دکھ جو ایک شخص کیلئے زحمت ہے دوسرے کیلئے رحمت اور کرم ہے۔ اور اسی رحمت اضافی کے فرق سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ بیمار نہ ہو۔ تو طبیب کا کیا کام چلے اور غریب نہ ہو تو امیر کو کون پوچھے اور سب سے آخری اور بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فرق کو دنیا میں رکھ کر اپنی قدرت کاملہ کو ظاہر فرماتے ہیں وہ کسی کو لنگڑا کسی کو اندھا کسی کو غریب اور کسی کو بیمار بنا کر دکھا رہے ہیں کہ تم کو پاؤں یا آنکھیں یا دولت یا صحت دینا محض ہمارا احسان ہے یہ ہم پر کچھ واجب نہیں ورنہ تمہارے مقابل میں ہم دوسروں کو کیوں ان ضروری چیزوں سے محروم رکھتے غرضیکہ اپنی قدرت اور انسان کو ایک بلند و بالا ہستی کے ماننے پر مجبور کرنے کے لئے یہ فرق رکھا اور پھر اسے شکر کرنے کا سبق سکھایا کہ جب ہم نے تمہیں دوسروں کے مقابل میں یہ احسان کیا تو تم بھی ہماری مہربانی کا شکریہ ادا کرو پھر اس فرق کے ذریعے سے انسان کے دلمیں یہ خوف بھی پیدا کیا کہ اگر تو احسان فراموش ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے کہ دوسروں کیطرح تجھے بھی اپنے انعامات سے محروم کر دوں اسلئے دوسروں کی چھنی ہوئی نعمتوں کو خیال کر کے مجھ سے رشتہ عبودیت کو مضبوط کر پھر اس فرق کو رکھ کر اپنی کمال قدرت کا ثبوت دیا کیونکہ کامل کاریگر وہی ہوتا ہے جو ہر قسم کا کام کر سکے اگر وہ ایک ہی طرح کا ایک خاص معیار انداز اور ہیئت کا کام کر سکتا ہے اور دوسری طرح

Marfat.com

وطریقہ کا نہیں کرسکتا تو یہ اس کے کمال کو تباہ کردیتا ہے۔ تو گویا اس فرق اور اختلاف سے اس کا کمال علم کمال قدرت اور کمال فن ظاہر ہوتا ہے اور پھر اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو پھر یہ دنیا۔ دنیا نہ کہلا سکتی کچھ اور ہی چیز ہوتی سے

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن　　اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

مسئلہ کفّارہ اور اس کا ردّ

اب رہا مسئلہ کفارہ جو عیسائیت کا مایہ ناز مسئلہ ہے اور جس پر عیسائی مذہب کی سب عمارت جمی ہوئی ہے اس کا گرانا گویا سب بلڈنگ کو زمین کے برابر کردینا ہے اسی واسطے مالک کے لفظ میں اس عقیدہ کا بھی رد کردیا گیا۔

عیسائیوں کے عالم کہتے ہیں کہ انسان فطرۃً گنہگار ہے اور شریعت یا قانون الٰہی پر چلنے کے قابل نہیں اس لئے اس سے گناہ کا سرزد ہونا ضروری ہے اب گناہوں کے عذاب سے بچنے کیلئے ایک کفارہ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ گناہوں کی سزا دئے بغیر کسی گنہگار کو چھوڑ دینا انصاف نہیں کہلا سکتا۔ یا خود گنہگار کو سزا ملے یا اس کی جگہ دوسرا بھگت کر اس کے گناہوں کا کفارہ بنے مگر چونکہ انسان تو سب کے سب گنہگار رہیں۔ اس لئے وہ دوسروں کا کفارہ کیسے بن سکتے ہیں اسو اسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے (نعوذ باللہ) عیسیٰ مسیح کو دنیا میں بھیجا تاکہ وہ مصلوب ہو کر سب انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بنے۔ چنانچہ یوحنا ۴ : ۱۰ : محبت اس میں ہے کہ محبت اس میں نہیں کہ ہم نے خدا سے محبت کی بلکہ محبت اس میں ہے کہ اس نے ہم سے محبت کی اور ہمارے گناہوں کے کفارے کیلئے اپنے بیٹے کو بھیجا۔ اور باپ نے بیٹے کو دنیا کا منجی بنایا دوسری جگہ یوحنا ۱ : ۷ میں ہے کہ اس کے بیٹے یسوع کا خون ہمیں تمام گناہوں سے پاک کرتا ہے مگر عیسائی یہ نہیں سمجھتے کہ اگر شریعت یا قانون پر چلنے کی ہمیں طاقت نہ ہوتی تو پھر یہ شریعت اور قانون دیکر اس کی تفصیل و تشریح کیلئے انبیا کا بھیجنا اور اسکے مطابق عمل کرنے پر ثواب

Marfat.com

اور خلاف کرنے پر عذاب کا وعدہ و وعید دینا بالکل بے سود تھا۔ دنیا میں ہی اگر کوئی بادشاہ ایسا قانون بنائے کہ اس پر عمل کرنا رعیت کی طاقت سے باہر ہو تو ایسا قانون رعیت کے لئے کسی طرح بھی قانون کہلائے جانے کے قابل نہیں ہو سکتا اسی واسطے تو دنیوی قانون بھی انسانوں کی طاقت، طبیعت اور ضرورت کے مطابق ہوتے ہیں۔ ہاں شائد اس کو یہ خیال پیدا ہو جائے کہ شریعت تو قانون ربی ہے اور ہم مثال میں پیش کرتے ہیں قوانین دنیا کو لیکن اگر آپ غور کرینگے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا کے سارے قوانین کی بنیاد قوانین ربی پر ہوتی ہے ہاں وہ افراط و تفریط کی وجہ سے بگڑ کر کہیں کے کہیں جا پہنچتے ہیں مثلاً دنیا کے سب قانونوں کو چھان مارو تو آپ کو کسی گورنمنٹ سے بھی ایسے قوانین نہ ملیں گے۔ کہ جس میں حضرت موسیٰ کے دس احکام شریعت پیش پیش نہ ہوں۔

اب رہا حضرت عیسیٰ کا تمام انسانوں کے کفارے کیلئے مصلوب ہونا وہ بھی خود عیسائیوں کے اپنے عقائد کی رو سے غلط ٹھیرتا ہے اور میں آپ کو بالکل عامیانہ طریق سے اس بات کو سمجھاتا ہوں کیونکہ علمی طریقے سے اس عقیدہ کا رد بعض لوگوں کی سمجھ میں آنا مشکل ہوگا۔

(۱) حضرت عیسیٰؑ کو جب بموجب انجیل صلیب دینے لگے تو آپ نے فرمایا ایلی۔ ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے اللہ۔ اے میرے اللہ آپ نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ اب اگر حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے اور وہ کفارہ ہی کی غرض سے دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ تو آپ نے عین موقعہ صلیب پر ایسے الفاظ کہہ کر اپنی بشری کمزوری کا کیوں اظہار کیا۔

(۲) یہودا جو حضرت عیسیٰؑ کا حواری تھا۔ اور جس نے آپ کو پکڑوا یا تھا۔ اور پیلوطس جس نے آپ کو پھانسی دیا اور جن پر آج تک تمام عیسائی لعنت بھیجتے ہیں عقیدہ کفارہ کی رو سے تو وہ نہایت قابل احترام اور ذی عزت ہستیاں ثابت ہوتی ہیں کیونکہ ان دونوں نے ہی تمام دنیا کو خدا کی مرضی کے مطابق گناہوں سے نجات دلوانے میں مدد دی۔ اور حضرت عیسیٰ کو عین ان کے مصرف اور مطلب میں جس کے لئے انہیں بھیجا گیا تھا۔ استعمال کیا

Marfat.com

(۳) جب آدمزاد عیسائی عقیدہ کی رو سے گنہگار ہیں کیونکہ وہ شریعت پر عمل کرنے کے قابل نہیں تو پھر ہم پوچھتے ہیں۔ کہ تمہارے عقیدہ کے مطابق جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی تو کیا یہ پھانسی جسم کو ہوئی یا روح کو روح کو تو ہو نہیں سکتی کیونکہ وہ لطیف۔ اور غیر محسوس ہے تو لامحالہ اقرار کرنا پڑے گا کہ پھانسی جسم کو ہوئی۔ تو اب ہم پھر پوچھتے ہیں کہ آپ کا جسم انسانی تھا یا نہ۔ جواب یہی ہے کہ انسانی تھا۔ کیونکہ آپ کے ساتھ تمام انسانی حاجتوں کا متعلق ہونا خود انجیل سے ظاہر ہوتا ہے آپ کھاتے تھے پیتے تھے اور سوتے تھے۔ تو جب آپ کا جسم انسانی تھا۔ اور وہ مصلوب ہوا تو پھر وہ آدمزاد ہونے کے باعث دوسرے ابنائے آدم کا کیسے کفارہ ہے

(۴) جب حضرت عیسیٰ نے تمہارے کہنے کے بموجب تمام دنیا کے گناہ اٹھائے اور صلیب کی موت جو بروئے انجیل ایک لعنتی موت ہے مرے تو پھر نعوذ باللہ وہ دنیا کے بار گناہ سے کس قدر گنہگار ہوئے اب ان کے گناہ کیلئے دوسرے کفارے کی ضرورت ہے۔ تاکہ آپ کے سر سے دنیا کے گناہوں کا بوجھ دور ہو۔ مگر پھر اس کفارے کے لئے اسی طرح دوسرے کفارے کی ضرورت پڑے گی اور یہ سلسلہ لامتناہی صورت میں چلتا رہے گا۔

(۵) دنیا کا کوئی قانون ایسا نہیں۔ کہ کسی بیگناہ کو پکڑ کر گنہگار کی جگہ پھانسی پر چڑھایا جائے کیونکہ یہ صریح ظلم ہے گناہ تو کوئی کرے اور عذاب کوئی بھگتے۔ کسی صاحب عقل کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی اگر گناہگار کو چھوڑنا ہی منظور تھا۔ تو اسے معاف کر دیا جاتا نہ کہ دوسرے بے گناہ کو اس کے گناہ کے بدلے سزا دی جاتی۔ یہ تو مثل وہ ہوئی کہ نانی خصم کرے اور دوہتا چٹی بھرے۔ جب دنیوی لحاظ سے یہ ظلم ہے۔ تو باری تعالیٰ کس طرح ایک معصوم پیغمبر کو گنہگار دنیا کے بدلے مصلوب ہونے کے لئے بھیجتے

(۶) خیر اگر دنیا کے گناہوں کا کفارہ ہوئے تو ہم پوچھتے ہیں کہ وہ اپنے ہی زمانہ کے لوگوں کے گناہوں کا کفارہ ہوئے۔ یا ان کا بھی جو پہلے گزر گئے۔ اور جو آئندہ آنے والے تھے۔ اگر صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کا کفارہ ہوئے۔ تو پہلے غریب

Marfat.com

پرتو اللہ نے ظلم کیا کہ ان کو شریعت دی تو وہ بھی ناقابل عمل اور پھر گناہوں کے بعد کفارے سے بھی محروم رکھا اور پھر موجودہ لوگوں کو کفارۂ مسیح پر ایمان رکھنا یا اس پر ایمان لانے کی دعوت ہی بالکل بے ہودہ ہے اور اگر کہو کہ نہیں وہ سب گزشتہ موجودہ اور آئندہ لوگوں کا کفارہ ہے۔ تو پھر ہم جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور جن سے گناہ کا صدور تو درکنار خود ان کا وجود تک نہ تھا۔ تو پھر ان کے ان ہوئے گناہوں کا کفارہ کیسے بن گئے ......
کیونکہ کفارہ ہمیشہ گناہ کے بعد ہوتا ہے نہ کہ پہلے اگر گناہ سے پہلے کفارہ ہو۔ تو پھر تو اللہ گویا خود لوگوں کو گناہ کرنے کی دعوت دیتا ہے اسواسطے یہ شق بھی باطل ہے اور اگر خیر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ دن زمانوں کے گناہوں کا کفارہ ہوئے تو پھر یہ دنیا میں پھانسیاں جیلخانے اور سزائیں کس غرض سے ہیں کیونکہ ان سب گناہوں کا کفارہ تو ہو چکا پھر سزا کیسی اور اگر کہو کہ وہ کفارہ تو آخرت کا ہے نہ دنیا کا۔ تو پھر تو یہ اور بھی حماقت ہوئی۔ کہ اللہ تعالیٰ جس گناہ پر انسان کو مجرم نہ ٹھہرائے خود انسان اس کو جرم خیال کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کا اعلانیہ خلاف ہوا۔

(۷) اب جب سب اگلے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو چکا ہے تو عیسائی خود کیوں اتوار کو چرچوں میں جاتے ہیں کیونکہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کیلئے ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے گناہوں کو معاف کر کے ہمیں اخروی نعمتوں سے سرفراز فرمائے لیکن اب جب کفارہ نے سب گناہ معاف کرا دئے تو اب اسے راضی کرنا یا نہ کرنا سب برابر ہے۔ کیونکہ کفارہ کی وجہ عفو و سزا کا اختیار اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔

غرضیکہ اور ایسی بیسیوں دلیلیں ہیں کہ جن کی رو سے عیسائی کفارہ ایک مضحکہ اور کھیل معلوم ہوتا ہے اور آج اس قوم کی فحاشی و عیاشی الحاد و بد دینی اسی مسئلہ کفارہ کا نتیجہ ہیں کیونکہ اس مسئلے نے ان کے دلوں سے خدا کے خوف کو دور کر دیا ہے اور وہ دن دہاڑے کھلے بازاروں میں وہ وہ کام کرتے ہیں کہ جس پر خود انسانیت تک لرزہ براندام ہے

Marfat.com

اسی واسطے قرآن پاک نے ہرجگہ اٰمَنُوْا کے ساتھ عَمِلُوْا کا لفظ بھی لگایا ہے تاکہ معلوم ہوتا رہے کہ صرف ایمان ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ عمل کی بھی ضرورت ہے۔ عمل ہی پر جزاء وسزا کا دار و مدار ہے گیہوں بو کر جو کی امید اور جو بو کر گیہوں کی امید رکھنا عقل کے خلاف ہے

از مکافات عمل غافل مشو   گندم از گندم بروید جو ز جو

یعنی اے شخص تو اعمال کے نتیجے سے غافل نہ ہو گیہوں سے گیہوں اور جو سے جو پیدا ہوتے ہیں دیکھئے بات کیا تھی اور ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے بیان یہ ہو رہا تھا کہ ملک سے مالک کی قرات افضل ہے اور اس پر بتایا تھا کہ عربی کا قاعدہ ہے کہ جہاں کسی ایک ہی مادہ کے دو الفاظ میں سے ایک کے حروف زیادہ ہوں تو وہ زیادہ حروف والا لفظ تھوڑے حرف والے لفظ سے معنی میں بھی زیادہ ہوتا ہے اور اسی ضمن میں تناسخ اور کفارہ کا مسئلہ بھی چھیڑ گیا تو اب پھر اسی سابق مضمون کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

مالک اور مَلِک کے فرق سے ایک ناصحانہ نکتہ

نکتہ: جب مَلِک اور مالک کا فرق بخوبی ذہن نشین ہو چکا تو اب غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر ہم ملک یعنی بادشاہ کی کہ جس کا درجہ مالک سے بہت ادنیٰ اور کم ہے نافرمانی کرتے ہیں تو اسکی نافرمانی کا انجام ہم اسے گھر بار کی تباہی بال بچوں کی جدائی اور بسا اوقات جان سے بیزاری کی صورت میں دیکھنا پڑتا ہے تو پھر اس احکم الحاکمین کی نافرمانی کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو سکتا ہے وہ ملک اور مالک کے فرقوں کو مد نظر رکھ کر سوچ سکتے ہیں اس واسطے ضروری ہے کہ ملک اور مملوک دونوں اپنے مالک کی رضامندی میں کوشش کریں تاکہ اللہ جل شانہ اپنی رحمت اور نعمت کی موسلا دھار بارش سے ان کو سیراب فرمائے

مالک کو یوم الدین کیطرف مضاف کرکے عام بادشاہوں کو کیا سبق سکھایا

اور ساتھ ہی مالک کو یوم الدین کیطرف مضاف کر کے یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ جسطرح مالکیت کا کمال یوم الدین یعنی روز انصاف سے ہے اسی طرح مالک مجازی یعنی بادشاہ بھی اگر ملوکیت کا کمال

Marfat.com

چاہتا ہے تو اس یوم الدین یا انصاف کے زمانہ کی طرف مضاف اور تعلق کرے یعنی اپنے زمانہ سلطنت میں عدل و انصاف کو ضروری سمجھے ورنہ اس کی سلطنت چند دنوں کی مہمان ہوگی۔

اگر غور کرو تو عدل و انصاف کے بغیر کسی سلطنت کا قیام نہایت مشکل امر ہے کیونکہ عدل و انصاف سے رعیت فارغ البال اور ملک خوشحال ہوتا ہے اور جس بادشاہ کی رعیت خوش اور ملک آباد ہو اس کی سلطنت بھی زوال سے بچی رہتی ہے۔ شیخ سعدی نے فرمایا ہے ؎

رعیت چو بیخ است سلطاں درخت درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

یعنی بادشاہ درخت اور رعیت اس کی جڑیں ہیں اور جڑوں ہی سے درخت کا قیام و استحکام ہوتا ہے اگر جڑیں کمزور یا کٹی ہوئی ہونگی تو درخت بھی کھڑا یا مضبوط نہیں رہ سکے گا تو گویا بادشاہ کے عدل سے خود اس کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں کیونکہ رعیت خوشحال اور ملک آباد ہو جاتا ہے مگر اس کے ظلم سے خود اس کی جڑیں برباد ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ظلم سے رعیت پامال اور ملک ویران ہو جاتا ہے۔

بادشاہ کے عدل و ظلم سے ملک کے متاثر ہونے کی مثال

لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ نوشیرواں جنگل میں شکار کھیلنے کو گیا شکار کے پیچھے گھوڑا دوڑانے کے باعث وہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا بہت دوڑ دھوپ کے بعد جب تھک گیا اور بھوک اور پیاس معلوم ہونے لگی تو قریب کے ایک باغ میں گیا اور مالی کو کہا کہ ایک انار باغ سے لے آ کیونکہ میں بہت پیاسا ہوں چنانچہ مالی اسے مسافر سمجھ کر ایک اچھا عمدہ سا انار توڑ لایا۔ نوشیرواں نے اس کا پانی نچوڑ کر پیا۔ دیکھا کہ نہایت میٹھا اور لذیذ ہے دل میں خیال آیا کہ ایسا باغ تو بجائے رعیت کے ایک عام شخص کے پاس ہونے کے شاہی جاگیر میں داخل ہونا چاہیئے۔ اس کے دل میں اس قسم کے

خیالات چکر کھا رہے تھے۔ کہ اُس نے مالی کو ایک دوسرا انار لانے کو کہا۔ چنانچہ وہ دوبارہ ایک نہائت خوشرنگ اور موٹا انار لے کر حاضر ہوا۔ اب جو بادشاہ نے اُسے توڑا۔ تو ایک تو پانی بہت کم نکلا۔ اور دوسرے نہائت ہی کھٹا تھا۔ نوشیرواں نے مالی سے دونوں اناروں میں اسقدر شدید فرق ہونیکا سبب پُوچھا۔ مالی نے جواب دیا۔ اے شخص میں سمجھتا ہوں۔ کہ کسی نے بادشاہ سے اس باغ کے متعلق کچھ کہا ہے۔ اور شائد اس انار کے توڑنے سے پہلے بادشاہ نے ظلماً اس باغ کو لے لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسکی بُری نیت کے باعث پھلوں سے برکت کو بھی اٹھا لیا ہے۔ نوشیرواں نے دل میں اپنی بُری نیت سے توبہ کی۔ اور امتحاناً تیسرا انار لانے کیلئے اُسے بھیجا۔ اب جو تیسرا توڑ کر پانی نکالا گیا۔ تو بالکل پہلے کیطرح میٹھا اور رسیلا نکلا۔ بادشاہ نے پھر مالی سے پُوچھا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کہ اب پھر اچھا نکلا۔ مالی نے کہا۔ صاحب میں سمجھتا ہُوں کہ بادشاہ نے اپنی بُری نیت سے توبہ کر لی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ نے زمین کی برکات کو پھر واپس کر دیا ہے۔ بادشاہ سمجھ گیا۔ کہ مالی کوئی روشن دل انسان ہے۔ اُسے اپنے محل میں لے گیا۔ اور اُسے باقی عمر نہائت باعزت طریقہ سے اپنے درباریوں میں رکھا۔ اور ظلم سے اس قدر پکی توبہ کی۔ اور عدل و انصاف کو اپنی سلطنت میں ایسا پھیلایا۔ کہ حضور سید کائنات، مفخر موجودات جیبی والا صفات ہستی اپنی زبان فیض آیات سے یوں فرماتے ہیں۔ ولدت فی زمن الملک العادل۔ کہ میں منصف بادشاہ کے زمانے میں پیدا ہوا ہوں۔ نوشیرواں کے لئے اس سے زیادہ اور کیا فخر ہو سکتا ہے۔ کہ خود حضور پُر نور اس کے زمانے پر فخر فرماتے ہیں۔ شیخ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل ۔۔۔ گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند
خیرے بکن اے فلاں وغنیمت شمار عمر ۔۔۔ زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

Marfat.com

یعنی نوشیرواں کا مبارک نام عدل سے زندہ ہے۔ اگرچہ نوشیرواں کو گزرے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا۔ تو اے شخص تو بھی عمر کو غنیمت سمجھ کر موت کے آنے سے پہلے پہلے کچھ نیکی کر لے۔ ورنہ مرنے کے بعد افسوس اور پچھتانے کے بغیر اور کچھ نہ بن پڑیگا۔

صفتِ رحم کے ساتھ صفتِ مالکیّت کو بیان کرنے کی وجہ

اللہ تعالیٰ نے یہاں رحمٰن اور رحیم کے بعد صفت مالکیت کو بیان فرمایا۔ اور اس سے مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ جل شانہٗ کے نام رحمٰن اور رحیم کو سنکر اور پڑھ کر اس کی رحمت پر مغرور نہ ہو جائے۔ جیسا کہ آج کل کسی کو نیکی کا کہا جاتا ہے۔ تو وہ فوراً یہ جواب دیتا ہے۔ کہ بھائی اللہ بہت بڑا غفور الرحیم ہے۔ وہ معاف کر دیگا۔ مگر افسوس کہ اس کی نظر اللہ تعالیٰ کے قہار و جبار۔ منتقم اور مذل ہونیکی طرف نہیں جاتی۔ اور شیطان اُسے دھوکا دیکر صرف اُس کی رحمت ہی کو سامنے لاکر تمام کاموں سے معطل کر دیتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ افسوس ہے۔ تو یہ کہ جب انہی کو پوچھا جاتا ہے۔ کہ کیوں صاحب اللہ تعالیٰ آخرت ہی میں غفور الرحیم ہے۔ یا دنیا میں بھی۔ تو جواب دیتے ہیں۔ کہ دنیا میں بھی۔ تو پھر جب یہ کہا جاتا ہے۔ کہ جب وہ دنیا میں بھی غفور الرحیم ہے۔ تو پھر رزق کمانے کیلئے اسقدر پریشانی و سرگردانی سے کیا فائدہ۔ وہ بڑا رازق ہے۔ کارساز ہے۔ کچھ نہ کچھ انتظام خزانہ غیب ہی سے فرما دیگا۔ یہ دنیا کے دھندے اور کاروبار کرنے سے کیا فائدہ۔ تو وہ دنیا میں ہمارے اس مشورے کو تسلیم کر کے اسکی رحیمی پر بھروسا نہیں کرتے۔ اور پھر وہ رزق کہ جس کیلئے خود قرآن پاک وعدہ فرما رہا ہے۔ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا۔ یعنی زمین میں کوئی جانور نہیں۔ کہ جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ مگر وہ آخرت کہ جس کیلئے حکم ہے۔ لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ۔ یعنی وہاں انسان کو سوائے اپنی کوشش کے پھل کے اور کچھ نہ ملیگا۔ اس میں تو سعی و عمل کو رحمتِ ربّی کے بھروسے پر ترک کر رہے ہیں۔

Marfat.com

بھائیو! اگر اللہ جلّشانہٗ کی رحمت پر تکیہ رکھکر ہمکو اعمال چھوڑ دینے کی اجازت ہوتی۔ تو پھر تو سلسلۂ نبوّت اور نظام شریعت کا بھیجنا اور اُنکی اتباع و اطاعت کی تاکید فرمانا بالکل بیکار تھا۔ تو معلوم ہوا۔ "کار کن پس تکیہ بر جبار کن" کے مطابق کام کر کے پھر اُسکی رحیمی پر بھروسا کرنا چاہیئے۔ تاکہ وہ تکمیل کے بعد اُسکے قصوروں اور نقائص کو اپنے پردۂ رحمت سے ڈھانک دے۔ اور اُسکے قصور کو قصور نہ قرار دے۔ یہ نہیں۔ کہ کام تو کچھ کرے ہی نہیں۔ اور پھر بھروسا ہو۔ رحمت کے غلط تخیّل پر اسی غلط تخیل کو دور کرنے کیلئے رحمٰن و رحیم کے بعد مالک یوم الدین کو لایا گیا۔ تاکہ انسان رحمت خداوندی کیساتھ ساتھ یوم الدین کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ کے عادل اور منصف ہونیکو نہ بھلائے۔ وہ یوم الدین کہ جس میں نیکوں کو جزا اور بدوں کو سزا ملے گی۔ اور اس سے اُسکے دل میں رحمت ممزوج با لخوف پیدا ہوگی جس سے اُسکا ایمان بین الخوف و الرجا رہیگا۔ اور یہی ٹھیک عقیدہ ہے۔ مگر انسان کو چاہیئے۔ کہ امّید پر اسکے خوف کو مقدم رکھے اور اُس کے عذاب اور پکڑ سے ڈر کر اسکی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور پھر اپنی عبادت کے قصور اور کوتاہی کو اُس کی رحمت سے بخشنے جانیکی اُمّید رکھے۔ اسی واسطے قرآن پاک میں آتا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ الرَّحِیْمٌ۔ یعنی تم کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ اور وہ بہت مہربان اور رحم کرنیوالا ہے۔ دیکھو۔ اس جگہ شَدِیْدُ الْعِقَاب کو غَفُوْرُ الرَّحِیْم پر مقدم فرمایا۔ تاکہ اوّل خوف پیدا ہو۔ بعدہٗ کام کر کے رحمت کے امیدوار رہیں ؎

اے دل بہوس بر سر کارے نرسی ۔۔۔ تا غم نخوری بغمگسارے نرسی
تا ہمچو حنا سودہ نگردی تہِ سنگ ۔۔۔ ہرگز بکف پائے نگارے نرسی

مالک یوم الدین کے الفاظ زندگی کے انجام کو یاد دلاتے ہیں

پھر مالک یوم الدین میں ہر انسان کو اس دنیوی زندگی کا انجام یاد دلایا گیا ہے۔ کہ ا

انسان تو لاکھ برس جی! دنیا بھر کے عیش و آرام سے تمتّع حاصل کر۔ مگر آخر تیرا انجام یہ ہوگا۔ کہ تو اس دنیا سے رخصت ہو کر محاسبۂ اعمال کیلئے دربارِ ربّی میں پیش کیا جائیگا۔ جہاں پر تیرے اعمال کے مطابق سزا و جزا مترتّب ہوگی۔ اسواسطے اس زندگی کو حباب یا سراب سمجھ کر محاسبہ کی تیاری کر۔ سچ ہے ؎ کیا بھروسہ ہے زندگانی کا * آدمی بُلبلہ ہے پانی کا۔

تاکہ وہاں یوم الدین میں عصیان و تمرّد کے باعث شرمندگی نہ اٹھانی پڑے *

سورۂ فاتحہ کے پانچ بیان کردہ اسمائے حسنیٰ پر ہی حقّانی مذہب کی بنیاد ہو سکتی ہے اور بس

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں اپنے پانچ نام ذکر فرمائے۔ پہلے اللہ یعنی وہ ذات جس نے انسان کو عدم سے وجود میں لایا۔ پھر ربّ یعنی وہ ذات جس نے انسان کو بتدریج پالا۔ پوسا اور بڑا کیا۔ پھر رحمٰن۔ یعنی وہ ذات جس نے اُس کو دنیا میں رزق اور دوسرے ضروریات انسانی سے نوازا۔ پھر رحیم یعنی وہ ذات جو آخرت میں اس پر نوازش و مہربانی فرمائیگی۔ پھر مالک یوم الدین یعنی وہ ذات جس کے دست قدرت میں آخرت کی ذلت و عزّت اور سزا و جزا ہے۔ اور یہی پانچ نام ایک حقّانی مذہب کی بنیاد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے مذہب کا اوّل ترین فرض یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین دلائے۔ ذات باری کے یقین کے بعد انسان اور اللہ کے درمیانی تعلّق کو اُس پر واضح کرے۔ پھر اس تعلّق پر غور و خوض کروا کر اُس سے محبّت کی دعوت دے۔ پھر یہ محبّت اسی دنیا تک ہی محدود نہ رکھے۔ بلکہ اسکا تعلّق آخرت میں باقی رہتا ہے۔ اس بات کو بھی اُس کے ذہن نشین کردے۔ پھر جب دُوسری دنیا میں محبّت کے باقی رہنے کا یقین ہو جائے۔ تو اب اُسے یہ سمجھائے۔ کہ پھر ایسے محبوب حقیقی کے سامنے۔ کہ جس کے ساتھ دارین کی محبت کا تعلّق ہے۔ نافرمانی اور گنہگاری کی صورت میں کسطرح کھڑا ہونیکی جرأت کر سکینگے۔ اب اسکا نتیجہ یہ نکلیگا۔ کہ وہ دنیا کو

Marfat.com

مزرع آخرت سمجھکر کچھ اچھا پھل لینے کی کوشش کریگا۔ اور اپنے مالک و خالق کے سامنے سرخرو ہو کر کھڑا ہونیکی سعی میں مشغول رہیگا۔ اور یہی پانچوں کام سورہ فاتحہ کے پانچوں اسماء انجام دے رہے ہیں۔ اللہ خدا کے وجود کا یقین دلاتا ہے۔ رب انسان اور اللہ کے درمیانی تعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ رحمٰن دنیا میں محبت کی دعوت دیتا ہے۔ رحیم آخرت کے علاقہ محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور مالک یوم الدین دربار ربی میں حاضر ہونیکی خبر دیتا ہے ؎

مالکیت کو یوم الدین کیساتھ مختص کرنے کی حکمت

ہاں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مالکیت کو یوم الدین کی طرف کیوں مضاف فرما کر خاص کیا۔ کیونکہ وہ تو ہر ایک دن کا مالک ہے ؎

جواب:۔ دنیا میں اگرچہ حقیقی مالک تو کوئی نہیں۔ مگر مجازی مالک بہت ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ کہ فلاں اس مکان کا مالک ہے۔ فلاں اس دکان کا مالک ہے۔ مگر یوم الدین میں یہ مجازی مالکیت بھی نہ رہیگی۔ اُس دن صرف حقیقی مالکیت کا اظہار ہوگا۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے دن پوچھا جائیگا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ تو اسوقت کوئی مجازی طریقے پر بھی اپنی مالکیت کا دعوٰی نہ کرسکیگا۔ بلکہ سب اپنی محتاجی عاجزی اپنی مملوکیت و عبودیت کیوجہ سے چپ چاپ کھڑے ہونگے۔ اور وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ کا ہر طرف نظارہ دکھائی دیگا۔ اُسوقت ربُّ العزت خود ارشاد فرمائینگے۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی آج مالکیت صرف خدائے واحد کی ہے۔ جو بڑا قاہر و جابر ہے۔ اسی اختصاص کے باعث اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت مالکیت کو یوم الدین سے مختص فرمایا۔

جزا و سزا کیلیے دن مقرر کرنے پر دو اعتراض اور ان کے جواب

سوال:۔ اس سے تو معلوم ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کے حساب اور جزا و سزا کیلیے ایک خاص دن مقرر فرمایا ہوا ہے۔ جس سے دو اعتراض پیدا ہوتے ہیں:۔

Marfat.com

(۱) وہ دن کب ہوگا۔ (۲) محاسبہ اعمال کیلئے ایک خاص دن مقرر کرنیکی کیا ضرورت ہے۔ جو مرے۔ اسکا حساب کر کے اُسے اُسکے اعمال کیمطابق مقام دیدیا جائے۔ ایک جنتی کو دوسروں کی موت کے لئے اپنے اعلیٰ مقام سے جدا رکھنا۔ کس طرح مناسب ہوسکتا ہے ۞

جواب شق اوّل۔ اس دن کے کب یا اس وقت ہونیکا ٹھیک حال تو اللہ جلشانہٗ ہی کو معلوم ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا۔ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَا اِلَّا هُوَ۔ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْکُمْ اِلَّا بَغْتَةً۔ یعنی اے حبیب آپ سے پُوچھتے ہیں۔ کہ قیامت کب آئیگی۔ آپ کہہ دیجئے۔ کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے۔ اور وہی اس کو اس کے وقت موعودہ پر ظاہر کریگا۔ بھاری ہے جاننا اس کا زمین و آسمان میں۔ اور وہ تم پر اچانک آجائے گی ۞

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ظاہر فرما دیا ہے۔ کہ لوگوں کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔ اور وہ نہیں جانتے۔ قیامت کب آئیگی۔ اور انکو یہ بتانا بھی حکمت سے خالی نہیں۔ کیونکہ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اس کا جاننا زمین و آسمان کے رہنے والوں پر بڑا بھاری اور گراں گزرتا۔ کیونکہ جب انکو معلوم ہو جاتا۔ کہ قیامت فلاں وقت آئیگی۔ تو انسان اس کی ہیبت۔ غم اور فکر سے دنیا کے کاروبار چھوڑ دیتا۔ دنیا کے کاروبار میں اسے کچھ مزا نہ آتا۔ اور دنیا کا موجودہ سلسلہ قیامت کے قریب آنے سے پہلے ہی درہم برہم ہو جاتا۔ پھر انبیاء علیہم السلام اور صحف سماویہ کا سلسلہ بھی بیکار ہوتا۔ کیونکہ ہر انسان خود بخود نیک کام کی طرف متوجہ ہوتا۔ پھر اس کے علاوہ انسانوں کی بہتر پن آزمائش بھی نہ ہوتی۔ کیونکہ وہ قیامت کی تاریخ جاننے کے باعث بغض و فساد سے خود بخود رک جاتے۔ مگر اب جب کہ وہ دن معلوم نہیں۔ انکی نیکی و بدی کی حقیقت کامل طور پر ظاہر ہو رہی ہے۔ کیونکہ جو قیامت کے آنے کو یقینی سمجھتے ہیں۔ وہ دیر یا سویر کو نہیں دیکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن رب العزت کے دربار میں حاضر ہونا ہی ہے۔ اس واسطے

Marfat.com

اس دنیا کی زندگی میں کچھ اچھے کام کر لینے چاہئیں۔ دوسرے جو اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں۔ یا اس کے دیر سے آنیکا یقین رکھتے ہیں۔ اپنے فساد و معاصی میں اور بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور کسی بیرونی دباؤ کے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی طبیعت اپنا اصلی رنگ کامل طور پر دکھاتی ہے۔ اس واسطے اللہ جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً۔ یعنی قیامت تم پر اچانک آئیگی۔ تم دنیا میں پورے پورے منہمک ہوگے۔ اور اس کا تمہیں خیال تک بھی نہ ہوگا۔ کہ وہ آجائیگی ❖

مگر چونکہ ایسی چیز کا اچانک واقع ہو جانا۔ اور انسان کو جس کی فطرت ہی میں نسیان و کمزوری پڑی ہوئی ہے۔ اُسے اس کی مقررہ تاریخ سے مطلع نہ کرنا تو خیر۔ مگر اُسے اس کے قُرب کی علامات بھی نہ بتانا شانِ رحیمی کے لائق نہ تھا۔ اس واسطے رب العزّت نے اپنے حبیب لبیب حضرت محمد الرسول اللہ کی معرفت قیامت کے آنے سے پہلے جس قدر چھوٹی بڑی علامتیں ظاہر ہوں گی۔ سب کی سب بیان فرمادی ہیں ❖

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے بیان فرمایا۔ کہ قیامت کے قرب کی سب سے پہلی نشانی میرا انتقال ہے۔ پھر میرے بعد بیت المقدس کا فتح ہونا۔ پھر ایک عام وبا کا آنا۔ مال کا اس قدر زیادہ ہو جانا۔ کہ لوگ سو دینار تک کو بھی حقیر سمجھیں گے۔ پھر عرب میں ایک ایسا فتنہ پیدا ہوگا۔ کہ عرب کے گھر گھر میں گھس جائے گا۔ پھر نصاریٰ اور تمہارے درمیان صلح ہوگی۔ جس میں نصاریٰ تم سے وعدہ خلافی کریں گے۔ اور اسی ہزار نشان۔ کہ ہر نشان کے ساتھ بارہ ہزار لشکر ہوگا۔ لے کر تم پر چڑھائی کریں گے۔ علم اُٹھ جائے گا۔ جہالت زیادہ ہو جائیگی۔ زنا، شراب خوری اور سود کی کثرت ہو جائے گی۔ عورتیں زیادہ اور مرد کم ہوں گے۔ بڑے بڑے کام نالائقوں کے حوالے کیئے جائیں گے۔ لوگ دنیا کی تکالیف سے تنگ آکر موت

Marfat.com

کی آرزو کرینگے۔ امانت اور دیانت دنیا سے اُٹھ جائیگی۔ لوگ زکوٰۃ دینے کو جرمانہ سمجھیں گے۔ علم دنیا کیلئے پڑھا اور پڑھایا جائیگا۔ مرد عورت کا مطیع اور ماں کا نافرمان، یار کو قریبی اور باپ کو دور سمجھیگا۔ لوگوں کی تعظیم انکے خوف سے ہوگی۔ گانا بجانا گھر گھر گھس جائیگا۔ زلزلے، آندھیاں اور بے وقت بارشیں کثرت سے آئیں گی۔ لغاری بادل کی طرح دنیا پر چھا جائیں گے۔ ہر طرف سے بُرے کام ظاہر ہونگے۔ اور نیک کام دنیا سے اُٹھتے جائیں گے۔ ایسے وقت میں قیامت کا بالکل قرب ہوگا۔ اور قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں مثلاً دابۃ الارض کا ظہور، نزول عیسیٰؑ، ظہور امام مہدی، اور خروج دجّال وغیرہ کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی۔

جواب شق نمبر۲۔ یعنی محاسبۂ اعمال کیلئے خاص دن مقرر کرنیکی وجہ کا جواب یہ ہے۔ کہ انسان کے مرنے کے بعد اگر اس کے اعمال منقطع ہو جاتے۔ اور آئندہ اس کے نامۂ اعمال میں کچھ درج نہ ہوتا۔ تو پھر یہ اعتراض سچا تھا۔ کہ دنیا سے گئے ہوئے شخصوں کو دوسروں کی موت کیلئے کیوں انتظار کرایا جاتا ہے۔ مگر مذہب اسلام کی رُو سے مرنیکے بعد بھی انکے اعمالنامہ میں نیکی و بدی کا اندراج ہوتا رہتا ہے۔ حضور سرور عالم فرماتے ہیں۔ کہ انسان کے مرنیکے بعد اُسے تین چیزوں کا تا قیامت ثواب ملتا رہتا ہے۔ نیک اولاد، جو اللہ جل شانہٗ کی عبادت کرے اور اپنے والدین کی رُوح کو مالی و بدنی صدقات سے ثواب پہنچاتی رہے۔ دوسرے رفاہ عام کے کام۔ مثلاً کنواں۔ پُل۔ مسجد۔ مدرسہ وغیرہ۔ تیسرا کسی کو علم نافع سکھانا۔ کہ جو بھی اس علم سے نفع اٹھائیگا۔ اُس کا ثواب اُسکے بھی نامۂ اعمال میں درج ہوتا رہیگا۔ اسی طرح بُرا شخص بھی اپنے بعد بُرائی کے کام چھوڑ جاتا ہے۔ جس کا گناہ کرنیوالے کو تو ہوتا ہی ہے۔ مگر اُس کے بھی نامۂ اعمال میں اس کا گناہ درج ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً کسی نے کسی بُرے اعتقاد یا طریقے کی بنیاد ڈالی۔ یا لوگوں کو گمراہ کرنے والی کتاب یا تجویز نکالی۔ تو اُس کا گناہ بھی کرنے والوں کی طرح اُس کے نامۂ اعمال میں تا قیامت درج ہوتا

Marfat.com

رہے گا۔ اس لئے قیامت سے پہلے بروں اور نیکوں کو اپنے اپنے مخصوص مقامات میں نہیں بھیجا جاتا۔ تاکہ شاید بروں پر کسی چھپی ہوئی نیکی سے رحمت فرمائی جائے۔ یا نیکوں کے سر کسی پسماندہ نیکی سے درجے بلند کئے جائیں۔

ہاں اتنا ضرور ہوتا ہے۔ کہ نیکوں اور بروں کو عالم برزخ میں ثواب و عقاب کا ایک نمونہ دکھایا جاتا ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے۔ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْھَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَّ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یعنی وہ صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ اور ایسے ہی جب کہ قیامت قائم ہوگی۔ پیش کئے جائیں گے۔ اسی طرح نیکوں کے بارے میں قرآن پاک میں آتا ہے۔ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ یعنی خوش ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے۔ اور ان شہداء کے خویش و اقارب کو جو ابھی مر کر ان کو نہیں ملے۔ بشارت دی جاتی ہے۔ کہ ان پر کچھ خوف اور غم نہیں۔ تو معلوم ہوا۔ کہ نیکوں اور بدوں کو اپنے اپنے مقامات کا ایک نمونہ عالم برزخ میں دکھایا جاتا ہے۔ جو بعد کے اعمال و حسنات سے بیش و کم ہوتا رہتا ہے۔ جس پر کثیر احادیث اور بزرگان دین کے مکاشفے دلالت کرتے ہیں۔

عذاب اُخروی پر ایک عجیب اعتراض اور اس کا جواب

ہاں اب ایک اور اعتراض رہ جاتا ہے۔ کہ دنیا تو چند دنوں کا تماشا ہے۔ اسی طرح اس کا غم اور خوشی بھی چند روزہ ہے۔ مگر آخرت تو ابدی اور دوامی ہے۔ ایک دفعہ مرنے کے بعد پھر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے موت نہیں۔ نیکوں کے لئے ابدی نعمتیں۔ اور مشرکوں کے لئے دوامی عذاب ہے۔ خیر نعمتوں کے سوال کو تو رہنے دیجئے۔ کیونکہ وہ تو انعام ہے۔ مگر دوامی عذاب کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ کیسا

Marfat.com

انصاف ہے۔ کہ ایک شخص نے مثلاً اِس عارضی دنیا میں چند سال تک شرک کیا۔ اور اب اُسے اسکی سزا ابدی عذاب کی صُورت میں دی جاتی ہے۔ کیونکہ گناہ تو ہے چند سالوں کا اور عذاب ہے ہمیشہ کا ٭

جواب۔ عذاب جرم کی نوعیّت پر منحصر ہے۔ اگر جرم سخت ہے۔ تو سزا بھی سخت۔ اور اگر جرم معمولی ہے۔ تو سزا بھی معمولی۔ وقت یا مدّت کا اس میں کوئی سوال نہیں۔ دُنیا میں ہی دیکھ لیجئے۔ ایک شخص عرصہ دس سال تک چوری کرنے کرتے پکڑا جاتا ہے۔ تو زیادہ سے زیادہ اُسے آٹھ دس سال قید کی سزا ملتی ہے۔ مگر اس کے برعکس ایک دُوسرا شخص کسی کو ایک منٹ میں قتل کر دیتا ہے۔ تو اب اُسے یا تو عمری قید یا پھانسی کی سزا دی جاتی ہے۔ یا مثلاً ایک شخص ایک آدمی کا ایک منٹ میں جیب کاٹتا ہے۔ مگر اُسے اُس کی سزا ایک سال با مشقّت قید کی صُورت میں دیجاتی ہے۔ تو پھر ارتکاب جرم اور سزا کے وقت کا مقابلہ کہاں رہا۔ بلکہ سزا کی نوعیّت جرم کی شدّت یا خفّت پر موقوف رہی۔ اب جب کہ ہم دنیا میں ایسی سزاؤں کو ظلم نہیں سمجھتے۔ بلکہ اُسے عین عدل و انصاف سمجھ کر خود پارلیمنٹوں اور مجالس مقنّنہ میں قوانین کی صورت میں پاس کرتے اور کراتے ہیں۔ تو پھر اللہ جل شانہٗ کا شرک جیسے قبیح گناہ کی ابدی سزا دینا عدل و انصاف کے کیسے برخلاف ہو سکتا ہے۔ ربّ العزّت فرماتے ہیں۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ یعنی بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ ہاں موحّدین اپنے گناہوں کے اندازے سے دوزخ کی بھٹی میں رہ کر مجلّٰی و مصفّٰے ہو نیکے بعد جنّت میں داخل کئے جائیں گے ٭

اس کے بعد اللہ تعالیٰ بندے کی زبان سے کہلواتے ہیں:۔

اِیَّاكَ نَعْبُدُ یعنی اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

عبادت شریعت میں انتہا درجہ کے تذلّل۔ عاجزی اور انکسار کا نام ہے۔ اور اس کا مستحق وہی ہو سکتا ہے۔ جس کی بزرگی۔ فضیلت اور بڑائی بھی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔

Marfat.com

کیونکہ اس سے کم درجہ والی ہستی کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کرنا انسانی کرامت اور شخصی شرافت کو خاک میں ملانا ہے ۔

اب سوچنا یہ ہے ۔ کہ ایسی کون سی ہستی ہے ۔ جو اس قدر بلند اور بالا ہو۔ کہ انسان جیسی عزیز و شریف مخلوقات کی عبادت کا مستحق ہو سکے ۔ ظاہر ہے ۔ کہ ایسی بلند ہستی اللہ جل شانہٗ کی ذات کے بغیر اور کون ہو سکتی ہے ۔ اس نے ہمیں نیست سے ہست کیا۔ ہماری کمزوری کو طاقت سے بدلا ۔ ہمیں موت کی جگہ حیات عنایت فرمائی ۔ ہماری تمام ضروریات کو پورا فرمایا ۔ اور ہمارے تقاضا و اصرار کے بغیر ہم کو گوناگون نعمتوں سے نوازا ۔ وہی آخرت میں اپنی صفت رحیمی کا اظہار فرما کر ہماری کمزوریوں کو اپنی رحمت کی چادر سے ڈھانکیگا ۔ اور جس کے متعلق ہمیں معلوم ہو چکا ہے ۔ کہ وہ اللہ ہے ۔ وہ ربّ وہ رحمٰن اور رحیم ہے اور وہی مالک یوم الدین ہے ۔ تو پھر اب اس کے علاوہ اور کونسی ایسی ذات ہو سکتی ہے ۔ کہ جس کے سامنے یہ انسان خلیفۃ المنّان اپنی سر عبادت کو خم کرے ۔ اسی واسطے اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں مفعول کو اوّل لا کر عبادت کو ذات باری ہی میں محصور کر دیا گیا ۔

انسان صفات خداوندی کا مظہر ہونیکے باوجود کیوں عبادت نہیں کیا جاتا

ہاں یہ خیال ہو سکتا ہے ۔ کہ جن صفات کی رُو سے اللہ تعالیٰ کو قابل عبادت ٹھہرایا جا رہا ہے ۔ ایسی صفات کے نمونے تو انسانوں میں بھی پائے جاتے ہیں ۔ تو پھر وہ کیوں قابل عبادت نہیں ٹھہرائے جاتے ۔ بلکہ عبادت کو ذات الٰہی کیلئے ہی کیوں مختص کر دیا گیا ہے ۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں ۔ کہ جسطرح اللہ تعالیٰ نے نیست سے ہست کیا ۔ اسی طرح ہمارے والدین کا بھی ہمارے موجود ہونے میں دخل ہے ۔ ربّ نے ہمیں پالا پوسا ، تو ماں باپ نے بھی ہماری پرورش میں کونسی کمی چھوڑی ۔ اگر اللہ جل شانہٗ رحمٰن ہو کر ہمارے تمام دنیاوی ضروریات کو پورا فرماتے ہیں ۔ تو والدین بھی بچے کی ہر ضرورت کا اپنی طاقت

Marfat.com

زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اور حتیّ الامکان اسکے لئے ہر چیز مہیّا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ بتقاضائے رحیمیّت انسانوں کے گناہ معاف فرما کر اُن کو نوازشات سے سرفراز فرمائیں گے۔ تو والدین بھی بچّوں کے قصور معاف کر کے اُن پر مہربانی کیا کرتے ہیں ؎

جواب:۔ والدین کا احسان حقیقت میں خدا کا احسان ہے۔ وہی والدین کے دل میں بچّے کی محبّت اور شفقت ڈالتے ہیں۔ جسکی وجہ سے اِن تمام احسانات کا اُن سے اظہار ہوتا ہے۔ اگر وہ ان کے دل میں محبّت نہ ڈالتے۔ تو وہ کبھی بھی بچّے کیلئے اس قدر دُکھ اور تکلیفیں نہ سہتے۔ اس واسطے حقیقی محسن ربّ العزّت ہی ہے۔ یہ تمام آلات و اسباب ہیں۔ جن کے ذریعے سے وہ اپنے احسانات کو ظاہر فرما رہے ہیں۔ اس لئے عبادت کے قابل صرف وہی ہے۔ اور بس ؎

اس کے علاوہ عبادت چونکہ نہائت درجہ کی عاجزی اور تذلّل ہے۔ اِس لئے اس کے لائق وہی ذات پاک ہو سکتی ہے۔ جس کا احسان ہم پر نہائت زیادہ اور اعلیٰ ہو۔ اب اللہ تعالیٰ کے احسان بے پایاں کو تو یوں سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ والدین کے احسان کا تعلّق صرف خارج تک محدود ہے۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ مگر اللہ جل شانہٗ کا احسان ہم پر باطنی اور خارجی دونوں طرح سے ہونا ظاہر ہے۔ پھر والدین کا احسان خاص خاص شعبوں اور شاخوں سے تعلّق رکھتا ہے۔ مثلاً وہ کھانا دے سکتے ہیں۔ دانت نہیں دے سکتے۔ مثلاً ماں اپنا پستان بچّے کے منہ میں دے سکتی ہے۔ مگر اس میں دُودھ نہیں پیدا کر سکتی۔ پھر دُودھ بھرا ہوا پستان بچّے کے منہ میں رکھ سکتی ہے۔ مگر اُسے پینا نہیں سکھا سکتی۔ پھر پیٹ میں جانے کے بعد ہضم نہیں کرا سکتی۔ پھر ہضم ہونے کے بعد فضلہ باہر نہیں نکال سکتی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کا احسان والدین سے کروڑوں گنا زیادہ ہے۔ اب ذات باری کا احسان دوسروں کے احسان سے اعلیٰ کیوں ہے؟ اس لئے کہ دنیا کے جس قدر لوگ بھی احسان کرتے ہیں۔ اُن کے

Marfat.com

احسانات نتیجتاً کسی نہ کسی غرض سے وابستہ ہوتے ہیں۔ مثلاً والدین بچے کو عصائے پیری سمجھ کر پالتے پوستے ہیں۔ استاد شاگرد پر علم کا احسان، مالی امداد، شہرت یا جسمانی خدمت کیلئے کرتا ہے۔ اور تو اور انبیائے علیہم السلام جیسی مخلص ہستیاں بھی دنیا کو گمراہی سے نکالکر ہدایت کیطرف لانے کے عوض میں اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ کی متوقع ہوتی ہیں۔ مگر اللہ جلشانہٗ کا احسان کسی بدلہ یا جزا کی اُمید پر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو فرماتے ہیں۔ وَمَآ اُرِیْدُ مِنْھُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ یعنی میں اُن سے رزق یا کھانا دیئے جانے کی توقع نہیں رکھتا۔ بلکہ میرا احسان محض نوازش اور کرم پر مبنی ہے۔

عبادات احساناتِ ربّی کا کچھ بدلہ نہیں بلکہ یہ بھی ایک مزید احسان ہے

اور یہ جو فرمایا ہے۔ کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی میں نے جنّوں اور انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔ تو عبادت کچھ اُن کے احسانات کا بدلہ نہیں۔ بلکہ اگر سوچو تو عبادت خود دوسرے احساناتِ ربّی کی طرح ایک بہت بڑا احسان ہے۔ ورنہ اس کی ذات بے نیاز تو ایسی ہے۔ کہ اِنْ تَکْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ یعنی اگر تم اور سارا جہان میرا منکر ہو کر کافر ہو جائے۔ تو اللہ تو بہت بڑا غنی اور صفت کیا ہوا ہے۔ اُسے کچھ تمہارے ایمان کی احتیاج یا تعریف کی ضرورت نہیں۔ بلکہ وہ تمہاری توصیف کے بغیر سراہا ہوا ہے۔ ہاں عبادت خود انسان کے لئے مفید ہے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا۔ یعنی جو شخص اعمال صالحہ کہ جس میں سب عبادتیں بھی آجاتی

Marfat.com

ہیں کریگا۔ تو اس میں اُس کے اپنے نفس کا فائدہ ہے۔ اور جو بُرا کام کریگا۔ تو اس میں اُس کا اپنا ہی نقصان ہے۔ تو اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا۔ کہ ہماری عبادت کچھ احسانات ربّی کا بدلہ نہیں۔ بلکہ یہ بھی اور احسانوں کی طرح ایک احسان عظیم ہے۔ ؎ من نکردم خلق تا سودے کنم + بلکہ تا بر بندگان جودے کنم

عبادت سے ہمارا ظاہر و باطن صاف ہوتا ہے۔ روحانی ترقی ہوتی ہے۔ سفر آخرت کے لئے زادِ راہ حاصل ہوتا ہے۔ وصول الی اللہ اور حصول رضائے ربّانی کی قابلیت پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر احسان پر احسان تو یہ ہے۔ کہ اس عبادت پر بھی مزید انعامات مثل جنت و حور و قصور کے وعدے دیئے جاتے ہیں۔ باری تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ کہ اگر تم میری عبادت کروگے جو حقیقت میں خود تمہاری ہی ذات کے لئے مفید ہے۔ تو اس کے بدلے میں جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ باغات جن میں نہریں جاری ہونگی دونگا۔ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ جن میں چشمے چھوٹے ہوئے ہونگے فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ جن میں اُونچے اونچے تخت بچھے ہوئے ہونگے۔ وَاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ۔ جن میں آبخورے پڑے ہونگے۔ وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ جن میں گاؤ تکیے قطار در قطار پڑے ہوئے ہونگے۔ وَزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ جن میں فرش بچھے ہوئے ہونگے۔ اور پھر ان میں حورعین کا مثال اللؤلؤ المكنون خوبصورت عورتیں جو محفوظ رکھے ہوئے موتیوں کی طرح ہونگی۔ عنایت کی جائینگی۔ اور اللہ تعالےٰ کا ہماری عبادت پر اس انعام کا وعدہ ایسا ہے۔ جیسے کہ والدین بچے کو کوئی دوائی پلاتے ہیں۔ اور حالانکہ وہ دوائی بچے ہی کے لئے مفید ہوتی ہے۔ مگر اس پر بھی وہ بچے کو پیسے اور مٹھائی دیتے ہیں۔ تاکہ وہ دوائی جو اسی کی ذات کے لئے مفید ہے۔ خوشی سے پی لے۔ اسی طرح اللہ جل شانہٗ کا احسان عظیم ہے۔ کہ عبادت جو ہمارے ہی

Marfat.com

فائدہ کے لئے ہے اس پر انعامات اخروی عطا فرمائیں گے تو اس لحاظ سے اللہ جل شانہ کا احسان اعلیٰ ٹھہرا تو معلوم ہوا کہ دنیا کے تمام محسنوں سے اللہ تعالیٰ ہی کا احسان بے انتہا اور اعلیٰ ہے۔ اس واسطے اسی کی ذات عالی صفات کے ساتھ عبادت کا مختص کر لائق و مناسب ہے

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت

عبادت کی چار قسمیں

جب یہ معلوم ہوگیا کہ عبادت باری تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہے تو اب معلوم ہو کہ عبادت کی چار قسمیں ہیں۔ عبادت لسانی، عبادت مالی، عبادت ارکانی اور عبادت حالی۔

(۱) عبادت لسانی تو یہ ہے کہ زبان سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتہلیل اور تحمید وثنا کی جائے اور زبان کو اس کے ذکر وفکر میں مشغول رکھا جائے۔

(۲) عبادت مالی یہ ہے کہ اپنے مال کو اللہ جل شانہ کے رستے میں صرف کیا جائے اور اپنی کمائی سے اس کی رضامندی حاصل کی جائے۔

(۳) عبادت ارکانی یہ ہے کہ اپنے اعضا اور جمیع بدن کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگایا جائے اور مختلف ہیئتوں اور شکلوں سے کہ جس سے اس بے نیاز ہستی کے سامنے اظہار تذلل ہو سکے ظاہر کرے

(۴) اور عبادت حالی یہ ہے کہ روح اور قلب اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہیں اور دل اس کی الوہیت اور محبت سے ایسا بسا ہوا ہو۔ کہ غیر اللہ سے نفور اور اللہ کے قریب ہونے کے باعث وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ کا مظہر اتم ہو۔ اور اس کی خواہشات کا سر احکام ربی کے سامنے پورا پورا خم ہو۔ روح التخلق باخلاق اللہ کا نمونہ ہو اور جسم صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً کا مکمل آئینہ ہو۔

Marfat.com

نماز عبادت کے چاروں اقسام کی جامع ہے

اور اس کی تشریح

چونکہ نماز ان چاروں عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے شریعت مطہرہ نے نماز کی حد سے زیادہ تاکید فرمائی ہے حضور سرورِ عالم فرماتے ہیں الاول ما یحاسب به العبد یوم القیامة بعد التوحید الصلوٰة یعنی قیامت کے دن بندے سے توحید کے بعد نماز کا سوال ہوگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

روزِ آخر کہ جاں گداز بود　　　اولیں پرسش نماز بود

یعنی آخرت کے زہرہ گداز دن میں سب سے اول نماز کا سوال ہوگا۔ کیوں؟ اسلئے کہ یہ سب عبادتوں سے بہتر اور سب کی جامع ہے اسمیں زبان کی حمد و ثناء قرأت اور تسبیح و تہلیل عبادت لسانی ہے کپڑوں کی پاکی ستر عورت وغیرہ عبادت مالی ہے قیام قعدہ قومہ جلسہ عبادت ارکانی ہے پھر خضوع و خشوع تفکر الفاظ پھر الفاظ سے معنوں کی طرف انتقال اور پھر اس انتقال سے دل پر ایک خاص قسم کا اثر و سرور یہ سب عبادت حالی ہے

مسجدوں کی صحیح آبادی اور اسپر ایک مثال

مگر افسوس کہ آج ہم اور تو پھر اس بہترین عبادت میں بھی نہایت سستی نظر آتے ہیں آج مسجدیں ویرانی اور بے سروسامانی کی حالت میں نظر آرہی ہیں۔ سچ ہے

پنجوقتہ مسجدوں میں اب بھی ہوتی ہے اذاں　　　پروہ آوازِ اذاں پر دوڑنے والے کہاں
اب نہ وہ اخلاق باقی اور نہ وہ مسلماں　　　مٹ گیا ہے عشق تیرا رہ گیا نام و نشاں
مسجدیں آنکھ اریں لیکن یہ منظر عام ہے　　　ایک امام ایک مقتدی باقی خدا کا نام ہے

مسجدوں کی آبادی رنگ و روغن سے نہیں مسجدوں کی آبادی جھاڑ و فانوس سے نہیں

مسجدوں کی آبادی بجلی کے پنکھوں اور ایرانی قالینوں سے نہیں۔ مسجد کی آبادی تو نمازیوں سے ہے مسجد کی آبادی اسی سے ہے۔ کہ جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ کہے تو ساری کی ساری مسجد نمازیوں سے بھر جائے جب دربار ربی کا نقیب حاضری دربار کیلئے بلائے تو دنیا کا اہم سے اہم کام بھی دربار در بار میں حاضر ہونے میں مانع نہ آئے۔

لکھا ہے ایک صاحب حال بزرگ ایک شہر سے گزرے رات کا وقت سفر کی ماندگی اور تکلیف کیوجہ سے آپ نے خیال ہوا کہ آج کی رات یہاں ہی کی مسجد میں گزار کر آرام کریں چنانچہ آپ جامع مسجد میں آ گئے آپ نے دیکھا نہ امام نہ مقتدی نہ موذن نہ خادم اسقدر عالیشان مسجد مگر نہایت کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے خیر آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور ایک کونے میں آرام کیلئے لیٹ گئے رات کو جب تہجد کیلئے اٹھے تو آپ نے سنا کہ مسجد چیخ چیخ کر فریاد کر رہی ہے کہ اے اللہ جس طرح یہاں کے لوگوں نے مجھے ویران کیا ہوا ہے اسی طرح ان کو بھی ویران و برباد کر دے بزرگ صاحب وہاں کے لوگوں پر عذاب الٰہی کے نازل ہونے سے ڈرے اور صبح کیوقت سب اہل قریہ کو بلا کر مسجد کی فریاد اور حقیقت حال سے آگاہ کر دیا لوگ مالدار تھے فوراً پانچ سات ہزار جمع کر کے مسجد کو خوب رنگ و روغن کروا دیا موذن امام کا بندوبست کر دیا اور نہایت اعلیٰ فرش و فروش بچھوا دیا وہی بزرگ صاحب پانچ چھ مہینے کے بعد پھر ادھر سے گزرے اور پہلی طرح پھر اسی مسجد میں رات گزارنے کے خیال سے ٹھہر گئے دیکھا کہ مسجد نہایت خوبصورت اور رنگ و روغن سے آراستہ ہے نہایت قیمتی غالیچے بچھے ہوئے ہیں سینکڑوں ہنڈوں کی روشنی میں مسجد بقعہ نور اور حجلہ عروسی معلوم ہوتی ہے بہت خوش ہوئے اور آرام کرنے کیلئے ایک کونے میں لیٹ گئے رات کو حسب معمول کے مطابق اٹھے تو بدستور مسجد کو شور و فریاد اور شکوہ و شکایت میں مشغول پایا آپ نے مسجد سے فرمایا کہ اے مسجد اب تو ویران نہیں بلکہ نہایت آراستہ و پیراستہ صاف اور آباد معلوم ہوتی ہے پھر ان لوگوں کیلئے اس قسم کی بددعائیں کرنے کا کیا مطلب ہے مسجد نے جواب دیا کہ اے بزرگ میری آبادی فرش و فروش اور جھاڑ فانوس سے نہیں ہو سکتی میری آبادی کا تعلق تو نمازیوں سے ہے

Marfat.com

ہیں تب آباد ہو سکتی ہوں کہ جب موذن اذان دے کر لوگوں کو بلائے تو مسجد کی زمین کی ایک بالشت بھی نمازیوں سے خالی نظر نہ آئے۔ اس کے نہ ہوتے ہوئے مجھے اس نام نہاد آبادی کی ضرورت نہیں چنانچہ آپ نے پھر صبح لوگوں کو بلایا اور مسجد کی آبادی کا فلسفہ سمجھایا لوگ تھے خوش نصیب بزرگ صاحب کی بات کو تعویذ کی طرح عملاً گلے میں باندھا اور اسی وقت سے باقاعدہ نمازی ہو گئے جس سے تھوڑے ہی عرصے میں ان لوگوں کے اعمال۔ احوال اور اولاد میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونی شروع ہو گئی اور ان کی مرادوں کے پژمردہ باغ رحمت خداوندی کی بارش سے نہایت سرسبز اور شاداب ہونے لگے۔

تو بھائیو! یاد رکھو کہ مسجدوں کی آبادی آپ کے نماز پڑھنے سے ہے نہ کہ صرف خوبصورت گنبد کے لمبے لمبے مینار بنا دینے سے۔ وہ ہوں تو نور علیٰ نور نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں مگر آپ نماز نہ پڑھیں اور پھر کہیں کہ مسجدیں آباد ہیں تو یہ کہنا سراسر غلط ہوگا۔

نماز میں انتہائی انکسار کس طرح پایا جاتا ہے

عبادت نام ہے غایت تذلل کا اور نماز میں اس قدر انکسار اور تذلل کا اظہار کیا جاتا ہے کہ دوسری کوئی عبادت بھی اظہار تذلل میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی کیونکہ انسان کے وجود میں سب سے اعلیٰ اور اشرف عضو منہ ہے۔ اسی پر سب جسم کی خوبصورتی و بدصورتی کا انحصار ہوتا ہے یہ فطرت کا ایک آئینہ ہے جس میں انسان کے تمام اندرونی جذبات و تاثرات کی تصویر کھنچ جاتی ہے خفا ہوا تو بھویں چڑھ گئیں خوش ہوا تو باچھیں کھل گئیں شرمندہ ہوا تو سرخی دوڑ گئی ڈرا تو پیلا پڑ گیا نماز میں ایسے اشرف الاعضاء منہ کو زمین پر جو نہایت درجہ کی ادنیٰ چیز ہے جو ادنیٰ و اعلیٰ کے پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے اور جس پر تمام دنیا کی غلاظت ڈالی جاتی ہے۔ رکھ دیا جاتا ہے۔ اور پھر یوں بھی نہیں بلکہ وضو کر کے صاف کر کے۔ نمازی اللہ جل شانہ کے سامنے سر بسجود ہو جاتا ہے تو اب

Marfat.com

آپ ہی بتائیے کہ اس سے زیادہ تذلل و تخجر کا نمونہ اور کس جگہ دیکھا یا دکھایا جا سکتا ہے اسی واسطے توریت الحرمت نے بار بار اقیموا الصلوٰۃ فرما کر اس کی اہمیت اور بہترین عبادت ہونے کی طرف انسان کو توجہ دلائی ہے۔

اسلام نے سب عبادتوں کو دس بڑی بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ قرأت قرآن۔ ذکر الٰہی۔ طلب حلال۔ نگاہداشت حقوق المسلمین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اگر غور کیا جائے تو دوسری سب عبادتیں کسی نہ کسی طرح لامحالہ ان اقسام میں داخل ہو جاتی ہیں۔

عبادت تین خیالوں سے کی جاتی ہے اور ان کا فرق

اب اللہ تعالیٰ کی یہ سب عبادتیں انسان تین خیال سے کرتا ہے یا تو خوف سے یعنی ڈرتا ہے کہ شاید خالق الارض والسمٰوٰت کی نافرمانی دنیا میں نعمتوں کے چھن جانے اور عقبیٰ میں عذاب جہنم کا باعث نہ بن جائے اسلئے وہ ایک غلام یا نوکر کی طرح جسے جو ملازمت کے چلے جانے یا کسی مالی و بدنی سزا کے خوف سے مالک کا حکم بجالاتا ہے اور یہ نہایت ہی ادنیٰ درجہ کی عبادت ہے یا اس کی عبادت کسی لالچ کے باعث ہوتی ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس غرض سے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو کر اسے دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازے دنیا میں آرام سے رکھے اور آخرت میں حور و غلمان اور قصور و جنان عنایت فرمائے اور یہ متوسط درجہ کی عبادت ہے کیونکہ اس میں انسان ذاتی و دنیاوی فانی لذتوں کے مقابلہ میں اشرف و بقا کی اشرف لذتوں کا خواہاں ہوتا ہے اس واسطے اس کا درجہ پہلی عبادت سے بحیثیت مقصود کے ارفع و اعلیٰ ہے یا عبادت کرنے کا ظاہر المقصود لقائے ربی اور مشاہدہ حق ہوتا ہے اس میں عبادت کا مقصد نہ تو حصول دنیا ہی ہوتا ہے اور نہ حصول آخرت بلکہ محض دیدار ربی اور رضائے خداوندی کیلئے کی جاتی ہے اور یہ سب سے بہترین عبادت

Marfat.com

کیونکہ اس میں عابد کا مقصود خالق ہوتا ہے برعکس پہلی دو قسموں کے کہ ان میں مطلوب مخلوق ہے اور مخلوق اور خالق کے درجوں کا جو فرق ہے وہ ہر ایک عاقل جانتا ہے اسی فرق پر مراتب مقاصد کو بھی خیال کر لینا چاہئے۔ اسی واسطے صوفیائے کرام فرماتے ہیں

طالب الدنیا مخنث وطالب العقبیٰ مؤنث وطالب المولیٰ مذکر

یعنی دنیا کا طالب ہیجڑا ہے نہ ادھر کا نہ ادھر کا جیسے ہیجڑا نہ مردوں میں شامل ہے نہ عورتوں میں اسی طرح دنیا کا طالب بھی ایک فانی اور آب نما سراب کی طلب میں مشغول ہے طالب عقبیٰ عورت کی طرح ہے اگرچہ اس کا مقصود بھی عورت کی طرح کمتر ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ اہمیت ضرور رکھتا ہے جس طرح عورت اگرچہ الرجال قوامون علی النساء کے مطابق مرد سے کمتر واقع تو ہوئی ہے مگر دنیاوی زندگی میں اس کا وجود بھی جزو لابدی کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ توالد و تناسل کا سلسلہ امور خانگی کا انتظام بچوں کی نگہداشت وغیرہ اسی کی ذات سے وابستہ ہیں اسیطرح طالب عقبیٰ بھی اگرچہ کمتر مقصود کا طالب ہے مگر پھر بھی یہ اخروی طالب اپنے اندر بہت کچھ اہمیت رکھتی ہے اب اسکے بعد رہا طالب مولیٰ اس کو مذکر فرمایا یعنی اللہ کا طالب مذکر ہے کیونکہ اس کا مقصود اتنا ارفع و منیع ہے کہ سوائے مرد انسان کے کوئی اس کے حاصل کرنے کے درپے نہیں ہو سکتا اور حقیقت میں طلب مولیٰ کیلئے عبادت کرنا ہی پر کیف و پرلذت عبادت کہی جا سکتی ہے کسی نے کیا کہا ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

جسے خالق مل گیا سب مخلوق اس کی ہو گئی

کیونکہ جب عبادت کا مقصود خالق دنیا ہو اور وہ مل بھی جائے تو دنیا پھر عابد کی ایک ادنیٰ غلام

بادشاہی گر مونس جانت شود ہر دو عالم زیر فرمانت شود

جسطرح کہتے ہیں کہ ہارون رشید کو ایک لونڈی سے جو کچھ زیادہ حسین و جمیل نہ تھی بہت محبت تھی

Marfat.com

ایک دفعہ بعض امراء نے عرض کی کہ امیر المومنین سینکڑوں حسین و جمیل لونڈیاں حرم میں موجود ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ نظر انتخاب ایک ایسی لونڈی پر پڑی ہے جو چنداں خوش شکل بھی نہیں۔ ہارون رشید نے کہا میں کل تمہارے اس سوال کا جواب دوں گا چنانچہ ہارون رشید نے دوسرے دن سب دربار کو آراستہ کرنے اور تمام درباریوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا جب سب لوگ آ گئے تو اس نے نہایت قیمتی چیزیں منگوا کر دربار میں رکھوائیں تھوڑی دیر بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ آج جو شخص اس دربار میں سے کوئی چیز لے گا۔ تو وہ چیز ہمیشہ کیلئے اسی کی ہو جائے گی چنانچہ حکم کی دیر تھی تمام کے تمام درباری قیمتی اشیاء کے لوٹنے پر ٹوٹ پڑے مگر وہ لونڈی بادشاہ کے پاس سے نہ ہٹی بادشاہ نے لونڈی سے کہا کہ اے لونڈیا تو کیوں ایک جگہ بت بنی کھڑی ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ میں نے دربار کو لوٹنے کا حکم دیا ہے اور جو شخص بھی کوئی چیز اٹھائے گا۔ وہ اسے ہی دی جائیگی لونڈی نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی جہاں پناہ میں نے آپ کا فرمان سنا مگر مجھے ڈر ہے کہ میں جو چیز لونگی وہ مجھے نہ دی جائیگی بادشاہ نے کہا دیوانی جب ہم نے عام حکم دیدیا ہے تو پھر اس چیز کے نہ دیے جانے کا کیا مطلب۔ تو لوٹ اور اگر ہم نے نہ دی تو شکایت کرنے کی مجاز ہے چنانچہ جب لونڈی نے بادشاہ کی زبان سے یہ سنا تو بڑھ کر اپنا ہاتھ بادشاہ کے کندھے پر رکھ دیا کہ مجھے اس دربار کی اشیاء سے اس قیمتی و نایاب موتی کی ضرورت ہے بادشاہ نے تمام امیروں اور وزیروں کو مخاطب کر کے کہا دیکھو تم ادنیٰ چیزوں پر لوٹ پڑے جو میرے ہاتھ کی میل اور میری جمع کی ہوئی تھیں مگر اس لونڈی نے اس شخص کو انتخاب کیا جو ان کا مالک اور ان کے جمع کرنے کا باعث ہے یہی وجہ ہے کہ میری نظر میں اس لونڈی کی قدر حرم کی دوسری لونڈیوں سے بہت زیادہ ہے اور پھر حکم دیا۔ کہ چونکہ اس لونڈی نے مجھے چنا ہے اسلیے جو کچھ بھی تمام درباریوں کو ملا ہے اس سے دوچند اس ایک لونڈی کو دیا جائے تو بھائی طلب مولیٰ میں بھی یہی ہے کہ اگرچہ ہماری عبادتیں خوش شکل اور خوبرو نہ ہوں لیکن اگر ہماری عبادتوں کا مقصود فقط وہی ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے شرف قبولیت عطا فرما کر اس عابد کو اپنا لیتے ہیں اور جب انسان اللہ کا ہو جاتا ہے تو پھر مولا بھی سب دنیا کو اس منتخب انسان کے پاؤں پر ڈال

Marfat.com

دنیا ہے تو پھر ہماری عبادتوں کا مقصود و مطلوب کیوں نہ خالق الدنیا والعقبیٰ ہو اور اس سے غرض کو دنیا یا عقبیٰ مقصود بنا کر کیوں گرایا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی راز ہمکو نماز کی نیت میں سکھایا ہے کیونکہ آپ کی ارشاد فرمائی ہوئی نیت میں یوں آتا ہے اُصَلِّی لِلّٰہِ یعنی میں اللہ کیلئے نماز پڑھتا ہوں آپ نے یوں نہ سکھایا۔ کہ کہو اصلی لحسنۃ الدنیا او لحسنۃ الآخرۃ کیونکہ حسن دنیا یا آخرت لقائے ربی کے مقصود سے نہایت کم درجہ کا مقصد ہے۔

صوفیائے کرام کے غایت عبادت کے متعلق مختلف نظریے

اور بعض صوفیائے کرام جنہوں نے اپنے آپ کو مشاہدہ الٰہی میں فنا کر دیا۔ اور جنہوں نے دنیا اور آخرت سے ہاتھ دھو کر ذات باری ہی کو اپنا مقصود و مطلوب بنایا اور پھر اس حصول مقصد کے بعد ایسے بیخود اور بے ہوش ہوئے کہ طلب مولیٰ کے بغیر کسی اور غرض کیلئے عبادت کرنے کو گناہ قرار دیا اور دلیل یہ دی کہ جب کوئی انسان عبادت کرتا ہے اور عبادت سے اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے اس سے دنیا یا آخرت چاہتا ہے تو گویا اس نے دنیا اور آخرت کو مقصود بنایا اور رضائے مولیٰ کو اس کا وسیلہ اور یہ ظاہر ہے کہ وسیلہ مقصود سے کم درجہ کا ہوتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ کو عابد نے دنیا و آخرت سے کم مرتبہ سمجھا اور ایسے سمجھنے کا جو حکم ہے وہ ظاہر ہے۔ مگر یہ سب باتیں صاحب سکر اور مغلوب الحال لوگوں کی شطحیات ہیں اور یہ وہ مقام ہے کہ جب وہ فنا فی اللہ کا پیالہ لنڈھاتے ہیں اور توحید محبت کا جام انہیں مست و بیہوش بنا دیتا ہے تو اسوقت اگر بایزید بسطامی سبحانی ما اعظم شانی کہتے ہیں تو شبلی لوائی ارفع من لواء محمد کا دم بھرتے ہیں منصور حلاج اگر انا الحق کہتا ہے۔ تو سیدنا غوث الثقلین قدمی ھذہ علی رقبۃ کل الاولیاء کا دعویٰ فرماتے ہیں سچ ہے ؎

نہ من تنہا درین میخانہ مستم　　　جنید و شبلی و عطار ہم مست

Marfat.com

نہ تو میں ہی اکیلا اس وحدت اور رضا و بقا کے مرتبہ کا مستحق نہیں بلکہ میرے ساتھ چند ہمشہور شبلی اور عطار جیسے مشہوروں کا گروہ ہے۔

اور ایسے طلب ہی کی حالت میں بقول یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بغیر کسی دوسری چیز کو مقصود بنائے محض اس تعالیٰ کی محبت ہی نہ کہ محبت کو مقصود بنا کر اسکی تمنا کرنا اور اس کا اللہ جل شانہٗ سے طلب کرنا تو قرآن پاک کی رو سے جائز ہے اور رب العزت نے قرآن پاک میں ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ فرما کر طلب ہی کو فوز عظیم اور مقصود عظیم ظاہر فرمایا ہے مگر وہ جو بیان ہوا ہے سب عشق کا بیان تھا۔

فرہب عاشق ز مذہبہا جدا است ۔۔۔ عاشقاں را مذہب و ملت جدا است

عاشقوں کی تین قسمیں اور ان کا فرق

لیکن یہاں یہ ہو اگر سوچو تو اللہ جل شانہٗ سے عشق اس کی رضا و لقا کے بغیر کسی اور غرض سے کرنا حقیقت میں نہایت ہی ادنیٰ درجہ کا عشق ہے کیا اولیا نے لکھا ہے کہ عاشقوں کی تین قسمیں ہیں عاشق ذاتی عاشق صفاتی اور عاشق احسانی ہے عاشق ذاتی تو وہ عاشق ہے جو محض معشوق کی ذات سے محبت رکھے خواہ معشوق سے نفع پہنچے یا نقصان خواہ اس سے آرام ملے یا تکلیف جب تک معشوق کی ذات موجود ہے اس کے عشق میں کچھ تزلزل نہیں آتا اور یہ عشق کا نہایت اعلیٰ درجہ ہے عاشق صفاتی وہ عاشق ہے جو معشوق کے بعض صفات کا عاشق ہو مثلاً اسکے حسن وجمال کا اس کے جاہ و منصب کا اسکے علم و حلم یا اور کسی ایسی ہی صفت کا یہ متوسط درجہ کا عشق ہے کیونکہ اصل عشق ذات اور موصوف سے نہیں بلکہ عرض اور صفت سے ہے لیکن چونکہ صفت کا قیام موصوف سے ہے اور وہ عرض اسکی ذات میں ہو کر پایا جاتا ہے اسواسطے عشق صفاتی میں ضمنی طور پر موصوف بھی شامل ہو جاتا ہے

اب تیسرے درجہ کا عاشق یا عاشق احسانی ہے اس کا عشق نہ تو ذات سے ہوتا ہے نہ صفات سے بلکہ محض منفعت پر اس کی نظر ہوتی ہے اس کی محبت نہ تو ذات محسن سے ہے نہ صفت احسان سے بلکہ اس کا عشق محض احسان سے کہ کرم و انعام سے وابستہ ہے اور یہ عشق نہایت ہی ادنیٰ درجہ

کا عشق ہے اور حقیقی عشاق عشق صفاتی اور عشق احسانی کو بسبب عشق میں شرک سے تعبیر کرتے ہیں

ورنہ ہمیں کچھ نہ کام نہ جنت سے کچھ غرض | جائیں گے ہم ادھر کو جدھر یار لے چلے
دنیاست بلا خانہ و عقبیٰ ہوس آباد | ما حاصل ایں ہر دو بیک جو نستانیم
ایں فتنہ بدنیا شد و او غرہ بعقبیٰ | ما فارغ از ایں ہر دو نہ اینیم نہ آنیم

امام حسن بصری، مالک بن دینار اور رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی عشق حقیقی سے متعلق دقیق گفتگو

چنانچہ مجھے رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی ایک بات یاد آگئی جس سے اس تمام تقریر کی تفصیل ہو جائیگی ایک دفعہ آپ کے پاس امام حسن بصری اور مالک بن دینار تشریف لائے اور عرض کی کہ بی بی صاحبہ عشق حقیقی کیا چیز ہے ذرا آپ مہربانی فرما کر اسکی تفصیل فرماویں بی بی صاحبہ نے فرمایا آپ ہر دو اور پھر امام زمان آپ سے بڑھ کر میں عشق حقیقی کے اسرار کو کیا جانوں خیر جب انہوں نے بہت کچھ تقاضا کیا تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ اچھا پہلے آپ ہی بتائیے کہ آپ کے خیال میں عشق حقیقی کو کن الفاظ میں تعبیر کیا جا سکتا ہے چنانچہ امام صاحب نے فرمایا کہ لَمْ یَصْدُقْ فِیْ دَعْوَاہُ مَنْ لَّمْ یَصْبِرْ عَلٰی ضَرْبِ مَوْلَاہُ یعنی دعویٰ عشق میں وہ شخص کبھی بھی سچا نہیں ہو سکتا جو اپنے مولیٰ کی مار اور تکلیف پر صبر نہ کرے بی بی صاحبہ نے فرمایا سبحان اللہ دعویٰ عشق اور پھر ساتھ شرک بھی پھر آپ نے مالک بن دینار سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک عاشق حقیقی کون ہو سکتا ہے انہوں نے فرمایا کہ لم یصدق فی دعواہ من لم یشکر علی ضرب مولاہ یعنی وہ شخص کبھی بھی اپنے دعویٰ محبت میں سچا قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ وہ اپنے مولیٰ کی مار پر اس کا شکریہ ادا نہ کرے آپ نے فرمایا یہ بھی شرک ہے اس پر امام صاحب اور مالک بن دینار رحمہما اللہ نے حیرت سے عرض کی کہ بی بی صاحبہ ہمارے دعویٰ عشق میں شرک کا تعلق کس طرح ہو سکتا ہے آپ نے پہلے امام صاحب کو فرمایا کہ جب آپ نے عاشق صادق کی تعریف میں یہ بیان کیا کہ وہ ضرب مولیٰ پر صبر کرے تو اس نے اپنے معشوق

کے بغیر عاشق کے وجود اور ہستی کو بھی ثابت کیا کیونکہ جب تک اس کی ہستی وجود اور اس کا عقل و شعور نہ ہوگا۔ وہ ضرب مولیٰ پر صبر کیسے کریگا اور صبر کے مفہوم و مطلب کو کیا سمجھے گا۔ اور جب وہ بنا رہا تو اس ہوا اثر اس پر وہ دیوانگی کیا طاری ہوئی کہ پھر دنیا کی ہزار ہا تیار ہا لیکا قربان ہو نیکے قابل ہیں سمجھے

سے
پتھر سے چلو سے سکتے بیہوشوں کو ہوش ہیں آنے سے کیا مطلب

اور پھر اس نے جب تک اپنی ہستی کو نہ مٹایا تو ذات الٰہی میں فنا کیسے ہوا اور فنا نہ ہوا تو عاشق کامل کہلانے کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے سہ

تو مباش اصلا کمال این است وبس
تو در و گم شو وصال این است وبس

بایزید بسطامی کی ایک عرض اور اس کا جواب

حضرت بایزید بسطامیؒ نے ایک دفعہ دربار ربی عرض کی یَارَبِّ کَیْفَ السَّبِیْلُ اِلَیْکَ یعنی اے اللہ آپ تک پہنچنے کا کیا طریقہ ہے ندا آئی دَعْ نَفْسَکَ وَتَعَالَ یعنی اپنے نفس کو چھوڑ دے اپنے آپ کو مٹا ڈال اور پھر میری طرف آنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی۔

انانیت مقصود میں حائل ہوتی ہے اور اس کی مثال

کہتے ہیں کہ ایک پیر صاحب نے دو مریدوں کو ریاضت و چلہ کشی کیلئے جنگل میں بھیجا جب زمانہ پورا ہو چکا تو دونوں مرید حاضر خدمت ہونے کیلئے شہر میں واپس آئے جب پیر صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے تو کوٹھڑی کے دروازہ کو اندر سے بند پایا دروازہ پر دستک دی تو آپ نے اندر سے پوچھا کہ کون ہے ایک مرید نے آگے بڑھکر عرض کی حضور میں ہوں فلانا ریاضت ختم کر کے حاضر ہوا ہوں آپ نے فرمایا دوسرا تیرے ساتھ کون ہے تو جھٹ دوسرے نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ حضور آپ کا ناچیز خادم ہے حکم کے پورا کرنے کے بعد خدمت کیلئے حاضر ہوا ہوں آپ نے پہلے مرید کو فرمایا کہ ابھی تم جا کر پھر اتنا ہی زمانہ اور ریاضت اور چلہ کشی میں گزارو کیونکہ میرے پاس "میں" والے کی ضرورت نہیں اور دوسرے کو اپنے اندر آنے

کی اجازت دی اور فرمایا کہ آقا کے ساتھ خادم رہ سکتا ہے اسواسطے آج سے تو میرے پاس رہا کرنا اسی واسطے تو کبیر صاحب نے فرمایا ہے سہ

بکری جو میں میں کرے گلے چھری پھروائے — مینا جو میں نہ کہے سب کے من کو بھائے

بی بی حنا کی تقریر بطرف حسن اور اسپر یوسفؑ کے قصے کا استشہاد و بیان

بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ صبر عاشق سے وجود عاشق کا ثبوت بھی ملتا ہے جو مذہب عشق میں صریح گناہ ہے

اذا قلت ما اذنبت قالت مجیبۃ — وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

ع گفتم چہ بود جرم از تو چو مارا گنہ نیست — گفتا کہ ہست ہستی تو بدترین گناہ

سہ حجاب راہ توئی حافظ از درمیاں برخیز — خوشا کسی کہ دریں راہ بے حجاب رود

پھر اسی طرح آپ نے مالک بن دینارؒ سے فرمایا کہ تیرے دعوی عشق میں بھی عاشق کا وجود ثابت ہوتا ہے کیونکہ شکر ثنا کے وجود کا مقتضی ہے اسواسطے تیری تعریف بھی کچے عاشق کی شان کے مناسب ہے نہ پختہ کار کے

جب آپ یہ سب کچھ فرما چکیں تو دونوں صاحبوں نے عرض کی کہ پھر بی بی صاحبہ پختہ عشق اور کامل محبت کیا ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا لم یصدق فی دعواہ من لم ینس الم الضرب فی مشاہدۃ مولاہ یعنی دعوی عشق میں وہی سچا اور پکا ہے جو معشوق کے مشاہدہ میں اسقدر منہمک اور مستغرق ہو کہ اسے مار یا دکھ محسوس ہی نہ ہو اور وہ دیدار میں ایسا خود رفتہ ہو جائے کہ ضرب کے متعلق اسے کچھ معلوم ہی نہ ہو سکے

تا کہ تو دم میزنی ہمدم نۂ — تا کہ موئے ماندہ محرم نۂ

اور فرمایا جسطرح یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر بی بی زلیخا کی ملامت کرنیوالیوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے مگر مشاہدہ یوسفؑ میں ایسی خود رفتہ ہو گئی تھیں کہ اسوقت نہیں اپنے وجود تک کا خیال تھا ہاتھوں کا کٹنا اور اسکے درد کا محسوس ہونا تو دوسرا مرتبہ تھا تو جب مخلوق کا مشاہدہ اور استغراق وجد اپنے آپ سے اسقدر بیگانہ بنا دے تو پھر مشاہدہ خالق میں اپنے آپ سے بیگانہ نہ ہو کر دعوی عشق کرنا کیسے پختگی عشق کی دلیل ہو سکتا ہے

قرآن پاک میں سورہ یوسف کے چوتھے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَةُ

Marfat.com

الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ
كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ
قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ

یعنی شہر کی عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو حصول مقصد کے لئے طلب کرتی ہے اور اس کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اور ہم اسے اس معاملہ میں صریح غلطی پر سمجھتی ہیں جب زلیخا نے ان کی ایسی ویسی باتیں سنیں تو انہیں بلا بھیجا اور ان کیلئے کھانا تیار کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور یوسف علیہ السلام کو کہا ان کے سامنے آؤ جب ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو بڑا پایا ان کے حسن وجمال میں اور اسی خود رفتگی میں بجائے ترنج یا پھل کے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور پکار اٹھیں سبحان اللہ یہ انسان نہیں، بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے مولانا جامی صاحب نے یوسف اور زلیخا کے تمام قصہ کو ایک نہایت دلچسپ اور پر کیف مثنوی میں لکھا ہے۔ اور درس نظامی کے فارسی طبقہ میں جامی رحمۃ اللہ علیہ کی "زلیخا" کو ایک خاص امتیاز اور اہمیت حاصل ہے۔ اس آیت کا ترجمہ جو آپ نے فارسی میں کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ سننے کے قابل ہے آپ فرماتے ہیں ؎

ہوئیں طعنہ زن عورتیں مصر کی — کہ بندے کی اپنی یہ بندی ہوئی
لیا جس کو مول اسکو لو دل دیا — بجھا شمع غیرت کی یہ کیا کیا
خریدا جسے اس پہ شیدا ہوئی — زلیخا کی عقل و خرد کیا ہوئی
عجب پر عجب اور ہے یہ سنو — کہ خواہاں ہے یہ اور گریزاں ہے وہ
اسے الفت اور اس کو نفرت ہے واہ — یہ ہے عزت دختر بادشاہ
یہ نزدیک جاوے وہ بھاگے ہے دور — یہ کرتی ہے عجز اس کو ہے سو غرور

بی بی زلیخا جب ان کی اس قسم کی باتیں سنتی ہیں تو سب کی مہمانی کر کے اپنے

Marfat.com

محل میں بلاتی ہیں ؎

سجا کے بزم عشرت وہ حسیں | کہ جز ناز و نعمت نہ تھا ہم نفس
کر آراستہ جشن شاہوں کی شکل | ہر اک قسم کا تھا جس میں شربت و اکل
ترنج اور چھری دی ہر ایک کو | کہ کاٹو اسے تا حضور یار ہو
کہا پھر کہ یوسف کو بلواؤں میں | جو خواہش تمہیں ہو تو دکھلاؤں میں
کہا سب نے ہم کو تو آرزو | یہی ہے کہ دیکھیں وہ روئے نکو
اسے دیکھ کے کھائیں اپنا ترنج | تراشیں گے پھر تو خوشی سے ترنج

چنانچہ جب یوسف علیہ السلام بی بی زلیخا کے کہنے پر نکلتے ہیں تو ؎

کہاں کا ترنج اور کہاں کی چھری | رہا ہوش کسی کا نہیں تھیں پری
گئی عقل تو ہاتھ سے یک قلم | ہر اک نے کئے ہاتھ اپنے قلم
بجائے ترنج اپنے ہاتھوں کو کاٹ | دیا خون سے سارے ایوان کو پاٹ

اور پھر بے ساختہ پکار اٹھیں ؎

یہ انسان نہیں ہے فرشتہ ہے یہ
بنور الٰہی سرشتہ ہے یہ

طوالع الشموس سے ایک ایسا ہی واقعہ

یوسف علیہ السلام کے واقعے کی طرح قاضی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک واقعہ طوالع الشموس میں درج فرمایا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک نوجوان کو ایک عورت کے ساتھ متہم کیا گیا پھر عدالت سے سو درے لگائے جانے کا فیصلہ ہوا۔ تاریخ مقرر ہو چکی تھی۔ ہزار ہا لوگ سزا دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ چنانچہ جب اسے درے لگنے شروع ہوئے تو وہ ایک طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا

Marfat.com

نہ کوئی شور نہ واویلا۔ نہ چیخ نہ پکار۔ جب آخر کا سواں دُرہ لگا تو اس نے انتہائی شور و فریاد شروع کی۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ ۹۹ دردں پر تو اس نے اُف تک نہ کی مگر آخری ایک دُرے سے پر اس قدر زاری و فریاد کی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس میں کچھ نہ کچھ راز ہے۔ چنانچہ جب تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ ۹۹ دروں تک تو اس کی محبوبہ وہاں اس کے سامنے موجود تھی جس کے دیدار کے استغراق و انہماک نے مار کی تکلیف کا احساس نہ ہونے دیا۔ ہاں آخری دُرے پر وہ نظر سے اوجھل ہو گئی جس سے سویں درے پر اس قدر تکلیف کا اظہار کیا گیا۔

دیکھو یہ تو عشق مجازی ہے جس میں دکھوں اور تکلیفوں کا احساس نہیں ہوتا اگر یہ عشق حقیقی ہو تو پھر آپ ہی بتایئے عاشق صادق کو الم ضرب کا کیا احساس ہو سکے گا۔ اسی واسطے نبی پاک صاحب نے فرمایا۔ کہ عاشق صادق وہ ہے جو اپنے نفس سے بیگانہ ہو جائے اور اپنے آپ کو ذات باری کے مشاہدہ میں بالکلیہ فنا کر دے۔ کیونکہ جب تک نفس کا وجود ہے اور مَن اور انا کا مصداق ہو سکتا ہے۔ تب تک نہ تو وہ مشاہدے کے قابل ہوتا ہے۔ اور نہ ہی اسے عشاق کی فہرست میں درج کیا جاتا ہے۔

نفس کی چار قسمیں اور ان کے حجابات

نمازی سے کیسے ہٹائے جاتے ہیں

اسی واسطے تو مصلی کو نماز میں سب سے پہلے نفس کے چھوڑنے کا ارشاد ہوتا ہے اور جب وہ نفس کو چھوڑ دیتا ہے۔ تو پھر فوراً دربار کی حاضری کا حکم ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ قرآن پاک کی رو سے نفس کی چار قسمیں ہیں اماره لوامه ملہمہ اور مطمئنہ

Marfat.com

نفس امارہ انسان کو بُرے کاموں کی رغبت دیتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ۔ کہ نفس تو بُرے کاموں کا حکم کرتا ہے۔ نفس لوامہ انسان کو بُرے کام پر ملامت کرتا ہے۔ قرآن پاک میں وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے نفس لوامہ کی قسم کھائی ہے۔ اس کے بعد نفس ملہمہ وہ ہے۔ جو انسان کو نیک و بد سمجھاتا ہے۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قرآن پاک نے اسی نفس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ اور نفس مطمئنہ وہ ہے۔ جو دنیا کی آلائشوں اور کثافتوں سے پاک ہو کر اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کے مطابق ذکر الٰہی اور یاد خداوندی کے ساتھ مطمئن ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک ایسے نفس کو بشارت دیتا ہے یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ یعنی اے نفس مطمئنہ تو اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حال میں کہ تو اُس سے راضی ہے۔ اور وہ تجھ سے۔ اب ان چاروں قسموں میں سے اگرچہ ایک بُری اور باقی تین اچھی ہیں مگر پھر بھی نفس ہی کی قسمیں ہیں۔ اس لئے ان چاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی چار صفتوں سے مغلوب کر کے مٹانے کی تلقین فرماتے ہیں۔ اور وہ چار صفتیں ربّ العالمین رحمن۔ رحیم اور مالک یوم الدین ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کو صفت ربوبیت سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو نفس امارہ کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ جب رحمانیت کی ثنا کو ادا کیا جاتا ہے۔ تو لوامہ کے حجاب کو ہٹا دیا جاتا ہے۔ جب صفت رحیمیت کو ذکر کیا جاتا ہے۔ تو ملہمہ کے پنجہ سے چھڑایا جاتا ہے۔ اور جب اُس احکم الحاکمین کو مالک یوم الدین کہہ کر سراہا جاتا ہے۔ تو نفس مطمئنہ کی آخری اوجھل کو بھی دور کر دیا جاتا ہے۔ اب مصلی نفس کی سب قسموں سے پاک و صاف ہو کر ایک سادہ کاغذ رہ جاتا ہے۔ جس پر حسب منشا ہر قسم کا نقش کھینچا جا سکتا ہے۔ اب نفس کے بوجھ کے ہٹنے سے اس کی پرانی ملکوتی صفات خوب اُبھر آتی ہیں۔ جس کی وجہ

Marfat.com

سے اسے فوراً دربار خداوندی میں حاضر کر دیا جاتا ہے۔ اسی واسطے اب نمازی ایاک نعبد کہہ کر بطریقہ خطاب بات کرنی شروع کرتا ہے۔ گویا کہ وہ پہلے نفس کے پردوں میں محجوب تھا۔ مگر ان صفات کے ذکر نے ان پردوں کو ہٹا دیا اور اب وہ رب العزت کے سے بالمشافہ بات چیت کر رہا ہے۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں جمع کا صیغہ کیوں لایا؟

یہاں خیال ہو سکتا ہے۔ کہ عبادت تو ایک شخص کرتا ہے۔ مگر صیغہ بجائے اَعْبُدُ (میں عبادت کرتا ہوں) کے نَعْبُدُ کیوں استعمال کیا جا رہا ہے؟ جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں اللہ جل شانہ نے بہت بڑا راز رکھا ہے۔ کہ جس سے یہ کہ قرآن پاک کے لفظ لفظ کا بحر زخار اور سمندر ناپید اکنار ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہ راز تو محض ہم جیسے سطحی لوگوں کا ہے۔ لوگ جو دریائے معرفت کے تیراک اور بحر عرفان کے غواص ہیں۔ وہ قرآن پاک کے ایک ایک لفظ سے سینکڑوں ایسی باریکیاں اور اسرار سمجھتے ہیں کہ ادنیٰ تو اونیٰ متوسط درجے کا آدمی بھی اُن کے رفعت خیال اور دقت راز کو معلوم کر کے بے ساختہ ما ھذا کلام البشر پکار اٹھتا ہے۔

قرآن پاک کے بحر معانی ہونے پر شبہ اور اس شبہ کا ازالہ

شاید اس سے آپ کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو جائے۔ کہ کیا وجہ ہے کہ مثلاً سورۃ فاتحہ کے لفظ تو وہی ہیں۔ آیتیں اتنی ہی ہیں کسی لفظ کسی حرف یا حرکت و سکون کی کچھ بھی نہیں ہوتی۔ پھر لغوی لحاظ سے معنی میں بھی تبدیلی ممکن نہیں تو پھر یہ دعوے کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ادنیٰ متوسط اور اعلیٰ شخص کے فہم مطالب میں بھی ادنیٰ متوسط اور اعلےٰ کا فرق ہوگا۔

جواب۔ میں اس فرق کو آپ کے سامنے بذریعہ مثال بیان کرتا ہوں۔ تاکہ جو لوگ پڑھے لکھے نہیں۔ اُن کی سمجھ میں بھی میری بات آسانی سے آ سکے۔

Marfat.com

سمندر کی مثال کو لیجئے۔ ایک شخص سمندر کو دور سے دیکھتا ہے۔ اور اسے ایک پانی کی لکیر سمجھ کر اسے ہی سمندر کی حقیقت قرار دیتا ہے۔ دوسرا اس کے کنارے پر آتا ہے۔ اس کے مد و جزر کو دیکھتا ہے۔ اس کے کنارے پر رنگ برنگ کے سیپ اور عجیب و غریب جانور مرے ہوئے دیکھتا ہے اس کے پانی کو چکھتا ہے۔ تو نمکین پاتا ہے اور بس اسے ہی سمندر کی حقیقت سمجھ کر مطمئن ہو جاتا ہے۔ تیسرا شخص اس سمندر کا سفر کرتا ہے۔ طرح طرح کے دریائی پرندے اور مچھلیاں دیکھتا ہے۔ سب میرائن یا سمندر کے اندر جانے والی موٹر کے ذریعہ سے اس کی تہ کی سیر کرتا ہے سمندر کے پیٹ کے عجائبات کو دیکھ کر فتبارک اللہ احسن الخالقین کا ورد کرتا ہے۔ غواصوں کے موتی نکالنے کے طریقے سے مطلع ہوتا ہے۔ اور سمندر کی حقیقت کچھ ایسے الفاظ میں سمجھتا ہے کہ جس کو پھر بھی بیان نہیں کر سکتا۔ تو اب آپ ہی بتائیں۔ کہ سمندر تو ایک ہے۔ مگر پہلا اسے سفید پانی کی لکیر دوسرا اس سے کچھ زیادہ اور تیسرا اس سے کچھ اور زیادہ مطلب اس لفظ کے ساتھ وابستہ دیکھتا ہے۔

اسی طرح قرآن پاک کے سمندر کا سطحی عالم۔ اس کے باطنی عالم سے بہت کم اسرار و نکات کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی واسطے تو ارشاد باری ہے۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا
یعنی اے حبیب آپ لوگوں کو کہہ دیجئے۔ کہ اگر سمندر بھی کلمات ربی کے لکھنے کے لئے سیاہی بن جائے۔ تو کلمات ربیہ کے ختم ہونے سے پہلے وہ بھی ختم ہو جائیگا۔ اور یہی نہیں بلکہ اتنی ہی اگر اور سیاہی بھی لے آئیں۔ تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں لکھنے کے لئے بالکل ناکافی اور کم ہے۔ ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم — وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر — ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

Marfat.com

بجائے اعبد کے نعبد لانے میں کیا راز ہیں؟

تو اب اس بات کو میں کچھ بیان کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بجائے اَعْبُدُ کے نَعْبُدُ فرما کر اس میں کونسے پرحکمت راز ودیعت فرمائے

پہلا راز۔ نعبد فرما کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مسلمان با جماعت نماز پڑھیں کیونکہ نعبد کا معنی ہے ہم عبادت کرتے ہیں۔ اور ہم کا اطلاق تب ہی صحیح ہو سکتا ہے کہ جب بہت سے نمازی اجتماعی شکل میں عبادت کریں۔ تو گویا یہ لفظ با شارۃ النص مسلمانوں کو جماعت کی تاکید کر رہا ہے۔

آپ کہینگے اشارۃ النص کیا ہوتا ہے۔ تو آپ کو معلوم ہو کہ علم اصول نے کسی نص یا عبارت کے مطلب پر استدلال کرنے کے لیے چار طریقے مقرر کئے ہیں۔ اور جن کا ایک عالم قرآن کے لئے جاننا نہایت ضروری ہے۔ ورنہ وہ مکمل طور پر مطالب قرآن کو نہ سمجھ سکیگا۔ وہ چار طریقے عبارۃ النص اشارۃ النص اقتضاء النص اور دلالۃ النص کہلاتے ہیں کیونکہ استدلال یا تو لفظ سے ہوگا یا معنی سے۔ اگر لفظ سے ہے۔ اور وہ کلام خاص اُسی مطلب کے لئے لایا گیا ہے۔ تو وہ عبارۃ النص کہلاتا ہے۔ اور اگر وہ کلام خاص اُسی مطلب کیلئے تو نہیں۔ مگر نص کے الفاظ سے بغیر کسی زیادتی کے وہ مطلب مفہوم ہوتا ہو۔ تو یہ اشارۃ النص کہلاتا ہے۔ جیسے قرآن پاک میں آتا ہے۔ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (الی اخر الآیۃ) یہاں عبارۃ النص کے ذریعے مہاجرین فقراء کا مستحق غنیمت ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ متکلم نے اس کلام کو قصداً اسی غرض کے لئے بیان کیا ہے۔ مگر اسی عبارت میں اشارۃ النص کے ذریعے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ مہاجرین ہجرت کرنے کے بعد اپنے مال و متاع کے مالک نہیں رہے بلکہ فقیر ہو گئے۔ لہذا جب کوئی کافر ان کے مال پر قبضہ کر لیگا۔ تو اُس کی ملکیت بھی ثابت ہو جائیگی۔ کیونکہ اگر مہاجرین کے مال اُن کے ملک میں رہتے

Marfat.com

تو وہ فقرا نہ کہلائے جا سکتے۔

اگر وہ استدلال معنی سے ہے۔ تو پھر اس میں دو صورتیں ہونگی ۱ اگر وہ مطلب اس لئے سمجھا جاتا ہے۔ کہ شرعاً یا عرفاً یا عقلاً وہ معنی اُس پر موقوف ہے۔ تو اقتضاء النص کہلائیگا۔ اور اگر اس طرح نہیں بلکہ زیادہ ہونے کی وجہ سے سمجھ میں آتا ہے۔ تو اُسکو دلالۃ النص کہتے ہیں۔

اقتضاء النص کی مثال۔ مثلاً کسی نے دوسرے شخص کو کہا اعتق عبدك عنی بالف درھم یعنی میری طرف سے تو اپنا غلام ہزار روپے کے بدلے آزاد کر دے۔ اُس نے جواب میں کہا اعتقت میں نے آزاد کر دیا۔ تو اب غلام آزاد ہو گیا اور حکم دینے والے کا مطلب یہ تھا۔ کہ تو اپنے غلام کو مجھ پر ایک ہزار میں فروخت کر دے اور پھر میرا وکیل ہو کر آزاد کر دے۔ تو گویا اس کلام سے مبیع کے ساتھ ساتھ قبولیت اور توکیل اقتضاء النص کے طریق پر ثابت ہو گئی۔

اب دلالۃ النص کی مثال قرآن پاک کی آیت وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا یعنی والدین کو کلمہ اُف تک نہ کہہ۔ اور نہ اُن دونوں کو جھڑک۔ اس سے آدمی فوراً سمجھ جاتا ہے۔ کہ والدین سے ایذا کو دور کرنے کی غرض سے کلمہ اف تک کہنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ پس دلالۃ النص سے ثابت ہوا۔ کہ ماں باپ کو مارنا۔ گالی دینا یا اور کسی قسم کی اُنہیں ایذا پہنچانا اسی آیت سے یقیناً حرام ہے۔

تو اب امید ہے۔ کہ آپ اس تشریح کے بعد میرا یہ کہنا کہ نعبد سے اشارۃ النص کے ذریعے جماعت کا التزام ثابت ہو رہا ہے۔ بخوبی سمجھ گئے ہونگے۔ اسی اشارۃ النص کے باعث امام احمد۔ داؤد اور عطار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے جماعت کو فرض عین قرار دیا ہے اور اُس پر اس مسئلے کو متفرع کیا ہے۔ کہ جس شخص نے اذان سُنی۔ اور جماعت کے لئے حاضر نہ ہوا۔ تو اب اُس کی نماز اکیلے درست نہ ہو سکیگی۔ امام شافعیؒ نے اسے فرض کفایہ

Marfat.com

ٹھیرایا ہے مگر امام اعظمؒ نے اسے واجب فرمایا ہے۔ چنانچہ درمختار میں آتا ہے۔ والجماعۃ سنۃ موکدۃ قال الزاہدی اراد بالتاکید الوجوب۔ یعنی جماعت سنت موکدہ ہے۔ زاہدی نے فرمایا کہ تاکید سے مراد وجوب ہے۔ پھر آگے فرمایا دقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ اور بعضوں نے کہا ہے کہ واجب ہے۔ اور اسی پر اکثر مشائخ کا فتوے ہے۔

نماز با جماعت کی فضیلت اور مسلمانوں کی افسوسناک سستی

مگر افسوس کہ اول آج تو بہت سے مسلمان نماز ہی نہیں پڑھتے۔ اور بعض جو پڑھتے ہیں وہ بھی زیادہ تر بلا کسی عذر کے اپنے گھروں میں پڑھ لیتے ہیں۔ اور ان سے مسجد تک چند قدم چل کر آنے کی تکلیف نہیں اٹھائی جا سکتی۔ مگر بھائی آخرت کا سودا ہے اس واسطے اسمیں سستی ہے۔ اگر کوئی دنیا کا سودا ہوتا۔ اور سو کے پیچھے ایک ہی ملتا۔ تو ایک میل تک پاؤں سے چل کر جانا تو خیر سر کے بل جانے میں بھی کچھ عذر نہ ہوتا۔ حضور سرور کائنات فرماتے ہیں۔ صلوۃ الجماعۃ تفضل صلوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ یعنی جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ۲۷ درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر فضیلت کو تو چھوڑیئے حضورؐ جو رحمۃ للعلمین ہیں۔ تارک جماعت پر کس قدر غصے کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔ فرمایا۔ والذی نفسی بیدہ لقد هممت ان امر بحطب فیحطب ثم امر بالصلوۃ فیوذن لہا ثم امر رجلا فیوم الناس ثم اخالف الی رجال لا یشہدون الصلوۃ فاحرق علیہم بیوتہم۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں نے ارادہ کیا۔ کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں۔ پھر جب جمع ہو جائیں۔ تو نماز کا حکم کروں پس اس کے لئے اذان دی جائے۔ پھر کسی کو حکم کروں۔ کہ وہ لوگوں کو امامت کرائے۔ پھر میں ان لوگوں کی طرف جاؤں۔ جو نماز میں حاضر نہیں ہوتے پس جلادوں

Marfat.com

اُن پر اُن کے گھروں کو مسلمانوں غور کرو حضورؐ تارک جماعت کے گھر کو اس سمیت جلا دینے کا فرما رہے ہیں۔ اگرچہ حضورؐ نے کسی کے مکان کو جلایا تو نہیں۔ مگر یہ یقین رکھو۔ کہ حضورؐ نے جس کیلئے جو فرمایا وہ اس کے لئے ہو ہی گیا۔ صحیح مسلم میں آتا ہے۔ کہ حضور کی خدمت میں عبداللہ بن مکتوم صحابی جو نابینا تھے۔ حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کہ حضورؐ تو جانتا ہوں کہ میں دیکھ نہیں سکتا۔ اور میرے پاس ایسا کوئی شخص بھی نہیں۔ کہ وہ مجھے پکڑ کر لائے تو کیا آپ مجھے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ کہ کیا تو اذان کی آواز سن سکتا ہے۔ عرض کی ہاں تو فرمایا کہ پھر تو تو نماز کو حاضر ہی ہوا کر۔ اس حدیث پاک سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں اور نصیحت پکڑیں کہ جنکو مسجد کے پڑوس میں سالوں گزر گئے۔ روزانہ موذن کی حی علی الصلوۃ کی پکار پانچ وقت کان میں پڑتی ہے۔ مگر وہ ایسے غافل اور شراب دنیا کا پیالہ پی کر مدہوش ہیں۔ کہ کبھی بھی موذن کی آواز پر نہ عملی لبیک کہی اور نہ زبانی۔

بے نماز انسان حیوان سے بھی بدتر ہے اور اس پر ایک لطیفہ

مجھے ایک قصہ یاد آگیا جو مطلب کا مطلب اور لطیفہ کا لطیفہ ہے۔ ایک دفعہ کسی مسجد کے پڑوسی کا گدھا مسجد میں گھس آیا۔ موذن صاحب نے جب گدھے کو مسجد میں گھستے دیکھا۔ تو ایک مضبوط سا ڈنڈا لے کر دو ہتھڑا اس غریب کی پیٹھ پر ضرب یضرب کی گردان شروع کر دی۔ ابھی گدھے کو پانچ سات ہی پڑی تھیں۔ کہ اس کی خوش بختی سے اس کا مالک بھی آ پہنچا۔ موذن صاحب نے انتہائی غصے میں اس کی طرف بھی ڈنڈا سیدھا کیا۔ اس نے فوراً ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ بانگی صاحب یہ بے چارہ حیوان ہے۔ گدھا ہونے کی وجہ سے اس غریب کو کیا پتہ ہے۔ کہ یہ مسجد ہے۔ یا کیا۔ غلطی سے اندر چلا آیا۔ ہمیں آج اس مسجد کے پڑوس میں تیس سال سے زیادہ گزر چکے ہیں۔ مگر آپ ایمان سے کہیں۔ کبھی بھی آپ نے ہمیں مسجد میں گھستے دیکھا ہے۔ یہ جانور

Marfat.com

اور نا سمجھ تھا اس واسطے آپ اسے اس دفعہ معاف فرمائیں۔ تو گویا اس جنگلی کے خیال میں مسجد میں گھسنا صرف نا سمجھوں کا کام تھا۔ مگر وہ انسان نما گدھا نہ سمجھا۔ کہ مجھ سے حقیقی گدھا ہی اچھا ہے کہ کھول کر تو مسجد میں چلا آیا مگر تو نہ کبھی کھول کر آیا۔ اللہ نہ بوجھ کر

اور اگر غور کرو۔ تو ایسے نا شکر انسانوں سے حیوان ہی اچھے ہیں۔ دیکھو خواہ وہ کتنے ہی سر سبز گھاس کے کھانے میں مشغول ہوں کتنا ہی لذیذ چارا ان کے آگے پڑا ہو۔ مگر جب مالک نے آواز دیا۔ فوراً اسے چھوڑ کر آ گئے۔ چرتے چرتے کتنے ہی دور چلے جائیں۔ شام کو اپنے تھان پر آ کر حاضر ہو گئے۔ مگر یہ انسان ایک جنس دنیا کے چارے میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے۔ کہ مالک حقیقی کے نقیب کی ہزاروں آوازیں بھی اسے ہشیار بنانے سے قاصر رہتی ہیں۔ وہ دنیا کی چراگاہ میں دور تو کیا بالکل قریب ہو کر بھی پانچ وقتوں سے ایک وقت بھی اپنے عاقبت کے تھان پر حاضری نہیں دیتا۔ پھر یہ اچھا ہوا یا اس سے حق شناس اور باوفا حیوان۔

ہاں البتہ کسی کو کچھ شرعی عذر ہو۔ تو اسے اپنے مکان یا دکان پر بھی نماز پڑھ لینے کی اجازت ہوتی ہے مثلاً بیمار ہو۔ جان یا آبرو کا خوف ہو۔ سخت بارش یا سخت سردی ہو۔ اسی طرح بہت بھوکا ہو۔ یا استنجے کی ضرورت ہو۔ تو ایسی صورتوں میں تخلف جماعت سے عذاب کا مستحق نہ ہوگا۔

دوسرا راز۔ غرضیکہ ایک تو نعبد میں جمع کا صیغہ لا کر التزام جماعت کی طرف اشارہ فرمایا۔ اب دوسرا راز یہ ہے۔ کہ عابد جب یوں کہتا ہے۔ کہ اے اللہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تو گویا وہ اپنی عبادت کو دوسروں کی عبادت کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ تو اگر اس کی عبادت ناقص ہو اور دوسرے عابدین میں سے کسی کی عبادت کامل ہوئی۔ تو سب عابدین کی عبادت ایک ہونے کی وجہ سے اسے بھی اس کے ساتھ درجہ قبولیت عطا کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس کی عبادت کامل ہے۔ اور دوسرے عابدین کی ناقص تو یہ ان کی ناقص عبادتوں کو اپنی کامل عبادت سے ملا کر انہیں بھی دربار ربی میں

Marfat.com

پیش کر دیتا ہے۔ کیونکہ لوہا اگرچہ بھاری اور ڈوبنے والا ہے۔ مگر لکڑی کے ساتھ مل کر وہ بھی تیرنے لگتا ہے۔

اور فقہ کا مسئلہ بھی ہے۔ کہ اگر چند چیزیں اکٹھی بیچی جائیں۔ کہ جس میں کچھ خراب اور کچھ اچھی ہوں۔ تو گاہک کو یہ اختیار نہیں۔ کہ وہ اچھی اچھی چن کر خراب کو واپس کر دے۔ کیونکہ وہ سب مجموعی شکل میں بیچی جا رہی ہیں۔ اگر لینا ہے تو سب کی سب ہی لینی پڑیں گی۔ اسی طرح جب کامل اور ناقص عبادتیں نعبد کے صیغہ کے ذریعہ یکجا کر دی گئیں۔ تو اب چونکہ کامل عبادتوں نے تو ضرور ہی قبول ہونا ہے۔ اس واسطے اس مسئلہ کی رو سے ناقص عبادتیں بھی ضرور ہی مقبول ہو جائینگی۔ کیونکہ کامل کا چن کر ناقص کا لوٹا دینا جب انسان کی شان کے مناسب نہیں۔ تو اُس شہنشاہ کی کریمی و رحیمی کے کیسے لائق ہو سکتا ہے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

تیسرا راز۔ نمازی اگر کہتا کہ اے اللہ میں خاص تیری ہی عبادت کرتا ہوں۔ تو اس سے جلال کبریائی کچھ زیادہ ظاہر نہ ہوتا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اس وقت میں ہی ایک عابد ہوں مگر جب نعبد کہا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اے معبود میں تیرے لیے انتہا عابدوں میں سے ایک عابد ہوں۔ اور تیرے لاتعداد چاکروں میں سے ایک چاکر ہوں۔ اور اس طرح رب العزت کے کمال و جلال کا نہایت بہترین طور پر مظاہرہ ہوتا ہے۔

چوتھا راز۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات جو مستحق عبادت ہو رہی ہے وہ بوجہ الوہیت۔ ربوبیت۔ رحمانیت اور رحیمیت کے ہو رہی ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ان صفات کا تعلق کسی خاص فرد سے نہیں۔ بلکہ بالکل عام ہے۔ اس لئے اس کا عابد بھی کوئی فرد مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام کی تمام مخلوقات ہے۔ اور جب تمام مخلوقات نتیجہ کے اعتبار سے عابد ٹھیری تو جمع کا صیغہ لانا ہی ضروری تھا۔

پانچواں راز۔ اگر غور کیا جائے۔ تو نماز میں انسان کا ہر ہر عضو اور ہر ہر جوڑ

Marfat.com

اپنے مخصوص طریقہ پر عبادت کرتا ہے مثلاً زبان ثنا کہتی ہے ہاتھ تکبیر تحریمہ میں اُٹھ کر ماسوی اللہ سے قطع تعلق کو ظاہر کرتے ہیں گھٹنے ہتھیلیاں ناک اور ماتھا وغیرہ زمین کو چھو کر عجز و انکسار کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ اس لئے انسان کا ہر جوڑ بمنزلہ عابد کے ہو جاتا ہے۔ تو گویا ایک انسان بجمیع عابدین ہونے کی وجہ سے نعبد کہہ رہا ہے۔

اس کے علاوہ اس میں بہت سے علمی رموز اور اسرار ہیں جو عالم پر پوشیدہ نہیں اور غیر عالم کو زیادہ اس جھمیلے میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ تو خلاصۂ کلام یہ نکلا کہ ایاک نعبد کا معنی یہ ہے۔ کہ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ کیونکہ عبادت کے قابل تیری ہی ذات رفیع الدرجات ہے اور بس۔

اب اس کے بعد ارشاد ہوتا کہو ایاک نستعین یعنی ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں جب بندہ نماز میں کھڑا ہوا تھا۔ تو بالکل بیگانہ تھا۔ نفس اور خودی کے پردوں میں مستور تھا۔ مگر جب اللہ جل شانہ کی تعریف کی۔ اپنے اور مالک حقیقی کے درمیانی تعلقات پر غور کیا اس کی ربوبیت اور رحیمیت کے خیال نے نفس کے پردوں کو پھاڑ کر اسے ذات باری کا مشتاق و شیدا بنا دیا۔ تو اب وہ بیگانگی یگانگی سے بدل گئی۔ یہ ایک قدم آیا۔ تو رب العزت شانِ کریمانہ کے ساتھ دو قدم آئے اس نے ہاتھ لمبا کیا۔ تو مالک الملک نے اسے پکڑ کر وہاں پہنچا دیا کہ جس کے ذکر سے زبان گنگ اور قلم شق ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ کہ رب العزت فرماتے ہیں من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا۔ ومن اتانی ماشیا اتیتہ ھرولۃ یعنی جو ایک بالشت ہمارے قریب آتا ہے ہم اس کے قریب ایک گز جاتے ہیں۔ اور جو ہماری طرف ایک گز آتا ہے۔ ہم اس کی طرف ایک باع (دو بازوؤں کا پورا پھیلاؤ) جاتے ہیں۔ اور جو ہمارے پاس چل کر آتا ہے ہم اس کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ سچ ہے

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد ۔۔۔ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

دربارِ شاہانہ میں سوال کس طرح کرنا چاہیے؟

اب جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق حسبِ حال ہوئی۔ اور نفس کے پردوں کو ہٹا کر نمازی کو دربارِ ربی میں پہنچا دیا گیا۔ تو بندے نے احکم الحاکمین کے حضور اپنی ناقص عبادت کا تحفہ پیش کیا۔ حکم ہوا۔ تمہارا تحفہ قبول ہے مانگو کیا مانگتے ہو۔ اب ایسے قیمتی موقعہ پر بندہ دنیا کی فانی لذتوں اور اس کی چند روزہ آسائشوں کے مانگنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تو گویا ابھی تک یہ اس شہنشاہ ذوالجلال کے مرتبہ سے پوری طرح واقف ہی نہیں ہوا۔ کہ ایسے موقعہ اور مقام پر ایسی حقیر اور کم حیثیت چیزوں کی التجا کر رہا ہے۔ اور پھر یہ شخص دربارِ شاہی میں بلائے جانے کے قابل ہی نہ تھا۔ کیونکہ اسے ابھی تک ایسے جلیل القدر اور عظیم الشان شہنشاہ سے سوال کرنے کا طریقہ ہی نہ آیا۔ مثلاً کسی شخص کو دنیا کے کسی بڑے بادشاہ کے دربار میں حاضر کیا جائے۔ بادشاہ اس سے راضی ہو کر کہے مانگ کیا مانگتا ہے۔ وہ شخص بادشاہ کے مرتبے اور لین دین وغیرہ کا خیال نہ کرے۔ اور کہے صاحب مجھے ایک پیسہ یا ایک پیالہ دلا دیجئے۔ تو کیا آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ بادشاہ اس کے اس سوال سے راضی ہو گا؟ نہیں بلکہ ممکن ہے۔ کہ وہ اسے دربار اور خطاب کے قابل نہ سمجھ کر دربار ہی سے دھتکار دینے کا حکم دے دے۔ مگر جو شخص سمجھدار اور آدابِ دربار سے واقف ہو گا۔ وہ بجائے اس کے کہ کسی معمولی چیز کا سوال کریگا۔ یا ایک دو چیزیں مانگیگا اور عرض کریگا کہ عالیجاہ مجھے صرف آپ کی نظرِ عنایت اور توجہ کی ضرورت ہے۔ آپ کی مہربانی اور نوازش کے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی کمی نہیں ہو سکتی۔ تو کیا آپ خیال کر سکتے ہیں۔ کہ بادشاہ اسے خالی ہاتھ دربار سے واپس کر دیگا؟ نہیں بلکہ اس کے الفاظوں سے بادشاہ اس کی احتیاج اور ضرورت کو سمجھ جائیگا۔ کہ اسے کسی ایک چیز کی ضرورت نہیں۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ کے تعلق میں وہ میری توجہ کا محتاج ہے۔ مگر اس نے اپنی احتیاج کو ایسے الفاظ میں بیان کیا۔ کہ جس کی وجہ سے

Marfat.com

نہ تو بادشاہ کے مرتبے میں فرق آیا۔ اور نہ ہی طرز سوال میں آداب شاہانہ کی کچھ کمی رہی۔
اسی طرح جب دربار الٰہی سے مانگنے کا حکم ہوا۔ تو بندہ نے عرض کی ایاک نستعین
یعنی اے باری تعالیٰ ہم آپ کی مدد چاہتے ہیں۔ اور ہماری التجا ہے۔ کہ آپ کی مدد ہمیشہ
شامل حال رہے اور یہی صرف اس لفظ استعانت میں عابد نے دنیا و آخرت کی سب
چیزیں مانگ بھی لیں۔ اور نزاکت موقعہ اور مالک کے بلند مرتبہ کو بھی پورا پورا ملحوظ رکھا۔
کیونکہ جب اللہ جل شانہٗ کی مدد انسان کے شامل حال ہو گئی۔ تو گویا اس کی دین و دنیا
سب سنور گئی۔ اور اس کی مثال تو ایسی ہوئی۔ جیسے ابو نواس کا ایک قصہ مشہور ہے۔

ابو نواس کا ہارون رشید سے ایک عجیب طرز کا سوال

ابو نواس ہارون رشید کے دربار کا ایک نہایت مشہور شاعر اور ظریف الطبع
بذلہ گو تھا۔ ایک دفعہ اس نے ہارون رشید کی شان میں قصیدہ پڑھا۔ امیر المومنین
بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ ابو نواس نے عرض کی خلیفۃ المسلمین
مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر آپ ایک شکاری کتے کے دلائے جانے کا
ارشاد فرمائیں۔ تو آپ کی بڑی ذرہ نوازی ہو گی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ اسے ایک اعلیٰ
قسم کا شکاری کتا دیا جائے۔ اس نے پھر ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ کہ عالیجاہا۔ شکاری کتا
تو مل گیا۔ مگر اس کے ساتھ شکار میں دوڑنے کے لئے مجھے ایک عربی گھوڑے کی
بھی ضرورت ہو گی۔ کیونکہ اس کے بغیر شکار کیسے ممکن ہو گا۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ اچھا
اسے ایک عربی گھوڑا بھی دیا جائے۔ جب یہ حکم ہو چکا۔ تو اس نے پھر عرض کی۔
کہ حضور گھوڑے کے لئے ایک اعلیٰ لگام اور زین کی بھی تو ضرورت ہو گی۔
اور وہ لگام اور زین ایسی ہو۔ جو ایک شاہی تحفہ کے ساتھ مناسب معلوم ہو سکے۔
حکم ہوا اچھا اسے ایک سنہری کام کی زین اور لگام بھی دی جائے۔ اس نے پھر عرض

Marfat.com

کی۔ کہ حضور یہ تو سب کچھ ہو گیا۔ مگر کتے اور گھوڑے کی دیکھ بھال کے لئے ایک دو نوکروں کی بھی ضرورت تو پڑے گی۔ حکم ہوا کہ وہ بھی اسے دے دیئے جائیں۔ اور ان کی تنخواہ شاہی خزانہ سے دی جایا کرے۔ پھر ابونواس نے عرض کی۔ کہ جہاں پناہ یہ تو ٹھیک۔ مگر ان کے کھانا پکانے اور کتے اور گھوڑے کے راتب کا خیال رکھنے کے لئے ایک آدھ لونڈی کی بھی ضرورت تو پڑے گی۔ حکم ہوا۔ ایک خوبصورت سی سلیقہ مند لونڈی بھی دی جائے۔ چنانچہ جب وہ بھی مل گئی۔ تو عرض کی حضور یہ تو آپ نے میرے حوالے ایک پورا کنبہ کر دیا ہے۔ اب ان کے رہنے کے لئے مکان کی بھی ضرورت ہو گی۔ کیونکہ ان کو میں رکھوں گا کس جگہ۔ ایک مکان کتے اور گھوڑے کے لئے اور ایک ہم لوگوں کے رہنے کے لئے عنایت فرمایا جائے۔ اور پھر اس کا بھی آپ خیال رکھیں۔ کہ وہ مکان مجھ جیسے خادم دربار کے لائق ہو۔ کہ جس سے بادشاہ کے نام پر کسی قسم کا حرف نہ آئے۔

بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ ایک اعلیٰ قسم کا مکان جو اچھا کشادہ اور تمام ضروریات سے آراستہ ہو اسے دے دیا جائے۔ جب اس کا بھی انتظام ہو گیا۔ تو پھر عرض کی کہ حضور اس کنبے کے رہنے کا انتظام تو آپ نے فرما دیا۔ مگر یہ کھائیں گے کیا۔ اگر سرکاری خزانہ سے ان کی معاش کا انتظام نہ فرمایا گیا۔ تو میں غریب آدمی ان سب کا خرچہ کہاں سے برداشت کروں گا۔ ہارون رشید نے حکم دیا۔ کہ اچھا اسے ایک مستقل جاگیر دی جائے۔ کہ جس پر اس کا اور اس کے سب متعلقین کا نہایت عزت کے ساتھ گزارہ ہو سکے۔ اس کے بعد ابونواس نے اس جاگیر کے لئے محاسب مانگا۔ اور اس سلسلہ کو بہت دور تک لے گیا۔

تو خیال کرو۔ ابونواس نے صرف ایک شکاری کتا مانگا تھا۔ مگر چونکہ وہ کتا بادشاہ کی طرف سے تھا۔ اس لئے اس کتے کا سب انتظام بھی شاہی خزانہ سے ہی ہوا اور ابونواس نے ضروریات کا اس طرح سے سلسلہ نکالا۔ کہ اس کی تمام زندگی سدھر گئی۔ تو اسی طرح جب بندہ صرف اتنا کہہ دیتا ہے۔ کہ اے اللہ مجھے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ صرف آپ کی مدد

Marfat.com

کی ضرورت ہے۔ تو گویا مصلی نے دنیا و آخرت کی ضرورتوں کے بٹن کو دبا دیا جس طرح ایک بٹن کے دبانے سے الیکٹرک کے ہزاروں بلب روشن ہو کر مکان کو بقعہ نور بنا دیتے ہیں، اسی طرح استعانت کے بٹن کو دبانے سے انسان کی دنیا و آخرت کی ضرورتوں کا گھر تکمیل مقاصد اور انجاح مطالب کے نور سے سراپا منور ہو گیا۔

استعانت عابد میں ایک لطیف لطف

پھر اس میں ایک لطیف لطف اور ہے۔ کہ عابد استعانت اور مدد چاہتا ہے۔ وہ اس لئے نہیں کہ میں تجارت میں کامیاب ہوں یا مجھے ملازمت مل جائے۔ وہ اسلئے مدد کی خواستگاری نہیں کرتا کہ مجھے بیٹا دیجئے یا مال، وہ مدد بھی چاہتا ہے۔ تو عبادت خداوندی کیلئے۔ وہ پہلے کہتا ہے ایاک نعبد یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں پھر عرض کرتا ہے۔ ایاک نستعین یعنی اے معبود تیری اس عبادت کو تمام اور پورا کرنے میں ہمیں تیری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کی مدد اس معاملہ میں ہمارے شامل حال نہ ہوئی۔ تو ہم کبھی بھی آپ کی عبادت کو پورا نہ کر سکینگے۔ کیونکہ شیطان مردود کے لشکر عجیب۔ ریا سمعہ کے گولوں اور وساوس و خطرات کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ جن کا مقابلہ ہم جیسے عاجز انسانوں سے قطعاً محال ہے۔ کیونکہ اگر وہ محسوس ہو سکتے۔ تو شاید ہم بھی کسی نہ کسی حد تک ان کے حملوں سے بچنے کی کوشش کرتے مگر وہ تو اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (ابلیس اور اس کا کنبہ تمہیں اس طرح سے دیکھتا ہے۔ کہ تم اسے ہرگز نہیں دیکھ سکتے) کی شان کا لشکر ہے۔ اس واسطے اُن کا مقابلہ سوائے آپ کی مدد خاص کے بالکل مشکل ہے۔ اس واسطے آپ ہمارے حال زار پر نوازش فرما کر اپنی مدد عالیہ سے موید فرمائیں۔

اگر عابد کسی اور کام کے لئے مدد کا طالب ہوتا۔ تو ممکن تھا کہ اس کا سوال کسی مصلحت یا راز کی وجہ سے مسترد کر دیا جاتا۔ مگر جب وہ عبادت کے لئے مدد مانگتا ہے اور پھر عبادت

Marfat.com

بھی رب العزت کی۔ تو ایسی صورت میں بندوں کا پانا الیقینی امر حتمی ہے۔ اور جب عابد نے استعانت خداوندی کا یہ ثمرہ اور اعلیٰ طریقہ نکال کر عبادت کو توفیق الٰہی پورا کیا۔ تو اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ انسان اللہ جل شانہ کے عابد شاکر اور صالح بندوں میں لکھا گیا۔ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے رجسٹر میں اس کا نام عالمین قضا کو درج کرنے کا ارشاد ہوگیا اور جب رضوان الٰہی حاصل ہوگئی تو پھر اب باقی ہی کیا رہا۔ قرآن پاک خود شہادت دیتا ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنین اور مومنات سے ایسے باغات کا وعدہ فرمایا ہے کہ جس میں نہریں جاری ہونگی۔ اور پھر یہ جنتی اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نہایت عالیشان اور پاکیزہ مکانوں میں رہینگے۔ مگر پھر آگے فرمایا وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ اور ان تمام اخروی نعمتوں باغات و جنات حور و قصور غلمان و ولدان سے اللہ جل شانہ کی رضامندی بہت بڑی ہے۔ اور یہی مقصود عظیم اور مطلوب فخیم ہے۔ تو جب اخروی نعمتیں رضوان الٰہی کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں۔ تو اس خسیس و رذیل دنیا کی اس کے سامنے کیا قدر و قیمت ہوگی۔ حضور صلعم فرماتے ہیں۔ لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منہا شربۃ ماء یعنی اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر جیسی بھی قدر و قیمت رکھتی تو کافر کو اس سے ایک گھونٹ پانی کا بھی نصیب نہ ہوتا۔

رضوان الٰہی سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں اور اس پر بابا فرید کا ایک مقولہ

تو معلوم ہوا کہ رضوان الٰہی سے بڑھ کر نہ دنیا میں کوئی نعمت ہوسکتی ہے اور نہ آخرت میں یہ نعمت سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔

Marfat.com

سوا تیری رضا کے کچھ نہیں درکار یا رحمٰن　　مجھے دیبے روضۂ رضواں کہ ہے وہ موضع رضواں

تو اب جبکہ عابد نے اپنی عبادت کو توفیق الہیٰ کامل کرکے رضوان الہیٰ کو حاصل کر لیا۔ تو اب دین و دنیا کی کونسی چیز ہے۔ جو رضائے مولیٰ کے حاصل ہو جانے کے بعد اس عابد کو راضی کرنے سے انکار کر سکتی ہے۔

تم مہربان ہو تو زمانہ ہے مہربان　　بدلے جو تم تو سارا زمانہ بدل گیا

جیسے بابا فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ خدا کی باتوں کو پورا کرتے تھے۔ اور آج وہ زمانہ ہے کہ وہ ہماری باتوں کو پورا کرتا ہے۔ کیونکہ جب مرتبہ رضوان حاصل ہو گیا۔ تو گویا اب عاشق معشوق بن گیا۔ اور عشق اول در دل معشوق پیدا میشود" کا مقولہ صادق آگیا۔ تو اب جب عاشق معشوق بن گیا۔ تو پھر محبوب کی بات کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے۔ عاشق اس کی دلداری و دلجوئی میں حتی الامکان کوشش کرتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کہ میں ایک دفعہ کہیں سفر میں جا رہا تھا کہ رستے میں ایک شخص کو چیتے پر سوار دیکھا۔ میں اسکی دلیری سے متعجب ہوا۔ اور ڈر کر ایک طرف ہو گیا۔ جب وہ شخص میرے قریب آیا۔ تو میرے خوف اور تعجب کو دیکھ کر فرمایا۔ کہ اے سعدی یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ تجھے بھی میں اس کا طریقہ بتاتا ہوں چیتا تو چیتا دنیا کی ساری چھوٹی بڑی چیزیں تیرے زیر فرمان ہو جائینگی۔ اور اس نے وہ طریقہ ان الفاظ میں بتایا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یعنی اے سعدی تو اللہ تعالےٰ کے حکم سے گردن نہ مروڑ۔ اس کے ہر ایک حکم اور فرمان کو پوری طرح بجالا۔ پھر دیکھ تیرے حکم سے دنیا کی کوئی چیز منہ نہ موڑ سکیگی۔ تو اس کو راضی کر تو راضی کیا جائیگا۔ تو اس کے حکم کی تعمیل کر تیرے حکم کی تعمیل کی جائیگی۔ اور تو اس سے محبت کر۔ تجھے محبوب عالم بنا دیا جائیگا۔

Marfat.com

حضور فرماتے ہیں۔ کہ جب انسان نیک کام کر کے محبوب حق بن جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے تمام عالم میں منادی کراتے ہیں۔ کہ فلانے کو ہم نے اپنے دوستوں کی صف میں جگہ دے دی ہے۔ اسواسطے آج سے اُسکی محبت ہماری محبت۔ اور اسکی عداوت ہماری عداوت سمجھی جائیگی۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ یعنی جو اللہ کا یا فرشتوں کا یا رسولوں کا یا جبریل و میکائیل کا دشمن ہوگا۔ تو اللہ بالتحقیق ایسے کافروں کا دشمن ہے۔ دیکھیے یہاں پر اپنے برگزیدہ مخلوق اور فرشتوں اور رسولوں کی دشمنی کو اپنی دشمنی پر عطف فرمایا ہے۔ اور یہ واؤ بمعنی اَوْ ہے۔ تو اسی طرح اولیائے کرام کی دشمنی و بغض اللہ تعالیٰ کی دشمنی و بغض ہے۔
مولانا روم فرماتے ہیں ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب معیوباں نفس

یعنی جب ربّ العزت کسی کی عزت و حرمت۔ وقار اور نیکنامی کے پردے کو پھاڑنا چاہتے ہیں۔ تو اُسکی طبیعت بزرگانِ دین کی بدگوئی و نکتہ چینی کی طرف مائل کر دیتے ہیں۔ اور جب کسی کا پردہ ڈھانکنا چاہتے ہیں۔ تو اُس کی طبیعت ایسی بنا دیتے ہیں۔ کہ وہ عیب داروں کے عیبوں کے متعلق بھی بات چیت نہیں کرتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ یعنی جو میرے دوست کی عداوت کرے گا۔ میں اُسے لڑائی کا چیلنج دیتا ہوں۔ سچ ہے ؎

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات
با دُرد کشاں ہر کہ درآویخت برآویخت

تو گویا جب محبوب خلائق جہاں ہوا۔ تو محبوب جہاں تو بن گیا۔ اسی واسطے سورۃ فاتحہ میں ایسے قیمتی اور گراں قدر موقعہ پر استعانت علی العبادۃ جس کا نتیجہ رضوانِ الٰہی ہے۔ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ۔

Marfat.com

اِیَّاکَ کا تکرار کیوں کیا گیا

یہاں پھر اِیَّاکَ کا تکرار کیا - یعنی جب ہم تیری عبادت کرتے ہیں - تو پھر مدد کس سے مانگیں - مدد بھی تجھ ہی سے مانگیں گے - کیونکہ کام تیرا کریں - اور دام کیلئے دوسرے کے سامنے ہاتھ کیوں پھیلائیں - بلکہ جس طرح ہم نے تجھے عبادت کے لئے مخصوص کیا ہے - اسی طرح طلب اعانت میں بھی تیری ذات والاصفات کو مخصوص سمجھتے ہیں - تو مدد نہ کرے - تو کس کی طاقت ہے - کہ وہ مدد کر سکے - اور تو دے - تو کون ہے - جو تیرے چشمہ رحمت کو بند کر سکے - وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ - وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کسی کو ضرر پہنچائیں - تو کوئی نہیں جو اُس کے دُکھ کو دور کر سکے - مگر وہی ذات پاک - اور اگر کسی کو فائدہ پہنچانا چاہیں - تو کوئی نہیں جو اُس کی رحمت کو روک سکے ؎

جب انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اپنے آپکو اُسکی مدد پر چھوڑ دیتا ہے - اور غیر اللہ سے تعلق توڑ کر اُس سے رشتہ جوڑ لیتا ہے - تو اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں - اے فرشتو! گواہ رہو - جب میرے بندے نے دنیا کے تمام آسروں - سببوں - اور وسیلوں کو چھوڑ کر میری مدد پر تکیہ کر لیا ہے - اور ہر رنج و غم اور درد دکھ میں میرا ہی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے - تو اب میں نے اُس کے لئے اپنی مدد کا دروازہ کھول دیا ہے - یہ جب اور کسی کے دروازے کیطرف رُخ نہیں کرتا - تو مجھے بھی شرم آتی ہے - کہ اب اسے کسی اور دروازے کا محتاج رکھوں - تم گواہ رہو - کہ میں اسکے دین و دنیا کے کاموں کا کفیل و وکیل بن گیا - اور اب بندہ کا حال یہ ہے - کہ

کارساز ما بفکر کارِ ما - فکر ما در کار ما آزارِ ما

یعنی ہمارا کارساز ایسی حالت میں خود بخود ہمارا فکر کرتا ہے - اور جب ایسے کریم و رحیم کے دروازے پر جگہ ملگئی ہے - تو اب اپنے کاروبار اور وجہ معاش کیلئے متردد ہونا - ایک بیہودہ فکر ہے -

Marfat.com

کیونکہ ع خواجہ خود روش بندہ پروری داند۔ یعنی شہنشاہ بیمثال بندہ پروری کے طریقے کو سب دنیا سے بہتر جانتے ہیں۔ اب بندوں میں نام درج ہونیکے بعد بندہ پروری کا خیال انہیں کیساتھ متعلق ہو چکا ہے ⁂

اللہ سے تعلّق جوڑنا اور غیر اللہ سے توڑنا ابوابِ رحمت کھولدیتا ہے

لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ زبانی اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن کیساتھ باطن بھی غیر کے دروازوں سے انقطاع کُلّی کرے۔ دیکھئے جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے۔ اور چل پھر نہیں سکتا۔ اور ہر بات میں ظاہری باطنی طریق پر والدین کا محتاج ہوتا ہے۔ پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو والدین سے مانگتا ہے۔ کھانا چاہیئے۔ تو ماں سے کہتا ہے۔ دودھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو انہیں سے مانگتا ہے۔ غرضیکہ اپنی ہر ضرورت میں انکا مکمّل محتاج ہوتا ہے۔ تو اُسکے والدین بھی بلا اسکے تقاضے اور اصرار کے اسکی تمام ضروریات کا خیال رکھتے ہیں۔ مگر جُوں جُوں وہ بڑا ہو کر اپنی احتیاج کو اُن سے کم کرتا جاتا ہے۔ اُسی نسبت سے اُدھر سے بھی بے توجہی کا اظہار ہونا شروع ہو جاتا ہے ⁂

مُرغی کے بچے جب چھوٹے ہوتے ہیں اور اپنے کھانے پینے اور چلنے پھرنے میں ماں پر ہی بھروسا کرتے ہیں۔ جب اُس نے ذرا ٹخ ٹخ کی۔ اور وہ فوراً اس کے پاس دوڑ کر پہنچ گئے۔ جب فرا چیل نے جھپٹا مارا۔ تو فوراً اس کے پروں کے نیچے چھُپ گئے۔ تو ایسے وقت میں مرغی انکو چیل سے بچانے کیلئے اپنی جان تک پیش کر دیتی ہے۔ وہ چیل کا مقابلہ کرتی ہے اور اُسکے پنجوں کا زخم اپنی جان پر برداشت کر لیتی ہے۔ مگر بچوں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیتی۔ مگر جب وہی بچے ذرا بڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی ماں سے الگ الگ پھرتے ہیں۔ اُسکے بلانے پر نہیں جاتے اور مصیبت کے وقت اُسکے پروں میں نہیں چھُپتے۔ تو وہ بھی اپنی محبت اور امداد کم کر دیتی ہے۔ پھر جہاں دانہ ملتا ہے وہ خود کھا جاتی ہے۔ اور انہیں بلاتی تک نہیں۔ جب ان پر کوئی دشمن حملہ کرتا ہے۔ تو وہ اپنی جان بچاتی ہے۔ اور اُن کا ذرہ بھی خیال نہیں کرتی۔ کیوں اس لئے کہ اُنھوں نے اس کی مدد سے استغنا برتی۔ اس لئے اس نے بھی موقعہ پر مدد دینے سے گریز کیا۔ اسی طرح جب

Marfat.com

انسان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد پر ڈال دیتا ہے۔ اور عرض کرتا ہے۔ کہ اے ربّ العزّت آپکے بغیر میرا کوئی بھی مددگار نہیں۔ آپکی مدد اور اعانت میرے شامل حال نہ ہوئی۔ تو میں دنیا میں زیاں کار رہونگا۔ تو باریتعالیٰ اس کی التجا۔ الحاح۔ اور بیکسی و بے سروسامانی پر نظر کرکے ابواب رحمت کھول دینے کا اشارہ فرماتے ہیں۔ تو گویا اِیَّاكَ کو لاکر انسان کو سکھایا۔ کہ جس طرح تو عبادت اللہ تعالیٰ ہی کی کرتا ہے۔ اُسی طرح تو مدد بھی اُسی سے مانگ۔ کسی دوسرے کے دروازے پر نہ جا۔ یہاں ہی تیری بگڑی کو سنوارا جائے گا۔ تجھے خبر بھی نہ ہوگی۔ کہ تیرے تمام مقاصد کو مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے خزانہ سے پُورا کر دیا جائے گا ✦

لیکن مَیں پھر بھی عرض کردوں۔ کہ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ کے خزانہ عامرہ سے اُسی کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ جو اپنے ظاہر و باطن کو کسی دوسرے کی امداد کا محتاج نہیں بناتا۔ کیونکہ یہ فنڈ خاص طور پر نہتّوں۔ بے کسوں اور بے بسوں کیلئے ہے۔ اس لئے اسکے حاصل کرنے کیلئے نہتّہ۔ بیکس اور بے بس بن جانا لازمی ہے۔ اگر ملے یا نہ۔ ربّ العزّت کے دروازہ کو نہ چھوڑا جائے۔ ایک نہ ایک دن ابتلاؤں اور آزمائشوں کے بعد اس پر فتوحات سماویہ کا دروازہ کھولدیا جائیگا۔ ایسا نہ ہو۔ کہ ایکدن نہ ملا۔ اور چلے دوسرں کا دروازہ کھٹکھٹانے ✦

ایک بزرگ کی ابتلا اور ان کا عدم استقلال

جیسے ایک بزرگ صاحب کے متعلق مشہور ہے۔ کہ آپ ایک پہاڑ کی کھوہ میں رات دن اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ کہیں نہ کہیں سے شام کو دو روٹیاں آجاتیں۔ جنہیں یہ کھا کر اور قریب کے چشمے کے پانی پی کر اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے۔ اور پھر اُسی طرح عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ ایک دفعہ اللہ کو ان کی ابتلا منظور ہوئی۔ تو چند دن تک کہیں سے کچھ روٹی وغیرہ نہ آئی۔ انہوں نے تین چار دن تک تو انتظار کیا۔ مگر جب بھوک سے بیتاب ہوئے تو صبر کی باگ اُن کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ عصا وغیرہ لے کر قریب کے گاؤں کیطرف

Marfat.com

چلے۔ تاکہ وہاں کے لوگوں سے کچھ مانگ کر پیٹ کی تکلیف کو دور کر سکیں۔ جب گاؤں میں پہنچے۔ تو اتفاقاً سب سے پہلا مکان جس پر انہوں نے دستک دی کسی یہودی کا تھا۔ یہودی نوکر باہر آیا۔ اور مطلب پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ میں آج چار دن سے بھوکا ہوں۔ تھوڑی سی روٹی کا سوال ہے۔ اگر آپ لوگوں سے ہو سکے۔ تو مہربانی کریں۔ نوکر اندر گیا۔ اور تین روٹیاں لا کر انکے ہاتھ پر رکھدیں۔ یہ انہیں زنبیل میں ڈال کر پہاڑ کی طرف چلے۔ ابھی روانے سے تھوڑا ہی دور پہنچے تھے۔ کہ پیچھے سے یہودی کا کتا بھونکتا ہوا آپہنچا۔ جب انہوں نے دیکھا۔ کہ کتا بالکل قریب آگیا ہے۔ اور ابھی کاٹ کھائیگا۔ تو آپنے ایک روٹی کتے کے آگے ڈالدی۔ اور خیال کیا۔ کہ جتنی دیر میں یہ روٹی کھائیگا۔ اتنی دیر میں میں دور نکل جاؤنگا۔ مگر کتا غریب بھی نہ معلوم کتنے دن کا بھوکا تھا۔ کہ ایک ہی لقمے میں ساری روٹی نگل گیا۔ اور پھر بدستور ان صاحبوں کے پیچھے بھونکتا ہوا دوڑا۔ انہوں نے دیکھا۔ کہ ابھی پھر کاٹتا ہے۔ تو ایک دوسری روٹی بھی اُسکے آگے ڈالدی۔ اور تیزی سے اپنے غار کیطرف چلے۔ مگر کتے نے اُسے بھی ایک لقمہ بنا کر پھر بزرگ صاحب کا پیچھا کیا۔ آخر انہوں نے بمجبوری تیسری روٹی بھی ڈالدی۔ اور خالی ہاتھ آگے بڑھے۔ کتا اُسے بھی کھا کر پھر بزرگ صاحب کو کاٹنے کے لئے دوڑا۔ اب تو آپ کو بہت غصہ آیا۔ فرمانے لگے۔ کم بخت تو بڑا بے صبر ہے۔ تیرے ہی مالک نے تین روٹیاں دی تھیں۔ وہ تو تجھے سب کی سب دے ہی چکا ہوں۔ پھر میرے پیچھے دوڑنے کا کیا مطلب۔ کتے نے زبان حال سے جواب دیا۔ اے صاحب بے صبر میں نہیں ہوں۔ بے صبر تو آپ ہیں۔ آپکو صرف تین چار دن کھانا نہ ملا۔ تو آپ نے اُس مالک الملک کے دروازے کو چھوڑ دیا۔ جس نے سالوں تک آپکی ضروریات کو بہم پہنچایا۔ اور آپ اس کی شکایت لے کر اُس کے دشمن کے دروازے پر بھیک مانگنے کو چلے۔ مگر دیکھو۔ میں ہفتوں بھوکا پڑا رہتا ہوں۔ پھر بھی کسی کے دروازے پر جا کر اپنے مالک کی شکایت نہیں کرتا۔ اور نہ اُس کو چھوڑ کر دوسروں سے بھیک مانگتا ہوں۔ بزرگ صاحب کے دل پر اس کتے کی بات سے سخت چوٹ لگی۔ کتے کو پیر

Marfat.com

طریقت سمجھ کر بلو سے دینے لگے - اور زار و قطار روتے ہوئے اپنے مقام کو واپس ہوتے - مگر آپ کے ورد زبان کیا تھا ؎

جزاک اللہ چشمم باز کردی - مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

مقام پر پہنچکر مصمم ارادہ کرلیا - کہ آج سے کسی غیر کا دروازہ نہ دیکھونگا - خواہ مالک ابتلا میں میری جان ہی کیوں نہ لے لے - اس عزمِ بالجزم کا نتیجہ یہ نکلا - کہ وہ قدیم وظیفہ پھر خزانہ غیبی سے جاری کردیا گیا - اور بزرگ صاحب کتّے کے نہایت ممنون و احسانمند ہوئے ‡

کتّا پیر طریقت ہے

میں نے کتّے کو پیر طریقت کہا ہے - اور اگر سوچو گے - تو کتا واقعی پیر طریقت ہے - اگر انسان اپنے آپ میں کتّے کی سی عادتیں پیدا کرلے - اور اسے پیر کامل سمجھ کر اسکے قدم بقدم چلے - تو میں آپکو یقین دلاتا ہوں - کہ تھوڑے ہی عرصہ میں انسان واصل باللہ ہو جائے - اور سچ پوچھو تو آج کل کے انسان نما حیوان پیروں سے - یہ حیوان نما انسان پیر بدرجہا بہتر ہے - آپ کہینگے کہ کتّے میں وہ کونسی باتیں ہیں - کہ جنکے اتباع سے انسان ایک کامل انسان بن سکتا ہے ؟ اگرچہ اس کی بہت سی خصلتیں قابل تعریف اور لائق تقلید ہیں - مگر میں مختصراً آپکو اسکی چند ایک عادتیں ایسی بتاتا ہوں - کہ جن پر چلکر انسان ایک نہایت اعلیٰ روحانی ترقّی کا مالک بن سکتا ہے ‡

(۱) بھوکا رہنا - پالتو کتا کتنے کتنے دن تک بھوکا پڑا رہتا ہے - مگر کسی دوسرے دروازے کیطرف کھانا مانگنے کیلیے جانا اپنی اور اپنے مالک کی بے عزّتی سمجھتا ہے - اسی طرح انسان اگر بھوکا ہو یا پیٹ بھرا - ہر حال میں اپنے مالک کا شاکر رہے - اور اپنے اندر رضا بالقضا کا مادہ پیدا کرے - اور ہر دکھ اور درد و رنج کو تحفہ دوست سمجھ کر بطیب خاطر برداشت کرے - تو گویا اُس نے منزل طریقت کا آدھا رستہ طے کرلیا ‡

(۲) مقرّرہ مکان نہ رکھنا - کتّے کا کوئی خاص مکان نہیں ہوتا - جہاں مالک نے رکھا - رہا -

Marfat.com

جدھر لیگیا۔ چلا گیا۔ وہ اہل توکّل کی طرح اپنی زندگی کے دن کاٹتا رہتا ہے۔ اور مالک کی مرضی کا تابع رہنا باعثِ فخر سمجھتا ہے۔ اہل توکّل کا شیوہ تو یہی ہوتا ہے۔ کہ وہ دنیا کو چند روزہ سمجھ کر اس میں اپنی ابدی زندگی کو سنوارنے کی سوچ و بچار کرتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں ؎

بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گُل پر آشیاں اپنا ۔ چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا

حضرت آدمؑ کا قصہ تو سُن چکے۔ کہ آپنے باوجود اتنی لمبی عمر کے کوئی مستقل سکونت اختیار نہ کی۔ مگر اس کے برعکس آج اپنی حالتوں کو دیکھئے۔ بموجب حدیث پاک عمر امتی ما بین ستین الی سبعین سنۃ کے۔ ہماری انتہائی عمو ں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں۔ مگر ہم۔۔۔ ہیں۔ کہ ایسے مضبوط مکانات بنانے کی طرف مائل ہیں۔ کہ جو عمرِ نوح سے بھی زیادہ پائدار ہوں۔ ذرا ذرا سی جگہ کے لئے اپنے پڑوسیوں اور خویش و اقارب سے لڑتے ہیں۔ دوسروں کا حق دبانے کیلئے جھوٹے دعوے کرتے ہیں۔ اگر اردگرد کوئی جگہ مکان کو وسیع کرنیکے لئے نہیں ملتی۔ تو آسمان کی طرف تو رستہ کشادہ ہے۔ کہیں دس منزلیں اوپر جاتے ہیں۔ تو کہیں بیس منزلیں۔ گویا دنیا میں ہم نے ابداً اور مستقلاً رہنا ہے۔ لیکن کبھی یہ بھی سوچا ہے۔ کہ ان اُونچے محلات اور سرسبز باغات کا انجام کیا ہوتا ہے۔ سنو!

اَلَا یَا سَاکِنَ الْقَصْرِ الْمُعَلّٰی ۔ سَتُدْفَنُ عَنْقَرِیْبٍ فِی التُّرَابِ

لَہٗ ملک ینادی کل یوم ۔ لدوا للموت وابنوا للخراب

یعنی اے اونچے اونچے محلات کے رہنے والو۔ عنقریب ہی تم مٹی میں دفن کئے جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کا ایک خاص فرشتہ روزانہ ندا کرتا ہے۔ کہ اے دُنیا کے لوگو۔ تمہاری پیدائش موت کے لئے ہے۔ اور تمہاری آبادی ویرانی کے لئے ۔

(۳) رات کو نہ سونا۔ کتّا تمام رات جاگتا ہے۔ اور مالک نے اُسے جس کام کے لئے پالا ہے۔ وہ پورے طور پر بجا لاتا ہے۔ یعنی مالک کے مال و مکان

Marfat.com

اور عیال کی حفاظت میں تمام رات آنکھوں گزار دیتا ہے۔ انسان کو چاہیئے۔ کہ اس کی شب بیداری کی عادت سے محبّت خداوندی کا سبق سیکھے۔ اور مالک نے جس مطلب کیلئے پیدا کیا ہے۔ اُسے پوری طرح بجالائے۔ اور وہ مطلب کیا ہے۔ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ یعنی ہم نے جنّات اور انسانوں کو عبادت کے لئے پیدا کیا۔ مگر انسان کتّے سے بھی گیا گزرا ہوا ہے۔ کہ وہ تو ایک مجازی مالک کو راضی کرنے لئے تمام کی تمام رات آنکھوں میں گزار دیتا ہے۔ مگر انسان خلیفۃ اللہ شراب غفلت کا متوالا تمام کی تمام رات خرّاٹے بھر بھر کر نکال دیتا ہے۔ اور صبح کیوقت بھی جب دربار ربّی کا نقیب اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ (نماز نیند سے بہتر ہے۔) کا آواز لگاتا ہے۔ تو تو بھی اس مدہوش کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اور یہ غافل انسان اُس وقت اٹھتا ہے۔ جب کہ سورج تمام دنیا کو اچھی طرح منور کر چکتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا ہی عمدہ کہا ہے ؎

دوش مرغ سحر بہ صبح مے نالید - عقل و صبرم ببرد و طاقت و ہوش
شرط ہمّت نباشد اے انساں - مرغ تسبیح خواں و تو مدہوش

یعنی کل صبح کے وقت مرغ کے رونے کی آواز سے میرا عقل و صبر اور طاقت و ہوش چلا گیا۔ اے انسان تو اس قدر کم ہمّت ہے۔ کہ مرغ تو تسبیح الٰہی میں مشغول ہو۔ مگر تو خاموش و بے ہوش پڑا ہوا ہو۔

(۴) مرنے کے بعد ترکہ نہ چھوڑنا۔ کتّا اپنے مرنے کے بعد کوئی و حن و دولت یا جائداد و مکان نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اس کا عقیدہ ہے۔ کہ جس اللہ نے مجھے اتنا زمانہ دیا۔ کیا وہ میرے ورثا کو نہ دیگا۔ نہیں دیگا اور ضرور دے گا۔ حضور فرماتے ہیں۔ نحن معشر الانبیاء لا نورث ما ترکنا صدقۃ۔ یعنی ہم گروہ انبیا کچھ وراثت نہیں چھوڑتے۔ جو ہمارے بعد رہے۔ وہ صدقہ اور عامہ مسلمین کا حق ہے۔ تو اپنے بعد ورثہ نہ چھوڑنا

Marfat.com

بلکہ ورثہ کے بہتر ہے کی بجائے اللہ جل شانہ کے بھروسہ پر اپنے ورثا کو چھوڑ جانا توکل کا سب سے بڑا درجہ ہے ۔ انسان دنیا میں خود تو ایک پاؤ کھاتا ہے ۔ مگر کماتا ہے اس سے بہت کچھ اپنے بچوں کے لئے بیوی کیلئے ۔ وارثوں کیلئے پھر ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں ۔ جو بیجا طریقہ سے کماتے ہیں ۔ ورنہ اکثر اور بیشتر تو حرام و حلال میں کچھ تمیز ہی نہیں کرتے ۔ جو آیا اور جیسا آیا ہڑپ کر جاتے ہیں ۔ اب جو سب مال کماتا تو یہ ہے ۔ مگر کھاتے اور عیش اڑاتے اور ہیں ۔ اس کی سزا تو اس کے نامہ اعمال میں درج ہوتی ہے ۔ مگر فائدہ اس سے اور اٹھاتے ہیں ۔ تو اگر کسی انسان میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے ۔ کہ وہ اپنے آل و عیال کو اللہ کے بھروسہ پر چھوڑ کر اطمینان قلب کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو سکے ۔ تو پھر یہ شخص انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے ۔

(۵) مالک کتنا ہی ظلم کرے ۔ اُسے نہیں چھوڑتا ۔ مالک کتے کو مارتا ہے ۔ سزا دیتا ہے ۔ اُسے بھوکا اور پیاسا رکھتا ہے ۔ مگر یہ اس سے نہ تو ناراض ہوتا ہے ۔ اور نہ اس کے دروازے کو چھوڑ کر دوسرے کے گھر جاتا ہے ۔ اسی طرح اگر انسان پر مالک کی طرف سے کچھ دکھ یا تکلیف آئے ۔ تو اسے بھی چاہیے ۔ کہ اسی مالک الملک کے دروازے پر پڑا رہے ۔ دل تنگی اور زبان شکایت سے آلودہ نہ ہو ۔ بلکہ ایسی حالت میں بھی مالک کی محبت اور دوستی کا دم بھرتا رہے ۔ اور یہی ایک سچے عاشق کی نشانی ہے ۔ کہ وہ معشوق کی تکالیف کو آرام جان سمجھ کر بطیب خاطر برداشت کرتا ہے ۔

ع ۔ ہرچہ از دوست میرسد نیکو ست

خدا و رسول کی محبت کس طرح ابتلا کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے ۔

جس طرح جو شخص خدا و رسول کی محبت اور دوستی کا دعوی کرتا ہے ۔ تو اسے بھی قدم قدم پر طرح طرح کے مصائب کی بھٹیوں میں ڈال کر پرکھا جاتا ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے

Marfat.com

کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ قسم ہے۔ ذات کبریا کی میں آپکو دوست رکھتا ہوں۔ آپنے فرمایا۔ اے شخص سوچ سمجھ کر بات کر۔ پھر اُس نے کہا حضور واقعی میں آپکو دوست رکھتا ہوں۔ اور اسی طرح اُس نے تین دفعہ کہا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ اگر تو مجھے دوست رکھتا ہے۔ تو پھر فقر و فاقہ کے لیئے تیار ہو جا۔ کیونکہ جو بھی ہمارے ساتھ دوستی کرتا ہے۔ فقر و فاقہ اُس کی طرف دوڑ کر آتا ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں اس حدیث پاک کے الفاظ یہ ہیں ۔

قال رجل للنبی صلی اللہ علیہ وسلم یا رسول اللہ واللہ انی لاحبک فقال انظر ما تقول۔ قال واللہ انی لاحبک ثلاث مرات۔ قال ان کنت تحبنی فاعد للفقر۔ فان الفقر اسرع الی من یحبنی من السیل۔ لیکن جب وہ آزمائش میں ثابت قدم رہتا ہے۔ اور ابتلاء کی کٹھالیوں میں اپنا رنگ نہیں چھوڑتا۔ تو آخر کار دونوں جہان کی نعمتوں کو اسکے قدموں پر ڈال دیا جاتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے۔ کہ قلم تب ہی جاگیروں اور بادشاہیوں کے فرمان لکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ جبکہ اوّل اپنا سر کٹوا کر اُسے سیاہی سے کالا کروا لیتا ہے۔ مہندی تب ہی حسین و جمیل انسانوں کے ہاتھوں پر لگانے کے قابل ہوتی ہے۔ جبکہ وہ پتھر کے پاٹوں میں پس کر اپنے آپکو چُورا چُورا کروا دیتی ہے۔ موتی تب ہی حسین لوگوں کے گلے کا ہار ہوتا ہے۔ جب وہ سمندر کی تہ میں سیپ کے پیٹ میں تنگ و تاریک جگہ پر ایک زمانہ دراز تک قید کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ اور پھر اپنے آپ کو چھید کے لیئے پیش کرتا ہے۔ سچ ہے۔ نامی کوئی بغیر مشقّت نہیں ہوا۔ سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا۔ کسی فارسی شاعر نے چار پانچ نہایت عجیب شعر کہے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

تا وقتیکہ سرمہ نشدہ در تہ دو سنگ — ہرگز نہ کسے شخص بہ دو چشم کشیدہ

تا وقتیکہ شانہ نشدہ در تہ ارّہ — ہرگز نرسد بر سر گیسوئے خمیدہ

تا وقتیکہ خامہ نشدہ در تہ کارد — ہرگز سر انگشت نگارے نکشیدہ

Marfat.com

تا وقتیکہ سفتہ نشدہ لولوئے لالا ہرگز سر انگشت نگارے نکشیدہ

تا وقتیکہ سائیدہ نشد برگ حنائے ہرگز بکف پائے جمیلہ نرسیدہ

یعنی جب تک سرمہ دو پاؤں میں نہیں پستا۔ تب تک کسی شخص کی آنکھ میں پڑنے کے قابل نہیں بنتا۔ اسی طرح کنگھی۔ قلم۔ موتی اور حنا بھی اپنی اپنی مخصوص آزمائشوں میں ثابت قدم رہنے کے بعد عزت و وقار کا درجہ دیئے جاتے ہیں۔

(۶) تھوڑی سی جگہ پر راضی ہو جاتا ہے۔ مالک اسے جس قدر جگہ دے۔ اسی پر شاکر و صابر ہو کر زندگی کو گزار دیتا ہے۔ سکڑ کر رہتا ہے۔ تنگ ہو کر گزارہ کرتا ہے۔ مگر مالک کے مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان پر نہیں جاتا۔ اسی طرح اگر انسان بھی اس دنیا کو مسافر خانہ سمجھے۔ اور جتنی جگہ ہو۔ اس پر راضی ہو کر دنیا کے چند روز گزار دے۔ تو دنیا کے تقریباً ۲/۳ جھگڑے آج صفحہ زمین سے نابود ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ آج کل کے جھگڑے اور قتل و غارتیں زیادہ تر۔ زر۔ زن۔ زمین کیلئے ہیں۔ ایک پڑوسی دوسرے کی جگہ دبانے کی سوچتا ہے۔ جھوٹے مقدمے اور ناجائز حیلے کر کے کسی نہ کسی طرح اپنے مکان کو وسیع کرنے کی تدبیریں ڈھونڈھتا ہے۔ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ اور کیا ہی اچھا فرماتے ہیں ؎

اے دل بکام خویش جہاں را تو دیدہ گیر در وے ہزار سال چو نوحؑ آرمیدہ گیر

بستان و باغ ساختہ گیر اندرو بسے ایوان و قصر سر بفلک برکشیدہ گیر

گیرم ترا کہ مال ز قاروں فزوں بود ہر لذتے کہ ہست سراسر چشیدہ گیر

روزے ببیں کہ ہیچ نماند بجز دریغ صد بار پشت دست بدنداں گزیدہ گیر

یعنی اے دل تو سمجھ لے۔ کہ سارے کی ساری دنیا تیری خواہش کے مطابق ہے۔ اور تو اس میں نوح علیہ السلام کی طرح ہزار سال رہنے والا ہے۔ تو مان لے کہ تیرے پاس باغات ہیں۔ اور ان میں اعلےٰ اعلےٰ قسم کے اونچے محلات و مکانات ہیں۔ اور فرض کر کہ تیرے پاس قارون سے زیادہ مال ہے۔ اور دنیا کی ہر لذت بھی تو نے چکھی ہے۔ مگر

Marfat.com

آخر ہونا ہے تو اس سے سوائے افسوس اور رنج کی زیادتی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ تو جب انسان دنیا کو کلی چھوڑ دیتا ہے۔ تو آج ہی سے ترک دنیا کی طاقت پیدا کرے اور موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق بن جاتا ہے۔

ہوا لعجب قصے کہ پیش از مرگ خود مردہ اند۔ پیش ازاں کاید اجل بر رخت آنجا بردہ اند

(۷) جب مالک کچھ سزا دیتا ہے۔ تو خاموشی سے صبر کر کے چلا جاتا ہے۔ مگر جونہی کہ وہ پھر بلاتا ہے۔ خوشی سے دم ہلاتا ہوا آ جاتا ہے۔ اس پر مالک کی مار اور اسکے غصہ کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس کی محبت میں ان تمام چیزوں کو بھلا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی انسان میں یہ خصلت پیدا ہو جائے۔ کہ مالک کی طرف سے خواہ رنج آئے یا تکلیف خواہ وہ بھوکا رہے۔ یا مریگا۔ اس کی محبت کو دل سے نہ نکالے۔ بلکہ اس تسلیم کے طریقے کی طرح اسکی طرف سے آئی ہوئی تکلیف کا شکریہ ادا کرے۔ اور یہ درجہ سلوک کے آخری منازل سے ہے۔ کہ کوئی دکھ یا تکلیف۔ رنج یا خوشی اسکے جذبات کو متلاطم نہ کر سکے۔

مقام تسلیم اور شہاب الدین سہروردیؒ کا ایک واقعہ

لکھا ہے کہ ایک دفعہ شہاب الدین سہروردیؒ کے سامنے آپکے ایک مرید کی بہت کچھ تعریف کی گئی۔ مرید بھی فی الحال مجلس بابرکت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم اس خبیث مجہول خنزیر کی میرے سامنے کیا تعریف کرتے ہو۔ میں اسکے سب حالات سے پورا پورا واقف ہوں۔ دوسرے حاضرین اور معتقدین آپکے ان الفاظ سے سخت حیران ہوئے۔ کہ آپ نے تو کبھی کسی دشمن کی شان میں بھی ایسے الفاظ استعمال نہ فرمائے تھے۔ چہ جائیکہ ایک خاص الخاص مرید کے لئے اور وہ بھی اس کے حضور میں۔ سب لوگ آپکے منہ کی طرف تکنے لگے۔ مگر وہ مرید جیسے پہلے دو زانو بیٹھا ہوا تھا۔ ویسے ہی بیٹھا رہا۔ اسکے رنگ یا رویہ میں پیر صاحب کی ترش زبانی اور تلخ کلامی سے ذرا بھی فرق نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ اٹھے اور اس مرید کو گلے سے لگا لیا۔ اور فرمایا۔ کہ میرا یہ مرید اب

Marfat.com

سلوک کی انتہائی منزل یعنی مقام تسلیم پر پہنچ چکا ہے۔ جہاں تعریف و تشنیع۔ ذلت و عزت۔ اور مدح و ذم کے الفاظ کچھ اثر نہیں رکھتے ۔

(۷) اگر اس کی طرف توجہ کی جائے تو بھی خوش ہوتا ہے۔ اور اگر بے توجہی برتی جائے تو بھی ناراضی کا اظہار نہیں کرتا۔ اور مالک کی محبت میں ذرہ برابر فرق نہیں آنے دیتا۔ بلکہ جب مالک باہر سے آتا ہے۔ تو وہ اسے بلائے یا نہ۔ یہ اسے دیکھتے ہی دُم ہلاتا ہوا اس کے پاؤں پہ جا پڑتا ہے۔ اسی طرح مجذوب بھی جاذب کی طرف سے توجہ ہو۔ یا نہ ہو۔ اسی کی محبت۔ استغراق۔ تصور اور یاد میں مستغرق رہتے ہیں۔ احمد جام فرماتے ہیں ۔

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار ۔۔۔ دیوانہ باش سلسلہ شد شد۔ نشد نشد

غرضیکہ اور بھی کئی ایک ایسی محمودہ صفات پائی جاتی ہیں۔ کہ جن کی اتباع سے انسان بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتا ہے ۔ اور جن کا ذکر محض تطویل کلام ہے ۔

کتے کے بہر حال لطیف ہونے کے باوجود شریعت نے اس کے رکھنے کی ممانعت کیوں فرمائی

لیکن یہاں سے ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ کہ جب کتے میں اس قدر اعلیٰ صفات پائی جاتی ہیں۔ تو پھر حضورؐ نے یوں کیوں فرمایا ہے۔ کہ لا تدخل الملٰئکۃ بیتا فیہ کلب یعنی جس گھر میں کتا ہو۔ اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ چیز اچھی نہیں۔ ورنہ رحمت کے فرشتے کیوں داخل نہ ہوتے ۔

جواب۔ کتے میں جہاں یہ سب محمودہ صفات اور پسندیدہ عادات پائی جاتی ہیں۔ وہاں اس میں ایک ایسی بری عادت بھی ہے۔ کہ جس نے اس کی سب اچھی صفتوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے حضورؐ نے اسے گھروں میں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ بری عادت قوم کی دشمنی ہے۔ جہاں اپنی قوم کے کسی فرد کو دیکھتا ہے۔ فوراً غصے سے بھر جاتا ہے۔ اس پر بھونکتا ہے۔ اور اسے

Marfat.com

کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ کتنا ہی کھانا موجود ہو۔ اپنے کسی دوسرے بھائی کو کھاتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ اگر اُس کے پاس کچھ موجود ہو۔ تو وہ بھی اُس سے جھپٹ کر لے لینے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ جلیس اور ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے کا ضرور اثر ہوتا ہے۔ اس واسطے حضورؐ نے اُسے گھروں میں رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ کہ کہیں مسلمانوں میں بھی اپنی قوم کی دشمنی اور اپنے کلمہ گو بھائیوں کی عداوت نہ اثر کر جائے۔ ہاں حضورؐ نے ضرورت کیلئے کتا رکھنے کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں آتا ہے۔ ما من اھل بیت یرتبطون کلبا الا نقص من عملھم کل یوم قیراط الا کلب صید او کلب حرث او کلب غنم۔ یعنی جو لوگ سوائے شکاری کتے۔ چوکیداری کے کتے۔ اور مویشیوں کی دیکھ بھال کے کتے کے اور کسی قسم کے کتے پالتے ہیں۔ تو روزانہ ان کے اعمال سے ایک قیراط ثواب کم ہوتا رہتا ہے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ شکار کیلئے۔ یا کھیت اور مکان وغیرہ کی چوکیداری کے لئے۔ یا مویشیوں کی حفاظت اور اُن کے چرانے میں کام آنے کے لئے کتے کو پالنا جائز ہے۔ صرف بیہودہ کتوں کا باندھنا اور پالنا ہی ناجائز ہے۔ اور ملائکہ کا عدم دخول انہیں کتوں کے ساتھ مختص ہے۔ جو بلا ضرورت رکھے جاتے ہیں ٭

کتے والے گھر میں اگر فرشتے داخل نہیں ہوتے تو اس مکان کے لوگوں کا روح کون قبض کرتا ہوگا۔

اس پر بعض لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ اگر کتے والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ تو اُس مکان کے رہنے والوں کا روح کون قبض کرتا ہوگا ٭

جواب۔ حدیث شریف میں ملائکہ پر الف لام تعریف داخل ہے۔ جس سے مراد صرف ملائکہ رحمت ہیں۔ یعنی ملائکہ رحمت اُس گھر میں داخل نہیں ہوتے۔ ہاں ملائکہ غضب آتے جاتے ہیں۔ اور وہی رُوح بھی قبض کرینگے۔ یا یُوں سمجھ لو۔ کہ جو فرشتے کتے کے روح کو قبض کرتے ہیں متعین

Marfat.com

ہیں۔ وہی کتے والے گھر کے رہنے والوں کا روح بھی قبض کریں گے۔ اسلئے اس فکر کی ضرورت نہیں۔ اور پھر وہ یہ بھی تو دیکھ ہی چکے ہیں۔ کہ لاکھوں کتے رکھنے والوں کا روح قبض ہو چکا ہے۔ اس واسطے جیسا انکا ہوا ہے۔ اُن کا بھی کر لیا جائے گا۔

دیکھئے بات کیا بیان ہو رہی تھی۔ اور ہم کہاں سے کہاں چلے گئے۔ اب پھر اصل مطلب کو شروع کیا جاتا ہے۔ یعنی بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ خزانہ الٰہیہ سے مدد کا وہی مستحق ہوتا ہے۔ جو اپنے آپ کو ظاہراً اور باطناً اللہ تعالیٰ کی مدد پر چھوڑ دیتا ہے۔ اور مالک کی مرضی کے ماتحت اُسکا یہ حال ہو جاتا ہے۔ کہ گویا وہ لوگوں کے ہاتھ میں میت ہے۔ یا دھوبی کے ہاتھ میں کپڑا۔ کہ اوّل الذکر کو جدھر چاہتے ہیں۔ لیجاتے ہیں۔ اور موخر الذکر کو جس طرح وہ چاہتا ہے۔ پتھر پر مارتا ہے۔ نہ پہلے کی چون و چرا نہ پچھلے کا انکار۔

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے میں اسرار لطیفہ

اعتراض۔ کیا وجہ ہے۔ کہ عبادت کو استعانت سے پہلے لایا گیا۔ حالانکہ استعانت یا مدد تو عبادت کے لئے مانگتا ہے۔ اس لئے اُسے چاہیئے تھا۔ کہ عبادت سے پہلے مدد مانگتا۔ اور پھر استعانت کے بعد عبادت میں مشغول ہوتا۔

جواب۔ عبادت کو استعانت سے پہلے لانے میں اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف اسرار کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ جن کے جاننے کے بعد انسان کو یقین ہو جاتا۔ کہ قرآن کوزے میں معانی کا بحر ذخار بند کیا گیا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ قرآن پاک مشک ہے۔ جسے لوح محفوظ کے نافہ سے اہل زمین کیلئے بھیجا گیا ہے۔ اور جیسے عقل و ذہن کے پتھر پر جتنا بھی رگڑا جائے۔ اتنی ہی اسکی روح افزا خوشبو میں تیزی آتی جاتی ہے۔ سچ ہے۔ ھو المسک ما کررتہ یتضوع۔

اب میں اُن اسرار لطیفہ سے چند ایک مختصراً بیان کرتا ہوں۔ جس سے آپ پر میرے دعوے کی حقیقت بخوبی روشن ہو جائے گی۔

Marfat.com

۱- اس سورۃ کا نام حضورؐ نے سورۃ المسئلہ بھی فرمایا ہے۔ یعنی اس میں انسان کو اللہ تعالیٰ اپنے منتخب الفاظ میں سوال کرنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ کہ اے انسان تو ان الفاظ میں اپنی عرضی کو میرے دربار میں پیش کر۔ دنیا میں قاعدہ ہے۔ کہ جب کسی حاکم یا نواب کو کوئی عرضی لکھی جاتی ہے۔ تو سب سے پہلے عرضی کنندہ مکتوب الیہ کے پورے القاب و خطابات درج کرتا ہے۔ القاب کے بعد دوسرے درجے پر کاتب اپنا مکتوب الیہ سے تعلق بیان کرتا ہے۔ اظہار تعلق کے بعد کاتب اپنا سوال پیش کرتا ہے۔ اور عرض مطلب کے بعد مودبانہ الفاظ میں عرضی کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح سورۃ المسئلہ بھی اس احکم الحاکمین کے دربار میں انسان کی طرف سے ایک عرضی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس واسطے سب سے پہلے الحمد للہ سے تا مالک یوم الدین اس مالک الملک کے القاب و خطابات بیان کئے گئے۔ اس کے بعد ایاک نعبد میں انسان اس رفیع الشان مالک کے ساتھ اپنا تعلق بیان کرتا ہے۔ تاکہ استحقاق سوال پیدا ہو سکے۔ عرض کرتا ہے۔ کہ اے اللہ ہمارا آپ سے تعلق یہ ہے کہ آپ ہمارے معبود اور آقا ہیں۔ ہم آپ کے عابد اور غلام ہیں۔ اس واسطے ہم بحیثیت عابد ہونے کے آپ سے ایاک نستعین سے ولا الضالین تک سب چیزیں مانگتے ہیں۔ کیونکہ کسی دوسرے کا دروازہ اس قابل نہیں۔ کہ اس دربار کو چھوڑ کر اُسے کھٹکھٹایا جائے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ اللہ جل شانہ فرماتا ہے۔ قسمت الصلوٰۃ بینی و بین عبدی نصفین۔ فنصفہا لی و نصفہا لعبدی۔ و لعبدی ما سأل یعنی میں نے نماز کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک حصہ میرا ہے۔ (الحمد سے لیکر تا ایاک نعبد) اور ایک حصہ میرے بندے کا ہے۔ (ایاک نستعین سے تا ولا الضالین) اور میں بندے کو اسکی مانگی ہوئی چیز دیتا ہوں۔ اب ایاک نستعین سے ولا الضالین تک بندہ اپنی ضروریات و عرضداشت پیش کر چکا ہے۔ تو آمین کے مودبانہ الفاظ پر اپنی عرضی ختم کر دیتا ہے تو مطلب یہ نکلا۔ کہ سورۃ فاتحہ سورۃ المسئلہ ہے۔ القاب ضروریہ کے بعد انسان کی

رب العزّت سے اپنا تعلق بیان کر کے اپنے مطالبہ کو پیش کرنا ضروری ہے۔ چونکہ ایاک نعبد تعلّق ہے۔ مابین عبد و معبود کے اور ایاک نستعین چیز ہے مطالبہ کی۔ اس واسطے مطالبہ سے اظہار تعلّق مقدّم کیا گیا ؛

(۲) ایاک نعبد کو ایاک نستعین سے مقدم کرنے میں ایک راز یہ بھی ہے۔ کہ انسان جب کسی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر کچھ سوال کرنا چاہتا ہے۔ تو موثر اور بہترین طریقہ سوال کرنے کا یہ ہوتا ہے۔ کہ سب سے پہلے دربار میں جاکر آداب شاہانہ بجالائے۔ اس کے بعد بادشاہ کی کوئی پسندیدہ چیز بطور تحفہ پیش کرے۔ اور ہاتھ باندھ کر کھڑا رہے۔ بادشاہ اس کی تعظیم اور تحفہ گذاری سے خوش ہو کر خود بخود اُسے کچھ مانگنے کا حکم کرے گا۔ اس وقت وہ اپنے معروضات کو نہایت مؤدّبانہ اور مہذّبانہ طریق پر پیش کر سکتا ہے۔ اور جس کا قبول کیا جانا قریبًا قریبًا یقینی ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ دربار ربّ العزّت میں پیش ہوا۔ حمد و ثنا کا ادب بجا لانے کے بعد عبادت کے محبوب تحفہ کو دربار خداوندی میں پیش کیا۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ کہ اے اللہ۔ آپ کے سوا دنیا کی اور مخلوق اس عبادت کے جلیل القدر تحفے کے قابل نہیں۔ اس واسطے اسے آپ کے دربار عالی شان میں حاضر کیا۔ ان الفاظ نے رحمت خداوندی کے سمندر میں طوفان پیدا کر دیا۔ حکم ہوا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ بندے نے نہایت ادنےٰ غلام کی طرح ہاتھ باندھے ہوئے عرض کی۔ کہ اے معبود آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ اور اسی طرح بتدریج معروضات کا سلسلہ و لا الضالین تک پہنچا دیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ استعانت کے سوال سے پہلے عبادت کا تحفہ پیش کرنا۔ آداب شاہی کے لائق اور مناسب تھا۔ اس واسطے پہلے اُسے بیان کر کے پھر سوال استعانت کو لایا گیا ؛

(۳) یہ استعانت مطلق عبادت کے لئے نہیں۔ بلکہ اتمام عبادت کے لئے ہے

Marfat.com

یعنی عابد یوں کہتا ہے۔ کہ اے معبود میں نے تیری عبادت تیرے حکم کے مطابق شروع تو کر دی۔ مگر چونکہ اس کا پورا کرنا۔ اور اسکو انجام تک پہنچانا میری طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ قدم قدم پر شیطان رجیم خضوع وخشوع کو بگاڑ کر خطرات اور وسوسے پیدا کر رہا ہے۔ اس لئے آپ اپنی مدد کو میرے شامل حال فرما دیجئے۔ تاکہ میں آپ کی عبادت کو کما حقہٗ پورا کر سکوں۔ تو گویا یہ استعانت اس لحاظ سے عبادت کے شروع کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کے ختم کرنے کے لئے ہے۔ اور چونکہ اختتام ابتداء کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے استعانت کو بھی عبادت کے بعد لایا گیا ؂

(۴) اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں جب انسان نے دعویٰ کیا۔ کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تو اس دعویٰ کی وجہ سے تین طرح پر نفس میں غرور آجانے کا احتمال تھا۔ ایک تو اس طرح۔ کہ جب نفس نے یہ دعویٰ کیا۔ کہ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ تو گویا اُس نے اپنے آپ کو وجودِ باری کے سامنے ہم کہہ کر موجود ثابت کیا۔ اور وجود باری کے سامنے اپنے وجود کا اقرار۔ انانیت اور خودی کا نتیجہ ہے۔ تو گویا نفس اس جگہ خدا بینی کے دعویٰ کے ضمن میں خود بینی کا دعویٰ بھی کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ عبادت کی نسبت اپنی طرف کر کے یہ بات بھی ظاہر کر رہا ہے۔ کہ گویا عبادت جیسے اہم اور ضروری فرض کو میں بالاستقلال اور بلا مددِ ربّی پورا کر رہا ہوں۔ اور یہ بھی اپنی جگہ پر تکبّر کا کھلا مظاہرہ ہے۔ اور تیسری اور آخری وجہ یہ ہے۔ کہ جب ایسے رفیع الشّان آقا سے اپنی غلامی کا سلسلہ اور ایسے منیع المرتبت معبود سے اپنی عبدیّت کا رشتہ جوڑا۔ تو جیسے ایک دنیوی بادشاہ کا ادنےٰ سے ادنےٰ چاکر بھی شاہی انتساب کیوجہ سے حد درجے کا مغرور اور متکبّر ہو جاتا ہے۔ اس طرح مالک الملک کے ساتھ رشتہ عبدیت کی وجہ سے انسان کے مغرور ہو جانیکا احتمال تھا۔ جیسا کسی نے کہا ہے۔ ؎

ما اگر قلّاشں و گر دیوانہ ایم　　مستِ آں ساقی و آں پیمانہ ایم

Marfat.com

اس لئے ایّاک نعبد کے بعد ایّاک نستعین لاکر تمام وجہ تکبر کو توڑ دیا گیا۔ کیونکہ اس میں نفس نے کھلم کھلا اقرار کر لیا۔ کہ اے معبود۔ نہ میری عبادت بالاستقلال ہے۔ اور نہ میرا وجود قابل ذکر۔ بلکہ جو کچھ ہے۔ وہ آپ کی مدد کے طفیل سے ہے۔ اگر آپ ہاتھ نہ پکڑتے۔ تو نہ میرا وجود ہوتا۔ اور نہ میری عبادت کا نام و نشان۔ اور میرا آپ جیسے شہنشاہ والا جاہ سے انتساب محض آپ کے فضل و کرم اور رحمت و رافت کا نتیجہ ہے۔ ورنہ کہاں تو عظیم الشان اور کہاں میں ضعیف البنیان ۔

تو گویا دعوئے عبادت کے فخر کو توڑنے کے لئے استعانت کو اس کے بعد لایا گیا۔ تاکہ نشۂ غرور کیلئے ترشی کا کام دے۔ اور بالاستقلال عبادت کا فخر ایّاک نستعین کے احتیاج سے ٹوٹ جائے ۔

اور اگر آپ ذرا غور سے کام لیں گے۔ تو آپ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ ایّاک نستعین کے الفاظ ایاک نعبد سے پیدا شدہ فخر کو توڑتے نہیں۔ بلکہ اس فخر میں اصلی کمال اور حقیقی جمال پیدا کر رہے ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں فخر وہی ہے۔ جس میں فقط خداوندی کے دروازہ کا فقر بھی شامل ہو۔ جب انسان دنیا سے بے نیاز ہو کر دنیا کے پیدا کرنے والے کا محتاج ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کی حالت شاہ بے کلاہ اور حاکم بے سپاہ کی سی ہو جاتی ہے۔ وہ بلا تاج و تخت بادشاہی کرتا ہے۔ اور فوج و لشکر کے بغیر ہی تمام کائنات پر حکم چلاتا ہے ؎

مبیں حقیر گدایانِ عشق را کیں قوم   شہان بے کمر و خسروانِ بے کلہ اند

ابراہیم ادھم رح کا ایک واقعہ

ابراہیم ادھم رح کا قصہ تو آپ نے سنا ہوگا۔ آپ خراسان کے ایک جلیل القدر حاکم تھے۔ اللہ کی محبت میں جب دنیا کے کاموں کو خلل انداز دیکھا۔ تو محبت الٰہی پر محبت شاہی کو قربان

Marfat.com

کر کے ایک دریا کے کنارے رہنے سہنے لگے - ایک دفعہ سب امیر و وزیر اور سلطنت کے ارکین
خدمت میں حاضر ہوئے - اور عرض کی کہ اے بادشاہ آپکو کیا ہو گیا ہے - کہ آپ ایک عظیم الشان
اور آرام و راحت والی سلطنت کو چھوڑ کر اس کس مپرسی اور محتاجی کی حالت میں زندگی بسر
کر رہے ہیں - آپ مہربانی فرما کر شہر کو چلیں - اور حکومت کی باگ ڈور دوبارہ اپنے ہاتھ
میں لیں - آپنے فرمایا - میاں جو سلطنت مجھے اب ملی ہے - اسکے مقابل میں خراسان کی
حکومت کیا حقیقت رکھتی ہے - اب ایسی بڑی نایاب سلطنت کو چھوڑ کر خراسان جیسی چھوٹی
اور ادنیٰ سلطنت کیلئے واپس جانا کہاں کی دانائی ہے - لوگوں نے عرض کی - حضرت وہ
کونسی سلطنت آپ کو مل چکی ہے - جس کے لئے آپنے سب آرام و آسائش اور اہل و عیال کو
چھوڑ کر جنگل کو مقام بنا لیا ہے - ہمیں بھی تو دکھائیں - کہ آخر وہ سلطنت کیسی اور کہاں ہے
آپ اسوقت اپنی گدڑی سی رہے تھے - امراء کے اس کہنے پر آپنے اپنے ہاتھ سے سوئی کو دریا
میں پھینک دیا - اور فرمایا - کہ دریا سے ذرا یہ سوئی تو نکلوا دو - انہوں نے عرض کی - کہ صاحب
اس کا ملنا - اب تو بہت مشکل ہے - ایک تو نہایت باریک - پھر ہلکی - نہ معلوم دریا کے
بہاؤ سے وہ کہاں سے کہاں جا پہنچی ہوگی - اس پر آپنے فرمایا - تو کیا تم مجھے ایسی حقیر و ناچیز
اور ضعیف و کمزور سلطنت کی طرف لوٹنے کی دعوت دینے آئے ہو - دیکھو میں ابھی تمہیں
یہ سوئی باہر نکلوا دیتا ہوں - چنانچہ آپنے مچھلیوں کو حکم دیا - کہ میری سوئی فوراً مجھے دریا سے
نکال کر لا دو - آپ کا فرمانا تھا - کہ فی الفور ایک مچھلی آپ کی سوئی کو منہ میں پکڑے ہوئے
پانی کی سطح پر ظاہر ہوئی - آپ نے اُس کے منہ سے سوئی لیتے ہوئے فرمایا - اب تم اُس
سلطنت کا اس سلطنت سے مقابلہ کر کے خود ہی فیصلہ کر لو - کہ کونسی سلطنت بڑی ہے -
یہ سلطنت تو وہ ہے - کہ اس میں انسان تو انسان کائنات کا ذرہ ذرہ زیر فرمان کر دیا جاتا ہے -
یہ نہیں - کہ دنیوی سلطنت کی طرح اگر کسی ایک آدمی کو دربار میں بلانا پڑے - تو درجنوں سپاہی
بھیجنے کے باوجود وہ حاضر ہونے میں حیل و حجت کرتا ہے - اور جھوٹے بہانے کر کے وہ کسی

Marfat.com

نہ کسی طرح بادشاہ کے پاس جانے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور پھر جس کا ملک فانی اور عارضی ہے۔ یہ سلطنت تو وہ ہے۔ کہ جس کا ملک باقی اور دوامی ہے۔ اور جس کا حکم ظاہر سے گزر کر باطن پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔

ظاہری اور باطنی بادشاہوں کے فرق مراتب پر ایک مثال

لکھتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو مذہب شافعی کے ایک بہت بڑے عالم اور مقتدا تھے۔ خراسان سے حج کے ارادہ پر مکہ شریف کو روانہ ہوئے۔ ابھی آپ بغداد سے دور ہی تھے۔ کہ آپکے آنیکی خبر تمام شہر میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ بغداد کا چھوٹا بڑا امام ہمام کے استقبال کیلئے بیچین نظر آنے لگا۔ چنانچہ جس دن آپ بغداد کے قریب پہنچے۔ تو لاکھوں انسان آپکے استقبال کیلئے شہر سے باہر آئے۔ ہارون رشید کی بیوی۔ بی بی زبیدہ نے محل کے اوپر سے دیکھا۔ کہ آج تمام کی تمام مخلوقات شہر سے باہر جا رہی ہے۔ ہر ایک دوسرے سے آگے ہونیکے لئے بیتاب ہے۔ لوگوں کی پگڑیاں ہجوم کی وجہ سے گر رہی ہیں۔ اور دھکے پہ دھکا لگ رہا ہے۔ مگر مخلوقات ہے۔ کہ ایک متلاطم سمندر کی طرح ہر طرف سے منڈی چلی آرہی ہے۔ آپنے ایک نوکر کو بلا کر پوچھا۔ کہ آج لوگوں کے اس اژدھام کا کیا سبب ہے۔ اُس نے عرض کی۔ کہ اے ملکہ عالیہ آج خراسان کا مشہور عالم عبداللہ بن مبارک بارادہ حج شہر میں آرہا ہے۔ اور یہ سب مخلوقات اُسکے استقبال کیلئے جمع ہوئی ہے۔ بی بی زبیدہ نے ہارون رشید کو بلا کر کہا۔ کہ دیکھ حقیقی بادشاہی تو ان لوگوں کی ہے۔ نہ فوج نہ سپاہ نہ گنج نہ خزانہ۔ نہ حکومت نہ زر۔ مگر اس پر بھی لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ کہاں آپکی حکومت اور کہاں یہ سلطنت۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ آپ یا آپکا کوئی امیر وزیر باہر سے آتا ہے۔ تو لوگوں کو مار مار کر اور کھینچ کر کے استقبال کیلئے لیجاتے ہیں۔ اسپر بھی بعض چھپ جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کے بہانوں سے حاضر ہونے میں کوتاہی کر جاتے ہیں۔ مگر یہاں تو ایک جہان خود بخود کھچا ہوا جا رہا ہے۔ اگر

Marfat.com

سچ پُوچھو تو حقیقی سلطنت یہی ہے ؎

بے ساقی و بے شراب مستیم　　بے تخت و بے کلاہ کیقباد یم

اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کی ایک مثال سے توضیح

اسی واسطے تو حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ۔ فقر میرا فخر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی احتیاج اور دنیا سے استغنا میرا فخر ہے۔ کیونکہ اس احتیاج میں کروڑوں بے احتیاجیاں پوشیدہ ہیں۔ اسی واسطے جب حضورؐ کو رب العزت نے فرمایا۔ کہ اے حبیب۔ اگر آپ چاہیں۔ تو ہم آپ کیلئے اُحد کے پہاڑ کو سونے کا بنا دیں۔ تو آپ نے عرض کی۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ مَعَ الْمَسَاکِیْنِ۔ یعنی اے اللہ مجھے مسکین زندہ رکھ۔ مسکین مار اور مسکین ہی اُٹھا کیونکہ یہ ایسی مسکینی اور فقیری ہے۔ کہ دنیا کی لاکھوں تونگریاں اور مالداریاں اس پر قربان ہیں ؎

سیّدنا غوث اعظم عبد القادر جیلانی محبوب سبحانیؒ سے سلطان سنجر نے کہلا بھیجا۔ کہ اگر آپ قبول فرمائیں۔ تو میں نیمروز کا علاقہ آپکے مصارف کیلئے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے شاہی فرمان کی پشت پر یہ رباعی لکھ کر واپس کر دیا ؎

چوں چترِ سنجری رخِ بختم سیاہ باد　　در دل اگر بود ہوسِ ملکِ سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب　　من ملکِ نیم روز بیک جَو نمی خرم

یعنی خدا کرے میرا منہ شاہ سنجر کے چتر کیطرح کالا ہو جائے۔ اگر میرے دل میں ملکِ سنجر کی کچھ خواہش بھی ہو۔ اسوقت سے کہ مجھے نیم شب کے ملک کا پتہ چلگیا ہے۔ میں نیمروز کے ملک کو ایک جَو کے بدلے میں بھی لینا نہیں چاہتا۔ نیم شب سے مراد آدھی رات کے تہجد ہیں۔ کیونکہ اس وقت رحمت باری کا خاص نزول ہوتا ہے۔ دنیا محوِ خواب ہوتی ہے۔ اور دن کے تھکے ہارے انسان نرم بستروں پر خراٹے لے رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت صرف ایک سچا عاشق ہی اپنے نرم اور گرم بستر کو چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مصروف ہو سکتا ہے۔ اور صرف حقیقی محبت ہی نیند جیسی پیاری اور میٹھی چیز پر غالب آ سکتی

Marfat.com

ہے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ اِنَّ نَاشِئَۃَ اللَّیْلِ ھِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلاً۔ کہ بیشک رات کا اُٹھنا آرام میں مخل ہونیکے باعث نہایت شاق گزرتا ہے۔ اور بات کا بہت سیدھا اور ٹھیک کرنیوالا ہے۔ یعنی تہجّد کہ ہجود سے ہے۔ اور ہجود کہتے ہیں۔ سوکر اُٹھنے کو۔ نفس کشی اور قبولِ دعا کیلیئے نہایت اعلیٰ وقت ہے۔ اسوقت انسان کا دل دنیا کی بیہودگیوں اسکی بے پناہ مصروفیتوں سے آسودہ ہوتا ہے۔ عالم سکوت خضوع وخشوع کے قائم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور پھر اس وقت ؎

بات جو منہ سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے - پَر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

حضورؐ فرماتے ہیں۔ ینزل اللہ تبارکؐ تعالیٰ الیٰ سماء الدنیا کل لیلۃ حین یمضی ثلث اللیل الاولیٰ فیقول انا الملک من ذا الذی یدعونی فاستجیب لہ من ذا الذی یسالنی فاعطیہ۔ من ذا الذی یستغفرنی فاغفرلہ۔ فلا یزال کذالک حتی یضی الفجر۔ یعنی اللہ جل شانہٗ آسمانِ دنیا پر ہر رات کے اوّل تہائی گزر جانے پر نزول فرماتے ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے۔ کہ میں بادشاہ ہوں۔ کون ہے۔ جو مجھ سے دعا مانگے۔ تو میں اسکی دعا کو قبول کروں۔ کون ہے۔ جو مجھ سے سوال کرے۔ تو اس کا سوال پورا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے بخشش مانگے۔ تو میں اُسے بخشش دوں۔ اسی طرح فرماتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح پھوٹ نکلتی ہے۔ خیال کرو ایک انسان تو خود بادشاہ کو ڈھونڈھتا ہے۔ کہ کہیں مل جائے۔ تو کچھ مانگوں۔ اور ایک بادشاہ خود انسان کو بلاتا ہے۔ کہ آ اور کچھ مانگ اور بادشاہ بھی کیسا کہ جسکے وعدے اور قول کی نسبت آتا ہے۔ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً کہ اللہ سے زیادہ کون سچا ہے۔ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ اور اللہ سے زیادہ وعدے کو پورا کرنیوالا کون ہے ؎

مسلمانوں کی حالتِ زار اور ترقی کا غلط مفہوم

مگر بھائیو۔ آج مشکل یہ ہے۔ کہ اس احکم الحاکمین سے کوئی مانگنے والا نہیں۔ آج اگر

ہم پر کوئی مصیبت آتی ہے۔ تو اسکے لئے انسانی سفارشیں حاصل کرتے ہیں۔ عرضیاں لکھتے ہیں۔ اور طرح طرح کے حیلے اور تدبیریں اسکے ازالہ کیلئے کرتے ہیں۔ مگر نہیں گڑگڑاتے تو دربار خداوندی میں۔ نہیں مانگتے۔ تو اس سے کہ جس کے خزانہ کرم سے اٹھارہ ہزار عالم پرورش پا رہا ہے۔ اور جس کی شان یہ ہے ؎

اے کریمے کہ از خزانہ غیب ۔ گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم ۔ تو کہ با دشمناں نظر داری

یعنی اے کریم خدا تیرے خزانہ غیب سے تو آتش پرست اور مشرکین تک وظیفہ کھا رہے ہیں۔ تو پھر ہمیں جو تیرے نام لیوا اور تجھے واحد ولا یزال سمجھنے والے ہیں۔ کس طرح محروم رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ تو تو اپنے دشمنوں پر بھی نوازش و کرم فرماتا ہے۔ مگر آج کل کی حالت کا اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے نہایت اعلیٰ چربہ اتارا ہے۔ آپ فرماتے ہیں ؎

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں ۔ میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتی نہیں ہم کو ۔ دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

آج ہم عزت۔ دولت اور حکومت غیروں سے چاہنے لگے۔ اللہ سے قطع تعلق کر کے غیر اللہ پر بھروسا کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دنیا کی ہر عزت سے آج ہمیں جدا کر دیا گیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ کہ عزت تو اللہ، اس کے رسول۔ اور مومنوں کے لئے ہے۔ مگر مومن کون ہوتا ہے۔ مومن وہ ہوتا ہے۔ جس کی زبان اور قلب دونوں اقرار و ایقان خداوندی سے بھرے ہوئے ہوں۔ جس کی شان۔ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہوتی ہے۔ جس کی موت اور زندگی۔ جس کی نماز اور قربانی۔ جس کی حرکت و سکون سب کا سب۔ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ وہ خدا سے ڈرتے اور بس۔ مگر ساری مخلوق

Marfat.com

کے دل میں اُن کا رعب ڈال دیا جاتا ہے۔ مومن موحد ہوتا ہے۔ اور توحید کے متعلق کسی شاعر نے کہا ہے۔ ؎

موحد چہ برپائے ریزی زرش — چہ فولاد ہندی نہی بر سرش
اُمید و ہراسش نباشد زکس — ہمیں است بنیاد توحید و بس

یعنی خواہ موحد کے پاؤں پر مال و زر ڈالے یا اس کے سر پر ہندی تلوار رکھ دے! اسے کسی غیر اللہ سے نہ اُمید نفع ہوتی ہے نہ خوف ہراس۔ اور توحید کی حقیقت یہی ہے۔ کہ غیر اللہ کو وجود باری کے سامنے کالعدم سمجھے! اُسے ہی سرمنزل اور اُسے ہی ملجا و ماویٰ سمجھے اور بس۔ مگر آج ہم توحید کا دعوے کرتے ہوئے خدا سے الگ اور مخلوقات سے خائف نظر آتے ہیں کیا یہ ہماری ایمانی کمزوری اور ضعف توحید کا کھلا ثبوت نہیں۔

مسلمانو غیر اللہ کے خوف کو دل سے نکال پھینکو۔ عزت و ذلت اُسی احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرو۔ پھر دیکھو کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جو اللہ جل شانہٗ نے نبی کریم کے لئے وعدہ فرمایا تھا۔ وہی وعدہ اُمت محمدیہ کے ساتھ کیسے پورا کیا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کا سا وعدہ اُمت محمدیہ کے ساتھ کیسے پورا ہو سکتا ہے

وہ وعدہ نویں پارہ میں سورہ اعراف کے پندرھویں رکوع میں موجود ہے۔ اللہ جل شانہٗ فرماتا وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ یعنی قوم فرعون کے سردار فرعون کو کہنے لگے کہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام اور اُس کی قوم کو چھوڑتا ہے۔ کہ وہ زمین میں فساد کریں۔ اور تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں۔ فرعون نے جواب دیا کہ ہم اُن کے بیٹوں کو قتل کریں گے۔ اور اُن کی لڑکیوں کو زندہ چھوڑ

Marfat.com

اور ہم اُن پر غالب ہیں۔ اب سنئے موسیٰ علیہ السلام اُن کے غلبہ۔ اُن کے ظلم اور اُن کے دکھوں سے قوم کو بچنے کا کیا نسخہ بتاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا۔ کہ تم اللہ تعالےٰ سے مدد چاہو۔ اور صبر کرو۔ زمین کا مالک اللہ ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ اپنے بندوں میں سے وارث بنا دیتا ہے۔ اور انجام یعنی فتح تو متقی لوگوں کیلئے ہے چنانچہ جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی بات کو مانا۔ اور اللہ جل شانہٗ کی امداد پر بھروسہ کرنے کے ساتھ ساتھ متقی بنے۔ تو فرعون اور اس کے لشکر کو باوجود مسلمہ طاقت کے جو ذلت اور رسوائی حاصل ہوئی۔ اُس سے تاریخیں اور مذہبی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ فرعون کو لشکر سمیت غرق کر کے اُس کی بجائے بنی اسرائیل کو تخت سلطنت پر متمکن کر دیا گیا۔ اور اُن پر مہربانیوں اور نوازشوں کے دروازوں کو کھول دیا گیا۔

فرعون زمانہ اور فرعون موسےٰ کا مقابلہ

بھائیو! غور کرو۔ آج بھی ایک فرعون ہے۔ وہ بھی یہی چاہتا ہے۔ کہ اُمت محمدیہ میری اور میرے معبود کی پرستش کرے۔ وہ بھی دین حق کو دنیا سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ وہ قوم کے بچوں کو نام نہاد کالجوں میں تعلیم دلوا دلوا کر ذبح کر رہا ہے۔ کیونکہ جیسے ذبح ہونے سے انسان کی زندگی رخصت ہو جاتی ہے۔ اور وہ قوم کے کسی کام کا نہیں رہتا۔ اسی طرح آج قوم کے بچے بھی پڑھ کر اسلامی روح اور اسلامی جذبہ سے بالکل بیگانے ہو جاتے ہیں۔ ان کا روح عیسائی تعلیم اور عیسائی تہذیب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اُن کی قومی خیر خواہی نادان دوست کی خیر خواہی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اکبر الہ آبادی نے فرمایا ہے اور بجا فرمایا

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

Marfat.com

خیر وہ فرعون تو صرف بچوں کو ذبح کرتا تھا۔ لیکن یہ فرعون تو قوم کی بچیوں کو بھی ذبح کر رہا ہے۔ وہ ابتدا سے انتہا تک مغربی تہذیب تمدن میں پلتی ہیں۔ اُن کی تعلیم اور تربیت سب فرعون زمانہ کے رنگ میں ہوتی ہے جس کے لئے وہ بھی آج تقریباً قوم کے لئے مردو ثابت ہو رہی ہیں۔ آج مردوں کی ترقی کا مفہوم انگریزی فیشن اور بڑا مطلب بی۔ اے پاس کر لینا ہے۔ اور عورتوں کی ترقی انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ پردہ کو خیر آباد کہہ کر بال وغیرہ کٹا کر مردوں میں مل جانا ہے۔ اور یہی نہیں۔ بلکہ اب تو یہ قتل روح اور جذبات اس قدر بڑھ چکا ہے۔ کہ وہی مسلمان جو کل تک اپنی تہذیب و تمدن اور اپنے مذہب کو تمام دنیا سے اعلیٰ اور بہتر سمجھتے تھے! اور جسے وہ ہمدردانہ طریقے پر اپنے پڑوسیوں پر پیش کرنا اپنا اول ترین فرض سمجھتے تھے آج خود اس پر آوازے کستے نظر آ رہے ہیں۔ اور اپنے باپ دادا کی قابل فخر تہذیب خود اُن کی نظر میں تمسخر و استہزاء کے لائق معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ دنیا میں بدترین قسم کا قتل ہے۔ کہ کسی نسل کے روح جسم اور ذہن کو لگاتار کوششوں کے ساتھ بالکل مسخ کر دیا جائے! احقر نے ایک اخبار میں پڑھا تھا۔ کہ فارن اور برٹش بائیبل سوسائٹی کے ۱۹۲۰ء کے جلسے میں بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ ہم نے آج تک جو روپیہ ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ پر خرچ کیا ہے۔ وہ سب کا سب برباد گیا ہے۔ کیونکہ اخراجات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے مقابل میں کوئی شاندار نتیجہ نہیں نکلا۔ اور اس قدر مال و دولت خرچ کرنے کے باوجود بہت کم ہندوستانی عیسائیت کی گود میں آئے ہیں۔ اس پر ایک پادری صاحب نے جو سالوں ہندوستان میں رہ چکے تھے۔ اور جنہیں یہاں کے حالات کا وسیع تجربہ تھا جواب دیا کہ صاحبو۔ جو روپیہ ہندوستان میں آج تک تبلیغی سلسلہ میں خرچ ہوا ہے۔ وہ برباد نہیں گیا۔ بلکہ نہایت کارآمد جگہوں پر خرچ ہوا ہے۔ انسان جب کسی زمین کو قابل زراعت بنانا چاہتا ہے۔ تو فصل حاصل کرنے سے پہلے اُسے بہت کچھ اُس زمین پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس میں ہل جوتنا ہے جھاڑیاں

Marfat.com

اور جنگلی درختوں کو کاٹتا ہے۔ گھاس پھونس کو صاف کرتا ہے۔ پھر کھاد ڈال کر بیج کو اس میں پھینک دیتا ہے۔ مگر آخرکار جب فصل کاٹنے کا وقت آتا ہے۔ تو اس کی سب تکلیفیں اور دکھ مٹ جاتے ہیں۔ وہ اپنے غلے کے انباروں اور کھیتوں پر نظر کرکے پھولا نہیں سماتا۔ اسی طرح جو روپیہ آج تک ہندوستان میں تبلیغی سلسلہ میں خرچ ہوا ہے۔ وہ بیکار نہیں گیا۔ بلکہ اس سے ہندوستانیوں کے دل و دماغ کی زمین کو عیسائیت کے بیج کے لئے بالکل تیار کر دیا گیا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ کسی ہندوستانی کے مذہب یا تمدن کی کسی کتاب میں درست کرنا تمام قوم کی توہین کے مترادف خیال کیا جاتا تھا۔ مگر آج اسی مال و دولت کے خرچ کرنے کے طفیل وہ اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ غیر تو بجائے خود۔ وہ اور ان کی اولاد خود ہی اپنے عقائد و تہذیب پر پھبتیاں کستے ہیں۔ اور ان کے دل و دماغ کی زمین کو کالجوں، سکولوں اور مشنوں کے ذریعہ سے ایسا صاف کر دیا گیا ہے۔ کہ اب جو بیج بھی اس میں ڈالا جائیگا۔ وہ بلا لحاظ اسے قبول کرکے سرسبز پودے کی شکل میں اگا دینگے۔

آپ نے سنا کس طرح اس پادری صاحب نے حقیقت حال کو بیان کیا ہے۔ ہنود کو تو چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ نہ ان کا کوئی مذہب ہے۔ اور نہ کوئی تمدن۔ وہ تو ہمیشہ عالم کے خیالات و حرکات کا آئینہ رہے ہیں اور رہتے ہیں۔ مگر مسلمان قوم بھی دین سے اس قدر ناآشنا اور بیگانہ ہو چکی ہے کہ انہیں بھی اب نہ تو اپنے مذہب کے متعلق کچھ معلوم ہے۔ اور نہ پیغمبر مذہب کے متعلق۔ نہ دین کا پتہ ہے۔ اور نہ دین لانے والے کا۔ ایسی حالت میں جس طرف بھی انہیں کھینچا جائیگا۔ وہ بلا تامل کھیچ جائینگے۔ ایک شخص جنگل میں بھٹک رہا ہو۔ اور اسے رستہ معلوم نہ ہو۔ تو آپ اسے جو رستہ بھی بتائینگے۔ وہ اسے ہی ٹھیک رستہ سمجھ کر ہو لیگا۔ صرف وہی شخص غلط رستے پر جانے سے انکار کریگا۔ جسے پہلے سے صحیح رستہ معلوم ہو۔ تو ایسی صورت میں دین کے رستے سے بھٹکے ہوئے مسلمان کیوں نہ وہ غلط

Marfat.com

رستہ اختیار کرینگے جو ملمع کاری حکومت اور لالچ کے پتھروں سے خوب ہموار کیا ہوا ہے

توفیق عبادت بھی قرب باری کی علامت ہے اور اس پر ایک حکایت

بعض نے ایاک نستعین سے یہ مدد بھی لی ہے۔ کہ اے رب جس طرح ہم آج اس وقت آپ کی عبادت کر رہے ہیں۔ اسی طرح آپ ہمیں ہمیشہ ایسی ہی توفیق عنایت فرمائیں۔ کہ ہم آپ کی عبادت کیا کریں۔ اور آج جو آپ نے ہم پر مہربانی فرما کر حاضر دربار ہونے کی توفیق عنایت فرمائی ہے۔ ایسے ہی ہمیشہ اپنے کرم و فضل سے حاضری دربار کا شرف عنایت فرمائیں۔

اگر آپ غور کرینگے۔ تو توفیق عبادت بھی اللہ جل شانہ کے قرب و اختصاص کی ایک بیّن علامت ہے۔ کیونکہ عبادت سے جی چرانے والے بھی اسی ہی جیسے انسان ہیں۔ اس ہی جیسے ان کے بھی ہاتھ۔ پاؤں۔ ناک کان آنکھ اور منہ ہیں۔ مگر باوجود اشتراک انسانیت کے وہ اپنے مالک کے دربار سے گریزاں اور فراری ہیں مگر یہ ہے۔ کہ ان کے برعکس ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہے۔ اپنے دنیوی کاموں میں ہرج ڈالتا ہے مسجد میں آنے کی تکلیف اٹھاتا ہے۔ اور پھر دربار ربی میں کھڑا ہو کر شرف تخاطب حاصل کرتا ہے۔ تو دیکھو یہ کتنا بڑا اختصاص اور قرب ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے خاص لطف کی وجہ سے اسے ان کاموں کی توفیق عطا کرتے ہیں۔ اگر یہ عبادت توفیق پر موقوف نہ ہوتی۔ تو وہ دوسرے انسان باوجود اشتراک انسانیت کے کیوں نہ اس اختصاص سے بہرہ اندوز ہوتے۔

کہتے ہیں۔ کہ کسی شخص کی ایک لونڈی ہر رات کو اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی۔ اور پھر اس کے بعد دیر تک دعا میں مشغول رہتی۔ ایک دن اس کے مالک نے خیال کیا کہ آج رات کو سنوں کہ یہ لونڈی نماز کے بعد سجدہ میں گر کر اور گڑگڑا کر

Marfat.com

اللہ تعالیٰ سے کیا سوال کیا کرتی ہے۔ چنانچہ جب لونڈی حسب معمول رات کو عبادت سے فارغ ہو کر نہایت خضوع و خشوع سے دُعا کرنے لگی۔ تو مالک نے سُنا کہ وہ بار بار یہی کہتی ہے۔ کہ اے مالک حقیقی۔ اے سچے آقا۔ جو آج کل آپ نے مجھے اپنا قرب اور اختصاص بخشا ہوا ہے۔ اب مہربانی فرما کر اُسے مجھ سے چھین نہ لینا۔ بلکہ اب اس اختصاص میں اور بھی زیادتی فرمانا۔ جب صبح ہوئی۔ تو اُس لونڈی کے مالک نے پوچھا۔ کہ اے لونڈی تو رات کو دُعا کرتی تھی اور بار بار کہتی تھی۔ کہ اے اللہ جو آپ نے مجھے قرب اور خصوصیت بخشی ہے۔ وہ اب مجھ سے واپس نہ لینا۔ بلکہ اس میں زیادتی فرمانا۔ تو مجھے بھی بتا۔ کہ تجھے وہ کونسا قرب اور اختصاص دیا گیا ہے۔ جس کی زیادتی کی تو دُعا کر رہی تھی۔ لونڈی نے جواب دیا۔ اے مالک مجازی۔ کیا توفیق عبادت اور رغبت ذکر سے بھی کوئی زیادہ اختصاص ہو سکتا ہے۔ کیا یہ قرب خداوندی نہیں۔ کہ جب تمام دُنیا محوِ خواب ہوتی ہے۔ تو اُس وقت کوئی غائبانہ کشش میرے دل کو کھینچتی ہے۔ دیوانہ وار اُٹھتی ہوں۔ دن کی تھکاوٹ اور ماندگی کا ذرہ بھر احساس نہیں ہوتا۔ سردی مجھے ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں مانع نہیں ہوتی۔ وضو کر کے جو مصلے پر کھڑی ہوتی ہوں۔ تو دل خوشی اور مسرت سے بھر جاتا ہے۔ تو پھر اے آقا آپ ہی بتائیں یہ اختصاص نہیں تو اور کیا ہے۔ مالک نے کہا۔ اے لونڈی جا۔ آج سے تو آزاد ہے۔ مالک حقیقی کا غلام مالک مجازی کا غلام نہیں۔ بلکہ آقا ہونے کے لائق ہوتا ہے۔

جبریہ قدریہ اور اہل سنت کے عقائد پر تنقیدی مقالہ

نکتہ۔ اللہ تعالیٰ نے ایاک نستعین میں بیان کئے ہوئے مطالب کے علاوہ ایک اور نہایت باریک اور دقیق راز یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ ان دو جملوں میں اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کو ثابت کر کے جبریہ و قدریہ کے باطل عقائد کو رد کر دیا گیا ہے۔

Marfat.com

اور اس راز کو سمجھانے سے پہلے میں آپ کے سامنے ان تینوں فرقوں کا مختصر طور پر عقیدہ بیان کر دیتا ہوں۔ تاکہ پھر مطلب کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقت نہ رہے۔

جبریہ وہ فرقہ ہے۔ جو انسان کو مجبور محض سمجھتا ہے۔ اور اس کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ انسان کو کسی قسم کا کچھ اختیار نہیں دیا گیا۔ بلکہ وہ اپنے افعال میں درخت پتھر اور لکڑی کی طرح بے اختیار اور مجبور ہے۔ اور وہ دلیل یہ دیتے ہیں۔ کہ جو کام بھی انسان دنیا میں کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ جو عالم الغیب اور خبیر و بصیر ہے۔ اول ہی سے اس کام کے ہونے یا نہ ہونے کو جانتا ہے۔ مثلاً زید آج روزہ نہیں رکھتا۔ تو ازل ہی سے علم الٰہی میں آج اس کا روزہ نہ رکھنا لکھا ہوا تھا۔ یا مثلاً آج اس نے نماز پڑھی تو ازل ہی سے علم الٰہی میں آج اس کا نماز پڑھنا مقدر تھا۔ اب پہلی صورت میں وہ کبھی بھی اس دن روزہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ اور دوسری صورت میں وہ کبھی بھی نماز نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ کیونکہ اگر وہ اس دن روزہ رکھتا۔ یا نماز نہ پڑھتا تو نعوذ باللہ علم خداوندی غلط ٹھیرتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کے برخلاف کام ہوا۔ مگر علم الٰہی میں تخلف محال ہے اس لئے انسان کے کام کا علم الٰہی کے مطابق واقع ہونا لازمی ٹھیرا۔ جب لازمی ٹھہرا۔ تو پھر بندہ کو اختیار کیا رہا۔ وہ تو ایک مشین کی طرح ہو گیا۔ کہ مالک نے جب چاہا چلایا۔ اور جب چاہا بند کر دیا۔ وہ نہ اپنے اختیار سے چلتا ہے نہ ٹھیرتا ہے۔ وہ نہ تو بالاستقلال کچھ کام کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی کام کے کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر غور سے کام لیا جائے۔ تو ان کا یہ عقیدہ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ وہ یوں تو کہتے ہیں۔ کہ باری تعالیٰ ازل ہی سے کسی شخص کے ایک کام کرنے یا نہ کرنے کو جانتے ہیں اس واسطے وہ اپنے افعال میں مجبور ہے لیکن اس کے ساتھ اگر وہ لفظ اختیار کو بھی زیادہ کر لیں۔ تو ان کا یہ وہمی قلعہ سب کا سب ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے یعنی ہم یوں کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ازل ہی سے جانتا تھا کہ یہ شخص اپنے اختیار سے یہ کام کریگا یا نہ کریگا۔ تو جب اختیار ثابت ہو گیا۔ تو مجبوری کہاں رہی۔

Marfat.com

اور اس کی مثال یوں سمجھئے۔ ایک شخص کو اپنے نوکر کو ایک کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور وہ شخص جانتا ہے۔ کہ میرا نوکر اپنے اختیار سے اس کام کو یوں کریگا۔ اب نوکر نے اس کے علم کے مطابق اُس کام کو پورا کیا۔ تو کیا نوکر کا وہ کام بالاختیار کیا ہوا کہلائیگا یا بالجبر؟ ایک چھوٹا سا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ نوکر کا کام اختیاری کہلائیگا کیونکہ اُسے اُس کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ اگرچہ اُس کا کرنا مالک کے علم کے مطابق تھا۔ مگر مالک کے اس علم کا نوکر کے اختیار پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

اور اس عقیدہ کی غلطی کو ایک اور طرح سے بھی سمجھ سکتے ہو۔ اگرچہ وہ ذرا باریک بات ہے۔ مگر غور کرنے سے انشاء اللہ آپ کی سمجھ میں آجائیگی۔ یعنی ہم جبریہ سے پوچھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے خود اپنے کام اختیاری ہیں یا غیر اختیاری؟ اس کا تو وہ بھی اقرار کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سب کام اختیاری ہیں۔ اب مثلاً زید کو اللہ تعالیٰ اپنے اختیار سے مالدار کرتا ہے۔ اور اس مالدار کرنے کا علم اللہ تعالیٰ کو تو ازل ہی سے تھا۔ تو کیا اب علم الٰہی سے اختیار الٰہی جبر کے ساتھ تبدیل ہو جائیگا؟ ہرگز نہیں۔ تو اسی طرح علم الٰہی اختیار انسانی کو بھی جبر کے ساتھ تبدیل نہیں کرتا۔ یہی مسئلہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا۔ کہ اے ابو عبد الرحمٰن لوگ زنا کرتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ مگر وہ اس کے کرنے میں مجبور ہیں۔ کیونکہ رب العزت کے علم میں ان کے لئے ایسا ہی مقدر تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ سبحان اللہ العظیم قد کان ذلک فی علمہ انھم یفعلونھا ولم یحملھم اللہ علی فعلھا یعنی پاک ہے اللہ بزرگ۔ ان کا ایسا کرنا ضرور علم خداوندی میں تھا۔ مگر خدا کے علم نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے بروایت عمرؓ یہ حدیث بیان فرمائی مثل علم اللہ فیکم کمثل السماء التی اظلتکم والارض التی اقلتکم فکما لا تستطیعون الخروج من السماء والارض کذلک لا تستطیعون الخروج من

علم اللہ وکما لا تخلکم السماء والارض علی الذنوب کذٰلک لا یحملکم علم اللہ علیھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم کی تمہارے افعال کے متعلق ایسی مثال ہے جیسی آسمان کی جو تمہارا سائبان ہے۔ اور زمین کی جو تمہارا مقام ہے پس جس طرح تم زمین و آسمان سے نہیں نکل سکتے۔ اسی طرح تمہارا علم خداوندی سے بھی نکلنا محال ہے۔ اور جیسا تم کو زمین و آسمان گناہوں پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح علم الٰہی بھی تمہیں گناہوں کے کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

اور پھر قرآن پاک سے صاف ظاہر ہے۔ کہ انسان کو نیک و بد کے امتیاز کے لئے عقل دیا گیا۔ اُسے ایک کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے مثلاً اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ لَا یَرْضٰی لِعِبَادِہِ الْکُفْرَ وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَہُ لَکُمْ یعنی وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم شکر کرو تو وہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔ اب اگر کفر و شکر میں انسان مجبور ہوتا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی رضا و غیر رضا کا کیا سوال ہو سکتا تھا۔ کفر پر ناراضگی اور شکر پر رضامندی تب ہی ہو سکتی ہے۔ کہ جب انسان کو ان دونوں رستوں پر چلنے کا اختیار دیا جائے۔ اختیار مل جانے کے بعد اب انسان جو رستہ چاہے۔ اللہ جل شانہٗ کی رضامندی اور ناراضگی کا مستحق ہو سکتا ہے۔ سورہ محمد میں کفار کے روح قبض کرنے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ فَکَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰہَ وَکَرِھُوْا رِضْوَانَہٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ یعنی اُن لوگوں کی کیا حالت ہوگی جب فرشتے اُن کے مونہوں اور پیٹھوں پر کوڑے مارتے ہوئے ان کا روح قبض کریں گے۔ اور یہ اس لئے۔ کہ وہ اس بات کی پیروی کرتے تھے جو اللہ جل شانہٗ کو غضبناک کرتی تھی۔ اور اسکی رضامندی کو وہ ناپسند کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعمال کو برباد کر دیا۔ اب غور کرنے کا مقام ہے۔ کہ اگر انسان کو اختیار نہ ہوتا۔ اور وہ درخت یا پتھر کی طرح مجبور محض ہوتا۔ تو اتباع کی نسبت اُن کی طرف کیسے کی جاتی۔ اور

Marfat.com

رکھوا کے وہ فاعل کس طرح بن سکتے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ اللہ جل شانہ نے انسان کو قوت ارادہ اور قوت اختیار ضرور دی ہوئی ہے۔ اسے وہ جس طرح استعمال کریگا۔ اللہ تعالےٰ اسے اُس کے ارادہ کے مطابق نتیجہ عنایت فرمادینگے خواہ وہ مُراد اچھّی ہو یا بُری۔ جیسے آگ میں اللہ تعالیٰ نے جلانے کی قوت رکھدی ہے۔ اب اس سے اگر کوئی اپنے کپڑے جلائے تو وہ جل جائینگے۔ اور اگر کوئی کھانا پکائیگا۔ تو وہ پک جائیگا یعنی جیسے اُس کو استعمال کریگا ویسے ہی اُسے اُس کا نتیجہ دیا جائیگا۔ خواہ استعمال بُرا ہو یا اچھا۔ اسی طرح اگر انسان کو کچھ اختیار نہ ہوتا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا نہ فرماتے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ بامراد ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کیا۔ اور نامراد ہوا۔ وہ جس نے اسے دبایا یعنی برباد کیا۔

سوال۔ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور نہیں۔ تو پھر اللہ تعالےٰ قرآن پاک میں یوں کیوں فرماتا ہے کہ یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ (جو چاہے وہ کرتا ہے) اور یُضِلُّ مَنْ یَّشَاءُ وَیَھْدِی مَنْ یَّشَاءُ (جسے چاہتا ہے۔ ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے۔ گمراہ کرتا ہے) ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کی گمراہی اور ہدایت سب اللہ جل شانہ کی طرف سے ہے۔ بندے کا اس میں کوئی چارہ نہیں۔

(جواب) یہ اور ایسی تمام آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ نے غیر کے فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ محض خالق ہونے کی حیثیت سے ہے یعنی اُن تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا باری تعالیٰ ہے۔ اُسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اُسی نے اُسے نیک و بد کی تمیز دی۔ اور اچھے بُرے کاموں کا ذمہ دار ٹھیرایا۔ اب اگرچہ خالق ہونے کی حیثیت سے انسان کے تمام کاموں کا اللہ جل شانہ کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوگا۔ مگر حقیقت میں ان سب کا فاعل انسان ہی ہے۔ اس واسطے ان کے نتیجے کا ذمہ دار بھی اُسی انسان کو ٹھیرایا جائیگا۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ پرنالہ یا میزاب بہ رہا ہے۔ تو کیا حقیقت میں پرنالہ بہتا ہے یا اُس کا پانی ظاہر ہے

Marfat.com

کہ پرنالہ تو کبھی نہیں بہتا ہمیشہ اُس کا پانی ہی بہتا ہے۔ مگر چونکہ وہ پانی اُس کی وجہ سے مکان سے جمع ہو کر بہہ رہا ہے۔ اس واسطے بہنے کو پرنالہ کی طرف منسوب کیا گیا۔ اسی طرح بندے کے افعال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف علت العلل اور خالق ہونے کی حیثیت سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

کیونکہ کسی کام کے کرنے میں چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ قدرت فعل۔ یعنی جو کام کرنا ہے اُس کے کرنے کی طاقت ہونی چاہیئے۔ تیسیر فعل یعنی کام میں آسانی پیدا کرنے کے اسباب بھی ہوں تاکہ اُن کے ذریعہ موانع کو ہٹا کر اس کام کو کیا جا سکے اور اس کے کرتے وقت دل مطمئن اور دماغ فارغ ہو تاکہ پوری توجہ کے ساتھ اُس کو اختتام تک پہنچایا جا سکے۔ دعوت نفس یعنی اُس کام کے کرنے کی کچھ ضرورت بھی ہونی چاہیئے۔ تاکہ طبیعت اُس کے کرنے کی طرف راغب ہو سکے۔ ہدایت عقل۔ اُس کام کے کرنے میں عقل بھی مدد کرے۔ تاکہ اُس کی ہدایت اور رہنمائی سے وہ کام پورا ہو سکے۔ ورنہ بغیر ہدایت عقل کے انسان اِدھر اُدھر بھٹکتا رہیگا۔ اب اگر سوچو گے۔ تو یہ چاروں چیزیں یعنی قدرت سہولت دعوت اور ہدایت سب کی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اور چونکہ انہی چاروں پر کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ اس واسطے قرآن پاک نے بعض جگہ ایک انسانی فعل کو اللہ تعالےٰ کی طرف نسبت کیا ہے۔

اعتراض۔ لیکن پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان تمام چیزوں کو جن پر کہ کسی انسانی کام کا ہونا یا نہ ہونا موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ تو پھر انسان کا گناہ کرنے میں کیا قصور ہوا۔ مثلاً ایک شخص زنا کرتا ہے۔ تو اس فعل پر قدرت وغیرہ تو خدا کی طرف سے دی ہوئی ہے۔ اسی طرح ایک آدمی چوری کرتا ہے۔ تو چوری کرنے کی طاقت تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے۔ اگر وہ اسے اس کام کے کرنے کی طاقت نہ دیتا۔ تو انسان سے ایسے بُرے کام کا کبھی ارتکاب نہ ہوتا۔

Marfat.com

جواب۔ اس سوال کا جواب میں آپ کو ایک مثال کے ذریعے سمجھاتا ہوں۔ کیونکہ یہ مسئلہ نہایت باریک ہے اور میں اسے بیان بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مگر جب یہ چھڑ گیا ہے۔ تو اب اسے بقدر ضرورت آسان لفظوں میں بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

مثال ۔ ایک بہت بڑا پہلوان ہو۔ اس کے پاس ایک پندرہ من کا پتھر ہو۔ جسے سوائے اس کے اور کوئی نہ اٹھا سکتا ہو۔ اب وہ اپنے شاگردوں کو یوں کہے۔ کہ دیکھو اس پتھر کو تم میں سے کوئی بھی نہ اٹھائے۔ کیونکہ اس کے اٹھانے میں یہ یہ نقصان ہیں۔ لیکن اس پر بھی اگر تم میں سے کوئی اٹھائیگا۔ تو چونکہ تم میں تو اس کے اٹھانے کی طاقت نہیں۔ اس لئے میں تمہیں مدد کر کے اٹھوا تو دونگا۔ مگر ساتھ ہی پچاس روپے جرمانہ بھی کر دونگا۔ اسی طرح اللہ جل شانہ نے بھی فرمادیا۔ کہ دیکھو زنا کے قریب تک مت جانا۔ دیکھو چوری مت کرنا۔ کیونکہ ان کاموں میں یہ نقصان ہیں۔ لیکن اس انتباہ کے باوجود بھی اگر تم میں سے کوئی یہ کام کریگا۔ تو چونکہ تم میں تو اس کے کرنے کی طاقت نہیں اس واسطے میں تم کو اس کے کرنے کی قدرت دے دونگا۔ مگر ساتھ ہی دنیا و آخرت میں یہ یہ عذاب بھی دونگا۔

موٹی اور آخری بات یہ ہے۔ کہ اگر جبریہ کے عقیدہ کو صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو پھر سب کی سب شریعتیں اور کتابیں بیکار ٹھہرتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا آنا۔ نیکیوں سے جنت کا وعدہ۔ برائیوں سے وعید جہنم سب کا سب بے معنی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں تب ہی بامعنی ہو سکتی ہیں۔ کہ انسان کو نیک و بد کے کرنے کا اختیار ہو۔ اور چونکہ شریعتوں کتابوں اور رسولوں کے سلسلہ کو بیکار ماننا ذات باری پر فعل عبث کا الزام دھرنا ہے جس سے وہ ہیچوں و بیچگوں ذات مبرا اور منزہ ہے۔ اس لئے جبریہ کا عقیدہ بھی بالکل باطل اور غلط ہے۔

اب کچھ تھوڑا سا قدریہ کا بھی حال سن لیجئے۔ قدریہ وہ فرقہ ہے۔ جو انسان کو مختار

Marfat.com

مطلق سمجھتا ہے۔ اور اس کا عقیدہ کہ انسان خود ہی اپنے اعمال و افعال کا خالق ہے۔ ہاں اتنا فرق ضرور کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کو وہ مطلق اور مستقل خالق سمجھتے ہیں مگر انسان کو بذریعہ آلات اور اسباب کے خالق افعال ٹھہرتے ہیں۔ اور اسے آلات و اسباب میں اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھتے ہیں۔ اور وہ ایک دلیل اپنے عقیدے کی صحت و ثبوت کے لئے تو یہ پیش کرتے ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کے افعال کا خالق ہے۔ تو نعوذ باللہ اسے چور، زانی اور قاتل وغیرہ کہنا بھی صحیح ہوگا۔ کیونکہ اسی کے پیدا کرنے سے چوری، زنا اور قتل کا ارتکاب ہوا ہے۔ اگر وہ پیدا نہ کرتا۔ تو ان کا ارتکاب بھی نہ ہوسکتا۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے قبیح الفاظ سے موسوم کرنا کفر ہے۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلا۔ کہ یہ افعال بھی اس نے پیدا نہیں کئے۔ بلکہ بندہ ان افعال کا خالق ہے۔

حالانکہ اگر غور کیا جائے۔ تو یہ کچھ دلیل نہیں۔ بلکہ قدریہ کی صریح غلط فہمی ہے۔ کیونکہ کسی فعل کا فاعل اسی ذات کو ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ کہ جس کے ساتھ فعل کا قیام ہوا ہو۔ نہ کہ خالق یا پیدا کرنے والا۔ اس واسطے چور زانی یا قاتل وہی اشخاص کہلائے جاسکتے ہیں۔ کہ جن کے باعث ان افعال کا قیام ہوا ہے۔ نہ کہ وہ ہستی جس نے انہیں پیدا کیا۔ جیسا سیاہی یا سرخی کے موجد کو سیاہ یا سرخ نہیں کہتے۔ بلکہ سیاہ یا سرخ وہی کہلاتا ہے جس کے ساتھ سیاہی یا سرخی کا قیام ہوتا ہے۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے۔ کہ اگر بندے کے افعال کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانا جائے۔ تو پھر انسان کے کام ایک مشین کی حرکت کے مشابہ ہو جاتے ہیں جس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور جب انسان کو اپنے افعال میں مشین کی طرح کوئی اختیار نہ رہے۔ تو پھر بندے کو اس کے افعال پر برا بھلا کہنا بھی غلط ٹھہرا۔ اور پھر شارع علیہ السلام کے اوامر و نواہی بھی جو موقوف ہیں اختیار پر۔ سب کے سب بیکار ٹھہرتے ہیں۔

جواب۔ یہ دلیل جو حقیقت میں مجموعہ ہے چند اعتراضوں کا جبریہ کے رد میں کام

Marfat.com

آسکتی ہے۔ کیونکہ وہی انسان کو بالکل بے اختیار اور مجبور سمجھتے ہیں۔ مگر سنت والجماعت کا صحیح العقیدہ فرقہ جس کا عقیدہ میں ابھی بالتفصیل بیان کرتا ہوں۔ انسان کو باوجود اس کے غیر خالق ماننے کے اس کے لئے اختیار بھی ثابت کرتا ہے جس کی وجہ سے اس کے کام نہ تو مشین کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی دوسرے اعتراض جو دلیل کی صورت میں بیان کئے گئے ہیں وارد ہو سکتے ہیں۔ یہ سب ہیں نے آپ کے سامنے قدریہ کی عقلی دلیلیں پیش کی ہیں۔ اُن کی نقلی دلیلیں ذرا تفصیل طلب ہیں۔ اس لئے سر دست میں اُن کو چھوڑ کر اہل السنت والجماعت کے صحیح عقیدہ کی تشریح کرتا ہوں تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے۔ کہ اس معاملہ میں صحیح عقیدہ کیا ہے۔ اور اس کے صحیح ہونے کی کیا وجہ ہے

اہل السنت والجماعت کے فرقہ کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ انسان نہ تو لکڑی اور پتھر کی طرح مجبور محض ہے۔ جیسا کہ جبریہ کا عقیدہ ہے۔ اور نہ اپنے افعال کا خالق جیسا کہ قدریہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ بلکہ تمام چیزوں کا خالق تو اللہ تعالےٰ ہے۔ ہاں انسان کاسب ہے۔ اور اپنے کسب میں مختار۔

جیسا کہ میں آگے بیان کر چکا ہوں کہ انسان کا وجود اس کا ارادہ اس کی قدرت وطاقت ہر ایک چیز اللہ جل شانہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ خالق ہے تمام چیزوں کا۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ یعنی اللہ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا۔ پھر دوسری جگہ آتا ہے۔ اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ یعنی اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لیکن اُس انسان کو اپنے دئے ہوئے ارادہ اور قوت کو نیک و بد میں استعمال کرنے کا پورا پورا اختیار دیا ہے۔ اور یہی اختیار تمام شرعی احکام سلسلۂ انبیا اور صحف سماویہ کے نزول کا باعث ہوا۔ انسان کے سامنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ دو رستوں کی تفصیل پیش کر دی گئی۔ اور بتا دیا گیا۔ کہ یہ رستہ برا ہے اور یہ اچھا۔ اس پر چلنے سے تمہارا خالق ناراض ہوگا۔ اور اس پر چل کر اُسے

Marfat.com

راضی کر سکو گے۔ پھر ان راستوں پر چلنے اور نہ چلنے کی ہدایات بذریعہ کتابوں کے بھی انسانوں کو پہنچا دی گئیں۔ اب انسان جس رستے پر چلنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اُسے اُس پر چلنے کی طاقت دے کر سزا و جزا کا نتیجہ مرتب کر دیا جاتا ہے۔ رستے کے چلنے یا نہ چلنے کا اسے اختیار ہے۔ مگر رستہ پر چل کر اُس کے نتیجہ سے بچنے کا کوئی اختیار نہیں۔ مثلاً کسی انسان کو یہ تو اختیار ہے۔ کہ کسی کو لاٹھی مارے یا نہ۔ مگر اُسے یہ اختیار نہیں کہ لاٹھی مارنے کے بعد اس کے درد کو روک سکے۔ اسی طرح اہل السنت والجماعت کا حق پرست فرقہ نہ تو انسان کو مجبور محض سمجھتا ہے۔ اور نہ مختار مطلق۔ بلکہ اس کا عقیدہ الاسلام بین الجبر والقدر ہے۔ یعنی اسلام جبر اور قدر کے درمیان ہے۔ بعض حصے میں تو انسان کے لئے اختیار مانتے ہیں اور بعض میں اُسے مجبور سمجھتے ہیں۔ اسی فرقہ کی تعریف وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کے الفاظ میں قرآن پاک کر رہا ہے یعنی ہم نے تمہیں اُمت معتدلہ بنایا۔ اس فرقہ کے عقائد میں افراط ہے نہ تفریط۔ نہ جبر جیسی خرابی ہے۔ نہ قدر جیسا نقص۔ بلکہ ان کا حال تو مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ۔ کا سا ہے۔ جیسا دودھ خون اور گوبر کے بیچ میں ہوتا ہے اسی طرح الاسلام بین الجبر والقدر کا متقی اور مصفی دودھ بھی جبریہ قدریہ کے عقیدے کے درمیان ہے

الاسلام بین الجبر والقدر کے ادق مسئلہ کو حضرت علیؓ نے کس طرح چند لفظوں میں سمجھایا

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انسان جبر و قدر کے درمیان کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک ہی انسان نہ مجبور ہو نہ مقدور اور وہی انسان مجبور بھی ہو اور مختار بھی۔ آپ نے فرمایا۔ اے سائل میں تجھے ایک آسان سی مثال میں اس عظیم الشان مسئلے کو سمجھائے دیتا ہوں۔ آپ نے پھر اس سے فرمایا کہ اچھا تو

Marfat.com

اپنی ایک ٹانگ زمین سے اٹھالے۔ اُس نے بموجب ارشاد کے ایک ٹانگ اٹھالی۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کہ اب دوسری بھی اُٹھالے۔ اُس نے عرض کی۔ کہ صاحب میں دوسری کیسے اٹھاؤں۔ دوسری اٹھاتا ہوں تو فوراً گر جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا۔ تو بس اب تیرے سوال کا جواب اسی سے ہوگیا۔ دیکھ تو ایک ٹانگ کے اُٹھانے میں تو مختار ہے۔ مگر دوسری کے اٹھانے میں مجبور۔ اسی طرح انسان بھی ہر کام کے بعض حصے میں مختار ہے اور بعض میں مجبور۔ گویا اُسے بھی جبر۔ قدر کی ایک ایک ٹانگ لگی ہوئی ہے۔ اور یہی عقیدہ حقہ ہے۔ مگر افسوس کہ بعض لوگوں نے اس معتدل متوسط اور صحیح و بلا خطر رستہ کو چھوڑ کر کیوں افراط و تفریط کو پسند کیا۔ اور خیر الامور اوساطہا کو چھوڑ کر عقلی دلائل کی رد میں کہاں سے کہاں یہ کر چلے گئے۔ حضور نے فرمایا ہے۔

صنفان من امتی لیس لھما فی الاسلام نصیب المرجیۃ والقدریۃ

یعنی میری امت میں سے دو گروہ ایسے ہیں جنہیں اسلام سے کچھ حصہ بھی نہیں ملا ایک مرجیہ یعنی جبریہ اور دوسرے قدریہ۔

جبری عقیدہ باش و قدری عمل کی توضیح

بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہے۔ اور اُسے خواہش ہو۔ کہ طریقت اور سلوک کے منازل کو جلدی طے کرکے انوار ربی کا مشاہدہ کرے۔ تو اُسے چاہئے۔ کہ عقیدہ تو جبریہ کا رکھے۔ مگر اعمال قدریہ جیسے ہوں چنانچہ اُن کا مقولہ ہے جبری عقیدہ باش و قدری عمل یعنی تو اپنے عقیدہ میں جبری ہو۔ اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے مجبور محض خیال کر۔ مگر کام اور عمل قدریہ کی مانند کر۔ اور اپنے آپ کو ہر ایک کام میں قادر سمجھ کر اُس کا کوئی عملی پہلو نہ چھوڑ۔ اور مکارم کن تیش کبریائی کن کا صحیح فوٹو بن جا۔

Marfat.com

قرآن پاک کو اول سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ ہر جگہ نعمتوں کا حصول اللہ جل شانہ
کے فضل و کرم پر موقوف نظر آتا ہے۔ مگر پھر بھی ساتھ ساتھ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
فرما کر ظاہر کر دیا ہے۔ کہ فضل الٰہی کے مستحق عاملین ہی ہوتے ہیں نہ غیر۔
تو خلاصۂ کلام یہ نکلا۔ کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایاک نعبد فرما کر جبریہ کا رد
کیا۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے۔ کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ چونکہ جبریہ یہ کہتے ہیں۔ کہ
انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ اپنے افعال و اعمال میں مجبور محض ہے۔ اس لئے نعبد کا
فاعل انسانوں کو بنا کر ان کو غلطی سے متنبہ کر دیا گیا۔ پھر اس کے بعد ایاک نستعین فرما
کر قدریہ کا بھی رد فرما دیا۔ کیونکہ قدریہ انسان کو قادر و مختار سمجھتے ہیں۔ اور ایاک نستعین
ظاہر کرتا ہے کہ تکمیل عبادت میں ہمارا کچھ اختیار نہیں۔ آپ کی مدد شامل حال ہو۔ تو بیڑا
پار ہے۔ ورنہ ہم ہیں اور وساوس شیطان کا منجدھار ہے۔ تو ان دونوں یعنی ایاک
نعبد و ایاک نستعین ملانے سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ لوگ نہ قدریہ ہوں اور نہ جبریہ۔ بلکہ اس کے
درمیان رہ کر خالق و رب العزت کو مانو اور کاسب انسان کو۔ اور یہی خلاصہ ہے مسئلہ
تقدیر کا بھی۔ کہ ہم نیک کام کریں اور انجام وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللہ کہہ کر اللہ جل شانہ
کے سپرد کریں۔ اور اس سے زیادہ اس مسئلہ میں بحث و تحیص نہ کریں۔ چنانچہ حضرت
ابو ہریرہ سے روایت ہے قال خرج علینا رسول اللہ ﷺ ونحن نتنازع فی القدر
فغضب حتی احمر وجہہ حتی کانما فقئ فی وجنتیہ الرمان۔ فقال ابھذا
امرتم ام بھذا ارسلت الیکم انما ھلک من کان قبلکم حین تنازعوا
فی ھذا الامر عزمت علیکم الا تنازعوا فیہ۔ کہ حضور نکلے اور ہم مسئلہ
تقدیر میں جھگڑ رہے تھے حضور اس بات پر نہایت غضبناک ہوئے۔ اور حضور کا چہرہ
انور اس قدر سرخ ہو گیا۔ کہ گویا آپ کے رخسار مبارک پر انار توڑا گیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا
کہ تمہیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے یا میں تمہاری طرف اس لئے بھیجا گیا ہوں تم سے

Marfat.com

پہلی اُمتیں بھی اسی بات پر جھگڑ کر ہلاک ہوئیں۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں۔ کہ آیندہ تم اس معاملہ میں کبھی بھی نہ جھگڑنا۔

استعانت عامہ اور اُس کے درجات

ابھی تک جو میں نے ایاک نستعین کے متعلق بیان کیا۔ وہ سب کا سب بیان استعانت خاصہ کے متعلق تھا۔ یعنی استعانت فی العبادۃ۔ چونکہ ایاک نعبد میں بندے نے اپنی عبادت کے متعلق عرض کی تھی۔ اس واسطے ایاک نستعین کی مدد کو بھی اُسی عبادت کے ساتھ خاص سمجھ کر اب تک یہ تفسیر و تشریح بیان ہوتی رہی۔ مگر اب استعانت کو عام رکھ کر کچھ عرض کرتا ہوں۔ یعنی ایاک نستعین میں مصلی صرف عبادت ہی کے لئے مدد نہیں مانگتا۔ بلکہ وہ عام طور پر مدد کی التجا کرتا ہے۔ خواہ وہ مدد دینی یا دنیوی۔ اس عبادت کے لئے ہو۔ یا دوسری کے لئے۔ اور وہ اس استعانت عامہ کو بھی ذات باری ہی کے ساتھ مختص کرتا ہے۔

استعانت عامہ کا پہلا درجہ اور سفیان ثوری کی حکایت

استعانت عامہ میں مدد مانگنے والوں کے تین درجے ہوتے ہیں بعض تو بالکل اسباب اور وسائل پر نظر ہی نہیں کرتے۔ اور اُن کا تعلق ذات باری سے ایسا ہوتا ہے۔ کہ اس میں اسباب یا وسیلے کے دخول کو عشق حقیقی کی تحقیر سمجھا جاتا ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آتا ہے۔ کہ آپ جب نماز میں ایاک نستعین پر پہنچتے۔ تو بعض دفعہ بیہوش ہو کر گر جاتے۔ لوگوں نے پوچھا۔ حضرت ایاک نستعین پر آ کر آپ کی حالت دفعتہ کیوں بدل جاتی ہے۔ فرمانے لگے۔ کہ جب میرے مُنہ سے یہ لفظ نکلتے ہیں۔ کہ اے اللہ ہم آپ ہی سے مدد چاہتے ہیں" تو فوراً مجھے خیال آجاتا ہے۔ کہ آ

Marfat.com

سفیان۔ اگر رب العزت نے قیامت کے دن سوال فرمایا۔ کہ اے مکار۔ جب تو نماز پڑھا کرتا تھا۔ تو ہم ہی سے مدد مانگنے کا دعوے کیا کرتا تھا۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا تھا۔ تو پھر بیماری کی حالت میں طبیبوں کے پاس کیوں جایا کرتا تھا۔ اور دنیوی تکالیف میں دنیا داروں کی مدد کیوں چاہا کرتا تھا۔ بعض دفعہ میں اس خیال سے اس قدر شرمندہ اور مخجول ہوتا ہوں کہ مجھ پر غشی طاری ہو جایا کرتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی استغنا اور احتیاج

اسی طرح جب ابراہیمؑ کو نمرود نے آگ میں ڈالا۔ تو زمین و آسمان میں خلیل کی اس حالت کے متعلق دربار جلیل میں شور و پکار کی گئی۔ جبرائیلؑ کو حکم ہوا کہ جاؤ ہمارے خلیل سے پوچھو۔ اگر وہ چاہیں۔ تو ہم ان پر آگ کو گلزار بنا دیں۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام فوراً خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور پوچھا ھل لك حاجة یا خلیل الله یعنی اے خلیل اللہ۔ کیا آپ کو کچھ حاجت ہے آپ نے فرمایا۔ اما الیك فلا۔ یعنی حاجت ہے۔ تو سہی مگر تیری طرف کچھ نہیں جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا۔ کہ آپ باوجود شدت حرارت اور سوزش آتش کے مجھ سے کسی قسم کی مدد نہیں چاہتے۔ تو عرض کی فسئلہ۔ یعنی جب آپ مجھ سے کچھ مدد نہیں چاہتے۔ تو رب العزت ہی سے سوال کیجئے آپ نے فرمایا۔ حسبی من سوالی علمہ بحالی یعنی میری حالت کا اسے معلوم ہونا میرے سوال کرنے سے کفایت کرتا ہے۔ مجھے سوال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ خود دانا بینا اور علیم و بصیر ہے۔ اگر وہ چاہیگا۔ تو بلا سوال اور اظہار حالت ہی اس تکلیف کو دور کر دیگا۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح اپنے آپ کو رضائے ربی کے سامنے جھکا دیا۔ اور فرما دیا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہ میں جہان کے پروردگار کا فرمانبردار ہوا۔ اور اپنی خواہش حاجت اور طلب کو محجوب

Marfat.com

حقیقی کی رضامندی پر قربان کر دیا۔ تو حکم ہو۔ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْم
یعنی اے آگ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔ لکھا ہے۔ کہ اگر جل شانہ بردًا کے ساتھ سلامًا کا لفظ زیادہ نہ فرماتے۔ تو آگ برف سے بھی زیادہ ٹھنڈی ہو کر اور تکلیف کا باعث بن جاتی۔

آگ کے بردًا وسلامًا ہونے پر شبہ اور جواب

بعض عقل کے بندوں کو خیال ہو سکتا ہے۔ کہ آگ کس طرح اپنے جلانے کی خاصیت کو چھوڑ سکتی ہے۔ آگ کا ٹھنڈا ہو کر سلامتی کا باعث بن جانا کسی طرح بھی عقل میں نہیں آتا۔ مولانا روم صاحب نے مثنوی شریف میں ایسے ہی لوگوں کے اطمینان کے لئے ایک قصہ درج فرما کر اس پر چند عقلی دلیلیں دی ہیں۔ مختصراً قصہ یہ ہے کہ یہودیوں کا ایک بادشاہ عیسائیوں پر طرح طرح کے ظلم وستم کرتا ہے۔ اور آخر کار ایک بچے کو آگ میں جلایا جاتا ہے۔ مگر آگ بچے کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس واقعہ سے یہود بہت متاثر اور متعجب ہوتے ہیں۔ اور آگ کو مخاطب کر کے اس کے نہ جلانے کا سبب پوچھتے ہیں۔ آگ اُن کو مولانا روم کی زبان سے عقلی دلائل کے ساتھ لاجواب کر دیتی ہے۔ مولانا روم صاحب کی زبان سے یہود کا شکوہ اور آگ کا جواب سُناتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

مے نہ بخشائی تو بر آتش پرست ۔۔۔ آنکہ نہ پرستد ترا او چوں برست
جادوئے کرد است کسے یا سیمیاست ۔۔۔ یا خلاف طبع تو از بخت ماست

یعنی اے آگ، تو تو آتش پرست کو بھی نہیں چھوڑتی۔ تو پھر وہ جو تیری پرستش نہیں کرتا۔ وہ کیسے چھوٹ سکتا ہے۔ کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے۔ یا یہ کوئی شعبدہ ہے۔ یا تیرا اخلاف طبع کام ہماری بدبختی کا باعث ہے۔ آگ نے جواب دیا

گفت آتش من ہمانم آتشم ۔۔۔ اندر آتا تو بہ بینی تابشم

Marfat.com

طبع من دیگر نگشت و عنصرم تیغ حقم ہم بدستورے برم

آگ نے کہا کہ میں وہی آگ ہوں۔ تو اندر آ۔ تاکہ تجھے میری حرارت کا حال معلوم ہو۔ نہ میری خاصیت بدلی ہے اور نہ میری ماہیت میں کچھ فرق آیا ہے۔ مگر میں اللہ تعالٰے کی تلوار ہوں اور اجازت ربی ہی سے کاٹ سکتی ہوں۔ اب اس کے بعد آگ عقلی دلیل پیش کرتی ہے اور کہتی ہے۔

بر در خرگاہ سگان ترکماں چاپلوسی کردہ پیش مہماں

ور بخرگاہ بگذرد بیگانہ رو حملہ بیند از سگاں شیرانہ او

من زسگ کم نیستم در بندگی کم زترکی نیست حق در زندگی

یعنی دیکھو ترکمانوں کے کتے جو ان کے خیموں کے دروازوں پر پڑے رہتے ہیں۔ مہمانوں اور واقفوں کے ساتھ کس طرح خوشامد اور چاپلوسی سے پیش آتے ہیں۔ اور اگر کوئی اجنبی شخص خیمے کے پاس سے گزرتا ہے۔ تو کتے شیر کی طرح اس پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ تو کیا میں فرمانبرداری میں کتوں سے کم ہو جاؤں۔ اور کیا حق تعالٰی میری اس دنیوی حیات میں ترکی سے بھی کم مرتبہ ہے۔ کیا کتا تو اپنے ترکی مالک کے مہمانوں کا لحاظ رکھے۔ مگر میں مالک حقیقی کے مہمانوں کا لحاظ نہ رکھوں۔

اس پر مولانا صاحب فرماتے ہیں۔

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند با من و تو مردہ با حق زندہ اند

عناصر ہماری نظر میں مردہ مگر خدا کے سامنے زندہ ہیں

ہوا مٹی پانی اور آگ اللہ جل شانہ کے بندے ہیں۔ اور اگرچہ وہ ہماری آنکھوں میں مردہ معلوم ہوتے ہیں۔ مگر حق تعالٰے کے سامنے زندہ ہیں۔ اور زندوں ہی کی طرح امر و نہی خداوندی پر چلتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:۔

Marfat.com

باد آتش مے شود از امر حق　　　ہر دو سرمست آمد از خمر حق

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا آگ بن جاتی ہے۔ کیونکہ دونوں شراب حق سے مست ہیں۔ اور فرمان ذیشان کے فرمانبردار۔ پھر آگے ہوا کے فرمانبردار بذی شعور اور تبع حق ہونے کو ہود علیہ السلام کے واقعہ سے ثابت فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

ہود کے قصے سے ہوا وغیرہ کا تعقل ثابت کرنا

گر نبودے واقف از حق جان باد　　　فرق کے کردے میان قوم عاد

یعنی اگر ہوا کی جان حق تعالیٰ سے واقف نہ ہوتی۔ تو وہ قوم عاد کے درمیان فرق کیسے کر سکتی۔ واقعہ یوں ہے۔ کہ ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ قوم عاد کے لوگ نہایت قدآور اور قوی ہیکل تھے چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ گویا کہ وہ کھجور کے تنے تھے۔ آپ نے انہیں زمانہ دراز تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ مگر وہ تو مال و دولت۔ شان و شوکت اور زور و قوت میں ایسے سرشار تھے۔ کہ سوائے سترہ آدمیوں کے کسی نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ آخر جب ان کی سرکشی اور نافرمانی حد سے بڑھ گئی۔ تو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ایک نہایت سخت اور تند ہوا کو بھیجا گیا جس کی وجہ سے تمام کے تمام مشرکین ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ سورۃ الحاقہ میں آتا ہے۔ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ یعنی قوم عاد کو نہایت تند ہوا سے ہلاک کر دیا گیا۔ اور اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دنوں تک چلایا۔ جو ان کے مکانات بروج آبادیوں اور عمروں کے نشانوں کو مٹاتی تھی۔ پس تو لوگوں کو کھوکھلی کھجوروں کے تنوں کی طرح پڑا ہوا دیکھتا۔ مگر ہود علیہ السلام نے بموجب ارشاد خداوندی کے تمام مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کر کے ان کے اردگرد ایک لکیر کھینچ دی۔ جب وہ تند اور مہلک

Marfat.com

ہوا اُس خط کے پاس پہنچتی۔ تو باد صبا کی طرح نرم اور خوشگوار بن جاتی۔ اس پر مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہوا میں شعور اور فرمانبرداری کا مادہ نہ ہوتا۔ تو وہ کس طرح خط کو غیر خط سے اور مشرک کو مومن سے تمیز کر سکتی۔ فرماتے ہیں۔

ہود گرد مومناں خطے کشید ۔۔۔ نرم مے شد باد کانجا مے رسید

ہر کہ بیروں بود ازاں خط جملہ را ۔۔۔ پارہ پارہ مے گسست اندر ہوا

اس بیان نے نتیجہ نکلا۔ کہ عناصر میں ضرور تعقل اور تفہم ہے۔ وہ اگرچہ ہمارے نزدیک جمادات ہیں۔ مگر باری تعالےٰ کے سامنے ذی حیات ہیں۔ تو اب ابراہیم کی آگ کے ٹھنڈے ہونے کا شبہ تفصیل کے ساتھ زائل ہو گیا۔ اس واسطے پھر اس بیان کو مکمل کرنے کے لئے پہلے مضمون کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم کے جواب کے نکات

نکتہ۔ حضرت ابراہیم کا جواب غور کرنے کے قابل ہے۔ اور اس میں چند ایک نہایت مفید نکات ہیں جنہیں میں اس مقام پر بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

اوّل۔ جب آپ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا۔ کہ "کیا آپ کو کچھ حاجت ہے۔ تو آپ نے یوں نہیں فرمایا کہ مجھے کچھ حاجت نہیں۔ بلکہ یوں فرمایا۔ کہ حاجت تو ہے۔ مگر تجھ سے نہیں۔ کیونکہ غنا حقیقی تو ذات باری ہی کا خاصہ ہے۔ بندہ تو اس ناپائیدار زندگی کے لمحہ لمحہ پر محتاج ہے۔ ہاں البتہ خاص اور عام بندوں کی احتیاج میں ضرور فرق ہوتا ہے۔ خواص ہر حالت میں اپنی نظر اللہ جل شانہ ہی پر رکھتے ہیں۔ وسائط اور اسباب اُن کی نظر میں کالعدم ہوتے ہیں۔ مگر عوام اللہ تعالیٰ کو مؤثر حقیقی سمجھتے ہوئے اسباب اور وسائل سے تمسک کرتے ہیں۔

دوم۔ جبرئیل نے جب دیکھا کہ آپ مجھ سے کچھ نہیں چاہتے تو عرض کی۔ کہ پھر باری

Marfat.com

تعالیٰ سے عرض مطلب فرمائیے۔اس پر آپ نے جواب دیا۔کہ وہ میری حاجت سے واقف ہے اس لئے مجھے اپنی حاجت کے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مشاہدۂ جمال ذوالجلال میں بالکل محو تھے۔اور رب العزت کو اپنے سوال سے بھی زیادہ قریب پاتے تھے۔سچ ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ یعنی ہم انسان کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔مولانا فرماتے ہیں۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس　　ہست رب الناس را با جان ناس

یعنی اللہ تعالیٰ مخلوقات سے ایسے متصل ہیں۔کہ اُس اتصال کی نہ تو کیفیت بیان کی جاسکتی ہے۔اور نہ ہی وہ قیاس میں آسکتا ہے۔تو چونکہ سوال عرض مطلب کا واسطہ تھا۔اس واسطے آپ نے اس واسطے کو بھی ترک فرمایا۔

صُوفی وہ ہے جسے اللہ سے بھی حاجت نہ ہو اور اس کی توضیح

اسی واسطے صوفیائے کرام کا مقولہ ہے۔کہ صوفی حقیقی معنوں میں تب ہی کامل صوفی ہوتا ہے۔کہ جب اُسے اللہ سے بھی کوئی حاجت نہیں رہتی۔اور اس جملہ کے صُوفیا نے بہت سے معنی کئے ہیں۔بعض نے کہا ہے۔کہ یہاں نفی ہے حاجت کی نہ کہ احتیاج کی۔یعنی چونکہ صُوفی جانتا ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کرنے سے پہلے ہی روز ازل میں میری تمام ضروریات وحاجات کا بندوبست فرمادیا ہے۔اس لئے پھر دوبارہ اُن کو طلب کرنا طالب کے عقیدہ کی کمزوری کی دلیل ہے۔اس واسطے اگرچہ وہ محتاج تو ہوتا ہے۔مگر احتیاج کے بندوبست ہو جانے کے باعث پھر وہ اپنی حاجت کا ذکر ہی نہیں کرتا۔اور بعض نے کہا ہے۔کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود ذاتِ خداوندی کا طالب ہوتا ہے۔جس سے وہ سوائے اُس کے اور کوئی حاجت نہیں مانگتا۔اور اللہ کے طالب اور اللہ سے طالب ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔اور بعض نے کہا ہے۔کہ حاجت اُسے ہوتی ہے۔جو خواہش رکھتا ہو اور جس نے اپنی خواہش

Marfat.com

اور طلب کو اللہ تعالیٰ کے فرمان عالیشان کے ماتحت کر دیا ہو۔ اور اُس کی مُراد اللہ کی مراد اور اُس کا مطلوب اللہ کا مطلوب ہو گیا ہو۔ تو پھر اُسے اللہ تعالیٰ سے کسی حاجت یا ضرورت کے طلب کرنے کا کیا حق رہتا ہے۔ وہ مقام رضا کے غلبہ کی وجہ سے کسی حاجت کا بیان کرنا معشوق حقیقی کی نافرمانی سمجھتا ہے۔ اسی مقام رضا کے غلبہ کی وجہ سے ابراہیم علیہ السلام نے حسبی من سوالی علمہ بحالی فرما کر اپنی حاجت کے بیان سے احتراز فرمایا۔ مگر چونکہ اُنہوں نے مقام رسالت اور عُبادت کا پُورا پُورا حق ادا کیا۔ کا احتیاج بھی ظاہر فرمائی۔ اور غیر اللہ سے استغنا بھی برتی اسلئے باری تعالیٰ نے انہیں اپنے سوی از سے غنی فرمایا اور آپ کی حاجت کو پورا کر دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی قید کا نمازی کی قید سے مقابلہ

لطیفہ۔ حضرت ابراہیم کو نمرود نے جب ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں ڈالا اور جبرائیل علیہ السلام استفسار حال کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے اور کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ میں صرف ذات خُداوندی ہی کی مدد کا محتاج ہوں۔ تو آپ پر فوراً اُس آگ کو گلزار بنا دیا گیا۔ اور اس بھڑکتی ہوئی آگ کو برداً وسلاماً کر دیا گیا

اسی طرح جب مومن بھی اپنے ہاتھوں کو باندھ کر پاؤں کو قید کر کے دربار الٰہی میں کھڑا ہو جاتا ہے۔ کھانا پینا اور بات چیت چھوڑ دیتا ہے۔ زبان ذکر الٰہی میں مشغول اور دل یاد خُدا میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور پھر اسباب ظاہریہ سے قطع نظر کر کے ایاک نستعین کہتا ہے۔ تو اُسے بھی ابراہیم کی آتش نمرودی کی طرح نار جہنم کے برداً وسلاماً ہونے کی بشارت دی جاتی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ کہ جب مومن پلصراط سے گزریگا۔ تو نیچے سے دوزخ شور مچا کر کہیگی۔ جزیا مومن فقد اطفا نورک لھبی یعنی اے مومن مہربانی کر کے میرے اوپر سے جلدی گزر جا۔ کیونکہ تیرے نور کی وجہ

Marfat.com

ہے میرا شعلہ بجھتا ہے۔ مولانا روم اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

گو بدش بگذر سبک اے محتشم ورنہ ز آتشہائے تو مرد آتشم

استعانت عامہ کا دوسرا درجہ

اب اس کے بعد استعانت عامہ کے دوسرے درجے کے لوگوں کے متعلق بیان کرتا ہوں۔ یہ گروہ وسائل اور وسائط کو استعمال تو کرتے ہیں۔ مگر وہ ان کو محض وسیلہ اور سبب ہی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ وہ مؤثر حقیقی تو رب العزت ہی کو سمجھتے ہیں۔ مگر ان اسباب اور وسائل کو اس کی مدد کے مظاہر ٹھہراتے ہیں۔ مثلاً وہ طبیب سے علاج کراتے ہیں۔ مگر شافی مطلق حق تعالےٰ ہی کو سمجھتے ہیں۔ البتہ اس علاج کو شفائے خداوندی کا ایک مظہر سمجھتے ہیں۔ اور یہ استعانت شریعت نے جائز رکھی ہے۔ کیونکہ یہ استعانت حقیقت میں استعانت بالغیر نہیں۔ بلکہ استعانت باللہ ہی ہے۔ کیونکہ اس استعانت میں وسیلہ یا ذریعہ کا وجود محض ایک مظہر اعانت خداوندی کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ اسی واسطے تو قرآن پاک میں آتا ہے۔ وَ اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ یعنی نماز اور صبر کے ساتھ مدد چاہو۔ اب یہ استعانت بالغیر کی تعلیم نہیں دی جا رہی۔ بلکہ صبر اور صلوٰۃ جو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے کامل ترین مظاہر ہیں بیان فرمائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے یا دوسرے الفاظ میں میری مدد صبر کرنیوالوں کے شامل حال ہے۔ تو گویا صبر کو خود رب العزت نے اپنی اعانت کا مظہر قرار دیا۔ اسی پر نماز کے مظہر اعانت ہونے کو سمجھ لو۔

انبیاء اور اولیاء سے استعانت اور اس کی تشریح

انبیاء و اولیاء سے استعانت کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ خدا کے مقبول و مستجاب

Marfat.com

بندے ہیں۔ اور باذن الٰہی وَالْمَدَدُ بِذَاتِ اٰخَرَ سے تعلق رکھتے ہیں۔ استعانت بالغیر نہیں۔ بلکہ وسیلہ وسبب کے تحت میں آکر یہ استعانت بھی دوسرے درجے کی استعانت عامہ میں داخل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ مسلمان مستعین اُن کو محض وسیلہ اور سبب سمجھتا ہے۔ اور وہ یقین رکھتا ہے۔ کہ بغیر اجازت خداوندی کے ایک ذرہ تک نہیں ہل سکتا۔ لَا تَتَحَرَّكُ ذَرَّةٌ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ اور بغیر اُس کی اعطا کے کوئی ایک حبہ تک نہیں دے سکتا۔ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ۔ بھلا وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے۔ اگر وہ اپنے رزق کو روک دے۔ مگر جس طرح دنیا میں کسی بادشاہ کے مقربین کو عوام سے زیادہ اختیار دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ بادشاہ کے اذن سے اُن اختیارات کو استعمال کرکے عوام پر اپنے شاہی قرب کو ظاہر کرسکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ بھی انبیاء و اولیاء کو بعض اس قسم کے اختیارات دیتے ہیں۔ کہ جن کے ظاہر ہونے سے مخلوقات کو یقین ہوجاتا ہے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

دنیا کی مثال پر غور کر۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی بادشاہ کا بڑا مقرب اور ندیم ہو۔ بادشاہ نے اُسے اختیار دیا ہوا ہو۔ کہ اگر تمہارے پاس کوئی عرضی لائے تو تم کو میری اجازت ہے کہ خواہ اُس عرضی کو قبول کرو یا نامنظور۔ اب اگر کسی شخص کو یہ مقرب عرضی منظور کرکے کچھ انعام دیتا ہے۔ تو یہ انعام بادشاہ ہی کا دیا کہلائیگا۔ اور اگر وہ کسی کی درخواست کو نامنظور کرکے اُسے سزا دیتا ہے۔ تو یہ سزا بھی بادشاہ ہی کی طرف سے سمجھی جائیگی۔ کیونکہ یہ منظوری و نامنظوری اور جزا و سزا کا اختیار بادشاہ کا دیا ہوا ہے۔ وہ بالاستقلال نہ تو کسی کو سزا دے سکتا ہے۔ نہ جزا۔

قرآن پاک میں بعض رسولوں کے اختیارات کو با وضاحت بیان بھی کردیا گیا ہے۔ مثلاً داؤد علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ یعنی ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو داؤد علیہ السلام کا مسخر

Marfat.com

بنایا۔ جو اُن کے ساتھ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ ہم ہی کرنے والے تھے۔ حضرت داؤد تو ہماری اس طاقت اور قدرت کا کہ ہم پہاڑوں کی زبان بے لسان سے بھی تسبیح کرا سکتے ہیں۔ صرف ایک مظہر تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وَلِسُلَیْمَانَ الرِّیْحَ تجری بامرہ الی الارض التی بارکنا فیھا وکنا بکل شیئ عالمین۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لیئے ہوا کو مسخر کیا۔ جو اُن کے حکم سے ارض مبارک کی طرف چلتی تھی اور ہم ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ یغوصون لہ ویعلمون عملا دون ذالک وکنا لھم حفظین۔ اور ان کے لیئے دیو مسخر تھے۔ جو اُن کے لیئے دریا میں غوطہ لگاتے تھے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے کام بھی کرتے تھے۔ اور ہم اُن کی حفاظت کرنے والے تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قدرت دی ہوئی تھی۔ کہ وہ کیچڑ سے پرندہ بناتے اور پھونک مارتے تو وہ زندہ ہو جاتا۔ وہ اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے۔ وہ مردوں کو جلا دیتے۔ مگر ان سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اذن اور اختیار متعلق ہوتا تھا۔ وہ مستقلاً نہ یہ کام کرتے تھے نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت عیسٰے علیہ السلام اپنے ان اختیارات کی نسبت فرماتے ہیں اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ دیکھیے ہر جگہ ہر بات کے بعد باذن اللہ کو لایا ہے۔ کہ کہیں عیسٰے کو مستقلاً ان چیزوں کا کرنے والا نہ سمجھا جائے۔ لیکن اس کے باوجود کہ وہ صرف باذن اللہ ان افعال کے مظہر ہیں۔ ان افعال کو اپنی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مجازاً کسی فعل کو بوجہ مظہر ہونے کے اپنی طرف منسوب کرنا جائز ہے۔ دیکھیے حضور کے متعلق آتا ہے۔ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یعنی اُن کو اللہ اور اُس کے رسول نے غنی کر دیا۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اغنا میں اپنے ساتھ اپنے رسول

Marfat.com

کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بھی شامل فرمایا ہے۔ حالانکہ حقیقی طور پر مغنی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہاں حضور مظہر ہیں اغناء الٰہیہ کے اس واسطے اغنا کی نسبت آپ کی طرف بھی کر دی گئی۔ اور اس قسم کی مثالوں سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے حضرت جبرائیلؑ کے متعلق ہی دیکھو۔ جب وہ بی بی مریم کے پاس آتے ہیں تو فرماتے ہیں۔ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں۔ دیکھئے یہاں پر حضرت جبرئیلؑ لڑکا دینے کو اپنی طرف منسوب فرما رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بخشش حق تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہے۔ مگر چونکہ جبرائیل علیہ السلام اس بخشش کے مظہر ہیں۔ اس واسطے وہ مجازاً لِاَهَبَ لَكِ فرما رہے ہیں۔ تو اس سب بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو بعض بعض مخصوص اختیارات عطا فرماتے ہیں۔ کہ جس کے باعث وہ عام مخلوقات سے ممتاز نظر آتے ہیں لیکن اس بات کو پھر بھی ذہن میں محفوظ رکھیں۔ کہ یہ تمام اختیارات اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ اُن میں بالاستقلال نہ تو کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے۔ نہ نقصان کی۔ چنانچہ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔

تو ز قرآن باز جو تفسیر بیت ۔۔۔ گفت ایزد ما رمیت اذ رمیت
گر بپرانیم تیر آن کے ز ماست ۔۔۔ ما کمان و تیر اندازش خداست

یعنی اگر مقربین کے اختیارات و خوارق کے من اللہ ہونے کی تجھے دلیل درکار ہے۔ تو قرآن پاک میں فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کی آیت کو پڑھ۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر ہم تیر پھینکیں تو وہ ہماری طرف سے نہیں بلکہ ہم تو کمان کی طرح ہیں۔ اور حقیقت میں تیر چلانے والا حق تعالیٰ ہے۔ یعنی جس طرح کمان آلہ ہے رمی کا اور مؤثر تیر انداز ہے۔ اسی طرح ہم بھی آلہ ہیں افعال کا۔ فاعل حقیقی یا خالق الافعال تو باری تعالیٰ ہے۔

Marfat.com

قربِ نوافل میں عبد آلہ اور معبود فاعل بن جاتا ہے

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم یعنی تم نے اُن کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو قتل کیا اور وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ اور اے پیغمبر آپ نے تیر نہیں پھینکا جبکہ پھینکا بلکہ اللہ نے پھینکا۔ مجاہدین اور رسول اکرم صلعم کے فعل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا۔ اور اُن کو محض آلہ اور مصدرِ فعل ٹھہرایا۔ چنانچہ ایک حدیث شریف میں آتا ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قال من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیئ احب الی مما افترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ فکنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا وان سالنی لاعطینہ۔ یعنی حضرت ابوھریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا حضور صلعم نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جو شخص میرے ولی کا دشمن ہو تو میں اُسے لڑائی کا چیلنج دیتا ہوں۔ اور میرے بندے نے اس فرض کے ادا کرنے سے جو میں اُس پر مقرر کیا ہے۔ بڑھ کر اور کسی شے سے جو میرے نزدیک زیادہ عزیز ہے مجھ تک تقرب حاصل نہیں کیا۔ اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرے ساتھ تقرب حاصل کرتا ہے۔ یہانتک کہ میں اُسکو دوست بنا لیتا ہوں۔ دوست بنا لینے کے بعد میں اُسکے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اُسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اُسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں اُسکے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے۔ اور مجھ سے وہ کچھ مانگتا ہے۔ تو میں اُسکو ضرور دیتا ہوں۔ یہ درجہ صوفیا کی اصطلاح میں قربِ نوافل کہلاتا ہے۔ اس میں عبد کی ہستی ایسی مضمحل اور فنا ہو جاتی ہے کہ صرف اس کا نام ہی نام ہوتا ہے۔ اور افعال و اعمال میں محض ایک آلہ کی حیثیت رہ جاتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

اللہ اللہ گفتہ اللہ میشود　　　این سخن حق است باللہ میشود

Marfat.com

اس درجہ میں جبکہ عبد آلہ معبود فاعل بن جاتا ہے سالک کو نہایت عجیب و غریب تصرفات و اختیارات سے نوازا جاتا ہے اور اس کی حالت مولانا روم کے اس شعر کے مطابق ہو جاتی ہے یعنی

اولیا را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گردانند ز راہ

اللہ کے دوستوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایسی قوت اور طاقت عطا کی جاتی ہے کہ وہ کمان سے نکلے ہوئے تیر کو بھی واپس کر سکتے ہیں۔

ارہاص معجزہ کرامت معونت اور استدراج کا فرق

اس عطائی قوت کے باعث جو خوارق انبیاء سے ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ اگر دعوے نبوت سے پہلے صادر ہوں تو ارہاص کہلاتے ہیں ورنہ معجزہ۔ اور اگر یہ خلاف عادت کام نبی کے کسی ممتاز پیرو سے ظاہر ہو تو کرامت کہلاتا ہے۔ اور اگر کسی مومن صالح سے ظہور پذیر ہو تو اسے معونت کہتے ہیں امت کے لوگوں کے خلاف عادت امور ان کے نبی کے معجزہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اس کے دعوی رسالت کی سچائی پر بطور ثبوت پیش کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ امتی اپنے نبی کی مکمل پیروی ہی سے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ اور اگر ایسا ہی خوارق عادت کسی کافر سے ظاہر ہو تو استدراج کہلاتا ہے۔ اگر کافر ان استدراجات کے ذریعے نبوت کا دعوے کرے۔ تو فوراً ان کا اثر سلب ہو جاتا ہے اول تو اس سے خوارق ظاہر ہونے بند ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ہوں بھی۔ تو اس کو رسوائے عام کرنے کے لئے ہمیشہ اس کی خواہش کے مخالف صادر ہوتے ہیں۔

انبیاء و اولیاء مرتے نہیں بلکہ ان کی موت نقل مکانی ہے

انبیاء و اولیاء سے ان کی زندگی کے علاوہ رحلت کے بعد بھی استعانت کی جا سکتی ہے کیونکہ ان کی حیات و ممات میں کچھ فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ بمطابق حدیث پاک الا ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینتقلون من دار الی دار وہ فوت نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہو جاتے ہیں جیسے کوئی آدمی ایک گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں

Marfat.com

جا بسے۔اسی طرح انبیاء و اولیاء بھی اس دارِ دنیا کو چھوڑ کر دارِ آخرت میں جا آرام فرماتے ہیں حافظ شیرازی فرماتے ہیں

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

قرآن پاک میں آتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ۔ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

یعنی جو لوگ اللہ کے رستے میں مارے گئے ہیں تم انہیں مُردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کے رستے میں مرنا دو طرح کا ہے ایک تو جہادِ اصغر کے ذریعہ اپنی گردن کٹوانا یعنی اسلام کی حفاظت اور دفاع کے لیے مشرکین اور کافروں سے لڑ کر اپنی جان کو قربان کرنا دوسرے جہادِ اکبر میں اپنے نفس کو معشوق حقیقی پر بھینٹ چڑھانا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اپنے نفس کی خواہشوں کو پامال کرے اس مغرور متکبر کو اللہ جل شانہ کے احکام کے سامنے جھکا دے اور حقیقت میں یہی بڑا جہاد ہے۔ کیونکہ گردن کے کٹنے میں تو ایک سیکنڈ کے اندر موت طاری ہو جاتی ہے۔ ہاں زندہ رہ کر مر جانا اور موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق ہو جانا بہت بڑا جہاد ہے۔ کسی نے کہا ہے۔

بوالعجب قومے کہ پیش از مردن خود مردہ اند پیش ازاں کاید تبیدے رخت آنجا بردہ اند

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی مشہور و معروف کتاب تذکرۃ الموتیٰ میں اسی آیت کے متعلق فرماتے ہیں "کہ حکم مخصوص بشہدا نیست بلکہ انبیاء و صدیقاں از شہدا افضل اند۔ و اولیاء ہم در حکم شہدا اند۔ زیرا کہ جہاد با نفس کردہ اند۔ کہ اکبر جہاد است"۔ یعنی آیت لمن یقتل فی سبیل اللہ کا حکم شہیدوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ انبیاء اور صدیق شہداء سے افضل ہیں۔ اور اولیاء بھی شہیدوں کے حکم میں داخل ہیں۔ کیونکہ انہوں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا جو کہ بہت بڑا جہاد ہے اسی واسطے حضور جب جہاد سے واپس آئے تو آپ نے فرمایا۔ رجعنا من الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر۔ کہ ہم چھوٹے جہاد سے کہ جنگ کفار ہے۔ بڑے جہاد کی طرف کہ مجاہدہ نفس ہے لوٹے اس حدیث پاک کی رو سے اولیائے عظام تو شہدائے اکبر ٹھہرے۔ تو جب شہدائے اصغر نہیں مرتے۔ تو پھر شہدائے اکبر کی زندگی کا انتقالِ دنیا کے بعد کیا کہنا۔

Marfat.com

؎ کشتگان خنجرِ تسلیم را   ہر زماں از غیب جانے دیگر است

پس ان سے استعانت کرنا گویا حقیقی زندوں سے استعانت کرنا ہے لیکن افسوس کہ آج کل کفار اور نصرانی ڈاکٹروں سے جن کو قرآن مردہ کہتا ہے استعانت کیجاتی ہے۔ مگر وہ جو حقیقت میں زندہ اور باقی باللہ ہیں ان کی استعانت کو باعتقاد توسل و تسبب بھی شرک و کفر قرار دیا جاتا ہے حضور فرماتے ہیں مثل الذی یذکر ربہ والذی لا یذکر مثل الحی والمیت تو حقیقی زندے تو واصلین حق تعالیٰ ہیں خواہ وہ یہاں ہوں یا وہاں۔ مردے تو ہم ہیں۔ کہ ہمارا جسم ہمارا قلب اور ہمارا دماغ ذکر الٰہی سے کے روح سے محروم ہے ؎ زندگی نتواں گفت حیاتے کہ مراست   زندہ آنست کہ با دوست وصالے دارد

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات کہ استمداد کردہ شد بوے در حیات۔ اور فتاویٰ عزیزیہ میں ہے۔ فرمود آنحضرت چوں متحیر شوید شما در امور پس مدد جوئید از اصحاب قبور چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باھل القبور یعنی جب تم کسی کام میں حیران و سرگردان ہو جاؤ تو اصحاب قبور سے مدد مانگو پھر یہی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طبرانی میں ایک اور حدیث بروایت عتبہ بن غزوان بایں الفاظ آتی ہے۔ اذا ضل احدکم شیئا او اراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس۔ فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عبادا لا یراھم یعنی جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم جائے۔ اور وہ مدد کا طالب ہو۔ مگر جگہ ایسی ہو کہ وہاں پر اس کا کوئی رفیق نہیں تو تین دفعہ یوں کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔" کیونکہ اللہ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جن کو وہ نہیں دیکھتا اس حدیث پاک سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استعانت بعباد اللہ جائز ہے اور اولیائے کرام حیات و ممات میں عبدیت کے کامل افراد ہونے کی وجہ سے استمداد کے بلا شبہ اہل ہیں مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔

Marfat.com

سه آب خواہ از جو بجو خواہ از سبو کاں سبو را ہم مدد باشد زجو
نور خواہ از مہ طلب خواہی زخور نور مہ ہم ز آفتاب است اے پسر

یعنی خواہ پانی نہر سے لے یا ٹھلیا سے کیونکہ ٹھلیا میں بھی نہر ہی سے آیا ہے اسی طرح چاند سے اُجالا حاصل کر یا آفتاب سے۔ کیونکہ چاند کا نور بھی سورج ہی سے مستعار ہے۔ اسی طرح استعانت مقربین بھی استعانت غیر اللہ نہیں۔ بلکہ ان کی طاقت کا سرچشمہ بھی وہی قادر مطلق ہے اسلئے انبیاء و اولیاء سے استمداد جائز ہے مگر بایں شرط کہ ان کو مستقل حاجت روا نہ سمجھے بلکہ ان کو آلہ۔ واسطہ توسل اور سبب سمجھ کر استعانت کرے کیونکہ غیر اللہ کو مستقل حاجت روا یا کار برآر سمجھنا شرک اور کفر ہے۔ اور میرے خیال میں ایسا کوئی مسلمان نہ ہوگا۔ جو ان کو بالاستقلال قاضی الحاجات سمجھ کر طالب امداد ہوتا ہو۔

اولیاء اللہ کی محبت:۔ آج کل کی آزاد خیالی کا ایک یہ نتیجہ بھی ہے کہ ہم میں سے بعض لوگوں کے دلوں سے اولیاء و صلحاء علماء و فقراء کی عزت اٹھ گئی ہے۔ اور عزت تو بجائے خود رہی بعض کور باطن تو ان کی شان میں بے ادبی کے کلمات تک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ جیسا دنیا میں قاعدہ ہے کہ کسی شخص کے محبوب اور منظور نظر سے محبت کرنا عین اس سے محبت کرنا ہوتا ہے اور اس کے محبوب سے دشمنی کرنا عین اس سے دشمنی کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے دوستوں کی دشمنی عین اللہ کی دشمنی ہوتی ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ تیرے تین دشمن ہوتے ہیں۔ عدوک و عدو حبیبک و حبیب عدوک یعنی ایک تیرا دشمن دوسرا تیرے دوست کا دشمن اور تیسرا تیرے دشمن کا دوست۔ اسی واسطے قرآن پاک میں آتا ہے مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ یعنی جو اللہ کا دشمن ہو یا فرشتوں کا یا رسولوں کا یا جبرئیل کا یا میکائیل کا تو اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے تو دیکھئے خدا کے

Marfat.com

بیاروں کی دشمنی کو خود خدا کی دشمنی قرار دیا جا رہا ہے۔ اولیاء کرام کی محبت ایمان کی زبردست علامت ہے حضور فرماتے ہیں۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ یعنی قیامت میں انسان اس کے ساتھ ہو گا۔ کہ جس کے ساتھ اسے محبت تھی تو اگر کسی کے محبوب اولیاء کرام ہوں اور وہ ان کے ساتھ قیامت میں اٹھایا جائے تو پھر اس سے زیادہ خوش قسمتی اور بیدار بختی کیا ہو سکتی ہے

اولیاء اللہ کی محبت سے ایک شخص کو کیا فائدہ ہوا

بعض کتابوں میں نظر سے گزرا کہ ایک شخص نہایت گنہگار تھا۔ مگر اسے اولیاء کے مزارات پر جانے کا بہت شوق تھا۔ مال و دولت تو اسے اللہ نے کافی دیا ہوا تھا۔ ایک دفعہ خیال آیا کہ تمام دنیا کا سیر کیا جائے اور جتنے بڑے بڑے مشہور مزارات ہیں ان کی زیارت سے مشرف ہونے کے علاوہ ان کے حالات لکھ کر چھپوائے جائیں تاکہ لوگوں کو ہاں بزرگان دین کے حالات سے واقفیت ہو چنانچہ اس خیال سے اس نے سفر کرنا شروع کیا اور جہاں کہیں کسی بزرگ کے مزار کا سنتا وہاں جا کر حاضری دیتا اور پھر وہاں کے واقف لوگوں سے صاحب قبر کے سب حالات پوچھ کر لکھ لیتا۔ دو تین سال کے سفر میں اس نے ہزاروں بزرگان دین کے مزارات کو دیکھا اور ان کے حالات کو کتابی صورت میں جمع کیا ایک دفعہ ایک ندی سے بذریعہ کشتی کے گزر رہا تھا کہ کشتی عین ندی کے درمیان آ کر الٹ گئی بمشکل تمام اس نے اپنی جان بچائی اور ہاتھ پاؤں مار کر کنارے پر پہنچا۔ جس قدر سازوسامان اور مال و اسباب ساتھ تھا مع کتاب کے غرق ہو گیا جب کنارے پر پہنچا اور اس کے ہوش و حواس درست ہوئے تو سب سے پہلے اسے اپنی اس کتاب کا خیال آیا جس میں اس نے ہزاروں بزرگان دین کے حالات کو بصد شوق جمع کیا تھا مال و اسباب کے نقصان سے کتاب کے دریا برد ہونے کا زیادہ رنج ہوا اور اس قیمتی موتی کے

Marfat.com

گم ہو جانے پر اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برسنے لگی روتے روتے اسی مقام پر
وہ سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک نہایت وسیع میدان ہے۔ میدان کے بیچوں
بیچ ایک نہایت مکلف فرش بچھا ہوا ہے۔ فرش پر ایک مرصع تخت ہے۔ جس کے
ارد گرد قطار در قطار نہایت اعلیٰ کرسیاں بچھی ہوئی ہیں تھوڑی ہی دیر گذری
تھی کہ ایک نہایت نورانی شکل کا انسان آیا۔ کہ جس کے نور کے سامنے چاند بھی ماند تھا
اور آتے ہی نہایت وقار اور تمکنت کے ساتھ تخت پر بیٹھ گیا۔ آپ کے بیٹھنے کے
بعد ہزاروں نورانی صورتوں والے انسان ادھر ادھر سے آ کر حسب مراتب کرسیوں پر
بیٹھ گئے اور تھوڑی ہی دیر میں وہ سب کرسیاں اور تمام کا تمام فرش ان مقدس اور
بابرکت ہستیوں سے بھر گیا خواب میں اسے بھی اس مجلس میں جانے کا شوق ہوا مگر دربان
نے اسے روک لیا اور کہا کہ تو اس مجلس میں داخل ہونے کا اہل نہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا
کہ تخت پر آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور دربار رسالت
کے حاضرین امت کے بڑے بڑے اولیاء اور صلحاء ہیں۔ تو ایسی پاک مجلس میں تجھے کس طرح
داخل ہونے کی اجازت دی جا سکتی ہے اس شخص نے دربان کی بہت کچھ منت سماجت
کی مگر اس نے ایک نہ سنی آخر جب اصرار و انکار کا آواز بلند ہوا تو حضور نے اس طرف
توجہ فرمائی اور دربان سے تکرار کی وجہ پوچھی۔ اس نے عرض کی حضور یہ شخص مجلس مبارک
میں داخل ہونے کیلئے اصرار کر رہا ہے حالانکہ اس کا نام اولیاء امت کے رجسٹر میں کہیں بھی
نہیں آپ نے فرمایا۔ اسے دربان اسے بھی مجلس کے ایک کنارے پر جگہ دیدے کیونکہ
اگرچہ یہ اولیائے امت سے تو نہیں مگر ان کا محب اور عاشق ہے چنانچہ فرمان عالیشان سے
دربان نے اس کو بھی ایک کنارے پر بیٹھنے کی اجازت دیدی تھوڑی دیر بعد جب وہ
شخص نیند سے بیدار ہوا اور خواب کے واقعہ پر نظر ڈالی تو اس کا دل خوشی سے اچھلنے لگا
فوراً اپنے تمام گناہوں سے توبہ کر کے اہل اللہ کا خادم بن کر منزل مقصود کو پہنچ گیا۔

Marfat.com

آپ نے سنا کس طرح اس شخص کو ایک ادنیٰ قسم کی محبت سے منزلِ مقصود کی طرف رہنمائی کی گئی۔ یہی مطلب ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کی حدیث شریف کا۔
محبت آدمی رکھتا ہے جس سے قیامت کو وہ ہوگا ساتھ اس کے

لا تشد الرحال والی حدیث کی توضیح

اعتراض:- ہاں اس سے ایک اعتراض ضرور پیدا ہو سکتا ہے کہ اس شخص نے تو زیارت قبور کیلئے سفر کیا حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ۔ مسجد الحرام۔ و مسجد الرسول و مسجد الاقصیٰ یعنی تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی کے لئے کجاوہ نہ باندھو اور سفر کر کے نہ جاؤ وہ تین مسجدیں یہ ہیں۔ مسجد حرام کہ مکہ معظمہ میں ہے۔ مسجد رسول کہ مدینہ منورہ میں ہے اور مسجد اقصیٰ کہ بیت المقدس میں ہے تو پھر اس حدیث کی رو سے اس شخص کا یہ سفر کیسے جائز ٹھہرا۔ اور جب یہ سفر ناجائز ہوا۔ تو پھر اس سے وہ دربارِ رسالت میں کیسے مقبول ہو گیا۔

جواب:- یہ نحو کا قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ متصل کا مستثنیٰ منہ اسی کی جنس سے ہوا کرتا ہے تو اس حدیث میں مستثنیٰ منہ مساجد کا لفظ ہے جو محذوف ہے یعنی ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کے قصد سے سفر نہ کرو۔ ہاں کسی اور کام کے لئے گئے اور مساجد کو دیکھا تو ممنوع نہیں مگر مزارات یا تجارت یا ملازمت یا اور کسی غرض کیلئے سفر کرنے کی مخالفت اس حدیث سے نکالی جائے تو پھر اس کی تخصیص کیلئے کوئی دلیل ہے۔ کیوں نہ پھر ہر قسم کے سفر کو ممنوع قرار دیا جائے تو معلوم ہوا کہ مزارات پر جانا اور خصوصاً اولیائے کرام کے روضوں کی زیارت کرنا باعث ثواب اور برکت ہے۔

عوام مقربین سے کس طرح فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ایک حکایت

تو مطلب یہ بیان ہو رہا تھا کہ اولیاء اللہ کی محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان کے

Marfat.com

بغض سے ایمان کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے اسواسطے ہر انسان کو چاہئے کہ خدا کے نیک بندوں اور اس کے مقربین سے ان کی زندگی میں اور انکے انتقال کے بعد محبت رکھے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب ایک ریل کے ڈبے کو کسی منزل مطلوب پر پہنچانا ہوتا ہے تو اسے انجن سے جوڑ دیا جاتا ہے جب انجن مقام مقصود پر پہنچتا ہے تو ڈبہ بھی پیچھے پیچھے پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح اولیائے کرام بھی سلوک و طریقت کے انجن ہیں ان کے ساتھ اگر عام انسان اپنے ڈبے جوڑیں گے اور تعلق پیدا کریں گے۔ تو وہ بھی ان طریقت کے انجنوں کے ساتھ کھچ کھچا کر منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔

کہتے ہیں کہ ایک چیونٹی کو خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق ہوا۔ مگر بیچاری میں نہ تو طاقت پرواز کہ اڑ کر جائے اور نہ چلنے کی قدرت کہ طے کر کے پہنچے آخر ایک دن کہیں اس نے ایک حرم شریف کے کبوتر کو دانہ چگتے ہوئے پایا جھٹ اس کے پنجوں سے لپٹ گئی کبوتر جب اڑ کر بیت اللہ شریف میں آیا تو چیونٹی نے بھی اپنی آنکھوں کو خانہ کعبہ کی زیارت سے ٹھنڈا کیا۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

بود موری ہوسے داشت کہ در کعبہ رود ۔۔۔ پنجہ بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

تو اسی طرح جب ہم میں اسقدر ریاضت و عبادت کی طاقت نہیں کہ نفس کی میل کچیل کو پوری طرح دور کر کے ملاء اعلیٰ کی طرف اڑ سکیں تو پھر کیوں نہ ملاء اعلیٰ کے قدسی صاحب کبوتروں کے قدموں سے لپٹ جائیں کہ ان کے ذریعے سے شاید ہم بھی ان عالی مقامات کی زیارت سے مشرف ہو سکیں

جھوٹے مدعیان ولایت کی حالت

مگر اتنا یہ بھی خیال رہے کہ آج بہت سے جھوٹے اور کذاب طریقت و حقیقت کے رستے کے واقف ہونے کا دعوے کرتے ہیں مگر ان کا دعویٰ صرف دعویٰ ہی ہوتا ہے حقیقت اور سچائی کا ان میں شمہ تک نہیں ہوتا اور آج انہی نقالوں نے حقیقی رہنماؤں کو بھی بدنام کر دیا ہے۔

Marfat.com

؎ چو از قومے یکے بیدانشی کرد ۔۔۔ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را
نمے بینی کہ گاوے در علف زار ۔۔۔ بیالاید ہمہ گاوان دہ را

یعنی جب قوم میں سے ایک شخص کچھ حماقت کرتا ہے تو اس سے اس قوم کے چھوٹے بڑے کی عزت نہیں رہتی کیا تو نہیں دیکھتا کہ چراگاہ کی ایک گائے دیہات کی تمام گائیوں کو بدنام کر دیتی ہے جب وہ جا کر کسی کا فصل چرتی ہے۔ تو اس سے چراگاہ کے تمام جانوروں پر دھبہ آتا ہے اسی طرح ان مکاروں کی خسیس حرکات سے یہ قوم آج لوگوں کی نظر میں گری ہوئی ہے حالانکہ انہیں اس مقدس گروہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ مگر چونکہ لوگوں میں آج اصل اور نقل کے پرکھنے کا مادہ نہیں رہا پہلے لوگ زیادہ تر صاحب علم ہوتے تھے دین سے تعلق ہوتا تھا علماء و صلحاء کی مجلس میں بیٹھنے سے کھرے کھوٹے کو کسی حد تک پہچان سکتے تھے مگر آج تو ہر طرف جہالت اور بددینی کا زور ہے۔ علم دین سے نفرت۔ نہ خود سیکھتے ہیں نہ علماء کے پاس بیٹھتے ہیں ایسی حالت میں جو بھی آتا ہے۔ انہیں اپنے دام میں پھنسا کر اپنا اُلو سیدھا کر لیتا ہے۔ مولانا یہی فرماتے ہیں ؎

حرف درویشاں بدزدد مرد دوں ۔۔۔ تا بہ پیش جاہلاں خواند فسوں
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر ۔۔۔ تا فریبد مرغ را آں مرغ گیر
بشنود آں مرغ بانگ جنس خویش ۔۔۔ از ہوا آید بیابد دام و نیش

یعنی ان مکار پیروں نے پیران باصفا کے الفاظ کو چرا لیا کچھ تصوف کی اصطلاحیں یاد کر لیں لباس و ہیئت کو ان کے سانچے میں بتکلف ڈھال لیا تاکہ اس ہیئت اور تسبیح و سجادہ سے جاہلوں کو اپنے مکر میں پھنسا سکیں دیکھو شکاری پرندے کو دھوکا دینے کیلئے اسی کی سی آواز لگاتا ہے جس سے وہ پرندہ اپنے ہم جنس سمجھ کر ہوا سے نیچے آتا ہے اور نیچے آکر غریب دام میں پھنس جاتا ہے

آجکل ہر طرف اخباروں میں جھوٹے پیروں اور مصنوعی مرشدوں کی مکاریوں اور ریاکاریوں کی وارداتیں پڑھنے میں آتی ہیں یہ کیوں اسلئے کہ لوگوں کے عقیدے متزلزل ہو گئے ہیں

Marfat.com

پیر کی خدا رسی اور اتباع شرع سے کوئی کام نہیں انہیں تو پیر سے بیٹے کے حصول یا مقدمہ کی فتح کی ضرورت ہے وہ گانجا پئے یا شراب۔ تاڑی پئے یا افیون کھائے۔ زنا کرے یا شریعت کی توہین کرے۔ وہ اس کے اپنے افعال ہیں پیر صاحب اور سائیں جی کی حرکات پر نکتہ چینی کرنیوالا کون اور بعض تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب ہر نماز خانہ کعبہ میں جاکر پڑھتے ہیں اسواسطے ہم ان کو یہاں کبھی بھی پڑھتا ہوا نہیں دیکھتے تو بھائی پھر یہ جگہ پیشاب یا خانہ کھانا پینا بھنگ چرس۔ مدک اور افیون ہی کیلئے رہ گئی یہ کام بھی وہ عرب میں کیوں نہیں کرتے کہ ہمارا ان سے پیچھا چھوٹے نیکی کا کوئی کام کریں تو عرب کو چلے جائیں اور شراب یا گانجے سے دل بہلانا منظور ہو۔ تو پھر ہمارے پاس واپس چلے آئیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ آج انہی بدنام کنندہ نکو نامے چند بہروپیوں کیوجہ سے تمام کا تمام سلسلہ طریقت مطعون و بدنام ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو توفیق دے کہ وہ علم دین حاصل کریں تاکہ ان کے عقل کی آنکھیں شریعت کے سرمے سے منور ہو جائیں اور وہ یار اور عیار میں فرق کر سکیں اور ان بہروپیوں کو بھی اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ وہ اس بہروپ کو اتار کر حقیقت کا رنگ اختیار کریں۔ اور پھر دیکھیں کہ جب اس بہروپ میں یہ مزا ہے تو حقیقت میں کتنا کچھ لطف ہو گا۔

اولیاء کے روپ اور بہروپ کے فرق پر ایک قصہ

کہتے ہیں کہ چند شخصوں نے اولیاء کا بہروپ بنا کر لوگوں کو ٹھگنا شروع کیا۔ لوگ آتے ہاتھ پاؤں چومتے اور نذرانے پیش کرتے دعائیں ہوتیں اور مرادیں بخشی جاتیں آخر ایک دن ان کی ملاقات ایک صاحب حال شخص سے ہو گئی۔ جو آپکے مکر و دجل کو ایک ہی نظر میں بھانپ گئے فرمانے لگے دیکھو تم نے جب یہ خدا کے دوستوں کا روپ بنایا ہے تو کس قدر مخلوقات تمہارے پاؤں پر گر رہی ہے۔ اگر تم حقیقت میں بھی خدا کے دوست بنجاؤ تو پھر تمہاری عزت اور قدر و منزلت کا کیا کہنا۔ وقت تھا۔ دلوں پر چوٹ لگی۔ سب نے

Marfat.com

اپنے گناہوں سے توبہ کی اور بزرگ صاحب سے بیعت کر کے تھوڑے ہی عرصے میں ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ نقل کو اصل کر دکھایا۔

جزاک اللہ چشمم باز کردی   مرا با جان جاں ہمراز کردی

مرشد کامل اور اس کی علامات

مرشد کامل کبریت احمر اور کیمیا کا حکم رکھتا ہے ایسے شخص یوں دربدر نہیں بھٹکتے پھرتے وہ لوگوں سے بھاگتے ہیں اور لوگ ان کے پیچھے دوڑتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی مجلس اور ایسے لوگوں سے تعلق رکھنے کے متعلق مولانا روم صاحب فرماتے ہیں ؎

یک زمانہ صحبت با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

گر تو سنگ خارہ مرمر شوی   چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

یعنی ایسے اولیاء کرام کی تھوڑی دیر کی صحبت سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے کیونکہ صد سالہ طاعت سے مراد وصول الی اللہ ہوتا ہے اور وہ مرشد کامل کی آنی صحبت میں حاصل ہو جاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ اگر تو سخت پتھر بھی ہوگا تو ایسے صاحب دل کی خدمت میں پہنچ کر ایک گراں قیمت بن جائے گا اور مرشد کامل کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ جب آپ اس کی مجلس میں بیٹھیں گے تو آپ کا دل تھوڑی دیر کیلئے دنیوی جھگڑوں سے آزاد ہو کر اللہ کے ساتھ مشغول ہو جائے گا اور جتنی دیر آپ اس کی مجلس میں بیٹھیں گے آپ کا دل ایک خیر متوقع اطمینان اور سرور محسوس کریگا۔ اور اس مجلس میں زیادہ بیٹھنے کو چاہیگا خواجہ عزیزاں بھی اسی طرح فرماتے ہیں ؎

با ہر کہ نشستی و نشد جمع دلت   وز تو نرمید زحمت آب و گلت

زنہار ز صحبتش گریزاں مے باش   ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت

اسی طرح خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بھی پیر کامل کی تین علامتیں بیان فرماتے ہیں۔

سہ نشاں بود ولی راز نخست آں معنی   کہ چو روئے او بہ بینی دل تو بود گرائید

Marfat.com

دوم آں کہ در مجالس چو سخن کند زمعنی
ہمہ راز ہستی خود بحدیث دور باید

سوم آں بود معنی صلے از اخص عالم
کہ ز ہیچ عضو او را حرکات بد بنا باید

مگر آج کل کے مشہور پیروں کی مجلس میں اول تو دل ہی جانے کو نہیں چاہتا کیونکہ وہاں تو بے فکر اور خدا طلب لوگوں کا گزر ذرا مشکل ہوتا ہے وہاں کوئی ٹھٹے والے نظر آئینگے تو کوئی اغوا دے کوئی جوا باز ہوگا تو کوئی اچکا اور اگر ذرا شریف قسم کا پیر ہوا تو پھر وہاں دنیا کے بکھیڑوں کا تذکرہ ہوگا نہ قال اللہ و قال الرسول کا

ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ فلانے پیر سے فلانے فلانے نے تجارت ملازمت اور مقدمے وغیرہ کیلئے دعا کرائی تو انہوں نے جھٹ ہاتھ اٹھا کر لمبی لمبی دعائیں کیں مگر جب میں نے عرض کی کہ پیر صاحب میرے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میری عاقبت اچھی فرمائے تو دعا تو خیر میری بات کیطرف توجہ تک نہ دی نہ معلوم پیر صاحب مجھ سے کیوں ناراض ہوگئے میں نے کہا صاحب وہ ناراض نہیں ہوئے مگر چونکہ عاقبت کے بارے میں ان کا اپنا معاملہ بگڑا ہوا تھا اسواسطے وہ اس بارے میں آپ کیلئے کیا دعا کرتے ہاں البتہ دنیا طلبی کے کاموں میں وہ ماہر تھے اس لئے ان مطالب کیلئے انہوں نے دل کھول کر دعا کی تو گویا حقیقت میں انہوں نے اپنی قدر اور اہلیت کو پہچانا۔

مرشد کے لئے شرائط

عالم ربانی۔ مرتاض حقانی عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب القول الجمیل میں مرشد کیلئے چند شرطیں تحریر فرمائی ہیں میں ان کو اس مقام پر بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ اگر آپ کسی پیر کو پرکھنا چاہیں تو یہ بیان بطور کسوٹی کا کام دے۔ آپ فرماتے ہیں

(۱) کہ پیر کے لئے سب سے اول شرط یہ ہے کہ وہ قرآن پاک اور حدیث شریف کا عالم ہو تاکہ مریدوں کو اسلام پر چلنے کا صحیح رستہ بتا سکے اگر وہ جاہل اور قرآن و حدیث سے ناواقف ہوگا تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی اندھے کو رہنما بنایا جائے۔

Marfat.com

او خود گم است کرا رہبری کند

اذا کان الغراب دلیل قوم سیہدیہم طریق الہالکینا

(٢) دوسری شرط عدالت اور تقویٰ ہے کیونکہ اگر اس کا اپنا باطن صاف اور مزکی نہ ہوگا۔ تو وہ اپنے مریدوں کو صفائی باطن کی کیا تلقین کر سکیگا۔

(٣) تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیا کا تارک اور آخرت کا راغب ہو کیونکہ اگر اس کے دل میں دنیا کی محبت بسی ہوئی ہو تو وہ اپنے مریدوں کو کس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف راغب کر سکتا ہے اور جبکہ خود اس کا باطن دنیوی آلائشوں اور کثافتوں سے لتھڑا ہوا ہے۔ تو وہ مریدوں کے دلوں کو کس طرح صاف کریگا کہ ان کو خدا اور رسول کی محبت سے بھر سکے گا۔

جب تلک حاصل نہ ہو تجھ کو کمال — خلق سے بیعت نہ لینے کا خیال
کس کو کہتے ہیں کمال اے نیک نام — ماسوا حق کی محبت ہو حرام
جس کو دیکھے چشم دل سے اے حبیب — نور وحدت سے تری ہو یا نصیب
جب تلک ایسا نہ ہو تجھ میں اثر — تیری پیری ہوگی سب بے ثمر
پیر جی ہو یا کہ عالم بے نظیر — یہ نہیں پیری کے قابل اے فقیر

(٤) چوتھی شرط پیر کے لئے یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پورا پورا پابند ہو یعنی مریدوں کو ہر وقت برے کاموں سے روکتا رہے اور نیک کاموں کی طرف رغبت دلاتا رہے کیونکہ پیر کا کام ہی یہی ہے کہ وہ مرید کو برائیوں سے روک کر نیکیوں کی طرف متوجہ کرے اگر پیر خوشامدی ہو یا مرید کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہو اور ان کی شرعی غلطیوں پر جان بوجھ کر پردہ ڈالتا ہو۔ تو وہ پیر نہیں بلکہ ابلیس ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست — پس بہر دستے نباید داد دست

(٥) پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ خود کسی مرشد کامل کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہا ہو کیونکہ جب تک وہ اس رستے کے کسی واقف سے اپنا تعلق پیدا نہیں کرتا۔ تو نہ تو اس رستہ

Marfat.com

کی اس پر پوری حقیقت منکشف ہوتی ہے اور نہ ہی وہ اسکی حقیقی لذت سے آشنا ہوتا ہے دنیا کے معمولی کاموں کیلئے بھی استاد اور رہنما کی ضرورت پڑتی ہے تو اس بے کیف اور پر کیف رستے پر چلنے کیلئے رہنما کی کیسے ضرورت نہ پڑے گی ۔

پیراں کار سے کسے استاد باشد | یقین است ایں کہ بے بنیاد باشد

اسی واسطے صوفیا فرماتے ہیں الشجرۃ اذ نبتت من غیر غارس فانھا تنورق ولا تثمر یعنی جو درخت خود بخود پیدا ہوگا ۔ تو اگرچہ اس کے پتے تو ہوں گے مگر اول تو اسے پھل نہ لگے گا اور اگر لگا بھی تو شجر مغرور کی طرح اس کا پھل میٹھا نہ ہوگا اس واسطے پیر بھی شجر مغرور کی طرح کسی کامل کا تربیت یافتہ ہونا چاہیئے تاکہ اس کا فیض جاری اور افادہ ساری ہو۔

اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں پیر کامل کیلئے بہت کچھ شرائط لکھی ہوئی ہیں جن کا اس مقام پر بیان کرنا مطلب سے بہت دور لیجائیگا لہذا اگر کسی سے تعلق پیدا کرو تو کم از کم ان پانچ شرطوں کو تو اس میں دیکھ لو اور اگر یہ شرائط اس میں نہ پائی جائیں تو ایسے شخص کو کبھی بھی پیر اور مرشد نہ بناؤ بلکہ اس مدعی سے ایسے بھاگو جیسے شیر یا چیتے سے انسان بھاگتا ہے شیر اور چیتا تو صرف جان ہی لیتا ہے مگر یہ مکار تو ایمان پر بھی ہاتھ مار جاتا ہے مولانا صاحب فرماتے ہیں ؎

وحدتش وا ز اختلاط یار بد | یار بد بد تر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جان زند | یار بد بر جان و ایمان بر زند

جاہل پیروں کے علم شریعت کے متعلق

چند اعتراض اور ان کے جواب

آجکل کے جاہل پیر کہتے ہیں کہ علم ظاہر نہ تو کامل پیر کیلئے ضروری ہے اور نہ اسے اس پر عمل کرکے کچھ

ضرورت۔ اور وہ مثال دیتے ہیں کہ حضورؐ کہاں پڑھے ہوئے تھے البتہ پیر کو تو علم طریقت کی ضرورت ہے اور پھر ساتھ ہی کہتے ہیں کہ علم طریقت علم شریعت سے افضل ہے اگر افضل نہ ہوتا تو موسیٰؑ جیسے ماہر شریعت کو خضر علیہ السلام جیسے عالم طریقت کے پاس استفادہ کے لئے کیوں بھیجتے اور پھر کہتے ہیں کہ یہ علم ایسا باریک اور دقیق ہے کہ عالم شرع اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا اسی واسطے تو موسیٰؑ نے خضرؑ کے افعال پر بار بار اعتراض کیا پھر اسی سے وہ مستنبط کرتے ہیں کہ اگر پیر کچھ خلاف شرع کرے یا کہے تو مرید کو بلا حیل وحجت اس کی اتباع کرنی چاہئے ورنہ وہ مرید کبھی بھی صادق الیقین نہیں کہلا سکتا۔

تشریح تقریر۔ میں اس کو ذرا اور تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہوں تاکہ آپ اسے پوری طرح سے سمجھ جائیں اس کے بعد جواب عرض کرتا ہوں۔

آج کل کے جاہل پیر اپنے مریدوں کو گمراہ کرنے کیلئے اور اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لئے انہیں سمجھاتے ہیں کہ پیر کامل اور مرشد واصل کیلئے علم شریعت سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں وہ اس علم کے بغیر ہی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر لیتا ہے علم شریعت ظاہری اور عام لوگوں کیلئے ہے اس کو علم طریقت اور حقیقت سے کچھ تعلق نہیں جو شخص شرع کی ظاہری باتوں میں پھنس جاتا ہے اور رات دن احکام شریعت میں مشغول رہتا ہے تو وہ طریقت میں ترقی کرنے سے رک جاتا ہے کیونکہ علم شریعت مجموعہ ہے احکام ظاہری کا اور جو ظاہر میں مشغول ہوا وہ باطن سے محروم رہا۔ دیکھو حضورؐ امی محض تھے آپ نے کسی سے پڑھنا نہ لکھنا سیکھا نہ کسی کو شرف شاگردی بخشا اور نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا مگر اس پر بھی اللہ تعالیٰ آپ سے اپنے قرب کو فکان قاب قوسین او ادنیٰ (دو کمانوں کا یا اس سے بھی کم فاصلہ تھا) بیان فرماتے ہیں اور باوجود نہ پڑھنے کے آپ کو قیامت تک سچے پڑھے ہوئے انسانوں کا پیشوا اور مقتدا بنا دیا گیا تو اگر علم طریقت کا علم شریعت سے تعلق ہوتا۔ تو حضورؐ پر وحی اسی وقت نازل ہوتی۔ جب کہ

آپ ظاہری علوم کی تحصیل فرما چکتے۔ اور پھر علم شریعت علم طریقت کے مقابلہ میں کچھ مرتبہ نہیں رکھتا۔ بلکہ طریقت شریعت سے بہت افضل اور اعلیٰ ہے دیکھو موسیٰؑ ایک اولوالعزم پیغمبر تھے آپ پر توریت نازل ہوئی۔ اور آپ کا درجہ ایک زبردست مبلغ شریعت کی حیثیت کا تھا مگر اس پر بھی آپ کو خواجہ خضر علیہ السلام کے پاس تکمیل طریقت کیلئے بھیجا گیا۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کا ساتھی یوشعؑ اپنے پاؤں کے نشان پر لوٹے تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی ہوئی تھی۔ اور اپنے پاس سے علم سکھایا ہوا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اسے کہا کیا میں آپ کی اس شرط پر پیروی کروں کہ آپ مجھے اس بھلائی سے سکھائیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے اس نے کہا اے موسیٰ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے اور آپ کس طرح اس چیز پر صبر کر سکتے ہیں جس کا آپ کو علم نہیں دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ انشاء اللہ صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ طریقت کا درجہ شریعت سے اعلیٰ ہے۔ اسی لئے تو موسیٰؑ کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا۔ پھر یہ علم نہایت دقیق اور عوام کی سمجھ سے بہت بلند ہے عوام کا تو کیا ذکر علم شرع کے عالم کامل بھی اس کے اسرار و نکات کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ دیکھو حضرت موسیٰ جیسے عالم شریعت، مبلغ دین اور رسول اعظم خضری طریقت کے اسرار کو نہ سمجھ سکے اور باوجود وعدہ سکوت کے پیچھے پیچھے پھرا اعتراض کیا۔ آخر خضر علیہ السلام نے تنگ آکر صاف کہہ دیا کہ هٰذَا فِرَاقُ

بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ. سَاُنَبِّئُکَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَیْہِ صَبْرًا یعنی بس اب مجھ میں اور آپ میں جدائی ہے مگر میں ان باتوں کی حقیقت سے آپ کو آگاہ کئے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ چنانچہ انہوں نے کشتی کے عیب دار کرنے لڑکے کے قتل کرنے اور دیوار کے درست کرنے کی حقیقت کو ان سے بیان کیا اور پھر ان سے الگ ہو گئے۔ پھر پیر بیچارہ اس واقعہ سے مریدوں کی توجہ ایک اور نتیجہ کی طرف مبذول کراتا ہے۔ کہ دیکھو پیر کا کام خواہ کتنا ہی شریعت کے مخالف ہو اس پر کوئی نکتہ چینی نہ کرو۔ بلکہ اس کے تمام کام اور احکام کو اپنی سمجھ سے بلند خیال کر کے تابعداری کرتے چلے جاؤ ورنہ یاد رکھو۔ تمہارا حال بھی موسیٰ جیسا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے خضر علیہ السلام کے کام کو بظاہر خلاف شرع سمجھ کر اعتراض کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خضر نے هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِکَ کہہ کر انہیں اپنے پاس سے جدا کر دیا۔

شریعت طریقت حقیقت اور معرفت کی تشریح

جواب: سب سے پہلے شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے متعلق مختصر طور پر سمجھ لیں کیونکہ ان سب اعتراضوں کا دارومدار ان کے سمجھنے پر موقوف ہے۔

شریعت نام ہے ظاہری اور باطنی اعمال کے مجموعہ کا۔ علمائے متقدمین فقہ اور شریعت کو ایک سمجھتے تھے اور امام صاحب نے فقہ کی تعریف معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا بیان فرمائی ہے جس میں نفس کے ظاہری و باطنی دونوں اعمال آجاتے ہیں مگر علمائے متأخرین کی اصطلاح میں فقہ صرف شریعت کے ظاہری اعمال کا نام رکھا گیا اور شریعت کے اعمال باطنیہ کا نام تصوف یا سلوک قرار پایا۔ اس سلوک یا تصوف کے مختلف طریقوں اور رستوں کو طریقت کہنے لگے پھر تصوف کے رستہ پر چلنے یا طریقت پر عمل کرنے سے سالک کے دل پر جو حقائق کونیہ ظاہر ہوتے ہیں ان مکشوفات یا حقائق کو

Marfat.com

حقیقت کہنے لگے اور اس انکشاف یا اظہار کا نام معرفت ہے۔

پس اس مختصر تقریر سے یہ ظاہر ہوگیا۔ کہ طریقت، حقیقت اور معرفت اصل میں شریعت کے اجزا اور شاخیں ہیں اور شریعت ان تینوں پر حاوی اور شامل ہے۔ تو گویا شریعت اصل ہے اور طریقت وغیرہ فروع یا دہ کل ہے اور یہ اجزا۔ تو پھر کس طرح فرع اصل سے یا جزو کل سے افضل ہو سکتا ہے اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ بناوٹی پیروں کا طریقت کو شریعت سے افضل ٹھہرانا بالکل غلط اور جہالت ہے۔ اور جب شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی ماں ٹھہری۔ تو طریقت کا شریعت کے بغیر وجود میں آنا کیسے ممکن ہے

طریقت کیلئے علم شریعت کا جاننا ضروری ہے

اور اگر علم شریعت کو محض علم ظاہر ہی مانا جائے اور طریقت کو علم باطن۔ تو پھر علم باطن کا علم ظاہر کے بغیر حاصل ہونا بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ علم ظاہر بمنزلہ دودھ کے ہے۔ اور علم باطن بمنزلہ مکھن کے تو مکھن بغیر دودھ کے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اس لئے اگر علم باطن کے مسکہ کی ضرورت ہو تو پہلے علم ظاہر کا دودھ حاصل کر۔ مولانا روم فرماتے ہیں

علم باطن ہمچو مسکہ علم ظاہر ہمچو شیر   کے بود بے شیر مسکہ کے بود بے پیر پیر

علم ظاہر کے حاصل کئے بغیر علم باطن کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ اکثر اور بیشتر گمراہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے حضور نے فرمایا ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر ایک مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے سچ ہے سہ

علم را آموز اول بعدہ ایں جا بیا   جاہلاں را پیش حضرت حقتعالی نیست جا

یعنی دربار ربی میں حاضر ہونے اور رب العزت سے دوستی کرنے کے پہلے تجھے چاہئے کہ علم ظاہر حاصل کر۔ کیونکہ جاہلوں کو حاضری دربار کا شرف عطا نہیں کیا جاتا۔

Marfat.com

ما اتخذ اللہ ولیا جاھلا۔ اللہ تعالیٰ کسی جاہل کو اپنا دوست نہیں بناتا۔ دنیا
کا بھی قاعدہ ہے کہ اگر کسی بادشاہ کے دربار میں جانا ہو۔ اور اس سے ملاقات کرنے کی خواہش
ہو۔ تو سب سے پہلے آداب شاہانہ مراسم دربار اور دوسری ضروریات کا علم سیکھنا ضروری ہے
ورنہ بفرض محال اگر باریابی ہو بھی گئی۔ تو آداب حضوری کی ناواقفیت کے باعث بجائے
عزت کے ذلت اٹھانی پڑیگی۔ تو جب دنیا کا یہ قاعدہ ہے کہ معمولی بادشاہوں کی دوستی
جو بمنزلہ علم باطن ہے اسے حاصل کرنے کے لئے مراسم دربار جو بحیثیت علم ظاہر ہے کا سیکھنا
لازمی ہے۔ تو اس احکم الحاکمین کی دوستی اس کے مجوزہ آداب اور قوانین کو جانے بغیر کس طرح
حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی واسطے تو جنید بغدادی نے فرمایا ہے۔ من تزھد بلا
علم فقد جن فی آخرہ عمرہ او تزندق یعنی جو شخص علم ظاہر کے بغیر زہد کرتا ہے
آخر کار یا تو وہ پاگل ہو جاتا ہے اور یا گمراہ۔ کیونکہ طریقت کی منزلوں اور وہاں کے نکتوں
کے متعلق اسے کچھ علم نہیں ہوتا جس کا اثر اس پر یا تو جنون کی شکل میں ہوتا ہے یا شیطان
کی صورت میں۔ اسی واسطے حضور نے فرمایا ہے۔ ایک فقیہ ہزار عابد سے زیادہ شیطان
پر قوی ہوتا ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف
عابد۔ اسی طرح دوسری حدیث شریف میں حضور فرماتے ہیں۔ فضل العالم
علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب۔ فان العلماء ورثۃ الانبیاء
یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چاند کی ستاروں پر۔ اور علماء ہی انبیاء
علیہم السلام کے حقیقی وارث ہیں۔ اب آپ خود ان احادیث سے اندازہ لگا سکتے ہیں
کہ عالم شریعت کا درجہ زیادہ ہے یا عامل طریقت کا۔ شریعت کی مثال ایک رہنما کی سی ہے جو
رستہ دکھاتا ہے۔ اور مسافر آخرت کو سیدھے رستے کی تمام علامات اور نشانیاں
کھول کر سمجھاتا ہے تاکہ مسافر کسی غلط رستے پر چل کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالے
اب اس رہنما کے بتائے ہوئے رستے پر چلنا۔ اور اس کی بتائی ہوئی نشانیوں سے منزل

Marfat.com

مستقیم کا کھوج نکالتے ہوئے منزلِ مقصود کو جانا طریقت کہلاتا ہے۔ اس کے بعد منزل مقصود پر پہنچ جانے کو حقیقت کہتے ہیں۔ اور منزل مقصود پر پہنچ جانے کے بعد جو حقائق منکشف ہوتے ہیں۔ اُن مکشوفات کو معرفت اور عرفان کہا جاتا ہے لیکن یہ راہ طریقت پر چلنا اور منزل حقیقت پر پہنچ کر معرفت کو حاصل کرنا سب کا سب صحیح رستہ کے معلوم ہونے پر موقوف ہے۔ اگر مسافر نے چلتے وقت کسی رہنما سے رستہ کے متعلق نہ پوچھا۔ یا پوچھا تو سہی۔ مگر وہ رہنما رستے کا یا تو بالکل واقف ہی نہ تھا۔ یا تھا مگر ناقص طور پر جیسا کہ شرائع غیر اسلامیہ ہیں۔ تو ایسا مسافر کبھی بھی منزل مقصود کو نہ پہنچ سکے گا۔ بلکہ تمام عمر غلط رستوں ہی کی بھول بھلیوں میں تباہ ہو کر دنیا سے رخصت ہو جائیگا۔ تو معلوم ہوا کہ سلوک طریقت پر چلنے سے پہلے علم شریعت کے رہنما کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ بجائے منزل حقیقت پر پہنچنے کے مقام ضلالت پر جا نکلیگا۔

ایک جاہل عابد کا عبرت انگیز حال

کہتے ہیں کہ کسی جاہل شخص نے علم باطنی کے حاصل کرنے کے لیے سخت سخت ریاضتیں اور چلہ کشیاں شروع کیں۔ جلوت پر خلوت کو ترجیح دے کر ایک پہاڑ پر جا مقام کیا۔ اور ایک طویل عرصہ تک طریقت کے رستے کو طے کرتے رہے۔ آخر ایک دن خیال آیا۔ کہ قرآن پاک میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچ کو پسند نہیں کرتے۔ تو میں جب ایک آنکھ سے کام چلا سکتا ہوں۔ تو دو آنکھوں کو استعمال کرنے میں کیا اسراف نہیں؟ چنانچہ یہ خیال آتے ہی ایک آٹے کی ٹکیا بنائی۔ اور ایک آنکھ پر اس کو اچھی طرح نسپیٹ کر اوپر سے پٹی باندھ دی۔ اور مثل سابق کے اپنی ریاضتوں میں مشغول رہنے لگے پھر ایک دن خیال آیا۔ کہ یہاں کثرت سے پھول ہیں جن کی بھینی بھینی خوشبو سے نفس کو ایک قسم کا سرور حاصل ہوتا ہے مجھے اور سرور سے کیا تعلق

کیوں نہ نفس کی سرکشی کو توڑنے کے لئے اب اسے کچھ زمانہ بدبو سنگھائی جائے۔ تاکہ جتنا کہ یہ خوش ہو کر پھولا ہے اتنا ہی زمانہ پریشان ہو کر کمزور ہو جائے چنانچہ جھٹ سے ایک پاخانہ کی بتی بنا کر ایک نتھنے میں چڑھا دی اور پھر بدستور طریقت کی صحرا نوردی میں مشغول ہوئے۔ اب وہ عبادت کرتا ہے۔ مگر لاحاصل۔ اب وہ بادیۂ طریقت میں دوڑتا ہے۔ مگر علم شریعت کے نہ ہونے کی وجہ سے یَتِیْھُوْنَ فِی الْاَرْضِ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً کی ٹھپکا پڑ گئی۔ کیونکہ قرآن پاک میں آتا۔ وَاِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے اپنے منہ۔ ہاتھوں اور پاؤں کو دھولو اور ربع سر کا مسح بھی کر لو اب اگر ان میں سے کوئی چیز یا ان کا کوئی جزو دھونے سے باقی رہ گیا۔ تو وضو نہ ہوا اور وضو نہ ہوا۔ تو نماز نہ ہوئی۔ اور نماز نہ ہوئی تو صفائی باطن کہاں سے حاصل ہو گی۔

اسی طرح نماز کے لئے ضروری ہے کہ مصلی کے کپڑے اور جسم نجاست حقیقی اور حکمی سے پاک ہو۔ اگر جسم یا کپڑے ناپاک ہونگے۔ تو ہزاروں ٹکریں لگانے سے بھی دربار الٰہی میں کچھ شنوائی نہیں ہوگی۔ تو اب اس جاہل عابد کے حال پر نظر کرو۔ ایک آنکھ پر تو ٹاکا لگا رکھی باندھ دی جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ وضو میں خشک رہ جاتی تھی جس سے اس کا کبھی بھی وضو نہ ہوا۔ پھر ناک میں نجاست وہ بھی شرط طہارت کے خلاف اس سے بھی نماز نہ ہوئی جب نہ وضو ہوا نہ نماز۔ تو پھر خواہ مخواہ کی ٹکروں سے اسے کیا فائدہ۔

تو معلوم ہوا کہ راہ طریقت پر چلنے کے لئے سب سے پیشتر علم شریعت کی رہنمائی حاصل کر لینا نہایت ضروری اور لابدی ہے بغیر اس کی رہنمائی حاصل کئے ہوئے راہ طریقت پر گامزن ہونا ہلاکت جان اور خطرۂ ایمان ہے اور علم شریعت کی مشغولیت اگرچہ اسے علم ظاہر ہی سمجھا جائے۔ طریقت میں ترقی کرنے سے روکتی نہیں بلکہ طریقت کی ترقی کی تکمیل اسی سے ہوتی ہے۔

Marfat.com

من ارادة العبادة بعد الوصول فقد اشرک کا صحیح مطلب اور حضرت جنید کا ارشاد

کہتے ہیں کہ کسی جاہل نے حضرت جنیدؒ کے زمانے میں وصول الی اللہ کا دعوے کیا۔ اور شیطانی غلبہ سے ایک دن کہہ اٹھا۔ نحن وصلنا و لا حاجة لنا فی الصوم و الصلوٰة۔ یعنی ہم تو باری تعالیٰ سے واصل ہو گئے اب وصول کے بعد ہمیں نماز اور روزے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ صوفیا کا قول ہے۔ من ارادا لعبادة بعد الوصول فقد اشرک یعنی جس نے واصل باللہ ہونے کے بعد عبادت کی تو وہ مشرک ہے۔ کیونکہ عبادت کا وصول باری کے ساتھ شرک لازم آیا۔ وہاں تو توحید بحت کا مقام ہے۔ نہ کہ شرک عبادت کا۔ حضرت جنیدؒ نے جب اس کے ایسے دعاوی اور دلائل سنے تو آپ نے فرمایا صدق فی الوصول ولکن الی سقر یعنی اس کا دعوی وصول سچا ہے ۔ اور ہم سب اس کی تصدیق کرتے۔ مگر وہ وصول الی اللہ نہیں۔ بلکہ وصول الی جہنم ہے۔ کیونکہ علم نہ ہونے کے باعث شیطان اسے دوسری طرف بہکا کر لے گیا۔ اور من ارادا لعبادة بعد الوصول فقد اشرک کے ایسے معنی سمجھائے کہ وصول سے پہلے ہی مشرک بنا دیا۔ کیونکہ صوفیاء کے اس قول کا وہ مطلب نہیں جو یہ اندھا سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وصول الی اللہ کے بعد سالک عبادت کو بالارادہ نہیں کرتا۔ بلکہ عبادت اس کی طبیعت اور فطرت بن جاتی ہے جیسے طبعی امور اور فطری کام میں ارادہ کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسے ہی واصل باللہ کی عبادت بھی تعلق ارادہ سے منزہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ عبادت کا انتہائی درجہ ہے۔ اور یہ بھی مطلب اس کا ہو سکتا ہے۔ کہ واصل وصول کے بعد عبادت کو مراد نہیں سمجھتا۔ بلکہ اس وقت اس کی مراد محبوب حقیقی ہو جاتی ہے۔ تو نفی مراد سے نفی عبادت کا نتیجہ نکالنا شیطانی اغوا نہیں تو اور کیا ہے۔

Marfat.com

ظاہر و باطن کا تعلق

ظاہر کا باطن کے ساتھ ایسا تعلق ہے۔ جیسے آگ کا حرارت کے ساتھ یا سورج کا روشنی کے ساتھ۔ بعض پیر صاحب التزویر کہا کرتے ہیں۔ کہ میاں باطن اچھا ہونا چاہیئے۔ نماز، روزہ اور حج وغیرہ یہ سب ظاہری اعمال ہیں۔ ان کا باطن سے کیا تعلق۔ اور اس طرح وہ کتنے ہی عقل کے اندھوں کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر اپنا اُلو سیدھا کرتے ہیں۔ مگر یہ نادان نہیں سمجھتے۔ کہ جب ایک شخص عاشق الٰہی اور عاشق رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور اپنے باطن کو اُن کی محبت سے بسا ہوا ظاہر کرتا ہے۔ تو پھر کس طرح وہ ان کے احکام سے سرکشی کر سکتا ہے۔ عاشق کا کام تو معشوق کے ہر ایک حکم کو بلا چون وچرا تسلیم کر کے عمل کرنا ہوتا ہے۔ یہ کہاں کا عشق کہا جا سکتا ہے۔ کہ دعویٰ تو ہو عشق اور محبت کا مگر حالت ہو مخالفوں اور عداوت والوں کی۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

نے باشد مخالف قول و فعل راستاں باہم　　کہ گفتار قلم باشد ز رفتار قلم پیدا

شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے۔ کہ ہر چہ در کوزہ باشد از اں ہماں طراود۔ کہ جو کچھ کوزے میں ہوتا ہے۔ اُس ہی سے وہی ٹپکتا ہے۔ اگر خدا و رسول سے محبت ہے۔ تو کیا محبت کا کوئی قطرہ بھی کوزۂ قلب سے باہر نہ ٹپکیگا۔

تعصی الرسول وانت تظہر حبہ　　ھذا لعمری فی الفعال بدیع

لو کان حبک صادقا لاطعتہ　　ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی تو حضور کی نافرمانی کرتا ہے۔ اور پھر اُن کی محبت کا دعوے کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ نہایت ہی عجیب کام ہے۔ اگر تیری محبت سچی ہوتی۔ تو تو ضرور اُن کا فرمانبردار ہوتا۔ کیونکہ عاشق اپنے معشوق کا مطیع ہوتا ہے۔

اگر ظاہری حالت قابل اعتبار نہ ہوتی۔ اور صرف باطن ہی کی صفائی کا دعوے

Marfat.com

صحیح ہوتا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ (تو پہچانتا ہے۔ ان کو ان کی نشانیوں سے) اور سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ (ان کے منہ پر سجدوں کے نشان ہیں) فرما کر ظاہری علامات کو معرفت اور ذریعہ شناخت نہ بیان فرماتے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

حق چو سیما را معرف خوانده است ۔۔۔ چشم عارف سوئے سیما مانده است

رنگ، دلو غماز آمد چوں جرس ۔۔۔ از فرس آگہ کند بانگ فرس

بانگ ہر چیزے رساند زو خبر ۔۔۔ تا شناسی بانگ خر از بانگ در

یعنی اللہ تعالیٰ نے ظاہری علامات کو چونکہ معرفت فرمایا ہے۔ اس واسطے عارف کی نظر ظاہری علامات پر پڑتی ہے۔ ظاہری رنگ دلو گھنٹی کی طرح حالات باطن پر غماز اور مخبر ہیں۔ جیسے گھوڑے کی آواز گھوڑے کا پتہ دیتی ہے۔ اسی طرح ہر چیز کی آواز اس کا پتہ دیتی ہے . . . . حتیٰ کہ اسی ظاہری آواز کی وجہ سے آواز خر اور آواز در میں تمیز کی جا سکتی ہے۔

اویس قرنی اور حب رسول

جب حضورؐ کے انتقال پر ملال کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو وصیت فرمائی۔ کہ یمن میں ایک شخص اویس نامی ہے۔ تم اس کے پاس جا کر امت مسلمہ کے لئے دعا کروانا۔ ان دونوں صاحبوں کو حضورؐ کے اس فرمان عالیشان سے نہایت تعجب ہوا اور سوچنے لگے کہ وہ کس پائے کا انسان ہوگا۔ کہ جس سے حضورؐ دعا منگوانے کا ارشاد فرما رہے ہیں۔ چنانچہ جب حضور پرنور دنیا سے پردہ فرما گئے۔ تو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں یمن میں آئے اور اویس کے متعلق دریافت کیا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ اویس تو ایک دیوانہ شخص ہے۔ لوگوں سے سخت نفرت کرتا ہے۔ اور رات دن یا تو دریا کے کنارے پر رہتا ہے۔

Marfat.com

یا قریب ہی کے جنگل ہیں۔ چنانچہ آپ اُن کے بتائے ہوئے نشان پر گئے۔ دیکھا کہ حضرت اویس نماز میں مشغول ہیں۔ آپ دونوں اُن کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے جب حضرت اویس نے نماز ختم کی تو فوراً فرمایا۔ اے عمر اور اے علی تم پر سلام ہو۔ انہوں نے جواب دیا اور عرض کی کہ صاحب آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم کون ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جس نے آپ کو میرے پاس بھیجا ہے۔ اُس نے پہلے ہی سے تمہارے آنے کے متعلق مجھے خبر دے دی ہے۔ تھوڑی دیر کی بات چیت کے بعد حضرت اویسؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے پوچھا۔ کہ اے عمرؓ اور اے علیؓ۔ کیا آپ لوگوں کو حضورؐ سے عشق بھی تھا۔ دونوں صاحبوں نے جواب دیا۔ کہ صاحب یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ ہم نے حضور پر اپنے جان اور مال کو قربان کیا۔ اُن کے لئے عزت دولت اور گھربار کو چھوڑا۔ انہیں کی خاطر جہاد کئے۔ تکلیفیں اُٹھائیں اور پروانے کی طرح اُس شمع رسالت پر قربان ہوئے۔ اور ہونے کو تیار ہیں۔ اس پر حضرت اویسؓ نے فرمایا۔ کہ یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ مگر میں نے چونکہ آپ میں عشق رسولؐ کی علامت نہ پائی۔ اس لئے یہ بات پوچھنے کی ضرورت پڑی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے جب یہ بات سنی تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اور عرض کی۔ کہ حضرت آپ اور ہمارے متعلق یہ الفاظ حضورؐ کی محبت کا جو نشان ہے۔ جو ہم میں نہیں پایا جاتا۔ آپ نے فرمایا۔ دیکھو میں حضور سرورِ عالم کی زیارت سے مشرف نہیں ہوا۔ کیونکہ میری ضعیفہ ماں کی خدمت کے لئے سوائے میرے اور کوئی نہ تھا۔ اس لئے حضورؐ نے مجھے خواب میں فرما دیا۔ کہ اے اویس تم ماں کی خدمت کرو یہی تمہارے لئے حج اکبر ہے۔ لیکن میں نے جب سنا۔ کہ حضورؐ کا جنگِ احد میں ایک دانت شہید ہو گیا ہے۔ تو مجھے اس خبر سے سخت رنج پہنچا۔ اور میں نے خیال کیا کہ میرا معشوق رسول مقبولؐ تو اکتیس دانتوں سے کھائے اور میں بتیس دانتوں سے کسی چیز کو چباؤں۔ کیوں نہ معشوق کی پوری پوری اتباع کروں۔ اور دانت کو جو ایک

Marfat.com

دانت نہ ہونے کے باعث چبانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اُس میں کیوں نہ شریک ہو جاؤں۔ چنانچہ اس خیال کے آتے ہی میں نے فوراً ایک دانت نکال دیا۔ لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ شائد حضور کا یہ دانت نہ ہو۔ بلکہ یہ ہو۔ اس لئے اس کو بھی نکال دیا۔ لیکن پھر بھی پوری تسلی نہ ہوئی۔ اور خیال آیا کہ شائد یہ نہ ہو۔ یہ ہو۔ ایسا کرتے کرتے آخر کار بتیس کے بتیس دانت یکے بعد دیگرے نکال دیئے۔ اور آپ ابھی دیکھ سکتے ہیں۔ کہ میرے منہ میں ایک دانت بھی نہیں۔ لیکن افسوس کہ آپ حضور کے ساتھ تھے۔ اور پھر بھی آپ نے اتباعاً ایک دانت بھی نہ توڑا۔ جب صاحبین نے حضرت اویس کی اس پر غم کتھا کو سنا۔ تو بلا تحاشہ پکار اٹھے۔ کہ حضورؐ نے آپ کو اسی عشق کے باعث دعائے اُمت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ چنانچہ بموجب وصیت دعا کروا کر واپس روانہ ہوئے۔ اس واقعہ کو کسی نے اشعار میں یوں بیان کیا ہے۔

تھے حضرت اویس جو باشندہ یمن — آرامگاہ جن کی مدینہ سے تھی بعید
اُس عاشق رسولؐ نے جب یہ خبر سنی — جنگ اُحد میں ہو گیا دانت آپ کا شہید
غم میں دہن سے آپ نے دانت سب نکال — اللہ رے جذب شوق میں تقلید مرید

تو مطلب یہ بیان ہو رہا تھا۔ کہ ظاہر کا باطن کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ اور ظاہر علامت ہے باطن کی۔ اگر ظاہر اچھا ہے تو باطن بھی اچھا۔ اور اگر ظاہر خراب ہے۔ تو باطن کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔ شیخ سعدی صاحب نے فرمایا ہے۔

ہر کرا جامہ پارسا بینی — پارسادان و نیک مرد انگار

یعنی جس کا ظاہر نیکوں کا دیکھے تو اُسے نیک اور متقی ہی سمجھ۔ اسی طرف اشارہ میں ہے نحن نحکم بالظواھر واللہ یعلم بالسرائر۔ کہ ہمارا حکم تو ظاہر سے متعلق ہے باطن کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ تو جو شخص حقیقی طور پر صفائی باطن عشق رسول اور حب خداوندی کا مدعی ہوگا۔ اس کا ظاہر بھی ضرور اس کے دعوے کی تصدیق کریگا۔

Marfat.com

کیونکہ یہ ممکن نہیں۔ کہ کوئی شخص آگ کے پاس بیٹھے اور گرم نہ ہو۔ برف میں رہے اور ٹھنڈک محسوس نہ کرے۔ اسی واسطے شاعر نے کہا ہے۔

مے تواں داشت نہاں عشق زمردم لیکن زردئے رنگ رخ و خشکی لب چہ علاج

لب خشک چشم تر ہے رنگت ہے زعفرانی چہرے پہ اُن کے ہر اک ہے عشق کی نشانی

عشق کبھی بھی نہیں چھپ سکتا

لوگوں سے عشق کو تو چھپایا جا سکتا ہے۔ مگر علامات عشق کو کوئی کیسے چھپائیگا۔ عاشق کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور اُس کے ہونٹ فراق یار اور ہجر دلدار میں خشک ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کو حضرت علیؓ یوں بیان فرماتے ہیں۔ ھم صفر الوجوہ من السھر عمش العیون من العبر خمص البطون من الطوی یبس الشفاہ من الذوی۔ یعنی عاشقوں کا چہرہ بوجہ بیداری کے زرد ہوتا ہے۔ اُن کی آنکھیں رونے کی وجہ سے چندھیا جاتی ہیں۔ فاقہ کی وجہ سے اُن کا پیٹ پیٹھ سے لگا ہوتا ہے۔ اور اُن کے ہونٹ باطنی سوزش کی وجہ سے خشک ہوتے ہیں۔

عشق کے متعلق ایک عجیب نکتہ

نکتہ۔ عشق ماخوذ ہے عشقہ سے۔ اور عشقہ وہ بیل ہے۔ کہ جس درخت پر چڑھتی ہے۔ اُسے بالکل سکھا دیتی ہے۔ اور اُسکی رطوبت اور تازگی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہ ایسی بیل ہے۔ کہ اگر اسے کوئی جانور کھائے۔ اور وہ گوبر کرے۔ اور اُس گوبر کو جلا کر کہیں پھینک دیا جائے۔ تو یہ پھر اُس راکھ سے بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ جب عشقہ کی بیل کا یہ حال ہے۔ تو پھر خدا و رسول کے عشق کی بیل کس طرح عاشق صادق کو نہ سکھا دیتی ہوگی۔ اور کس طرح عشق کے بھرے ہوئے دل کی کوئی علامت عاشق کے چہرے پر

چال ڈھال پر ظاہر ہوگی۔ کسی بدو نے کیا خوب کہا ہے۔ العشق خفی ان یُبدی دا لعشق جلی ان یخفی۔ یعنی عشق ایک مخفی چیز ہے۔ اُسے دیکھا نہیں جا سکتا اور اس قدر ظاہر ہے کہ اُسے چھپایا بھی نہیں جا سکتا۔ مولانا روم صاحب فرماتے ہیں۔

گرچہ تفسیر زباں روشن گر است لیک عشق بے زبان روشن تر است

یعنی اگرچہ زبان عشق کی تفسیر و توضیح کر سکتی ہے۔ مگر بے زبان عشق اس کے بیان سے بھی زیادہ ظاہر اور واضح ہے سچ ہے۔

عشق اور مشک چھپائے سے نہیں چھپتے پر سر راہ پٹا ہے ڈھنڈورا ان کا

ایک ہندی شاعر کا مجھے ایک اسی قسم کا شعر یاد آ گیا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے۔ چھ چیزیں نہیں چھپائی جا سکتیں۔ ہزار چھپاؤ وہ خود بخود ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اور وہ چھ چیزیں ہیں۔ ے عشق مشک۔ کھانسی رکھس۔ خیر۔ خون۔ مدھو بھان

اکتو چھپا لو نہ چھپے پر گھٹ ہوت ندان

مکار پیروں کا اعتراض کہ حضورؐ امی تھے لہذا طریقت کیلئے علم شریعت کی ضرورت نہیں اور اُس کا جواب

اب مکار پیروں اور کاذب مدعیان ولایت کا یہ کہنا کہ حضورؐ امی محض تھے۔ اور باوجود علم ظاہری نہ رکھنے کے تمام اولیاء و علماء کے مستند اور پیشوا ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ اصفیاء کے لئے علم ظاہری کی ضرورت نہیں۔ باین وجہ غلط ہے کہ ہر ایک نبی مبلغ شریعت ہوتا ہے اور مبلغ شریعت کے لئے علم شریعت سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ علم شرع کی واقفیت کے بغیر شریعت کے احکام عوام کو کس طرح پہنچا سکیگا۔

لیکن علم شریعت کے حاصل کرنے کے لئے ظاہری طور پر پڑھنا اور درس حاصل کرنا ضروری نہیں۔ یہ علم کبھی تو اکتساب سے حاصل ہوتا ہے۔ اور کبھی اعطاء سے۔ کبھی

Marfat.com

کتابیں پڑھ پڑھا کے اس سے واقفیت حاصل کی جاتی ہے۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بلا کسب و اکتساب ہی اُسے علم ظاہر سے بہرہ ور کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے۔ کہ علم ظاہر اکتسابی ہو یا وہبی ہر حالت میں اس کا ظہور ضروری ہوتا ہے۔ اور علم کا ظہور اس پر عمل کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اور اسی واسطے انبیاء علیہم السلام اس علم وہبی کو ظاہر کرنے کے لئے سب سے زیادہ عامل ہوا کرتے تھے۔

علم وہبی کے متعلق مولانا روم صاحب نے ایک نہایت اعلیٰ مثال دی ہے جس سے علم عطائی کے حاصل ہونے کی کیفیت کو آپ بخوبی سمجھ سکیں گے۔

علم اکتسابی اور وہبی کی مثال

آپ نے لکھا ہے۔ کہ کسی بادشاہ کے دربار میں چینیوں اور رومیوں میں فن نقاشی کے متعلق جھگڑا ہوا۔ رومیوں کا دعویٰ تھا۔ کہ آج دُنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں۔ جو ہمارے بنائے ہوئے نقش و نگار کا مقابلہ کر سکے۔ چینیوں نے کہا کہ تمہارا یہ دعوےٰ بالکل غلط ہے۔ چین کی نقاشی آج تمام سطح زمین پر مشہور ہے۔ ہمارا مقابلہ تو کوئی کیا کریگا۔ ہماری بنی ہوئی چیز کی پوری پوری نقالی کر سکنا بھی بہت مشکل ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے جب اُن کی یہ باتیں سُنیں۔ تو دونوں گروہوں سے اپنے اپنے دعوے کا ثبوت مانگا۔ اور اُن کے لئے ایک مکان مخصوص کر دیا۔ اور بیچ میں پردہ لٹکا دیا۔ اور حکم دیا کہ تم دونوں گروہ ایک ایک دیوار پر اپنے اپنے ہنر دکھاؤ۔ تاکہ میں اور میری سلطنت کے ارکین تمہاری فضیلت کا فیصلہ کر سکیں۔ چنانچہ دونوں فرقے اپنے اپنے فن کا کمال دکھانے کے لئے دیواروں پر نقش و نگار بنانے میں مصروف ہو گئے۔ ایک طرف چینیوں نے نہایت جانفشانی اور کاریگری سے دیوار کو بہتے اعلیٰ قسم کے نقوش سے آراستہ کیا۔ اور دوسری طرف رومیوں نے مقابل کی دیوار کو صاف اور چمکیلا بنانا شروع کیا۔ اور ایسا شفاف کر دیا۔ کہ دیوار کی سطح آئینہ سے بھی زیادہ چمکیلی اور

مصفی نظر آنے لگی جو شخص اُس کے سامنے کھڑا ہوتا۔ تو اُس کا عکس دیوار کی صفائی اور چمک کی وجہ سے اصلی شکل سے بھی زیادہ جاذب اور خوبصورت نظر آتا چنانچہ جب فریقین اپنا اپنا کام پورا کر چکے۔ تو بادشاہ کو مع امراء و وزراء کے ملاحظہ کرنے کی دعوت دی گئی۔ بادشاہ اور اراکین نے جب چینیوں کے نقش و نگار اور بیل بوٹوں کو دیکھا تو بے ساختہ زبان سے مرحبا اور سبحان اللہ نکل گیا۔ جب چینیوں کا ہنر دیکھا جا چکا۔ تو بادشاہ نے حکم دیا کہ بیچ سے پردے کو ہٹا دیا جائے۔ تاکہ رومیوں کا کام دیکھکر چینیوں کے کام سے مقابلہ کر کے علیٰحدہ وادنیٰ کا فیصلہ کیا جائے۔ پردہ کا ہٹانا تھا۔ کہ چینیوں کے بنائے نقش و نگار رومیوں کے بنائے ہوئے آئینہ میں منقش ہو گئے۔ اور شیشے کی صفائی و صیقل کے باعث عکس اصل سے زیادہ خوبصورت اور جاذب نظر آنے لگا۔ چنانچہ مولانا صاحب فرماتے ہیں۔

رومیاں آں صوفیاں اند اے پسر ۔۔۔ نے ز تکرار و کتاب و نے ہنر
لیک صیقل کردہ اند آں سینہا ۔۔۔ پاک ز آز و حرص و بخل و کینہ ہا

یعنی انبیاء و اولیاء اللہ کی مثال اُن رومیوں کی سی ہے۔ جو تکرار درس۔ قرات کتاب اور تحصیل فن سے عاری ہیں۔ مگر اُن کے سینے ریاضت سے ایسے مصقل اور مصفی ہیں کہ اُن میں حرص بخل یا کینے کا نام و نشان نہیں۔ چونکہ یہی چیزیں انوار علوم کے فیضان سے محروم کرتی ہیں اِس لئے اُن کے ازالہ کے بعد اب اُن کے دلوں پر وہبیہ طریق سے علوم صحت شرع کو منعکس کر دیا گیا۔ تعلمنا بلا حرف وصوت۔ قرانا بلا سہو وفوت

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہبی طور پر علوم شریعت کے عالم تھے۔ ورنہ تبلیغ احکام کس طرح فرماتے۔ لہذا مدعیان کذاب کا مدعی اس طرح سے بھی ثابت نہ ہوسکا۔

اور اگرچہ حضور سرور عالم کا علم علم لدنی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ بے کینہ کو بغیر کسب اکتساب کے ماکان و مایکون کے علوم کا خزینہ بنادیا۔ مگر وہ قرآن مجید اور فرقان حمید جو آپ پر نازل کیا گیا۔ نہایت صاف اور صریح الفاظ میں مطلق عالم

Marfat.com

کی تعریف فرما رہا ہے۔ جس میں وہ علم اکتسابی بھی شامل ہو جاتا ہے۔ تو سچ پوچھو تو قرآن پاک نے جہاں علم کی تعریف فرمائی ہے۔ وہاں یہی علم اکتسابی مراد ہے۔ کیونکہ وہبی کا فضل رب اور عطیہ ایزدی ہونا تو صاف ظاہر ہے۔ اس واسطے اس کی تعریف و توصیف تو تحصیل حاصل ہے۔ پھر علم وہبی اس قدر نادر اور کمیاب ہے کہ اس کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن پاک کے الفاظ کو اسی پر منطبق کرنا گویا اللہ کو جو اسم ذات ہے اور مجتمع ہے جمیع صفات کا کسی ایک وصف میں منحصر کرنا ہے۔

اب میں چند ایک آیات اور احادیث آپ کے سامنے فضیلت علم کے متعلق بیان کرتا ہوں۔ تاکہ آپ ان فضائل کو مدنظر رکھ کر جاہل پیروں کی لن ترانیوں کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ اور آپ کو معلوم ہو جائے۔ کہ وہ علم کے رفیع و منیع مرتبہ کو محض اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لئے گھٹاتے ہیں۔ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا۔ یعنی ایسے جاہل علم کے قدر و مرتبہ کو گھٹا کر اور اس طرح اپنی جہالت اور ضلالت پر ہدایت کا رنگ لگا کر سمجھتے ہیں۔ کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ وہ اچھا نہیں کر رہے۔ بلکہ اس طرح تو وہ علم کی فضیلت اور مرتبت کے متعلق جس قدر آیتیں ہیں۔ ان کا انکار کر رہے ہیں۔ اور یہ انکار اور تحقیر آیات و احادیث ان کی تمام ریاضتوں اور عبادتوں کو ایسا بھسم کر دیگا۔ کہ گویا انہوں نے دنیا میں آکر کوئی کار خیر کیا ہی نہیں۔ اور جب کوئی کار خیر ان کے نامۂ اعمال میں نہ ہوا۔ تو پھر روز قیامت ان کے لئے کوئی وزن بھی قائم نہ ہوگا۔ کیونکہ نامۂ اعمال میں کچھ نیکیاں ہوں تو تولی جائیں۔ جب انکار آیات سے سب نیکیاں برباد ہو چکی ہیں۔ تو وزن کس کے لئے قائم کیا جائے۔

فضائل علم و علماء

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ قرآن پاک میں فرماتا ہے شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

Marfat.com

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ۔ یعنی اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔ اور اسی بات پر فرشتے اور علمائے منصفین بھی گواہی دیتے ہیں۔ کہ میں ایک ہی ہوں اور میرا کوئی شریک و سہیم نہیں دیکھئے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدت پر فرشتوں اور علماء کو شاہد قرار دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی کلام پاک میں کسی معاملہ کے ثبوت کے لئے دو گواہوں کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے۔ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى۔ یعنی اے مسلمانو۔ جب کوئی معاملہ کرو۔ تو دو مردوں کو گواہ کر لو۔ یا اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہونی چاہئیں۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا سکے۔ چونکہ دنیا کا معمولی سے معمولی انسان بھی اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے فاسق گواہوں کو پیش نہیں کرتا۔ بلکہ معزز اور ثقہ گواہوں کو پیش کرتا۔ تاکہ ان کی ثقاہت اور تقدس کے لحاظ سے ان کی شہادت کو قابل اعتبار قرار دیا جائے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنے دعوے وحدانیت پر کس قسم کے عادل اور ثقہ گواہوں کو پیش کرنا چاہئے۔ یہ مدعی کی شان اور دعوے کی اہمیت سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سب سے پہلا گواہ تو فرشتوں کا گروہ ہے۔ جن کے تقدس اور ثقاہت کی شان تو یہ ہے۔ کہ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔ یعنی فرشتے ایسی مخلوق ہے۔ کہ وہ کسی حال میں اللہ جل شانہ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور وہ اس کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ اب جب ایک گواہ اس پائے کا ہے۔ تو دوسرا گواہ بھی تو ایسا ہی ہونا چاہیے اب وہ دوسرا مقدس گواہ کون ہے۔ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ یعنی عالم باعمل۔ کیونکہ عالم کہتے ہی ہیں۔ عالم باعمل۔ بے عمل عالم نہ تو عالم کہلانے کے قابل ہے۔ اور نہ ہی اس کی شان کو بیان کر رہا ہوں۔ بلکہ یہ سب کی سب تعریف عالم باعمل کی

Marfat.com

ہے کیونکہ۔ چو کسب علم کردی در عمل کوش ❊ کہ علم بے عمل زہر ایست بے نوش

اب آیت کے اس ٹکڑے پر غور کرو۔ اور دیکھو اللہ تعالیٰ نے علماء کی شان کو کن الفاظ میں اور کس طریقہ پر بیان فرمایا ہے۔ ایک تو انہیں فرشتوں کے برابر شاہد کی حیثیت پیش کیا۔ دوسرے فرشتوں جیسی پاک مخلوقات کے ساتھ اس مقدس گروہ کو یاد فرمایا۔ اور پھر علماء کے لئے یہ کیا کم فضیلت ہے کہ وہ احکم الحاکمین تعریف کے مقام پر انہیں اپنے کلام ابلغ النظام میں یاد فرما رہا ہے۔ ع بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

آج اگر کوئی دنیا کا بادشاہ کسی عام انسان کو اپنے خاص درباریوں کے ساتھ یاد کرے۔ تو اس شخص کے لئے کس قدر فخر اور فرحت کا باعث ہوتا ہے۔ اسی طرح جب احکم الحاکمین اور رب العلمین علماء کو اپنے مقربین بارگاہ کے ساتھ یاد کرے۔ تو پھر ان کے عزارت شان اور فضیلت مرتبت کے لئے اور کس دلیل کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ اور پھر معمولی طور پر بھی یاد نہیں کیا بلکہ انہیں ان مقربین کی طرح اپنے ذات کے سب سے بڑے اور مہتم بالشان معاملے یعنی وحدانیت پر گواہ بنا کر پیش فرمایا۔ تم پھر خود سوچ لو کہ شہادت میں فرشتوں کے ہم پایہ انسان کتنے بڑے مرتبہ اور شرف کا مالک ہوگا۔ پھر دوسری جگہ رب العزت فرماتا ہے۔ یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور عالموں کے درجوں کو بلند فرماتا ہے۔ کفار پر مومنوں کا درجہ تو ظاہر ہے۔ پھر مومنوں کو بیان کر کے خصوصیت سے علمائے کرام کا ذکر فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ نفس رفع درجات میں سب مومن شامل ہیں مگر عام مومنوں سے علمائے مومنین کے درجے بہت رفیع و منیع ہیں۔ اسی واسطے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ عام ایمان والوں پر عالموں کا مرتبہ سات سو درجے بلند ہوتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اتنا ہوتا ہے جیسے پانچ سو برس کی راہ۔ پھر تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ

Marfat.com

لَا یَعْلَمُوْنَ۔ کہ اے حبیب انہیں کہہ دیجئے کہ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔ پھر چوتھی جگہ فرمایا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کا ڈرنا علماء ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ اور محبت بھرا ڈرنا اس لئے۔ کہ ڈر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو خوف کا اور ایک محبت کا۔ خوف کا ڈر تو ایسا ہے جیسے چیتے شیر وغیرہ سے ڈرنا اور محبت کا ڈر ایسا ہے جیسے معشوق کے خلاف طبیعت کام کر کے اُسے ناراض کرنے سے ڈرنا اور علماء کا ڈر ہی محبت بھرا ڈر ہے۔ کیونکہ خوف کا ڈر تو عوام کو ہوتا ہے۔ نہ کہ خواص کو۔

پھر حضور فرماتے ہیں فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی۔ یعنی عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے۔ جیسے میری بزرگی ایک ادنے اصحابی پر۔ پھر فرمایا فضل العالم علی العابد کفضل قمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب یعنی عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے۔ جیسے چودھویں رات کے چاندکی بزرگی باقی ستاروں پر ہوتی ہے۔ علم و علماء کی فضیلت سے قرآن اور کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ ان سب کا اس جگہ ذکر کر کے اُن کے نکات کو بیان کرنا اصلی بات سے بہت دُور لے جائیگا۔ مگر الاشارہ تکفی للعاقل عاقل کو اشارہ ہی کافی ہے ایک سمجھدار انسان اس مختصر بیان سے بھی ان بھرپور دیوں کی لمبی ترانیوں کو اچھی طرح سمجھ سکیگا۔ شیخ سعدی صاحب نے فرمایا ہے۔

پئے علم چوں شمع باید گداخت ... کہ بے علم نتواں خُدا را شناخت

کہ علم کے پیچھے شمع کی طرح پگھل جانا چاہیئے۔ کیونکہ علم کے بغیر خُدا شناسی مشکل حاصل ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی دوبارہ میں آپ کو کہے دیتا ہوں۔ کہ عالم سے مراد عالم باعمل ہے۔ نہ کہ کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ یعنی چارپائے بر و کتابے چند میں اس مبحث کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک شعر پر ختم کرتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں۔

العلم اشرف شیئ نالہ رجل ... من لم یکن فیہ علم لم یکن رجلا

Marfat.com

تعلم العلم واعمل یا اخیّ بہ   فالعلم زین لمن بالعلم قد عملا

یعنی جو چیزیں انسان نے حاصل کی ہیں۔ اُن سب سے زیادہ شریف اور اعلیٰ علم ہے اور جس میں علم نہ ہو۔ وہ آدمی ہی نہیں۔ اے بھائی علم حاصل کر کے اُس پر عمل کر۔ کیونکہ علم اُسی کے لئے زینت ہے جس نے اپنے علم پر عمل بھی کیا۔ ورنہ ایک اندھا ہے جو ہاتھ میں چراغ رکھتا ہے۔ مگر اسے اُس سے کیا حاصل۔ کیونکہ العلم بلا عمل عقیم۔ والعمل بلا علم سقیم۔ والعلم بالعمل صراط مستقیم۔

پیران بے پیر کا آخری اعتراض اور جواب

اب سب سے آخری پیران بے پیر کا یہ اعتراض ہے کہ علم شریعت علم طریقت کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ ورنہ موسیٰ علیہ السلام جو ایک اولو العزم پیغمبر اور ماہر شریعت عالم تھے خواجہ خضر علیہ السلام کے پاس نہ بھیجے جاتے"۔

جواب: علم شریعت اور علم طریقت کی تفصیل کے متعلق پوری تفصیل کر چکا ہوں اور ثابت ہو چکا ہے کہ علم طریقت علم شریعت کی ایک شاخ ہے جس طرح شاخ اپنے وجود میں درخت کی محتاج ہوتی ہے اسی طرح طریقت اپنے وجود میں شریعت کی محتاج ہے اور محتاج الیہ کا درجہ محتاج سے بڑا ہوتا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ پھر موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس تکمیل تحصیل کے لئے کیوں بھیجے گئے؟

بات یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ نے نہایت پُر اثر اور اعلیٰ وعظ بیان فرمایا جس سے حاضرین پر بے انتہا اثر ہوا۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ یا حضرت کیا موجودہ زمانے میں آپ سے بھی کوئی بڑا عالم دنیا میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا انا اعلم کہ اس وقت مجھ سے بڑا اور کوئی عالم روئے زمین پر موجود نہیں۔ اگرچہ آپ کا دعویٰ حقیقت کے اعتبار سے بالکل سچا اور ٹھیک تھا کیونکہ آپ کے مقابل میں اس وقت اور کوئی ایسا

کتاب رسول موجود نہ تھا۔ ہارون علیہ السلام یا باختلاف روایات خضر علیہ السلام محض نبی اور شریعت موسوی کے متبع تھے۔ مگر چونکہ ظاہراً آپ کے الفاظ اور دعوے میں کبر کا شائبہ محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے تعلیم احتیاط کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے مخفی امور کو حضرت خضر علیہ السلام پر کھول دیا جن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہی نہ تھی۔ چنانچہ خود خضرؑ جب آخر میں اپنے کاموں کی تفصیل و تشریح حضرت موسیٰؑ سے بیان کرتے ہیں۔ تو صاف اقرار کرتے ہیں کہ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ کہ میں نے یہ کام اپنے اختیار سے نہیں کئے۔ بلکہ اللہ جل شانہٗ کے اذن اور اجازت سے یہ کام کئے ہیں۔ جس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ کو محض تعلیم احتیاط کے لئے خضر علیہ السلام پر چند پوشیدہ دنیوی امور کو ظاہر کر کے بھیجا گیا۔ اور حقیقت میں جس طرح طریقت شریعت سے کم مرتبہ ہے۔ اسی طرح اُن کے فروعات اور متعلقات بھی آپس میں وہی نسبت رکھتے ہیں۔ مگر جس طرح ایک تھیلی کی بند چیزوں کے متعلق ایک چھوٹے سے بچے کو معلوم ہو پھر ایک نہایت عالم فاضل اور قابل انسان سے تھیلی کی خفیہ چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے۔ اور وہ جب اُن کو نہ بتا سکے۔ تو پھر اس چھوٹے بچے سے اُن چیزوں کے متعلق سوال کر کے علم حاصل کیا جائے۔ تو کیا اب اس فاضل انسان کا درجہ اُس بچے سے کم ہو جائیگا۔ یا وہ بچہ اُن بتائی ہوئی چیزوں کے بتانے سے اُس عالم شخص سے زیادہ مقتدر بن جائیگا۔

ہاں اگر بہت کھینچا تانی کی جائے۔ تو زیادہ سے زیادہ جزوی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مگر فضیلت جزوی کے حصول سے فضیلت کُلی کیسے حاصل ہوگئی۔ اور فضیلت جزوی تو تمام انبیاء اور اولیاء میں رکھی گئی۔ مثلاً کسی کو کسی معجزہ سے نوازا تو کسی کو کسی سے کسی میں جمالی رنگ غالب کیا۔ تو کسی میں جلالی۔ کسی پر رقت طاری کی۔ تو کسی پہ خشونت۔ کوئی رحمۃ للعالمین ہے۔ تو کوئی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ

Marfat.com

دَیَّارًا ۔ کی شان رکھتا ہے جو میوہ بی بی مریم کو کھلایا گیا۔ وہ زکریا نے نہ چکھا۔ ابو البشر آدم پر وہ کچھ ظاہر کیا گیا۔ کہ وہ مسجود ملائک بنے۔ اور ملائکہ کرام سے اُسی کی بابت سوال ہوا۔ تو انہوں نے سُبْحَانَکَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلَّا عَلَّمْتَنَا کا عذر پیش کیا۔ حیوانات کو دیکھو چیونٹی ایسی قوت شامہ رکھتی ہے۔ کہ ہاتھی اور انسان تک نہیں رکھتا۔ سانپ وہ قوت مقناطیسی رکھتا ہے۔ کہ دوسرے حیوانات میں اُس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:۔

آنچہ حق آموخت مر زنبور را — آں نباشد شیر را و گور را
خانہ ہا سازد پُر از حلوائے تر — حق برو آں علم را بکشاد در
آنچہ حق آموخت کرم پیلہ را — ہیچ پیلے داند آں گوں حیلہ را

تو گویا فضیلت جزوی سے فضیلت کلی کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس تقریر کے سمجھ جانے سے یہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ کے اسے جاننے سے نہ تو طریقت کا تفاضل شریعت پر ثابت ہوتا ہے۔ اور نہ خضر علیہ السلام کا موسیٰ علیہ السلام پر۔

علم طریقت ہم مانتے ہیں۔ کہ نہایت دقیق علم ہے۔ مگر جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ علم شریعت تو علم طریقت کی اصل اور جڑ ہے۔ تو اس لحاظ سے علم شرع دقیق نہیں بلکہ ادق کہلایا جا سکتا ہے۔ اور دقیق تب ہی تک دقیق رہتا ہے۔ کہ جب تک اس پر دقت کا پردہ پڑا رہے۔ مگر جونہی کہ وہ کسی کو بتا دیا گیا۔ تو اب وہی دقیق اس بتائے ہوئے شخص کے حق میں ایک عام اور آسان بات ہو جاتی ہے۔ دیکھو اقلیدس کی شکلیں دیکھنے میں کیسی عجیب۔ باریک اور مشکل معلوم ہوتی ہیں۔ مگر جونہی استاد ان کو حل کر کے سمجھا دیتا ہے۔ تو وہی دقیق اشکال نہایت آسان اور سہل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو الفاظ کے استعمال کرنے کے طریقہ کے متعلق متنبہ کر دیا جائے۔ تو آپ نے چند دقیق رازوں کو خواجہ خضر علیہ السلام پر

Marfat.com

منکشف فرما کر اُن کی وقت اور عُسر کو دُور فرما دیا۔ مگر چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو اُن سے اطلاع نہ تھی۔ اس واسطے وہ وقت آپ کے حق میں قائم رہی جس کی وجہ سے آپ خواجہ خضر کے کاموں کو نہ سمجھ سکے اور پیچھے پڑ اعتراض فرمانا شروع کیا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلا کہ علم طریقت سب کا سب ایسا ہے۔ کہ عالم شریعت اُسے کسی طرح سمجھ ہی نہیں سکتا۔ علم طریقت تو علم شریعت ہی کی جزو ہے۔ تو شریعت کا عالم طریقت کا عالم کیسے نہ ہوگا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ طریقت کے بعض جزوی مکشوفات اللہ تعالیٰ ایک شخص پر کشف فرمائیں۔ مگر دوسرے کو ان اسرار سے ناواقف رکھا جائے۔ اس سے عالم شرع کے کمال میں کچھ نقص نہیں آتا۔ اور نہ ہی کیا ہُوا اعتراض پیدا ہو سکتا ہے جس طرح ایک کم علم والے کو یہ معلوم ہو کہ ورا کیسے پیچھے کیا ہے۔ مگر ایک عالم فاضل اُس سے بے خبر ہو۔ تو کیا محض اس ایک جزوی واقعہ کے جان لینے سے یہ شخص اُس فاضل سے افضل ٹھہرایا جائے گا۔

واقعہ مذکورہ سے جاہل پیروں کا غلط استنباط اور اسکی تغلیط

اس کے علاوہ ان جہال نے جو اس واقعہ سے مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ کہ مرید کو پیر کے خلاف شرع احکام اور افعال کی اتباع کرنی چاہئے۔ ورنہ نافرمانی کی صورت میں وہ مریدوں کے زمرہ میں رہنے کے قابل نہیں ہوتا ہے۔ بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ اول تو موسیٰ علیہ السلام کو اُن کے اولوالعزم اور برگزیدہ ہونے کا حال بذریعہ وحی معلوم ہو چکا تھا جس کی وجہ سے وہ اگر اُن کے خلاف شرع کاموں کو دیکھ کر چُپ بھی رہتے۔ تو گنجائش اور توسع تھی۔ مگر اس کے باوجود جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خواجہ خضر علیہ السلام کے کاموں کو اپنی شریعت کے مخالف پایا تو فوراً اعتراض کر دیا۔ اور باوجود سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا کے وعدہ کے

Marfat.com

چپ نہ رہ سکے۔ تو پھر کس طرح ان جہال کے خلاف شرع احکام میں اتباع کی جا سکتی ہے۔ ان کے تقویٰ تقدس اور بزرگی کے متعلق کوئی منصوص احکام تو ہیں نہیں کہ ان کے ذریعہ سے ان کو اولیاء و مقرب مان لیا جائے۔ بلکہ ان تقرب و تقدس کا ثبوت تو اتباع شرع سے ہوتا ہے۔ اور جب وہ خود شرع کی اتباع تو کیا کریں۔ دوسروں کو بھی خلاف شرع کاموں کی رغبت دلائیں۔ تو وہ بزرگ تو کیا انسان کی شکل میں گرگ ہیں۔ ایسے بے پیروں سے بُعد ہی اچھا ہے۔ ان کا قرب قرب جہنم ہے۔ اور ان کے فراق ہی میں وصال خداوندی کا راز مضمر ہے۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھائیے۔ جس طرح ایک انسان جب اپنے کسی دوست یا رشتہ دار سے ملاقات کرنی چاہتا ہے تو سب سے پہلے وہ اس سے ملنے کے اسباب کی توفیق پیدا کرتا ہے مثلاً اسباب سفر کرایہ زاد راہ اور دوسرے تمام وہ ضروریات جو اس کو اثنائے سفر یا بعد سفر کام آنے والی ہیں۔ ان سب کو حاصل کرتا ہے۔ جب یہ سب کچھ تیار ہو چکتا ہے۔ تو اس کے بعد سب سے مختصر اور چھوٹا راستہ تلاش کرتا ہے۔ ریلوے کا ٹائم ٹیبل لیتا ہے۔ اور مقابلہ کر کے دیکھتا ہے کہ کونسی گاڑی مجھے منزل مقصود پر جلدی پہنچائیگی۔ اسی طرح جب انسان نے دربار ربی میں حاضر ہو کر اپنے عبد اور غلام ہونے کا اقرار کیا۔ تو اب اس تعلق کی بنا پر وہ اپنے معبود و مسجود کو ملنے کا ملتجی ہوا۔ مگر ملنے میں اسباب کا مہیا کرنا یا سفر کی ضروریات کا پورا کرنا اس کی طاقت سے باہر تھا۔ اس واسطے اس نے صراحت کے ساتھ اپنی عاجزی کا اقرار کر کے اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہا یعنی اے معبود میں آپ کی اعانت اور امداد کا محتاج ہوں۔ آپ کی رحمت و رافت اور آپ کا انعام و اکرام شامل حال ہو۔ تو باریابی کی نعمت سے مشرف ہو سکتا ہوں۔ جب مصلی یہ سب کچھ کہہ چکا۔ تو گویا باریابی کے اسباب اسے عطا کر دیئے گئے۔ دل کو خطرات و وساوس سے خالی کر دیا گیا خضوع و خشوع نے قلب کو انوار الٰہیہ

Marfat.com

کا مور دبنا لیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے دُنیا و ما فیہا سے بے خبر ہو کر عاشقانہ اور والہانہ عہد و پیمان میں ایسا مصروف ہو گیا۔ کہ حقیقت میں اسباب ملاقات پیدا کر دیئے گئے اب اسباب ملاقات کے پیدا ہو جانے کے بعد اسے چھوٹے مختصر اور پُر امن رستہ کی ضرورت ہوئی۔ اس واسطے حصُول اسباب اور امداد کی التجا کے بعد راہ راست اور صراط مستقیم کی تمنّا کرتا ہے۔

الحمد للہ رب العلمین سے مالک یوم الدین تک تو مصلی نے مالک الملک اور خالق الکل کی تعریف اور القاب کو بیان کیا۔ ایاک نعبد اور ایاک نستعین میں اپنے تعلق اپنی عاجزی۔ اپنی بے کسی و بے بسی کا اظہار کیا۔ کہ اے رب ہم تیرے بندے ہیں تیرے محتاج ہیں۔ تجھ سے ملنے اور واصل بالحق ہونے کے لئے آرزو مند ہیں۔ لہذا آپ ہمیں اب چھوٹے سے چھوٹا رستہ اپنی طرف آنے کا بتا دیجئے۔ تاکہ ہم تھوڑی مُدت میں تھوڑی ریاضت اور عبادت کے ساتھ آپ کے انوار حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں۔

توفیق کے بعد منزل مقصود کو جانے کے رستے تو بہت ہیں۔ مگر بعض اس قدر ٹیڑھے اور پُر خطر کہ مسافر ان کی بھول بھلیوں میں پھنس کر شاذ و نادر ہی منزل مقصود کو پہنچتا ہے۔ رستہ میں ہی یا تو کسی شیر چیتے کا شکار ہو جاتا ہے۔ یا رستے کی صعوبتیں اور تکالیف بھوک اور پیاس وغیرہ اُس کی تباہی کا باعث بن جاتی ہیں جس طرح دو نقطوں کے درمیان سیدھا خط ایک ہی ہوتا ہے اسی طرح عبد و معبود کے دو نقطوں کو ملانے والا خط بھی ایک ہی ہے۔ اور وہ خط اسلام ہے۔ جیسے قرآن پاک خود ایک جگہ وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا کے الفاظ میں ظاہر فرماتا ہے۔ اور دوسری جگہ وَھٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسْتَقِیْمًا سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر رستے ہیں۔ سب کے سب ٹیڑھے اور خطرناک ہیں۔ اُن پر چلنے والے عبد کا معبود تک پہنچنا

Marfat.com

نہایت ہی مشکل ہے۔ کیونکہ وہ رستے کے پیچ پاچ اور بھول بھلیوں ہیں ہی اپنی عزیز عمر کو کھو دیتا ہے۔

اسلام سب انبیا کا دین تھا

اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ پھر تو حضورؐ سے پہلے کے لوگ کبھی بھی واصل باللہ نہ ہوئے ہونگے کیونکہ اسلام کچھ حضور کا نیا لایا ہوا دین نہیں۔ بلکہ اسلام تو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی دنیا میں آیا۔ ہاں ہر نبی کی شریعت ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف رہی۔ مگر جس طرح ایک بچے کو پیدائش کے وقت ایک قسم کے کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو مراہق ہوتے وقت اور قسم کی پھر جب بالغ ہو جاتا ہے۔ تو وہ کپڑے بھی بیکار ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کے قد و قامت موسم اور مقام کو مدِ نظر رکھ کر اور سلا کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اقوام کے بدلنے اور زمانہ کے گزرنے۔ اور لوگوں کے جسموں عقلوں اور گرد و پیش میں فرق ہونے کی وجہ سے شریعتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ مگر جس طرح کپڑوں کے بدلنے کے باوجود شخص طفولیت سے لے کر کہولیت تک اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور وہی ہوتا ہے۔ اسی طرح اسلام باوجود شریعتوں کے چولے بدلنے کے وہی اسلام ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو رب العزت نے دے کر نبوت کے مرتبہ سے سرفراز فرمایا تھا۔

شریعت اور دین کا فرق

یاد رکھئے کہ دین اور شریعت میں بڑا فرق ہے۔ اور لوگ اسی فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس قسم کے شکوک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دین موسوی اور عیسوی دین محمدی سے الگ تھا لیکن یہ ان کی غلطی ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک سب پیغمبروں کا دین ایک ہی رہا۔

Marfat.com

دین۔ دین لغت میں کہتے ہیں اطاعت اور فرمانبرداری کو یعنی دین یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کی فرمانبرداری اور اطاعت کی جائے۔ اور اس کے احکام پر سر تسلیم کو رکھ دیا جائے۔ اطاعت کو عربی میں اسلام بھی کہتے ہیں۔ یعنی اسلام کے معنی قوانین الٰہیہ کا تسلیم کرنا اور اُن کے سامنے سر کو جھکا دینا ہے۔ تو گویا دین اور اسلام کے الفاظ ہم معنی یا مترادف ہیں۔ دین اسلام ہے اور اسلام دین ہے۔ اسی حقیقت کو قرآن پاک نے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ میں بیان فرمایا ہے۔ یعنی اللہ جل شانہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ کیونکہ دین کا مفہوم و مطلوب اسلام میں ہی پورا ہوتا ہے۔

شریعت:۔ اب رہی شریعت۔ شریعت کہتے ہیں طریقے اور رستے کو یعنی دین کے مقتضیات پر عمل کرنے کا رستہ۔ مثلاً اللہ کی اطاعت دین ہے۔ اس اطاعت کرنے کے طریقے کا نام شریعت ہے۔ رسولوں کی فرمانبرداری دین ہے۔ اُن کی فرمانبرداری کرنے کا طریقہ شریعت ہے۔ تو گویا دین تو مقصد کا نام ہے۔ مگر حصول مقصد کے طریقوں کا نام شریعت ہے۔ اب اس کے بعد معلوم ہو۔ کہ ازل سے ابد تک مقصد ایک ہی رہا اور رہیگا یعنی اطاعت۔ ہاں اُس مقصد کے حاصل کرنے کے طریقے بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً جیسے پچاس شخصوں کو حج کرنے کے لیے جانا ہو۔ اب یہ سب اشخاص مقصد میں تو متحد ہیں کیونکہ سب کا مقصد تو حج کرنا ہے۔ مگر ایک حج کے لئے بادبانی جہاز پر جاتا ہے۔ دوسرا دُخانی پر۔ تیسرا فضائی پر۔ چوتھا پیدل۔ پانچواں موٹر میں۔ چھٹا گھوڑا گاڑی میں۔ اب دیکھیے یہ اشخاص باوجود اتحاد مقصد کے حصول مقصد کے طریقوں میں ایک دوسرے سے الگ ہیں اسی طرح دین کے لحاظ سے سب انبیاء ایک اور متحد تھے۔ لیکن شریعت یا دین پر عمل کرنے کے طریقوں میں وہ آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہوا کرتے تھے۔ ہاں اس سے آپ اعتراض کر سکتے ہیں۔ کہ پھر تو شریعت محمدی کی ضرورت ہی نہیں رہتی خواہ شریعت موسوی پر عمل کیا جائے یا عیسوی پر۔ بہر حال نتیجہ کے لحاظ سے سب برابر ہیں لیکن

Marfat.com

اگر یہ اعتراض پیدا ہو تو تکلفتہ تدبیر سے پیدا ہوگا۔ کیونکہ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جو بادشاہ بھی برسرِ اقتدار آتا ہے وہ اپنی رعیت میں امن و امان قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے اب سب بادشاہ مقصد امن میں تو متحد ہوتے ہیں مگر امن کے قائم کرنے کے طریقوں میں وہ آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں کیونکہ قیام امن کے قوانین قوم کے حالات اور ضروریات پر موقوف ہوتے ہیں ایک قوم وحشی اور جنگلی ہو تو اس میں امن اور طریق سے قائم کیا جائیگا ایک قوم متمدن اور مہذب ہو تو اس میں امن اور طریق سے قائم کیا جائیگا کسی جگہ پر سخت ضابطے کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی جگہ پر نرم کی کسی جگہ ترغیب سے کام نکلتا ہے تو کسی جگہ ترہیب سے اب ایک شخص بادشاہِ وقت کے مروجہ قانون سے انحراف کرے اور کہے کہ مقصد تو امن رکھنا ہے خواہ وہ اس بادشاہ کے قانون کی اتباع سے حاصل ہو یا دوسرے بادشاہ کے قانون کی اتباع سے اس سے تم کو کیا غرض کار سے نہیں تو صرف حصول نتیجہ کی غرض ہے اور میں نے کیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس کی یہ حجت قانون کی خلاف ورزی کرنے سے اسے سزا سے بچا سکے گی نہیں بلکہ اس کی دلیل کا جواب پولیس کے ڈنڈے اور حوالات کی کال کوٹھری کی صورت میں دیا جائے گا اسی طرح جب پہلی روحانی سلطنتیں اور شریعتیں منسوخ ہو کر آقائے نامدار سرکار کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی سلطنت آگئی تو آپ کو بھی بذریعہ وحی قوم کے علم و عقل ان کی ضروریات و حالات کے مطابق مجموعہ قانون دیا گیا۔ تو اب اس قانون کا انحراف اور اس کے زمانہ سلطنت میں دوسرے منسوخ شدہ قوانین کا اتباع کس طرح ذریعہ نجات قرار دیا جائیگا اور دین کے طریق قبول کو نظرانداز کر کے دین کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا دین نہیں بلکہ بے دینی ہوگی

حضور کی نبوت تمام عالم کے لئے ہے

اس کے علاوہ پہلے روحانی بادشاہوں کی سلطنت ایک محدود وقت اور مخصوص قوم

Marfat.com

کے لئے ہوا کرتی تھی جس کی وجہ سے اس معین وقت کے گزرنے پر دوسرا بادشاہ اپنے ساتھ جدید ضابطہ لایا کرتا تھا مثلاً قرآن پاک میں آتا ہے اِذَا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ یعنی بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کیطرف روانہ کیا اور ہود علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا اسی طرح قوم ثمود کیطرف وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا فرمایا جا رہا ہے مگر حضور پر نور حضرت محمد رسول اللہ کو تمام جن و انس بلکہ کل کائنات کیطرف رسول بنا کر بھیجا گیا۔ تو پھر آپ کے زمانہ سلطنت میں دوسرے محدود و معدود طاقتوں والے روحانی بادشاہوں کے قوانین پر کسطرح عمل کیا جا سکتا ہے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا یعنی ہم نے آپکو تمام انسانوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا دوسری جگہ آتا ہے قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا یعنی اے حبیب آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف خدا کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں

حضور پر جنات کا ایمان لانا

انسان تو کیا جنات بھی آپ پر ایمان لا کر بے ساختہ پکار اٹھے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کیطرف ہدایت کرتا ہے پس ہم اس پر ایمان لائے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرینگے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ جب حضور اسلام کی تبلیغ کیلئے میلہ عکاظ میں تشریف لیجا رہے تھے تو مقام نخلہ پر آپنے رات گذارنے کیلئے قیام فرمایا صبح کیوقت جب حضور اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھانے کیلئے کھڑے ہوئے اور سورت نبوی میں جب قرآن پاک کو جہر سے پڑھنا شروع کیا تو کائنات کا ذرہ ذرہ تک وجد میں آ گیا صبح کا سہانا وقت تنہائی خاموشی کی حالت حضور سرور عالم کی قرأت اللہ جلشانہ کے ساتھ بالمشافہ راز و نیاز کرا چانک ایک

Marfat.com

جنوں کی جماعت جو تہامہ کو جارہی تھی۔ اس مقام سے گزری قرآن کی آواز کان کے کانوں میں پہنچا تھا کہ پکار اٹھے اٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا

جنات کے حاضر دربار ہونے کا دوسرا واقعہ

اور مسند ابن حنبل میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبان مبارک سے ایک اور واقعہ منقول ہے وہ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دن حضور مکہ معظمہ میں رفقاء کے ساتھ باتوں میں مشغول تھے کہ اچانک آپ نے فرمایا کہ کون ہے جو میرے ساتھ جائیگا۔ لیکن جانے والا مضبوط دل کا ہونا چاہیئے چنانچہ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوا۔ جب ہم مکہ معظمہ سے بالکل باہر آگئے۔ تو میں نے چند ایک پرچھائے دیکھے حضورؐ نے مجھے ایک جگہ کھڑا کر کے میرے گرد خط کھینچ دیا۔ اور فرمایا۔ اے عبداللہ تو اس سے باہر بالکل نہ نکلنا اس کے بعد حضور ذرا آگے تشریف لے گئے اور وہ پرچھائے بھی آپ کے پیچھے پیچھے تھے تھوڑی دور جا کر حضور بیٹھے اور ان کے ساتھ دیر تک باتیں کرتے رہے میں صرف آدمیوں کی آواز سنتا تھا مگر سوائے پرچھائیوں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ چنانچہ بہت دیر کے بعد جب حضور واپس آئے اور وضو فرمایا۔ تو میں نے عرض کی کہ حضور یہ کون لوگ تھے آپ نے فرمایا کہ یہ شہر نصیبین کے چند جنات تھے اپنے قبیلے کے کچھ معاملات فیصلہ کروانے کیلئے لائے تھے اور مجھ سے انہوں نے کچھ تحفہ بھی مانگا تو میں نے دے دیا میں نے عرض کی حضور آپ کے پاس کچھ توشہ نہ تھا پھر آپ نے انہیں کیا عنایت فرمایا۔ فرمانے لگے اے عبداللہ میں نے انہیں گوبر اور ہڈی بطور توشہ دیا ہے کہ یہ انکی اور انکے چوپایوں کیلئے خوراک ہوگی

گوبر اور ہڈی سے استنجا کرنے کی کیوں ممانعت ہے

اسواسطے حضورؐ نے فرمایا لَا تَسْتَنْجُوْا بِالرَّوْثِ وَالْعِظَامِ فَاِنَّهٗ زَادُ اِخْوَانِكُمْ مِنَ

Marfat.com

لید، لیدی، گوبر اور ہڈی سے استنجا نہ کیا کرو کیونکہ وہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے
انسان اور جنات ہی نے آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لایا بلکہ آپ کو تو
وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کی بشارت دے کر مبعوث کیا گیا۔ عالمین جمع
ہے عالم کی۔ اور عالم جس طرح ماسوی اللہ کو کہا جاتا ہے اسی طرح اس کا اطلاق
مخلوق کی ہر ہر قسم پر ہوتا ہے مثلاً عالم جمادات۔ عالم نباتات۔ عالم انس اور عالم
جن وغیرہ تو گویا اس طرح واضح کر دیا گیا ہے کہ آپ انبیائے سابقہ کی طرح کسی خاص
قوم، فرقہ یا ملک کیلئے نہیں بھیجے گئے بلکہ آپ کو تمام عالموں یا بالفاظ دیگر تمام
موجودات و مخلوقات کیلئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اسی لئے آپ کی رسالت
پر حیوانات و انسان و شجر و تمام مخلوقات کی ہر ہر نوع نے گواہی دی ہے کہ آپ
اللہ کے سچے اور برگزیدہ رسول ہیں۔

عالم کی دو قسمیں

مثلاً اگر آپ دنیا میں غور کریں تو آپ کو سب سے پہلے عالم کی دو قسمیں نظر آئیں گی ایک
عالم مجردات، دوسرے عالم مادیات۔ عالم مجردات تو وہ عالم ہے کہ جس کی چیزیں اس
جسم عنصری سے پاک ہوتی ہیں اور بوجہ لطافت کے ہمیں نظر نہیں آتیں مثلاً فرشتے
اور ارواح وغیرہ اور عالم مادیات وہ عالم ہے کہ جس کی چیزیں جسم عنصری رکھتی ہیں
مگر ان کے جسم عنصری میں کثافت کی کمی و زیادتی کا فرق ظاہر ہوتا ہے جو زیادہ کثیف
ہوتی ہے وہ ہمیں نظر آتی ہے اور جو کم ہو وہ اپنی لطافت کے سبب سے ہمیں کم یا بالکل نظر نہیں
آتی۔ اسکے بعد عالم مادی کی دو قسمیں ہیں۔ علوی اور سفلی۔ علوی وہ ہے جو آسمانوں
سے تعلق رکھے اور سفلی وہ ہے جو زمین سے متعلق ہو۔ علوی کی مثال جیسے
چاند، سورج، ستارے وغیرہ۔ اور سفلی پھر اپنی جگہ تین قسم ہے۔ عالم جمادات۔ عالم

Marfat.com

نباتات اور عالم حیوانات اور پھر ان میں سے ہر ایک عالم کی اپنی اپنی جگہ پر ہزاروں قسمیں ہیں مگر میں ان موٹی موٹی قسموں کو لے کر صحیح روایات سے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ حضورؐ کو جو رحمۃ للعالمین اور تمام موجودات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے یہ دعوے واقعات کے ساتھ کہاں تک مطابق ہے اسلئے ہر ہر نوع سے جو بجائے خود ایک جنس ہے ایک ایک فرد کے متعلق مختصر اً بروایات صحیحہ یہ ثابت کر دینا کہ اُسنے حضور سرورِ عالم کی نبوت پر شہادت دی ہے تمام نوع کی طرف سے دعویٰ کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیتا ہے ہاں اگر کسی کو تفصیل کا شوق ہو تو وہ اس فن کی مطول و مفصل کتابوں کو دیکھ کر اپنی تسکین کر سکتا ہے۔

ملائکہ کا حضورؐ پر ایمان لانا

اب سب سے پہلے لیجئے عالم تجرد کو جس کے انواع ملائکہ اور ارواح وغیرہ بیان ہوئے ملائکہ کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی جو جبرئیل کا دشمن ہو تو ہو وہی تو اے پیغمبر تیرے دل پر باذن الٰہی نازل کرتا ہے یعنی جبرئیل جو نہایت معتمد فرشتے ہیں وہ آپ پر وحی رسالت لے کر اُترتے ہیں اور احکام تبلیغ وغیرہ پہنچاتے ہیں تو گویا دوسرے لفظوں میں وہ خود حضورؐ کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں اور آپ کے منجانب اللہ رسول ہونے کو تسلیم کرتے ہیں

معجزہ شق القمر

اب عالم مادیات سے عالم علوی یا سماوی کو لیجئے کون شق القمر کے معجزہ سے ناواقف ہو گا قرآن پاک بآنگ دہل بیان فرماتا ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ یعنی قیامت قریب آگئی اور چاند

Marfat.com

پھٹ گیا اور اگر یہ کافر کوئی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے طاقتور اور انہوں نے نبی کو جھٹلایا۔ اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام اپنے وقت پر قرار پکڑنے والا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ ہجرت سے قبل ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ کفار قریش نے جمع ہو کر حضورؐ سے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں۔ تو اپنی نبوت کو ثابت کرنے کیلئے چاند کے دو ٹکڑے کر دیجئے اگر آپ ایسا کر دیں گے تو ہم آپ کو سچا رسول سمجھ کر ضرور ایمان لے آئینگے چنانچہ حضورؐ نے دربار ربی میں دعا کی اور چاند کیطرف انگلی مبارک سے اشارہ فرمایا چاند خدا کے حکم سے شق ہو گیا۔ آپ نے سب لوگوں کو پکار کر فرمایا کہ اے لوگو میرے دعویٰ کی صداقت کے گواہ رہو دیکھو چاند بھی میرے رسالت کی شہادت دے رہا ہے اس پر ہٹ دھرم کفار نے کہا کہ یہ تو جادو ہے مسلمانوں نے کہا کہ اگر یہ جادو ہے تو اس کا اثر تم ہی پر ہونا چاہئے نہ کہ غائب لوگوں پہ اسلئے کل آنیوالے قافلوں سے اسکے متعلق پوچھو اگر وہ اس کی تصدیق کریں تو تمہیں بھی چاہئے کہ اس ہٹ دھرمی اور تکذیب کو چھوڑ دو اور اگر وہ انکار کریں تو تم سمجھ لینا کہ واقعی تم پر جادو کیا گیا ہے چنانچہ جب دوسرے دن باہر سے آنیوالے لوگوں سے انشقاق قمر کے متعلق پوچھا گیا کہ ایک نہیں سینکڑوں نے اپنی آنکھوں سے چاند کے دو ٹکڑے ہونے ہوئے دیکھنے کے واقعہ کو دہرایا۔ مگر اس پر بھی ان کم نصیبوں کے دلوں سے کفر کی مہر نہ ٹوٹی چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ

بعض عقل پرست اور نئی روشنی کے نابینوں نے اس وقوعہ پر طرح طرح کے اعتراض کئے ہیں اور اگرچہ ان کے جواب کیلئے قرآن پاک کی وہی آیت کافی ہے جو اسوقت کے منکرین کے جواب میں نازل کیگئی مگر پھر بھی میں ان کے اعتراض کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کرکے ان کا جواب دے دیتا ہوں تاکہ سامعین میں سے بھی اگر کسی کے دل میں کچھ شک و شبہ

Marfat.com

ہو تو اس کا پورا پورا ازالہ ہو جائے۔

شق قمر کے معجزات پر اعتراضات اور انکے جوابات

(۱) اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ کی آیت میں انشقاق قمر کا واقعہ قرب قیامت میں ہونا معلوم ہوتا ہے کیونکہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا لہٰذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ وقوعہ حضور کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔

(۲) اجرام فلکیہ میں خرق التیام اور شکست و ریخت محال ہے اسلئے چاند جو اجرام فلکیہ کا ایک مقتدر فرد ہے اس کا انشقاق بھی محال ہے۔

(۳) اگر یہ معجزہ واقعہ ہو چکا ہوتا تو ایسے عجیب و غریب وقوعہ کو صرف اہل مکہ ہی نہ دیکھتے بلکہ تمام دنیا دیکھتی اور پھر اس کا ذکر دنیا کی تمام تاریخوں میں پایا جاتا کیونکہ مورخین ایسے نادر اور عجیب واقعہ کو کس طرح نظر انداز کر سکتے تھے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ملک کے کسی مورخ نے بھی اس واقعہ کو بیان نہ کیا۔ ہاں اگر کچھ ملتا ہے تو عربوں کی ضعیف و رکیک روایات ہیں۔

(۴) علم ہیئت اور نجوم کی رو سے یہ اس قدر حیرت انگیز واقعہ ہے کہ علم ہیئت کا کوئی ماہر بھی اسے بغیر ذکر کیے ہوئے نہ چھوڑتا اور پھر وہ اپنے ذہن کے مطابق اس کے اسباب و علل پر کچھ نہ کچھ رائے زنی کر کے اس واقعہ کے ظہور کا ثبوت چھوڑ جاتا مگر دنیا کے لاکھوں علمائے نجوم و ہیئت کی لکھی ہوئی کتابوں میں اس واقعہ کی طرف اشارۃً تک نہیں پایا جاتا

اس کے سوا اور بھی کئی ایک اعتراض ہیں جو انہی چار اعتراضوں کے جواب میں حل ہو جاتے ہیں اسواسطے ان کے بالاستقلال بیان کی کچھ ضرورت محسوس نہیں ہوتی اب اس کے بعد میں ان اعتراضات کا جواب نہایت ہی اختصار کے ساتھ عرض کرتا ہوں کیونکہ اگر ان کا جواب پوری تفصیل سے دیا جائے تو خواہ مخواہ کلام کے غیر مرتبط مقام پر لمبا ہو جانے کا خوف ہے

Marfat.com

ورنہ علمائے کرام نے ان سب اعتراضوں کے ایسے دندان شکن مفصل اور مسکت جواب دیئے ہیں کہ انکی روشنی میں انشقاق قمر کے معجزہ کو جھٹلانا گویا روز روشن میں آفتاب کے وجود کا انکار کرنا ہے

جواب اعتراض اول: سب سے پہلے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ مناسبت آیت کی رو سے یہاں قیامت کے متعلق بیان ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن ایسی صورت میں پھر یہ بھی تو خیال کرنا چاہیے کہ اِنشَقَّ ماضی کا صیغہ ہے اگر یہاں واقعہ قیامت کے متعلق ہو تو پھر اس اِنشَقَّ کے معنی بغیر ضرورت و قرینہ کے مستقبل کے لینے پڑیں گے کیونکہ پھر معنی ہونگے چاند پھٹ گیا کے چاند پھٹ جائیگا کرنے پڑینگے مگر مستقبل کے معنی کو پچھلی آیتیں غلط قرار دے رہی ہیں کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَۃً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ یعنی اگر یہ کافر کوئی بھی نشان دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طاقتور جادو ہے۔ اب اگر یہ انشقاق قیامت کے وقت ہوتا تو پھر قیامت کے آجانے کے بعد کفار کا اسے جادو ٹھہرانا اس سے اعراض کرنا اور اسکی تکذیب کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا اللہ تعالیٰ تو سورہ انعام کے چوتھے رکوع میں فرماتے ہیں قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰہِ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْھُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْھَا تحقیق وہ لوگ نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ جب ان پر قیامت اچانک آجائے گی تو کہینگے ہائے افسوس ہمارے حال پر کہ ہم نے اس کے ماننے میں کمی کی یعنی جب کفار قیامت کے وقوع کو دیکھ لیں گے تو اس وقت انکی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ جو انبیاء علیہم السلام کے اقوال کو لغوئے نادانی اور قیام قیامت کے متعلق نہیں مانا کرتے تھے کف افسوس ملکر اپنے اعمال و انکار پر سر پیٹیں گے تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ قیامت کے متعلق نہیں ورنہ پچھلی آیتوں میں ان کا انکار اور قیامت کو دیکھتے ہوئے جادو کہنا قرآن پاک کی دوسری آیات کے مناقض ٹھہرتا ہے اور پھر وَکَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْۤا اَھْوَآءَھُمْ وَکُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ کی رو سے

Marfat.com

تکذیب قیامت ۔ اتباع خواہشات اور امر مستقر بھی بالکل غیر مربوط ہو جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں کسی گزشتہ واقعے کا بیان ہو رہا ہے اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ کا مطلب یہ ہے کہ اس معجزہ شق القمر کا وقت آ گیا اور اسی کی طرف کفار کے انحراف و اعراض کو بیان کرکے فرمایا ہے وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ کہ ہر ایک کام اپنے وقت پر قرار پاتا ہے اور وہ اپنے موعود وقت سے آگے پیچھے نہیں ہوا کرتا تو گویا شق القمر کے معجزے کے ظہور کا وقت آ گیا، وہ معجزہ جس کے متعلق تخلیق کائنات سے اول لوح محفوظ میں درج کر دیا گیا تھا۔ کہ یوں ہمارا حبیب لبیب عرب کے ملک میں مبعوث ہوگا ۔ یوں کفار نا ہنجار ہٹ دھرمی کرینگے اور آخر کار یوں ان کے مطالبہ پر شق قمر کا معجزہ دکھایا جائیگا تو گویا اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اس ساعت موعودہ کے اقتراب کو بیان کر رہی ہے نہ کہ قیامت کو

السّاعۃ کے لفظ پر ایک شبہ اور اُس کا ازالہ

ہاں اس سے پڑھے لکھے لوگوں کے دل میں ضرور یہ خیال پیدا ہوگا اور جیسا کہ بعض تفاسیر میں لکھا بھی ہے کہ قرآن پاک نے جہاں کہیں بھی السّاعۃ کا لفظ استعمال فرمایا ہے وہاں اس سے مراد قیامت ہے اور جہاں پر صرف وقت کا اظہار فرمایا ہے تو اسجگہ ساعۃ بغیر الف لام کے استعمال کیا ہے جیسے لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو اَلسَّاعَةُ اور سَاعَةٌ ایک ہی لفظ ہے مگر ساعۃ نکرہ اور عام ہے اور اَلسَّاعَةُ معرفہ اور خاص ہے جب بھی کوئی معہود یا مقرر گھڑی یعنی مطلوب ہوگی تو ساعۃ کو معرف باللام کرکے السّاعۃ بولینگے اب اس سے آخری معہود ساعۃ مراد ہو جیسے قیامت کہتے ہیں یا اس سے پہلے کی کوئی معہود و مقرر گھڑی چنانچہ السّاعۃ کا استعمال خود حضور نے حدیث پاک میں غیر قیامت کیلئے فرمایا ہے امام راغبؒ نے بھی ساعۃ کی تشریح فرماتے ہوئے

Marfat.com

اس حدیث کو اپنی مفردات میں سند اپیش کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں انہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اُنَيْسٍ فَقَالَ اِنْ يَطُلْ عُمْرُ هٰذَا الْغُلَامِ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ فَقِيْلَ اِنَّهٗ اٰخِرُ مَنْ مَاتَ مِنَ الصَّحَابَةِ تو گویا یہاں الساعۃ فرما کر قیامت مراد نہیں لی۔ بلکہ اقران کی موت کو الساعۃ سے تعبیر فرمایا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ الساعۃ کو قیامت کے معنوں میں خاص کر دینا ٹھیک نہیں۔

اور اگر اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ سے مراد قیامت کا قرب ہی لیا جائے تو بھی انشقاق قمر کے وقوعہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا ہے بعثت انا والساعۃ کھاتین وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى یعنی میں اور قیامت کا آنا مثل ان دو انگلیوں کے ہیں اور آپ نے کلمے اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا یعنی جس طرح انگشت سبابہ اور وسطیٰ میں اتصال اور قرب ہے اسی طرح قیامت کا آنا میرے بعد بالکل قریب ہوگا تو جب حضورؐ کی آمد سے قیامت کا آنا متصل اور قریب ہے۔ تو پھر انشقاق قمر کے ساتھ قیامت کا قرب کیسے نہ ہوگا۔ اور قیامت کے ذکر کو اول بیان کر کے پھر شق قمر کے متعلق بیان فرمانے سے مطلب یہ ہے۔ کہ معجزات اور خوارق ایمان لانے کے لئے رغبت دیتے ہیں۔ اور ایمان ہی قیامت کے دن نجات کا باعث ہوگا۔ تو گویا بتایا جا رہا ہے۔ کہ قیامت قریب ہے۔ معجزہ شق القمر کو دیکھ کر ایمان لے آؤ۔ تاکہ اس ہولناک دن میں تمہاری نجات کا باعث بن سکے۔ غرضیکہ معجزہ کی غرض و غایت اور اس کے اہتمام شان کیلئے قیامت کو بیان کر کے اس کے بعد اسے لایا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ تحقق وقوع کے لحاظ سے قرب مراد لیا گیا ہو کیونکہ جس چیز کا وقوع اٹل ہو اگرچہ وہ حالاً بعید ہو مگر مآلاً قریب ہوا کرتی ہے۔

جواب اعتراض دوم و۔ اجرام فلکی میں خرق والتیام کا نہ ماننا فلاسفہ قدیم کا مذہب ہے اور وہ بھی صرف ادعائی رنگ میں۔ آج تک اس عقیدہ کے متعلق کوئی وقیع دلیل

Marfat.com

نہ پیش کی جا سکی۔ بلکہ اس کے برعکس مشکلین نے نہایت شستگی اور پختگی سے اجرام سماویہ میں شکست و ریخت کا ممکن کیا واقع ہونا ثابت کیا ہے۔ اور آج جب کہ دنیا سائنس اور علوم جدیدہ کی روشنی میں کہاں سے کہاں چلی گئی ہے اور رات دن فلکیات تبادلہ کے تصادم اور ٹوٹنے کو عیاناً دیکھ رہی ہے۔ اس وقت ایسا اعتقاد رکھنا یا اس قسم کی بحث چھیڑنا ہی غلطی ہے اور تو چھوڑیئے آج بڑے بڑے ماہرین سائنس اس بات پر آ رہے ہیں کہ ابتدا میں زمین اور آسمان آپس میں متصل تھے۔ مگر بعد میں تصادم یا اور کسی وجہ سے زمین آسمان سے شق ہو کر پھٹ گئی اور قرآن پاک نے تو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر فرما دیا ہے اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا کہ زمین اور آسمان باہم پیوستہ تھے۔ پھر ہم نے ان دونوں کو جدا کر دیا۔ اس سے زیادہ قرآن پاک کی سچائی اور حضور کی صداقت کی دلیل کیا ہوگی کہ وہ بات جس پر آج دنیا کے عقلاء نہایت سر ماری اور غور و خوض کے بعد پہنچ رہے ہیں۔ وہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر خدا کی منزل کتاب قرآن پاک حضور پر نور کے مبارک ہونٹوں سے اعلان کروا چکی ہے

جواب اعتراض سوم۔ مورخین کا کسی واقعہ کو نہ لکھنا اس کے کذب کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ لاکھوں بلکہ کروڑوں ایسے ایسے عظیم الشان وقوعے دنیا میں ہوئے ہیں کہ جنکو اسی ملک کے مورخین نے نقل کیا مگر دوسرے ملکوں کی تاریخوں میں ان کا نام و نشان تک نہیں تو کیا وہ سب کے سب واقعات محض اسلئے کہ دوسرے ممالک کے لوگوں نے اسے نقل نہیں کیا جھوٹے قرار دئے جائینگے اگر ایسا ہو تو پھر تو ہندوؤں کی مہابھارت کا انکار کیا جا سکتا ہے حضرت عیسیٰ کے تمام واقعات زندگی کو جھٹلایا جا سکتا ہے کیونکہ ان کا حال دنیا کی سب تاریخوں میں نہیں ملتا۔

اس کے علاوہ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں سے صرف عرب ہی کے بعض مؤرخین نے اسے نقل کیا ہے اور دوسرے ممالک کے مورخین نے اس کا کہیں ذکر تک نہیں کیا کیونکہ ہندوستان

Marfat.com

کی تاریخ فرشتہ میں صاف تحریر ہے کہ ملیبار کے ایک راجہ نے مسلمانوں سے معجزۂ شق القمر کے متعلق سن کر اپنے پنڈتوں اور برہمنوں سے اس واقعہ کو حضورؐ کی ہم زمانہ کتابوں میں ڈھونڈنے کا حکم دیا چنانچہ تلاش کے بعد جب پنڈتوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔ تو وہ راجہ مسلمان ہوگیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ پرانی کتابوں میں بھی ضرور درج تھا مگر عدم طباعت اور فقدانِ وسائل کے باعث اس کی کماحقہ شہرت نہ ہوسکی۔

اسی طرح دریائے چنبل کے کنارے ایک شہر دھار نامی تھا۔ جس کے راجہ کا نام بھوج تھا۔ ایک رات اس نے دیکھا کہ چاند شق ہوگیا ہے اس سے اسکو بڑا تعجب لاحق ہوا چنانچہ فوراً اپنے علماء کو بلوا کر ان سے اس معاملہ کی تحقیق کروائی۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ ہم کو کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک نبی کا معجزہ ہوگا اور وہ نبی عرب میں پیدا ہوگا۔ چنانچہ راجہ بھوج کو اس بات کی تفتیش سے اور زیادہ شوق پیدا ہوا جس سے اس نے چند شخصوں کو ملک عرب کی طرف تحقیق حال کیلئے بھیجا ان میں سے ایک قاصد واپس آیا اور اس نے آکر بیان کیا کہ واقعی عرب میں ایک شخص محمدؐ نامی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور یہ معجزۂ شق القمر اس نے منکرین کے مطالبہ پر دکھایا ہے یہ سن کر راجہ بھوج مسلمان ہوگیا اس کے علاوہ عرب اور شام کے دوسرے معتبر اشخاص کی تاریخی گواہیاں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں

بالفرض اگر یہ بھی مان لیا جائے۔ کہ دنیا کے کسی دوسرے مورخ نے اس واقعہ کو بیان نہیں کیا تو بھی اس سے ہمارے دعویٰ پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ یہ معجزہ رات کو دکھایا گیا تھا جبکہ دنیا کا اکثر حصہ خواب شیریں میں مشغول ہوگا جو بیدار ہونگے ان میں سے بھی اکثر اپنے کاموں میں مشغول ہونگے پھر جنہوں نے دیکھا ہوگا ان میں لکھے پڑھے بہت کم ہوں گے کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت کا تھا پھر دنیا کے تمام حصوں پر رات نہ تھی کہ سب دیکھ سکتے۔ اس پر چاند کے مطالع و مغارب میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے ایک جگہ چاند گہن ہوتا ہے تو دوسری جگہ نہیں ہوتا ایک جگہ اندھیری ہوتی ہے تو دوسری جگہ چاندنی ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ

Marfat.com

طلوع۔ ایک جگہ بادل ہوتا ہے تو دوسری جگہ صاف۔ غرضیکہ اتنے اختلافات کی موجودگی میں تمام دنیا کی گواہی کا طلب کرنا غلطی نہیں تو اور کیا ہے۔

جواب اعتراض چہارم:۔ تمام مذہبی کتابوں میں مختلف سماوی حادثوں کا ذکر پایا جاتا ہے مگر علم ہیئت کی کتابیں ان حوادث کے ذکر سے بالکل خاموش نظر آتی ہیں اگر یہ خاموشی ان حوادث کے عدم وقوع کی دلیل ہو سکتی ہے تو پھر دنیا کی کوئی کتاب بھی جو آسمانی ہونیکا دعوی کرتی ہے سچی نہیں ٹھیر سکتی مثلاً انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وقت ایک دمدار ستارہ طلوع ہوا دوسری جگہ آتا ہے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دیگئی تو تمام دنیا دفعتہً تاریک ہوگئی کیا کوئی عیسائی جرأت کر کے ان واقعات کو اس زمانہ کی ہیئت کی کتابوں سے ثابت کر سکتا ہے ہندوؤں کی کتابوں میں جو چندرماں اور سورج دیوتا کے مشہور مشہور آسمانی حوادث درج ہیں وہ کونسی ہیئت کی کتاب میں دکھلائے جاسکتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ہیئت کی کتابوں میں کسی واقعہ کا درج نہ ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں ہو سکتا بلکہ اس دنیا میں لاتعداد آسمانی انقلابات ہوئے اور ہو رہے ہیں کہ جن کے بیان سے ہیئت کی کتابیں بالکل ساکت اور خاموش ہیں۔ لہذا عدم ذکر شئی سے عدم شئی کا نتیجہ اخذ کرنا سراسر حماقت اور غلطی ہے۔

اور سب سے اخیر میں میں ایک فیصلہ کن بات عرض کرتا ہوں کہ مان لیجئے۔ کہ یہ واقعہ صرف مکہ معظمہ کے لوگوں ہی نے دیکھا کیونکہ مطالبہ بھی ان ہی کا تھا۔ اگر اس کا وقوع عام طور پر دیکھا جاتا تو لوگ اسے بھی آسمان کے طبعی انقلابات سے ایک انقلاب سمجھ کر کچھ زیادہ اہمیت نہ دیتے مگر جب دوسری تمام دنیا نے نہ دیکھا اور صرف اہل مکہ ہی نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ چاند کا انشقاق صرف ایک محدود حلقہ کے لیے معجزانہ طور پر تھا۔ اگر طبعی ہوتا تو تمام دنیا دیکھ سکتی لہذا دوسرے لوگوں کا نہ دیکھنا اور انکی اس واقعہ پر عدم شہادت ہمارے دعوے کیلئے کسی طرح بھی مضر نہیں ہو سکتی بلکہ عربوں کی حد تواتر کو پہنچی ہوئی گواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر ایک

صاحب نظر اس معجزہ کے وقوع کو بلا حیل و حجت تسلیم کر سکتا ہے۔

اس کے بعد عالم سفلی ہے جس کی تین قسمیں بیان ہوئیں یعنی عالم حیوانات، نباتات، اور جمادات۔ عالم حیوانات کے اشرف ترین افراد انسان اور جنات کا ذکر تو ہو چکا اب رہے دوسرے حیوانات ان میں سے بھی چند ایک کا ذکر بالاختصار کئے دیتا ہوں جس سے آپ طبقہ حیوانات کی تمام انواع کے متعلق قیاس کر سکتے ہیں ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

مشتے نمونہ از خروارے

اونٹ کا آپ کو رسول سمجھ کر سجدہ کرنا حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہو گیا اور لوگوں کو کتے کی طرح کاٹنے کو دوڑنے لگا لوگوں نے اسے پکڑ کر مار ڈالنے کی کوشش کی مگر ناکامیاب رہے۔ جب حضور کو اس واقعہ کی اطلاع ملی۔ تو آپ لوگوں کے ہر چند منع کرنے کے باوجود اونٹ کی طرف گئے۔ اونٹ نے جب آپ کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو فوراً آپ کی طرف دوڑ کر آیا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شاید حضور کو کچھ گزند پہنچائے گا مگر ان کے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ جب اونٹ نے آ کر اپنے سر کو آپ کے مبارک قدموں پر رکھ دیا۔ آپ نے اس پر اپنا مقدس ہاتھ پھیرا اور پکڑ کر اسے مالک کے حوالے کر دیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے کائنات کا ذرہ ذرہ جانتا ہے کہ میں خدا کا رسول اور فرستادہ ہوں۔ مگر گنہگار انسان اور جنات مجھے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کی کہ حضور جب حیوانات آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم انسان آپ کو کیوں سجدہ نہ کریں آپ نے فرمایا اے صحابہ یاد رکھو کہ سجدہ اللہ کے بغیر اور کسی کو کرنا جائز نہیں اگر جائز ہوتا تو میں حکم کرتا کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی کتب احادیث میں مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے جب آپ اندر پہنچے تو ایک اونٹ آپ کو دیکھ کر زور زور سے بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ حضور نے اسے تھپکا۔ اور انصاری

Marfat.com

کو بلا کر فرمایا کہ اے شخص تو اس سے زیادہ کام لیتا ہے اللہ تعالیٰ نے نہیں تمہارا اسلیئے مسخر نہیں کیا کہ تم ان پر ظلم کرو۔ دیکھو یہ اونٹ شکایت کر رہا ہے کہ یا رسول اللہ میرا مالک مجھے بھوکا رکھتا ہے اور اس پر میری طاقت سے زیادہ کام لیتا ہے۔

استن حنانہ کا واقعہ

اس کے بعد عالم نباتات کی ایک آدھ مثال سنو کہ کس طرح عالم نباتات کے افراد حضور پر نور کی رسالت پر شہادت دیتے ہیں۔ استن حنانہ یا ستون گریاں کا قصہ تو آپ نے سنا ہو گا حدیث شریف میں آتا ہے کہ پہلے پہل مسجد نبوی میں منبر نہ تھا حضور ایک کھجور کے خشک تنے کے ساتھ جو ستون کی حیثیت سے نصب تھا ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب ایک انصاریہ عورت نے منبر بنوا کر بھیجا تو آپ نے اس پر خطبہ دینا شروع کیا اثنائے خطبہ میں حضور اور صحابہ عظام نے سنا کہ ستون کے اندر سے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے کی آواز آ رہی ہے آپ خطبہ کو بند فرما کر منبر سے اتر آئے اور ستون کے پاس جا کر اس سے اس گریہ وزاری کا سبب دریافت فرمایا ستون نے جو کچھ عرض کی وہ مولانا روم صاحب کی زبان فیض ترجمان سے سننے کے قابل ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

استن حنانہ از ہجر رسول	نالہ می زد ہمچو ارباب عقول
درمیان مجلس وعظ آنچناں	کز وے آگہ گشت ہم پیر و جواں
در تحیر ماندہ اصحاب رسول	کز چہ می نالد ستون با عرض و طول
گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں	گفت جانم از فراقت گشت خوں
از فراق تو مرا چوں سوخت جاں	چوں ننالم بے تو اے جان جہاں
مسندت من بودم از من تاختی	بر سر منبر تو مسند ساختی
پس رسولش گفت کاے نیکو درخت	اے شدہ با سر تو ہمراز بخت

Marfat.com

گر تو میخواہی ترا نخلے کنند　　　شرقی و غربی ز تو میوہ چنند

یا دراں عالم حقت سروے کند　　　تا تر و تازہ بمانی تا ابد

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقاش　　　بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

یعنی استن حنانہ حضورؐ کے فراق میں اصحاب عقل کی طرح مجلس وعظ میں اسطرح زار و قطار رونے لگا کہ اس کے رونے کی آواز سب جوان اور بوڑھوں نے سنی صحابہ کرام ستون کی اس گریہ وزاری سے نہایت متحیر ہوئے کہ یہ کیوں عرض اور طول سے رو رہا ہے یعنی کس لیئے اسکی ہر ہر جز مصروف بکا ہے حضورؐ نے ستون سے اس رونے کا سبب پوچھا تو اس نے عرض کی کہ اے رسول جب میری جان آپ کے فراق میں خون اور سوختہ ہوگئی تو پھر میں کسطرح آپکے فراق میں نہ روؤں میں آپکی ٹیک تھا اور آپ نے مجھے اس سے محروم فرما کر منبر کو منتخب لیا ہے حضورؐ نے ستون کے اس عشق و محبت کو دیکھکر فرمایا کہ اے نیک درخت تو بڑا ہی باخصیب ہے اگر تو چاہے تو میں دعا کروں تا کہ رب العزت تجھے میوہ دار درخت بنا دیں تا کہ اہل شرق و مغرب تجھ سے میوہ حاصل کیا کریں اور یا یہ دعا کروں کہ حق تعالی تجھے اس جہان میں ایک سرو بنا دے تا کہ تو ابدالآباد کے لیئے تر و تازہ رہے۔ ستون نے عرض کی کہ حضورؐ مجھے اس چیز کی خواہش ہے جس کو ہمیشہ کے لیئے بقا اور دوام ہے اسپر مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ اے غافل تو اس تنے کا جواب سن کہ وہ کس طرح دار البقا کو دار الفنا پر ترجیح دے رہا ہے مگر تو ہے کہ دنیا کو آخرت پر اختیار کیئے ہوئے ہے۔

ع　دنیا عجب سرائے فانی دیکھی　　　ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا　　　جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضورؐ کے ساتھ جا رہا تھا رستے میں میں اپنے کانوں سے سنتا تھا کہ آپ جس درخت کے پاس سے گزرتے تھے اس میں آواز آتی کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ

Marfat.com

عالم جمادات کی شہادت

اب اس کے بعد عالم جمادات کو لیجئے جب حضور نے مکہ معظمہ کو فتح کیا۔ تو اس وقت موجودہ خانہ کعبہ جو آج ستر کروڑ مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ ۳۶۰ بتوں کا بتکدہ بنا ہوا تھا۔ روزانہ نیا نیا بت پوجا جاتا ہے چنانچہ مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا ۔۔۔ خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا
ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا ۔۔۔ کہ اس گھر سے ابلیگا چشمہ ہدیٰ کا
وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا
جہاں نام حق کا نہ تھا کوئی جویا
قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا ۔۔۔ کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا ۔۔۔ اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

ایسی حالت میں جب حضور سرور عالم مکہ معظمہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ تو سب سے پہلے آپ کعبہ مکرمہ میں تشریف لے گئے۔ سیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی لکڑی تھی۔ آپ اپنی زبان درفشاں سے جاء الحق وزھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا (حق آیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل تو بھاگنے ہی والا ہے) پڑھ کر جس بت کی طرف اس چھڑی سے اشارہ فرماتے بت بلا ہاتھ لگائے زمین پر اوندھا گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا اور اندر سے آواز آتی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔

Marfat.com

سنگریزوں کی شہادت کا واقعہ مولانا روم کی زبان سے

سنگریزوں کا حضورؐ کی رسالت پر شہادت دینے کا ایک واقعہ مولانا روم صاحب کی زبان سے عرض کر کے اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ کیونکہ اس کا زیادہ بیان کرنا بے جا طوالت کا باعث ہو جائیگا۔

اظہار معجزہ حضور در دست ابوجہل و شہادت سنگریزاں بر حقیقت رسالت۔

سنگہا اندر کف بوجہل بود !	گفت اے احمد بگو ایں چیست زود
گر رسولی چیست در دستم نہاں	چوں خبرداری زرازِ آسماں
گفت چوں خواہی بگویم کاں چہاست	یا بگویند آنکہ ما حقیم و راستیم
گفت بوجہل ایں دوم نادر تراست	گفت آرے حق ازاں قادر تراست
گفت شش پارہ حجر در دست تست	بشنو از ہر یک تو تسبیحے درست
از میان مشت او ہر پارہ سنگ	در شہادت گفتن آمد بیدرنگ
لا الٰہ گفت و الا اللہ گفت	گوہر احمد رسول اللہ سفت
چوں شنید از سنگہا بوجہل ایں	زد زخشم آں سنگہارا بر زمین
گفت نبود مثل تو ساحر دگر	ساحراں را سر توئی و تاج سر

یعنی ابوجہل کے ہاتھ میں کچھ کنکریاں تھیں۔ کہنے لگا کہ اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلد بتائیے۔ کہ یہ کیا ہے۔ جب آپ پیغمبر ہیں۔ اور آسمانوں کے راز سے واقف ہیں۔ تو بتائیے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو چاہے تو میں بتا دوں کہ تیری ہتھیلی میں کیا ہے۔ اور اگر چاہے تو تیری ہتھیلی کی چیز میری حقانیت و سچائی پر گواہی دے۔ ابوجہل کہنے لگا۔ کہ یہ دوسری بات تو بڑی عجیب ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں مگر اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ قدرت

Marfat.com

والا ہے۔ آپ نے فرمایا میرے ہاتھ میں پتھر کے چھ ٹکڑے ہیں۔ اور تو اب اُن میں سے ہر ایک کی تسبیح کو صاف طور پر سن۔ بس آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ابوجہل کی مٹھی کے ہر ایک سنگریزہ بلاتوقف کلمۂ شہادت پڑھنے لگا۔ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کہہ کر اُس کے ساتھ محمد رسول اللہ کے موتیوں کو بھی پرو دیا۔ جب ابوجہل نے کنکروں سے کلمہ کو سنا تو غصے میں آکر اُن کو زمین پر دے مارا اور کہنے لگا کہ اے محمدؐ آپ جیسا کوئی اور جادوگر نہ ہوگا۔ حقیقت میں آپ ساحروں کے سرتاج اور سردار ہیں (نعوذ باللہ)

حضور سیّد المرسلین ہونیکے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں

اس سب تقریر سے ثابت ہو گیا۔ کہ آپ صرف ایک قوم یا ایک ملک یا ایک نوع کی طرف پیغمبر ہو کر نہیں آئے۔ بلکہ آپ تمام مخلوقات اور عالم کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ اور پھر یہی نہیں۔ بلکہ جس طرح آپ کی دعوت کسی خاص ملک یا قوم میں محدود نہیں۔ اسی طرح آپ کی نبوت و رسالت کا زمانہ بھی محدود نہیں۔ یہ نہیں۔ کہ اگلے پیغمبروں کی طرح ہزار دو ہزار برس بعد نبوت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کو ختم کر کے کسی دوسرے نبی کو مبعوث کیا جائے گا۔ نہیں بلکہ جیسا آپ کو تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہے۔ اسی طرح آپ کے زمانۂ نبوت کو بھی تاقیام قیامت تک لمبا کر دیا گیا۔ آپ سیّد المرسلین ہونیکے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپ کے بعد کسی شخص کو بھی اب دنیا میں بحیثیت نبی کے نہیں بھیجا جائے گا۔

ختم نبوت کے مسئلے پر بحث کی ضرورت

ختم نبوت کا مسئلہ چونکہ نہایت اہم ہے۔ اور آج کل کے بعض فرقوں نے اس

Marfat.com

کو موڑ توڑ کر ایسی دور از کار تاویلیں کی ہیں۔ کہ سطحی نظر کے انسان کا اُن کے جال میں پھنس جانے کا قوی خدشہ ہے۔ اس واسطے اگرچہ اس مسئلہ کی توضیح اس مقام پر بے محل سی نظر آتی ہے۔ مگر اس کی اہمیت اور ضرورت کو دیکھ کر بلا بیان کئے ہوئے گذر جانا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ہاں بیان میں اختصار کو ضرور مدنظر رکھا جائیگا۔

مطلق نبوت کی ضرورت کا بیان

ختم نبوت کے متعلق کچھ بیان کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ مطلق نبوت کے متعلق کچھ عرض کردوں۔ تاکہ ختم نبوت کا مسئلہ جوکہ مطلق نبوت کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ بخوبی ذہن نشین ہوسکے۔ پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا۔ اور اسے طرح طرح کی نعمتوں سے نواز کر خلافت ارضی کا تاج پہنایا۔ جس کی وجہ سے انسان پر ایسے منعم و محسن کا شکریہ ادا کرنا اور اُس کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ٹھہرتا ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ایک انسان جب اپنے جیسے انسان کی رضامندی بغیر اُس کے بتائے ہوئے حاصل نہیں کرسکتا۔ تو پھر اُس خدائے لایزال اور مالک بے مثال کی رضا و غیر رضا بغیر اُس کی ہدایت کے کیسے معلوم کرسکتا اس واسطے ضروری ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رضا و غیر رضا سے اس انسان ضعیف البنیان کو مطلع فرماتا رہے۔ تاکہ وہ فرمان عالیشان کے مطابق عمل کرکے رضامندی حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ ہر کس و ناکس بالمشافہ اس اطلاع کو حاصل کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی ہر کس و ناکس کو منہ لگانا شان شہنشاہی کے مناسب ہے۔ اس واسطے یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ کے مطابق وہ اپنے حکم سے فرشتوں کو

Marfat.com

وحی دیگر بندوں میں سے جس پر چاہتے ہیں۔ نازل فرماتے ہیں۔ اور وہ بندہ نہایت مقرب۔ نہایت مقدس اور معصوم ہوتا ہے۔ جسے اصطلاح شرع میں نبی یا رسول کہتے ہیں۔ تمام انبیا اور رسول اصول یا دین میں متفق ہیں۔ ہاں فروع یا شرائعوں میں اختلاف ہے۔ ایک رسول کے وقت کچھ شریعت تھی۔ تو دوسرے کے وقت وہ منسوخ ہو کر کچھ اور آگئی۔

نسخ شرائع غزارت علم پر دلالت کرتا ہے

اس نسخ سے جیسا کہ پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے۔ علم الٰہی پر کسی قسم کا اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ بعض کم فہم لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ اس سے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا علم ناقص ٹھہرتا ہے۔ کیوں نہ اُس نے ایک ہی دفعہ ایسی کتاب یا قانون بھیجا۔ کہ جو تا قیامت چل سکتا۔ بار بار کی ترمیم و تنسیخ علم کی کمی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اعتراض وارد نہ ہو سکنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ رب العزت حکیم ہیں۔ اور اُن کا کوئی فعل بھی حکمت سے خالی نہیں۔ دیکھو طبیب ایک مریض کے لئے ابتداء میں ایک نسخہ تجویز کرتا ہے۔ مگر چند روز کے بعد مریض کی حالت کو متغیر پا کر وہ اپنے نسخے میں بھی تبدیلی کر دیتا ہے۔ اور اسی طرح وہ اس تغیر و تبدل کو جاری رکھتا ہے تا آنکہ مریض بالکل صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ جل شانہٗ بھی اس انسان کے عقلی۔ ذہنی۔ جسمانی اور روحانی امراض کے حالات و واقعات کے مطابق اپنے نسخۂ ہدایت کو تبدیل فرماتا رہتا ہے۔ جس طرح طبیب کا نسخہ بدلنا اُس کی حذاقت و مہارت پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا نسخہ ہدایت میں تبدیلی فرمانا۔ اُس علیم کے علم بے پایاں پر دلالت کر رہا ہے۔

Marfat.com

نسخ کی ضرورت پر عقلی مثال

اور دیکھئے - ایک بچہ کی پیدائش سے تا بلوغ اُس کی خوراک، پوشاک بدلتی رہتی ہے۔ جب بچہ بالغ ہو جاتا ہے۔ تو پھر اُسے کوئی عاقل بھی ماں کے پستانوں سے دودھ پینے یا بچپن کی پوشاک پہننے کا مشورہ نہیں دے سکتا - اسی طرح اس انسان کو وہی روحانی غذا جو اسے عالم طفولیت میں آدمؑ کے زمانے میں دی جاتی تھی سن بلوغت میں استعمال کرنے کی صلاح دینا کس طرح دانشمندی کہلائی جا سکتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ شرائع کا بدلنا اور نسخہ ہدایت کا تبدیل کرنا عین حکمت کے اصول پر مبنی ہے۔

نسخ ضرورت کی مطابقت کا دوسرا نام ہے

اب پھر اسی بچہ کی مثال کو لیجئے - دیکھو جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو قدرت اُس کے لئے غذا کا یہ انتظام کرتی ہے۔ کہ عورت کا وُہ خون جو ماہواری کی صورت میں خارج ہوا کرتا تھا - اُس کی خوراک میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ جب حمل پوری مدت کا ہو جاتا ہے۔ تو قضاء و قدر کے کارندے اسے دنیا میں لاتے ہیں - اب وہ پہلی خوراک منقطع ہو جاتی ہے۔ اور زندگی کا دوسرا دور شروع ہونے کی وجہ سے غذا کا طرز بھی بدل جاتا ہے۔ اب اُسی خون کو سفید - لذیذ اور مقوی بنا کر ماں کے پستانوں سے بچہ کو پلایا جاتا ہے - پھر جب دو برس ہو جاتے ہیں - اور کھانے کے لئے دانت عنایت کر دیئے جاتے ہیں - تو بتدریج چھاتیوں کی نہروں کو بھی خشک کر دیا جاتا ہے اب پہلے نرم اور زود ہضم غذائیں کھاتا ہے پھر جب معدہ میں دیر ہضم اور ثقیل چیزوں کے لینے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ تو وُہ اس طرح کی خوراکیں بھی کھانی

Marfat.com

کر دیتا ہے۔ اب جبکہ قدرت بتدریج اُس کو حدِ بلوغ تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اُسے تمام ضروریات عطا کر دیتی ہے تو پھر اسے اسباب ظاہری کے حوالے کر کے براہ راست غذا پہنچانے کے سلسلے کو منقطع کر دیتی ہے۔ اب یہ نہیں ہو سکتا کہ بالغ ہونے کے بعد بھی کسی انسان کو آنول نال یا پستانوں سے خوراک پہنچائے نہیں بلکہ اب اُسے حکم ہوتا ہے کہ ہمارے دیئے ہوئے اسباب کو استعمال کر کے خوراک حاصل کر۔ اب عقل سے سوچ۔ پاؤں سے چل۔ ہاتھوں سے کما اور دانتوں سے چبا۔ جب تک تیرے پاس اسباب نہ تھا۔ یا تو اُن کے استعمال کرنے پر قادر نہ تھا۔ تو ہم نے تجھے براہ راست بلا کسب و اکتساب کے غذا بہم پہنچائی۔ اب جبکہ اسباب دیکر استعمالِ اسباب کی قدرت بھی دیدی ہے تو اب ان سے کام لے کر اپنی ضروریات کو پورا کر۔

جسمانی غذا کے طریقے پر روحانی غذا کا انطباق

یہ طریقہ تو تھا جسمانی غذا کا۔ بعینہٖ یہی طریقہ روحانی غذا کا بھی ہے۔ لہٰذا اس جسمانی غذا پر روحانی غذا کو منطبق کر کے ختم نبوت کے مسئلہ کی تشریح کرتا ہوں۔

دین فطرت یا مذہب اسلام کا بچہ جب تک صغیر السن تھا۔ تب تک اس کی پرورش کا انتظام قدرت نے دایہ وحی کے ہاتھ میں دے رکھا۔ لیکن جب یہ بچہ حد کمال کو پہنچ گیا۔ اور قدرت نے صاف اور صریح الفاظ میں فرما دیا۔ کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ یعنی آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔ اور مذہب اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔ تو جس طرح ایک بالغ اور کامل انسان کو آنول نال یا پستانوں سے غذا حاصل کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اسی طرح دین کامل اور بالغ ہو جانے کے بعد دایہ وحی کی تربیت کا محتاج نہ رہا۔ بلکہ اُس کے لئے جو اسباب یا شریعت حضور پرنور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لائی۔ اس کی تربیت

Marfat.com

اور نشو ونما کیلئے بالکل کافی ووافی ہے ۔ اب دین کے کمال اور اس شریعت کے ہوتے ہوئے پھر وحی کی التجا کرنا یا وحی نبوت کی ضرورت سمجھنا گویا بالغ انسان کیلئے چھاتیوں سے دودھ پینے یا الول نال سے غذا حاصل کرنیکے مترادف ہے۔

مثال سابق سے ختم نبوت کا ثبوت

ہاں جس طرح ایک بالغ انسان حد کمال کو پہنچکر زوال کا شکار ہو جاتا ہے ۔ اور جیسے قرآن فرماتا ہے ۔ وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ - (اور جسے ہم لمبی عمر دیتے ہیں ۔ اُسے ہم بناوٹ میں اوندھا کر دیتے ہیں) کے الفاظ سے تعبیر فرماتا ہے ۔ یعنی جب انسان کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے ۔ تو پھر اُسکی طاقت ۔ اُس کا علم ۔ اُس کا عقل اور اُسکی حرکات قریب قریب بچوں کی سی ہو جاتی ہیں ۔ اور اب پھر وہ قدرت کی توجہ کا محتاج ہو جاتا ہے ۔ مگر اسوقت قدرت کے وہ فطرتی ذرائع جنہوں نے اسے حد کمال تک پہنچایا تھا ۔ اُس کا ساتھ نہیں دیتے ۔ نہ تو اُسے پھر پستانوں کے ذریعے دودھ پلایا جاتا ہے ۔ اور نہ آنول نال سے اُس کو غذا دی جاتی ہے ۔ بلکہ ایسی احتیاج کی حالت میں دوسرے اسباب کے ساتھ اُس کی مدد کی جاتی ہے ۔ مثلاً اگر بہت کمزور ہے اور ہاتھ سے نہیں کھا سکتا ۔ تو چمچے کے ذریعے اُس کے منہ میں ڈلوایا جاتا ہے ۔ اگر وہ چل نہیں سکتا ۔ تو ٹیک کے لیئے اُسے عصا دیا جاتا ہے ۔ بدن کے ضعف کو دور کرنے کے لیئے مقوی ادویہ عنایت فرمائی جاتی ہیں ۔ اسی طرح جب دین اسلام پر اُس کے کمال کے بعد انحطاط کا غلبہ ہوا یا ہو گا ۔ تو پھر اُسے دوبارہ وحی کے سپرد نہ کیا جائے گا ۔ بلکہ اس کی کمزوری کو علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل (میری امت کے عالم احیاء دین میں بنی اسرائیل کے پیغمبروں جیسے ہونگے) کے ذریعے سے دور کیا جائیگا ہر صدی کے سرے پر ایک مجدد کو اس کے اضمحلال اور ضعف کو دور کرنے کے لئے بھیجا جائے گا ۔ اور امت محمدیہ (علیہ السلام) کے محدثین و مفسرین کو اس کی تجدید و تثبیت

Marfat.com

کے لئے مقرر کردیا جائے گا۔ اور اسی کا نام ہے ختم نبوت۔

ختم نبوت کا ثبوت نقلی طور پر

یہاں تک تو ختم نبوت پر عقلی رنگ میں بحث ہوئی۔ اب اسی مسئلہ پر قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مختصر سی تقریر کرتا ہوں۔ تاکہ وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منکر ہیں۔ یا منکر تو نہیں مگر قرآن پاک کے الفاظ خاتم النبیین میں ایسی کچھ تحریفات اور تاویلات کرتے ہیں کہ ختم نبوت کا درجہ محض ایک بے حقیقت سی شئے رہ جاتا ہے۔ اُن پر اپنے نقلی دلائل کی غلطیاں بھی بخوبی روشن ہو جائیں۔ اور سامعین اس بیان سے اگر کچھ بھی یاد رکھیں گے۔ تو انشاء اللہ وہ اس قسم کی ضلالت سے محفوظ رہیں گے۔

ختم نبوت کا ثبوت ایک نہایت آسان طریقے سے

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ یعنی ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی اے حبیب آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ تیسری جگہ آتا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ یعنی بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن پاک نازل کیا۔ تاکہ وہ تمام جہان والوں کو ڈراوے۔ اب منکرین اور مؤلین سے ہم پوچھتے ہیں۔ کہ حضورؐ کو جو تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ تو "تمام انسانوں" سے کیا مراد ہے۔ کیا وہی انسان جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے۔ یا بعد کے آنے والے بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ اگر یہ نہیں کہ صرف حضورؐ کے زمانے کے لوگ

Marfat.com

ہی مراد ہیں اور بس۔ تو ایک تو اس بات کا غلط ہونا صاف ظاہر ہے اور پھر اگر وہ اپنے زمانہ ہی کے نبی تھے۔ تو پھر ہم تم خود کیسے اُن کے نام لیوا بنے۔ اور اگر سب موجودہ اور آئندہ انسانوں کے لئے رسول ہیں۔ اور یہی صحیح اور درست ہے۔ تو اس سے تو صاف ختم نبوت ثابت ہو گئی۔ کیونکہ جب آئندہ تمام انسانوں کے لئے بھی آپ رسول ہیں۔ تو آئندہ کا تعلق تو قیامت تک ہے۔ تو نتیجہ نکلا کہ تا قیام قیامت کسی دوسرے شخص کا دعوٰی نبوت مسموع و مقبول نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آقائے نامدار تاجدار مدینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

آیت خاتم النبیین پر دلچسپ بحث

اس کے بعد آیت خاتم النبیین کو لیکر ختم نبوت کو بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ مولین و محرفین کے بقدر کفایت اعتراض و جواب بھی بیان ہو جائیں۔ اور اس مبحث میں سامعین کی پوری پوری تسلی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ قرآن پاک میں سورہ احزاب کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے

حضرت زید نے حضور کی محبت کو والدین کی محبت پر ترجیح دی

شان نزول۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بچپن میں قید ہو کر ام المومنین بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ فروخت ہوئے۔ مگر بی بی صاحبہ جب حضور پر نور کے نکاح میں آئیں۔ تو آپ نے حضرت زید کو حضور کو دے دیا۔ حضور حضرت زید سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت زید شام کی طرف سفر میں گئے۔ تو وہاں انہیں ان کے والد نے پہچان لیا۔ وہ اپنے

Marfat.com

بھائی اور دوسرے بیٹے کو لیکر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تاکہ قیمت ادا کرکے حضرت زید کو واپس لے جائے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے قیمت کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں اسے بلا معاوضہ تمہارے ساتھ بھیجنے کو تیار ہوں چنانچہ جب حضرت زیدؓ سے جانے کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ۔ واللہ لا اختار علیک احدا۔ یعنی یا رسول اللہ۔ قسم ہے ذات کبریا کی۔ میں آپ پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔

دیکھا حضور سرور عالم کی محبت کو۔ کیسے حضرت زیدؓ حضور پر نور کی محبت کو اپنے باپ۔ چچا اور بھائی کی محبت پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضورؐ کے ساتھ تنگی۔ پریشانی۔ فاقہ کشی اور کفار کی ایذا رسانی کو قبول فرمایا۔ مگر اُس جان دوجہاں کی جدائی کو گوارا نہ کیا۔ دیکھو کسی شاعر نے محبت کے اس فلسفے کو نہایت عجیب طرز پر بیان کیا ہے۔

نین سگا سوئی سگا۔ ماں سگا نہیں ہوئے

ماں ہٹھی تریا چرے۔ اچرج جگ کو ہوئے

ہم اور محبت رسولؐ

ایک طرف صحابہ عظام کی شیفتگی اور محبت کو دیکھو اور دوسری طرف اپنے دلوں کو ٹٹولو۔ آج نہ کفار کی ایذا ہے۔ اور نہ عسر و تکلیف کا زمانہ۔ آج نہ حضورؐ کے ساتھ محبت کرنے کی کچھ سزا ہے۔ اور نہ دعوئ محبت کے اظہار پر کچھ پابندی۔ مگر ہم ہیں کہ یا تو محبت سے بالکل ہی خالی ہیں اور یا ہماری محبت صرف زبان تک محدود ہے ہمارے افعال۔ ہمارے اعتقاد اور اعمال سب کے سب محبوب رب العالمین کے طریقے کے مخالف ہیں۔

ایک انصاریہ کی حضورؐ سے بے مثال شیفتگی

خیر حضرت زیدؓ تو مرد تھے۔ مگر میں آپ کو حدیث شریف سے ایک انصاریہ

Marfat.com

کا واقعہ سناتا ہوں جسے سنکر ہر مسلمان کو عبرت حاصل کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے۔ جب حضورؐ جنگ اُحد میں زخمی ہوئے اور آپ کا ایک مبارک دانت شہید ہو گیا۔ تو کفار نابکار نے یہ خبر مشہور کر دی۔ کہ نعوذ باللہ حضور سرورِ عالم شہید ہو گئے ہیں۔ یہ خبر اُڑتے اُڑتے جب مدینہ شریف میں پہنچی۔ اور ایک انصاریہ کو حضورؐ کی شہادت کا حال معلوم ہوا تو عشقِ رسول میں دیوانہ وار گھر سے نکل پڑی۔ نہ پردہ کا خیال۔ نہ غیر محرموں کا لحاظ۔ اور بات یہ ہے۔ کہ جب عشق کا حقیقی طور پر تسلط ہو جاتا ہے۔ تو پھر پردہ اور محرم و غیر محرم کا سوال ہی اُٹھ جاتا ہے کیونکہ وہ سوئے عشق کے ساتھ ان چیزوں کا وجود معشوق کے بغیر دوسری چیزوں کو بھی ثابت کر دیتا ہے۔ اور مذہبِ عشق میں دوئی کا وجود شرکِ خفی سمجھا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

خواجہ عبدالخالقؒ کا ایک عورت سے سبقِ عشق پڑھنا۔

خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحؒ کے متعلق کسی کتاب میں دیکھا۔ کہ ایک دفعہ آپ نماز میں مشغول تھے کہ آپ کے سامنے سے ایک عورت ننگے سر گذری۔ آپ نے جلدی سے سلام دیا اور اُس عورت سے فرمایا کہ اے فلانی۔ کیا تو دیکھتی نہ تھی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اور تو میرے سامنے سے گذر گئی اور پھر صرف گذرنے کا ہی گناہ نہیں کیا بلکہ اپنے سر کو بھی ننگا کیا ہوا ہے۔ عورت نے آپ کو حیرت سے دیکھا۔ اور عرض کی۔

نمازی کے آگے سے گذرنے کا شرعی مسئلہ

لیکن عورت کا جواب سننے سے پہلے اس مسئلہ کو بھی یاد رکھو۔ کہ اگر بڑی مسجد جنگل یا میدان وغیرہ ہو۔ اور نمازی کے آگے سترہ نہ ہو۔ تو نمازی کے آگے سے اُس کی حد نظر کے اندر گذرنا منع ہے۔ اور حد نظر یہ ہے۔ کہ اگر مصلی حالت تشہد میں اپنی نظر سینے پر رکھے۔ اور پھر جسقدر فاصلہ

Marfat.com

ں کی نظر یں آئے۔ وہ حد نظر کہلاتا ہے۔ اور اس کی متقدار فقہا نے قدآدم رکھی ہے۔ تو
مطلب یہ ہے کہ بڑی مسجد صحرا یا کھلی جگہ میں نمازی کے سامنے قدآدم کے فاصلہ کے اندر گذرنا گناہ
ہے۔ ہاں اس سے اگر زیادہ فاصلہ چھوڑ کر گذ جائے۔ تو جائز ہے۔ مگر مسجد صغیر یا تنگ جگہ میں
تو کسی حالت میں بھی نمازی کے سامنے سے نہ گذرے۔ کیونکہ حضور فرماتے ہیں۔ لو یعلم المار بین
یدی المصلی ما ذا علیہ لکان یقف اربعین خیرا من ان یمر بین یدیہ
رواہ الشیخان۔

تو عورت نے آپ کو حیرت سے دیکھا۔ اور عرض کی۔ کہ حضرت میری اور میرے خاوند کی
آپس میں بہت محبت ہے۔ مگر میرے ہاں زمانے سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اب میرا خاوند دوسرا
نکاح کرنا چاہتا ہے۔ مگر میں خاوند کے ساتھ ہر ایک مصیبت اور تکلیف کو برضا و رغبت برداشت
کرتی رہوں۔ میں نے ہر ایک پریشانی میں اُس کا ساتھ دیا۔ اور کسی حالت میں بھی میں نے
اُس کی رفاقت اور شراکت سے منہ نہیں موڑا۔ لیکن میں اُسے یہ اجازت کسی طرح نہیں دے سکتی
ہوں۔ کہ وہ میرے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت کو بیاہ کر لائے۔ اور اپنی محبت میں میرے
ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرے۔ مگر وہ نہیں مانتا۔ اور اسی غرض سے وہ تھوڑی دیر
ہوئی۔ کہ گھر سے نکلا۔ میں نے بہت صبر کرنے کی کوشش کی۔ مگر جذب محبت دیوانہ وار مجھے
ستر و پردہ سے بیگانہ بنا کر اُس کے پیچھے کھینچ لایا۔

عشق ناتمام است بار شد لبستہ ناموس و ننگ پختہ کاران جنون را کے حیا زنجیر پاست

اور حضرت۔ واللہ میں آپ سے سچ عرض کرتی ہوں کہ اُس انجذاب میں نہ تو مجھے اپنی
ہی سدھ بدھ رہی اور نہ آپ کی۔ خواجہ ؒ نے جب اُس عورت کی زبان سے یہ الہامی تقریر سنی
تو اپنے آپ سے فرمانے لگے کہ اے عبد الخالق۔ دیکھ ایک عورت اپنے مجازی خاوند کے
عشق میں ایسی خود رفتہ اور دیوانہ ہو گئی ہے۔ کہ اُسے اپنے آپ تک کا ہوش نہ تھا۔ مگر
ایک تو ہے۔ کہ حقیقی خاوند کے عشق کا دعوی کرتے ہوئے بھی اپنے آپ کو نہیں چھوڑتا۔ اور

Marfat.com

خیر اگر عام حالت میں نفس شاہی کا امتیاز باقی رہتا تو پھر بھی زیادہ قبیح نہ تھا۔ مگر تو تو نماز کی حالت میں بھی کہ الصلوٰۃ معراج المومنین ہے مخاطبت باری سے سرفراز ہوتے ہوئے بھی آپ تو آپ غیر کی برہنگی اور حالت کا بھی امتیاز کر سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیرا عشق ابھی کچا ہے تجھے تو چاہیے کہ بجائے لوگوں کو مرید کرنے کے اس عورت کو اپنا مرشد بنا اور اس سے ذوق محبت اور شوق مودت کو سیکھ۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود + گوئی گشتن بہر او اولیٰ بود

اور دیکھ۔ ایک عورت اپنے خاوند کی تمام دھمکیوں۔ جھڑکوں اور تکلیفوں کو تو برداشت کر لیتی ہے مگر اپنی محبت کو تقسیم ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی جب شرک اس صنف ضعیف کے نزدیک اتنا بڑا جرم ہے۔ تو اللہ جل شانہٗ کی محبت اور معبودیت میں کسی غیر اللہ کو شریک کرنا کتنا بڑا پاپ اور گناہ ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی پاک کلام میں فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

رجوع بقصہ انصاریہ رضؓ

تو بات یہ بیان ہو رہی تھی۔ کہ وہ انصاریہ حضور پرنور کی شہادت کا سن کر دیوانوں کی طرح گھر سے نکل کھڑی ہوئی۔ رستے میں چند شخص ملے۔ اُن سے حضورؐ کے متعلق دریافت کیا۔ وہ کہنے لگے۔ کہ ہمیں حضورؐ کے متعلق تو کچھ معلوم نہیں ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ تیرے دو لڑکے جنگ میں شہید ہو گئے ہیں۔ اُس مقدس خاتون نے فرمایا۔ اے بزرگو میں تم سے اپنے بیٹوں کے متعلق نہیں پوچھ رہی۔ مجھے تو حضور سرور عالم کی خبر کی ضرورت ہے۔ ذرا آگے بڑھیں۔ تو پھر چند شخصوں سے ملاقات ہوئی۔ مائی صاحبہ نے اُن سے بھی حضورؐ کے متعلق سوال کیا۔ وہ بھی کہنے لگے کہ ہمیں حضورؐ کے متعلق تو کچھ خبر نہیں۔ ہاں البتہ اتنا جانتے ہیں۔ کہ تیرے تین بھائی جنگ میں کام آ چکے ہیں اس پاک عورت نے فرمایا کہ اے لوگو۔ میں بیٹوں اور بھائیوں کا نہیں پوچھتی مجھے تو اُس آقائے نامدار کی خیریت کی خبر سناؤ جن کیلئے یہ دارین اور کون و مکان کو بنایا گیا۔ تھوڑی اور آگے چلیں تو ایک دوسرا

گروہ آتا ہوا ملا۔ اُن سے بھی بی بی صاحبہ نے وہی سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ اے بی بی ہمیں حضورؐ کے متعلق تو کچھ اطلاع نہیں۔ ہاں اتنا معلوم ہے۔ کہ تیرا بہادر خاوند آج نہایت زبردست جہاد کرتے ہوئے اللہ کی رحمت کو پہنچ چکا ہے۔ اُس شریف انصاریہ نے فرمایا کہ خدا معلوم ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ میں سوال کیا کرتی ہوں اور یہ جواب کیا دیتے ہیں۔ میں تو پوچھتی ہوں حبیب رب العالمین کے متعلق اور یہ خبر دیتے ہیں۔ میرے عزیزوں کی۔ چند ہی قدم آگے چلی تھی۔ دیکھا کہ حضورؐ اپنے خون آلودہ ماتھے پر پٹی باندھے آہستہ آہستہ تشریف لا رہے ہیں۔ دوڑ کر گئی اور جا کر پاؤں سے لپٹ گئی۔ کہنے لگی۔ کہ اے رسول خدا اگر آپ کی شمع رسالت موجود ہے۔ تو میرے خاوند بیٹوں اور بھائیوں جیسے ہزاروں پروانے بھی اس پر نثار ہو جائیں تو کم ہیں۔ مولانا شبلیؒ نے اس واقعہ کو منظوم کیا ہے۔ جس میں سے چند ایک اشعار مجھے یاد ہیں۔ وہ میں عرض کئے دیتا ہوں۔

اس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا ۔۔۔ یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہ اُمم
سب نے دی اسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضورؐ ۔۔۔ گرچہ زخمی ہے سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اُس نے جو رخ اقدس کو دیکھا تو کہا ۔۔۔ تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا ۔۔۔ اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

ہم اور عشق حضورؐ

بھائیو دیکھو ایک عورت کا عشق رسول۔ کہ کس طرح حضور کی خیریت۔ صحت اور خبر کو اپنے عزیزوں کی خیر خیریت پر ترجیح دی۔ مگر آج ہم مرد ہو کر۔ عشق رسول کے مدعی ہو کر حضورؐ اور حضور کے دین متین کی توہین و تحقیر کو نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کیونکہ ہمارے دلوں میں آج اپنی جان کی اپنے مال و عیال کی محبت حضورؐ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ یاد رکھو حضورؐ فرماتے ہیں۔ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ اجمعین۔ یعنی تم کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم مجھے اپنے باپ

Marfat.com

اور اولاد سے محبوب نہ سمجھو۔ عزیزو اپنے دلوں کو ٹٹولو۔ اور اس حدیث کی کسوٹی پر اپنے ایمانوں کو پرکھو

اصل صد یوسف جمال ذوالجلال　　　اے کم از زن شو فدائے آں جمال

اللھم ارزقنا حبك وحب حبيبك وحب من يحبك۔

رجوع بسوئے شان نزول آیت

تو بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ حضرت زید بن حارثہ حضورؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور حضورؐ سے اسقدر محبت تھی۔ کہ والدین اور بھائیوں کی محبت پر آپ کے عشق کو ترجیح دیکر آپ ہی کے ساتھ رہنا پسند کیا اور صاف عرض کر دی۔ یا رسول اللہ۔ واللہ لا اختار علیك احدا۔ اسی محبت کے باعث حضورؐ نے ان کو اپنا متبنیٰ یا لے پالک بیٹا بنا لیا تھا۔ اور لوگ آپکو بجائے زید بن حارثہ کے زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے۔ اب حضورؐ کی بعثت سے پہلے عرب میں یہ رسم تھی کہ لوگ جسے متبنیٰ بناتے تھے۔ اُسے ہر ایک بات میں حقیقی بیٹوں کی طرح سمجھتے تھے۔ وراثت میں وہ دوسرے بھائیوں کی طرح حقدار ہوتا۔ اُس کی بیوی سے حقیقی بیٹے کی بیوی کی طرح نکاح کرنا ناجائز سمجھا جاتا۔ چونکہ اس میں بہت سی شرعی خرابیاں تھیں۔ کہ ایک غیر وارث کو جبراً وارث بنا کر اصلی وارثوں کی حق تلفی کیجاتی۔ اور متبنیٰ کی عورت کو جو طلاق یا متبنیٰ کی موت کے بعد نکاح میں لانی جائز تھی۔ اُسے حقیقی بہو کیطرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا جاتا۔ اور پھر اس کے باعث آئندہ کتنے ہی فروعی جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ اس لئے جب حضرت زید نے زینب بنت جحش کو طلاق دی۔ جو حضورؐ کی پھوپھی امیمہ کی لڑکی اور عبداللہ بن جحش کی بہن تھی۔ تو اللہ تعالیٰ نے لے پالک بیٹے کے متعلق جو خرابیاں مروج تھیں انہیں دور کرنیکے لئے حضورؐ کو بی بی زینبؓ سے نکاح کرنیکا حکم دیا۔ اور قرآن پاک میں بذریعہ وحی اعلان کردا دیا گیا کہ

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا۔ یہ تمہاری منہ بولی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے۔ اور وہی

Marfat.com

سوجھاتا ہے۔ انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے حضرت زید کو پھر زید بن حارثہ کہنا شروع کیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر عن ابیہ انہ قال ما کنا ندعو زید بن حارثہ الا زید بن محمد حتی نزلت ادعوھم لاباءھم ھو اقسط عند اللہ۔

اب جب ایک طرف متبنّٰی بیٹوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے بلانے کا حکم آگیا۔ اور دوسری طرف حضورؐ کو سب سے اول عملاً اس رسم کو توڑ کر بی بی زینب سے نکاح کرنے کا فرمان ہوا تو کفار نے زمین و آسمان کو سر پہ اٹھا لیا۔ اور کہنے لگے۔ کہ دیکھو اس نبی نے تو اپنی بہو سے نکاح کر لیا ہے۔ کفار کے اس طعن و تشنیع کا جواب رب العزت نے یوں دیا۔ کہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ تو اللہ کے رسول اور آخر الانبیاء ہیں۔ اس آیت میں کفار کو بتایا گیا کہ حضرت زیدؓ کو حضورؐ کا بیٹا قرار دے کر اس کی مطلقہ عورت سے نکاح کو ناجائز ٹھہرانا بالکل منع ہے کیونکہ حضرت زیدؓ آپ کے بیٹے نہیں۔ اور ایک حضرت زیدؓ کیا وہ تو مردوں میں سے کسی بھی کے باپ نہیں۔ تو وہ شخص کہ جس کا کوئی بیٹا ہی نہیں۔ اس پر یہ اتہام لگانا کہ اس نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ کیسا سفید جھوٹ ہے۔ اور کھلا بہتان ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ پر ایک اعتراض اور اسکا جواب

ہاں اس سے ایک اعتراض ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کے تو چار صاحبزادے ہوئے پھر یہ کہنا کہ وہ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

جواب۔ حضورؐ کے سب بچے عالم طفولیت میں انتقال فرما گئے۔ کوئی جوان ہو کر حد رجولیت کو نہیں پہنچا۔ کہ رجال کا لفظ ان پہ منطبق ہو سکے۔ اور یا یہ کہ آیت کے نزول کے وقت ان میں سے کوئی بھی بقید حیات نہ تھا۔ اس لئے حضورؐ کے متعلق ما کان محمد ابا احد من

Marfat.com

رجالکم کہنا بالکل صحیح اور درست ہے۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین سے تعلق

اب اس مقام پر غور کرنے سے ایک اور سوال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ کہ من رجالکم تک تو کفار کو اُن کی افترا پردازی کا جواب دیا گیا۔ مگر اس کے ساتھ اس محل پر ولکن رسول اللہ وخاتم النبین کہنے کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ ان دونوں جزوں کا جوڑ بے محل سا معلوم ہوتا ہے۔ بات چل رہی تھی ابوت اَدعِیاء میں اور اس کا انتقام من رجالکم تک کی جزو میں پورا پورا کر دیا گیا۔ اب رسول اللہ وخاتم النبین کو ملانے کی کیا ضرورت تھی جواب۔ ابوت ذاتی کے نفی کرنے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا۔ کہ ابوت کا خاصہ تو شفقت پیار اور محبت ہے۔ جب حضورؐ کی ابوت کی ایسے صاف اور صریح الفاظ میں نفی کر دی گئی تو معلوم ہوا کہ آپ کو اپنی امت پر پدرانہ شفقت اور پیار بھی نہ ہوگا۔ اسی شک کو اللہ تعالیٰ لکن فرما کر دور فرما رہے ہیں۔ کیونکہ لکن عربی زبان میں استدراک یا کلام سابق میں جو شک پیدا ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے اُسکے دور کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ یہاں پر چونکہ بعض اشخاص کو یہ شک پیدا ہو سکتا تھا۔ اس واسطے لکن لاکر اُس شک کو یوں رفع کیا جاتا ہے۔ کہ اے لوگو۔ ابوت جسمانی کی نفی سے یہ نہ سمجھ بیٹھنا۔ کہ پھر تو آپ کو امت سے پیار و شفقت بھی نہ ہوگی۔ بلکہ آپ تو رسول ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ رسول اپنی امت کا جسمانی نہیں بلکہ روحانی باپ ہوتا ہے۔ تو گویا لفظ رسول لاکر بیک کرشمہ دو کار یا ایک بات سے دو کام یوں نکالے کہ ایک تو آپکی رسالت ثابت فرمائی۔ جس سے آپکا ہادی۔ رہنما۔ معصوم اور مامور من اللہ ہونا ثابت ہو گیا۔ اور جب آپ مامور من اللہ ٹھہرے۔ تو پھر آپ کی شان ذیشان کے کب لائق ہے کہ رب العزت کی رضا مندی یا احکام کے برخلاف کوئی کام کریں۔ لہٰذا بی بی زینبؓ سے

Marfat.com

نکاح مرضی الٰہی اور امر خداوندی کے مطابق ہوا ہے۔ دوسرے لفظ رسول سے یہ ظاہر فرما دیا کہ اگرچہ آپ کسی مرد کے جسمانی باپ تو نہیں۔ مگر رسول ہونے کی حیثیت سے آپ تمام امت کے روحانی باپ ہیں۔ کیونکہ رسول امت کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضرت لوط علیہ السلام نے قرآن پاک میں هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فرما کر امت کی عورتوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا ہے۔ اور پھر حضورؐ کی روحانی ابوت کو خاتم النبیین فرما کر پیغمبروں کی روحانی ابوت پر فضیلت عطا فرمائی۔ کیونکہ اگلے پیغمبر اگرچہ وہ بھی امت کے روحانی باپ تو تھے مگر اُن کی یہ ابوت ایک محدود قوم اور محدود وقت تک ہونے کی وجہ سے کم درجہ کی تھی لیکن اُس کے برعکس حضورؐ کو خاتم النبیین بیان فرما کر یہ ظاہر کر دیا۔ کہ آپکی ابوت کا تعلق اتنا وسیع اور مستحکم ہے۔ کہ نہ تو آئندہ کوئی قیامت تک آنیوالا آپکی روحانی ابوت سے محروم رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی آپکی ابوت کسی دوسرے رسول کے آنے سے منقطع ہو سکتی ہے۔ بلکہ تا قیام قیامت آپ ہی کی ابوت قائم رہے گی۔

یہ تو اس آیت کی تشریح تھی۔ جس سے آپکو اس کا شان نزول اور ارتباط باہمی معلوم ہوا۔ اب میں اصلی مطلب یعنی ختم نبوت کی طرف آتا ہوں۔ اور خاتم النبیین کی توضیح کر کے مرزائیوں کی تمام رکیک تاویلوں کا جواب دیتا ہوں

لفظ خاتم کی تشریح

خاتم میں دو قرأتیں ہیں۔ ایک تائے کی زبر سے اور دوسرے تائے کی زیر سے۔ اگرچہ اس لفظ کے معنی اور بھی ہیں۔ مگر آیت میں سوائے دو معنوں کے اور کسی کا احتمال نہیں۔ یعنی خاتِم زیر کے ساتھ ختم کرنیوالا اور خاتَم زبر کے ساتھ آخر قوم کو کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی معنی مجازی ہیں۔ اور مجازی معنی اُسی وقت لیا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت متعذر ہو۔ اور یہاں حقیقت متعذر نہیں۔ بلکہ حقیقی معنی ہی مقصود ہیں۔ اور اگر غور کرو۔ تو آپ کو قرینہ کی رو سے مجاز کا متعذر ہونا معلوم ہوگا۔ تو اب خاتم النبیین کا معنی انبیاء کے سلسلہ کو ختم کرنیوالا

Marfat.com

اور خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین ہوئے۔ اور اسی کی موید ہیں احادیث صحیحہ مثل انا خاتم الانبیاء و لا نبی بعدی، یعنی میں آخر الانبیاء ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں دوسری حدیث شریف میں حضورؐ فرماتے ہیں۔ ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنه و اجمله الا موضع لبنه من زاویة فجعل الناس یطوفون به و یعجبون له و یقولون هلا وضعت هذه اللبنة۔ فقال انا اللبنة و انا خاتم النبیین۔ یعنی میری اور سابقہ انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا ہو۔ اور اُسے اچھا اور خوبصورت بنایا ہو۔ مگر کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑی ہو۔ تو لوگ اس کے گرد گھومتے اور تعجب کرتے ہوں۔ اور کہتے ہوں۔ کہ یہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی۔ میں وہ اینٹ ہوں کہ جیسے اب قصر نبوت مکمل ہو گیا اور میں خاتم النبیین ہوں تیسری حدیث شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔ فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب و احلت لی الغنائم و جعلت لی الارض مسجدا و طهورا۔ و ارسلت الی الخلق کافة و ختم بی النبیون۔ یعنی حضورؐ فرماتے ہیں کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ وجوہ سے فضیلت دی گئی ہے۔ ایک تو مجھے کلمات جامعہ عطا ہوئے۔ دوسرے رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی تیسرے میرے لئے مال غنیمت کو حلال کیا گیا۔ چوتھے میرے لئے تمام روئے زمین کو نماز پڑھنے کی جگہ اور پاک بنایا گیا۔ اور پانچویں یہ کہ مجھے تمام مخلوقات کی طرف مبعوث کیا گیا اور چھٹے یہ کہ میرے ساتھ سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا گیا

حضورؐ نے اپنے آپ کو کونے کا پتھر فرما کر ایک بہت بڑے راز کی طرف اشارہ فرمایا۔

دوسری حدیث میں حضورؐ نے اپنے آپکو کونے کے پتھر کے ساتھ مشابہت دیکر ایک بہت بڑے راز کی طرف اشارہ فرمایا۔ جسے عاشقوں نے سمجھ لیا اور کوچہ عشق کے ناواقف بھٹکتے بھٹکتے کہاں سے کہاں نکل گئے۔ سچ ہے۔

نکتہ گفتن پیش اکثر فہماں زحکمت بیگماں ۔۔۔ جوہرے چند از جواہر ریختن پیش خراست

Marfat.com

حضور سرورِ عالم کی آمد سے صدیوں پہلے تصویری زبان کا رواج تھا۔ اور حضورؐ کی بعثت کے بعد بھی ممالک میں بجائے حروف کے تصویروں کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو بیان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آج بھی لنڈن برٹش میوزیم میں سینکڑوں کتابیں تصویری زبان میں موجود ہیں۔ پرانے کتبے اور تحریرات جو زمینوں سے مدفون نکلتی ہیں۔ اُن میں بھی اکثر تصویری زبان کا استعمال نظر آتا ہے۔ کہیں گھوڑا ہے کہیں گائے۔ کہیں درخت ہے۔ کہیں برتن۔ اُن تصویروں سے وہ لوگ ایسے ہی مطلب حاصل کیا کرتے تھے جیسے آج ہم حروف تہجی کے ملانے سے حاصل کرتے ہیں۔

اب جب آپکے ذہن میں یہ بات صحیح طور پر آگئی۔ کہ دنیا میں حضورؐ کے قبل عام طور پر اور بعد میں بعض خاص ممالک میں تصویری زبان میں لکھنے کا رواج تھا۔ تو اب یہ سمجھو کہ تصویری زبان میں پتھر سے کیا مراد ہوتی ہے؟ تصویری زبان میں پتھر سے مراد معزز انسان۔ بادشاہ یا اور کوئی مقدس ہستی مراد ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اسی واسطے یوشع بن نون نے یردن سے گذرتے وقت بارہ پتھر اٹھائے۔ یوشع باب ۴۔ جو بقول علمائے بائیبل بارہ حواریوں کی پیشینگوئی تھی۔ انجیل نے پطرس کو پتھر کے ساتھ تشبیہ دی۔ کیونکہ وہی کلیسا کے لیے بنیادی پتھر بنا۔ تو معلوم ہوا کہ خود انجیل و توریت نے تصویری زبان کی مطابقت میں پتھر سے دین و دنیا کا کوئی مقتدر انسان مراد لیا ہے۔ تو اب حضورؐ کی فدا اُن پیشینگوئیوں پر پر نظر ڈالو۔ جو توریت اور انجیل میں بیان کی گئی ہیں۔ اور پھر اُن کے ساتھ حضورؐ کے الفاظ انا اللبنۃ کو مطابق کر کے اُن کی صداقت کو انصاف کی ترازو پر جانچو۔

لوقا باب ۲۰ آیت ۱۷۔ وہ پتھر جسے راجگیروں نے رد کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ ایسا ہی متی باب ۲۱ آیت ۴۲ اور توریت و زبور میں بھی مذکور ہے۔ اب غور کرو کہ وہ کون سی مقدس ہستی ہے جو کونے کا پتھر تھی۔ اور جس سے عمارت بالکل مکمل اور پوری ہو گئی۔ وہ بقول انجیل اور پھر بمطابق احادیث اور بمطابق قرآن حضور سید المرسلین ہی کی ذات گرامی ہے۔

Marfat.com

جو اگر انجیل میں کونے کے پتھر ہی تو احادیث میں اللبنۃ من زاویۃ اور قرآن میں خاتم النبیین کے الفاظ سے تعبیر کئے جا رہے ہیں۔

حضورؐ کے قصر نبوت کا آخری پتھر ہونے پر عملی پیشینگوئی

اور پھر یہی نہیں۔ کہ صرف پہلی کتابوں میں سے تحریری طور پر قصر نبوت کے آخری پتھر کے متعلق پیشینگوئیاں کی گئیں۔ بلکہ حضورؐ کی بعثت سے صدیوں پیشتر عملی طور پر ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کو خانہ کعبہ بناتے وقت ایک کونے میں حجر اسود کو رکھنے کا حکم دیا گیا۔ تاکہ ملت ابراہیمی پر چلنے والی آئندہ نسلیں حجر اسود یہ نتیجہ نکال سکیں۔ کہ وہ کونے کا پتھر عرب کے ملک مکہ معظمہ کے شہر میں مبعوث ہوگا۔ اور جس کا قبلہ یہ کعبہ ابراہیمی ہوگا۔

حجر اسود کی موجودہ جگہ اللہ تعالیٰ نے متعین فرمائی

اور حجر اسود کے خانہ کعبہ میں موجودہ جگہ پر رکھنے کے متعلق کتابوں میں آتا ہے۔ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لاڈلے بیٹے اسمٰعیل کی معیت میں خانہ کعبہ کی دیواروں کو قدآدم سے بلند کیا۔ تو اوپر ہاتھ نہ پہنچ سکنے کے باعث کسی ایسے پتھر کی ضرورت پڑی۔ کہ جس پر کھڑے ہو کر کام کو جاری کیا جا سکے۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایسے پتھر کی تلاش میں نکلے۔ رستے میں حضرت جبرئیلؑ نے آپکی رہنمائی کی اور فرمایا۔ کہ فلانے غار میں دو پتھر پڑے ہوئے ہیں۔ ایک بڑا ہے اور ایک چھوٹا۔ بڑے پر تو آپ کھڑے ہو کر اپنا کام کریں اور چھوٹے کو کعبے کے فلاں مقام پہ جما دیجئے۔ اور یہ پتھر آدمؑ اپنے ساتھ جنت سے لائے تھے۔ جسے نوحؑ نے طوفان کے باعث یہاں رکھ دیا تھا۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام دونوں پتھر لائے۔ اور حسب ہدایت حجر اسود کو تو جبرائیلؑ

Marfat.com

کے بتائے ہوئے مقام پر نصب فرما دیا۔ اور دوسرے پر حضرت ابراہیمؑ کھڑے ہو کر کام کرنے لگے۔ جس میں حضرت کے قدم مبارک کا نشان معجزۃً آج تک موجود ہے۔ اور جو مقام ابراہیم میں محفوظ پڑا ہوا ہے۔

حجر اسود کے ابتدا میں سفید ہونے پر تاریخی شہادتیں

تو خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ حجر اسود اس روایت کی رو سے بہشتی پتھر ہے۔ اور اس کا موجودہ مقام جبرئیلؑ کا بتایا ہوا ہے۔ اور پھر بعض کتابوں میں تو یہ بھی ہے کہ حرم شریف کی حد اس پتھر کی چمک اور روشنی سے مقرر ہوئی۔ جہاں تک اس پتھر کی روشنی پہنچی وہاں تک حرم کے نشانات کو قائم کر دیا گیا۔ نصب کرتے وقت یہ پتھر بالکل سفید تھا۔ مگر کروڑوں گناہگاروں کے چھوتے اور چومنے سے اس کی سفیدی سیاہی میں تبدیل ہو گئی اور وہ حجر ابیض آج امت کے گناہوں کی ظلمت کو جذب کر کر کے حجر اسود ہو چکا ہے۔ اور یہ بات جو مشہور ہے کہ حجر اسود میں کچھ سفیدی باقی ہے۔ جب وہ بھی سیاہ ہو جائیگی تو اس وقت قیامت قائم ہو جائیگی۔ تو یہ قول صرف زبانی ہی نہیں۔ بلکہ عرب کی قدیم تاریخوں میں اس کا تحریری ثبوت بھی ملتا ہے۔ چنانچہ تواریخ عربیہ میں مسطور ہے۔ کہ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حجر اسود میں متعدد سفید نقطے دیکھے ہیں۔ اور ابن جبیر کی تاریخ وفات ۶۱۴ھ ہے۔ اس کے بعد فقیہ سلیمان عسقلانی نے اپنی مناسک میں بیان فرمایا ہے۔ کہ میں نے حجر اسود میں تین جگہ سفیدی دیکھی ہے۔ اور ان کی یہ تحریر ۸۰۲ھ کی ہے۔ اس کے بعد متعدد آدمیوں نے اس سفیدی کو دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ ابھی صرف ایک نقطہ باقی ہے۔ اور اب تو اس ایک نقطے کی سفیدی بھی بہت دھندلی پڑ چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حجر اسود کی تبدیلی لون پر اعتراضات اور انکے جوابات

Marfat.com

اعتراض :- اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک پتھر ابتداً میں سفید ہو۔ اور محض گناہگار لوگوں کے چھونے کی وجہ سے اس کی سفیدی سیاہی میں تبدیل ہو جائے :- اوّل تو اس پتھر میں قوت جاذبہ کی موجودگی محلِ تامل ہے۔ اور پھر بشرطِ وجود گناہ کچھ محسوس ہیولی تو چیز نہیں۔ کہ اس میں جذب ہو جاتے ہوں گے۔ گناہ تو ایک صفت ہے منجملہ دوسری صفات کے تو پھر ایک غیر مرئی و غیر محسوس صفت کا پتھر جیسی چیز میں جذب ہو جانے کا کیا مطلب۔ اور پھر بفرضِ محال اگر بفرضِ محال اگر جذب بھی ہو گئے۔ تو گناہوں کو سیاہی کی صورت میں کیوں دکھایا گیا۔ کیا اور رنگ نہ تھے کہ بجائے حجرِ اسود کے حجرِ اخضر یا احمر یا ازرق بنا دیا جاتا۔

جواب۔ قوت جاذبہ کی موجودگی میں تامل کرنا خود محلِ تامل ہے کیونکہ معترض کے پاس اس کے عدمِ وجود پر کوئی دلیل نہیں۔ اور ہمارے پاس اس کے وجود پر یہ صاف دلیل موجود ہے۔ کہ وہ معتبر تاریخی شہادتوں کی رو سے پہلے سفید تھا۔ اور بعد میں سیاہ ہو گیا۔ لہذا یہ تغیر قوت جاذبہ کے وجود کی بین دلیل ہے۔ اور صفت کے متعلق یہ عرض ہے کہ بیماری بھی ایک صفت ہے۔ مگر غیر مرئی صفت کو بعض پتھر جذب کرنے میں بڑا کمال رکھتے ہیں۔ مثلاً سنگ یشب اختلاج قلب اور خفقان کے لئے کہ صفات غیر مرئیہ ہیں۔ بقول اطبا نہایت نافع ہے اور اعداء کے مابین عداوت پیدا کرنے کے لئے حجر الکلب کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح عقیق۔ الماس وغیرہ بھی اپنی مخصوص قوتوں کی وجہ سے بعض بیماریوں کے ازالہ یا جذب کے لئے نہایت مجرب علاج تسلیم کئے گئے ہیں۔ تو جب جسمانی بیماریوں کا انجذاب پتھروں کے ذریعہ ہر ذی عقل تسلیم کر لیتا ہے۔ تو پھر روحانی امراض کے انجذاب کو تسلیم کر لینے میں کیا حجت ہو سکتی ہے۔

لعلہ پتھر کی سفیدی کا سیاہی میں تبدیل ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان پاک ہوتا ہے اور نور الٰہی سے اس خاکی جسم کو منور کر لیتا ہے۔ تو اس پر حقائق کونیہ کا انکشاف ہونے لگتا ہے اور وہ اس نور باطن کی وجہ سے وہ کچھ دیکھتا ہے کہ جس کا تعلق دیدہ سے ہے نہ کہ شنید سے

Marfat.com

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم چو ما شوی بدانی

مگر جب وہ شخص اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُول کی حدود توڑتا ہے۔ تو یہ نور بتدریج کم ہوتے ہوتے ختم ہو جاتا ہے۔ جس طرح ظلمت امتیاز اشیاء میں مانع ہوتی ہے اسی طرح وہ بھی نیک و بد اور اچھے بُرے میں تمیز نہیں کر سکتا۔ تو گویا اُس کی حالت بعینہٖ اُسی انسان کی سی ہو جاتی ہے۔ جو اندھیری رات میں منزل مقصود کو جاتے ہوئے بھٹک رہا ہو۔ اس کے علاوہ نور کی مد مقابل اور ضد کامل ظلمت ہے۔ کیونکہ باقی رنگ نور یا سفیدی کے پورے پورے ضد نہیں۔ اس لئے گناہوں کو سیاہی کے رنگ میں ظاہر کرنا ہی انسب و اعلیٰ تھا۔

تو مطلب یہ بیان ہو رہا تھا۔ کہ حجر اسود کا خانہ کعبہ میں نصب کیا جانا تورات و زبور کی پیشگوئیوں کے ساتھ عملی پیشگوئی تھی۔ اور پھر حضورؐ کا اپنے آپ کو قصر نبوت کی آخری اینٹ فرمانا اور اللہ جل شانہٗ کا آپ کو خاتم النبیین سے یاد فرمانا سرور عالم کے آخر الانبیاء ہونے پر آفتاب سے زیادہ روشن دلیلیں ہیں مگر ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

النبیین کا الف لام عہد ذہنی نہیں بلکہ استغراقی ہے

بعض نے اگرچہ خاتم کے معنوں میں تو کوئی انکار نہ کیا۔ مگر النبیین کے الف لام کو عہد ذہنی قرار دے کر یوں معنی کئے۔ کہ آپ اپنے سے پہلے انبیاء یا معہودہ پیغمبروں کے خاتم ہیں البتہ آپ کے بعد اگر کوئی نبی آپ کے رنگ میں رنگا ہوا اور اتباع اور بروز آپ سے نبوت حاصل کر کے آئے تو اس سے اس کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

مگر وہ اتنا خیال نہیں کرتے۔ کہ پھر حضور کے لئے خاتم النبیین ہونا کونسی خصوصیت حضور قرار دیا جا سکتا ہے۔ پھر تو حضرت آدمؑ کے سوا سب پیغمبر خاتم النبیین ہو جاتے ہیں

Marfat.com

کیونکہ اُن میں سے ہر ایک پہلوں کے بعد آیا اور پچھلوں کا آنا ختم نبوت کے منافی نہیں اس سے تو ختم نبوت کا وہ مہتم بالشان مرتبہ کہ جسے قرآن پاک نے حضور کی انتہائی فضیلت قرار دے کر بیان کیا ہے آپ کے لئے کوئی امتیازی چیز نہیں رہتی۔ اور حضور کا اپنے متعلق ختم بی النبیون فرمانا بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ النبیین کا الف لام عہد ذہنی نہیں بلکہ استغراقی ہے۔ اب حضور پر سلسلۂ نبوت کو ختم کر دیا گیا ہے۔ اور آپ کے ساتھ قصر نبوت کو مکمل فرما کر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا تمام دنیا میں اعلان کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اب کمال کے بعد کسی یُوحٰی اِلَیہ مکمل کی ضرورت سمجھنا اعلان خداوند کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے؟

دیکھئے بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ بیان یہ ہو رہا تھا کہ سب انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا۔ ہاں اُن کی شریعتیں ضرور آپس میں مختلف تھیں پھر شریعت اور دین کا فرق بیان کرتے کرتے ختم نبوت کی طرف چلے آئے تو اب پھر اصلی مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی اسلام تمام پیغمبروں کا مذہب رہا ہے۔ اور وہی مذہب حوا و آدمؑ نوحؑ۔ ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کا تھا۔ شریعتوں کا چولہ بدلتے بدلتے حضرت محمد رسول اللہ کی ذات گرامی تک پہنچا۔ اسی واسطے قرآن پاک اسلام کو کسی جگہ بھی دین محمدی یا جدید مذہب نہیں کہتا۔ بلکہ وہ تو بار بار صاف اور صریح اعلان فرماتا ہے۔ شَرَعَ لَکُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی الخ۔ یعنی اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر فرمایا۔ جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا۔ اور جو ہم نے تیری طرف وحی کیا۔ اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسٰےؑ کو حکم دیا۔

اسلام دین فطرت ہے

اسلام کا لفظ ہی ظاہر کرتا ہے کہ یہی وہ مذہب ہے۔ جو انسان کی فطرت کے مطابق

Marfat.com

اور خالق فطرت کا بھیجا ہوا ہے۔ کیونکہ اسلام لغت میں کہتے ہیں۔ اطاعت کو، فرمانبرداری اور تسلیم کو۔ تو گویا اسلام وہ مذہب ہے۔ جو بندے میں اپنے معبود کی فرمانبرداری اور اطاعت کے مادہ کو پورا پورا پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسی معنی کی جامعیت اور وسعت کے باعث اللہ تعالیٰ اسے دین فطرت کے مقدس لقب سے یاد فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

پس قائم کر اپنی توجہ کو دین حنیف کے لئے۔ اور یہ دین رب العزت کی وہ فطرت ہے جس پر اس نے تمام انسانوں کو پیدا کیا۔ خدا کی تخلیق میں کچھ رد و بدل نہیں ہو سکتا اور وہ فطرت کیا ہے یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ اسے نہیں جانتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ما من مولود لو یلد علی فطرۃ الاسلام فابواہ یہودانہ یمجسانہ وینصرانہ۔ کہ کوئی ایسا بچہ نہیں جو اسلامی فطرت پر پیدا نہ ہوتا ہو یعنی اگر وہ باہر کے اثر سے بچا رہے اور غیروں کا اثر اس پر نہ پڑے۔ تو وہ فطرتاً اور طبعاً اسلامی قوانین کی طرف مائل ہوگا۔ مگر والدین کے اثر سے وہ کبھی تو یہودی ہو جاتا ہے۔ اور کبھی مجوسی یا نصرانی۔ اور اس طرح فطرتی میلان خارجی اثرات میں دب کر رہ جاتا ہے۔ تو گویا اسلام ہر انسان کا فطرتی مذہب ہے۔ اس واسطے اسے کسی انسانی ہستی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ عام طور پر دوسرے مذاہب کو کیا جاتا ہے کیونکہ ان کے موجود مذاہب واقعی انسانی اختراع و ایجاد معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کی محدود و نامکمل تعلیمات صاف ظاہر کرتی ہیں۔ کہ یہ مذہب نہ جامع ہے۔ کہ تمام دنیا کا مذہب کہلایا جا سکے۔ اور نہ قدیم حالت پر قائم ہے۔ کہ اس کا نام اسلام کی طرح اپنے اندر آسمانی مذہب جیسی وسعت اور کشادگی رکھے۔ اس واسطے قدامت کی نفی اور حدوث کے ثبوت کے لئے ان کو کسی تاریخی نام سے منسوب کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔

Marfat.com

اسلام ہی کیوں صراط مستقیم ہے

اب بحث یہ رہ جاتی ہے۔ کہ اسلام ہی صرف صراط مستقیم کیوں ہے۔ دوسرے مذاہب صراط مستقیم کہلائے جانے کے کیوں قابل نہیں؟

اس کا مختصر جواب تو یہ ہے۔ کہ جیسا دو نقطوں کے درمیان سیدھے سے سیدھا خط ایک ہی ہوتا ہے اسی طرح عبد و معبود کے دو نقطوں کو ملانے والا خط بھی ایک ہی ہے۔ اب وہ خط اتنا قدیم اور پرانا ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ نوع انسان کا وجود قدیمی ہے۔ اور یہ اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں۔ کہ اسلام ہی اس شرط کو پورا کرتا ہے اور بس۔ اس کی تعلیم کی جامعیت اس کے نام کی وسعت۔ اس کے تعلقات کا قدم سب چیزیں اسے ہی عبد و معبود کے درمیانی خط ہونے کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور جب یہ سب خطوں سے قدیم ہے۔ تو قدیم تو وہی ہو سکتا ہے۔ جو نقاط کے تقابل ہوتے ہی پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دوسرے تو بعد کی پیدائش ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام کا خط مستقیم یا صراط مستقیم ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اور دوسرے خطوط یا مذہب کے نام قدم اور حدوث کے متعلق تو عرض کر ہی چکا ہوں کہ ان کے نام مثلاً یہودی نصرانی۔ بدھ۔ ہندو۔ جین وغیرہ صاف کہہ رہے ہیں۔ کہ ہم اس نام یا مقام کے پہلے دنیا میں موجود نہ تھے۔ اور ان ناموں یا مقاموں کا حادث ہونا تو ظاہر ہے۔ لہذا ان کی طرف منسوب دینوں کا حادث ہونا بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور جب حادث ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک بھی ایسا خط نہیں۔ کہ جو عبد و معبود کے نقاط کے متقابل ہوتے ہی پیدا ہوا ہو۔ اور جب ایسا نہ ہوا۔ تو پھر خط مستقیم بھی نہ رہا۔ بلکہ منحنی ہو گیا

اسلام کے صراط مستقیم ہونے کی بالوضاحت تشریح

اور مفصل جواب یہ ہے کہ صراط مستقیم وہی مذہب ہو سکتا ہے جو حد اعتدال پر

Marfat.com

قائم ہو جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔ نہ کمی ہو نہ زیادتی۔ بلکہ اُس کا ہر ایک قانون عدل و عقل کے ترازو پر بالکل جچا تلا ہوا ہو۔ اور وہ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے۔ جو اگر ایک طرف عقل کی سب ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ تو دوسری طرف افراط و تفریط کے عین بیچوں بیچ عدل و انصاف کے صراط مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتا ہے۔ مگر دوسرے مذاہب صراط مستقیم سے کوسوں دور ہیں۔ اور اُن پر چلنے والا۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں رہ کہ تو میروی بترکستان است

کے شعر کا مصداق ہے۔

اسلام نے کس طرح ہر چیز اور قانون میں حد اعتدال کو قائم رکھا۔ اور دوسرے مذاہب نے کس طرح تجاوز کیا۔ اس کا مختصر سا ذکر بھی کر دیتا ہوں۔ تاکہ میرا یہ دعوے کہ اسلام صراط مستقیم ہے بلا دلیل نہ رہ جائے۔

صراط مستقیم کو خاص رکھتے ہوئے تشریح

اھدنا الصراط المستقیم کی دو حالتیں ہیں۔ ایک خاص۔ دوسری عام۔ خاص تو یہ ہے کہ مصلی اللہ تعالے کے سامنے کھڑے ہو کر الحمد للہ رب العلمین کہتا ہے۔ اس میں مصلی نے اللہ تعالی کے لئے دو چیزیں ثابت کیں۔ ایک تو ذات باری کے وجود کو مانا۔ دوسرے اس کے لئے صفات محمودہ کو ثابت کیا۔ اس کے بعد الرحمن الرحیم میں اُس نے ذات بابرکات کے لئے رحمانیت و رحیمیت کی صفات کو بیان کیا۔ اب اس کے بعد اللہ جل شانہ کی تعریف مالک یوم الدین بیان کی۔ اس میں صفت کے ساتھ اللہ تعالی کے عادلانہ افعال کی طرف بھی اشارہ کیا کہ وہ بڑا عدل اور انصاف کرنے والا ہے۔ اب اس کے بعد اُس کے لئے عبادت کو مختص کیا۔ اور پھر سب کے بعد ایاک نستعین کہہ کر عبادت کی طرح استعانت کو بھی ذات باری کے ساتھ خاص کر دیا۔

Marfat.com

گویا مصلی نے یہاں تک پانچ چیزوں کا اقرار کیا۔ اوّل ذات باری کا۔ دوم صفات باری کا۔ سوم افعال باری کا۔ چہارم عبادت کا۔ اور پنجم استعانت کا۔ اب ان پانچوں کے اقرار و اعتقاد کے بعد مصلی دربار ربّی میں التجا کرتا ہے۔ کہ اے مالک مجھے ان اعتقادات عبادات اور مطلوبات میں صراط مستقیم کی ہدایت فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ میں ان باتوں میں صراط مستقیم سے منحرف ہو کر کہیں افراط و تفریط کی ہولناک خندقوں میں گر کر ہلاک نہ ہو جاؤں۔ میں جو آپ کی ذات، صفات، اور افعال کے متعلق اعتقاد رکھتا ہوں۔ اُن میں اعتدال، صحت اور میانہ روی عطا فرمائیں۔ پھر جو عبادت کرتا ہوں وہ بھی صراط مستقیم کی حد میں داخل ہو اور استعانت کے معاملے میں بھی میرا قدم صحیح رستے سے نہ ڈگمگائے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور افعال کے اعتقاد کے متعلق صراط مستقیم

اب یہ سمجھنا چاہیے۔ کہ ذات، صفات اور افعال معبود میں اور عبادت و استعانت عبد میں افراط و تفریط کس طرح ہو جاتی ہے۔ اور اسلام اُن کے درمیان کون کون سے بین بین رستے کی ہدایت کرتا ہے۔ مثلاً بعض گروہ ایسے ہیں کہ وہ باری تعالیٰ کے وجود کے تو مقر ہیں۔ مگر رات دن اُس کی ذات میں بے جا تفکر اور تصور دوڑانے میں مشغول ہیں۔ اور اُس کی کنہ و ماہیت کے دریافت کرنے میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اور یہ افراط ہے۔ مگر اسلام نے ایک طرف تو لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم دے کر ذات باری کے ماننے کے متعلق ہدایت فرمائی۔ اور دوسری طرف لیس کمثلہ شی ارشاد فرما کر ذات باری میں بے جا تفکر کرنے سے منع کر دیا۔ کیونکہ جب اُس جیسی کوئی چیز ہی نہ ہوئی اور ہمارا ادراک و عقل تو انہی محسوسات سے نتیجہ اخذ کر سکتا ہے۔ تو پھر بے مثال کا تصور کیا کر سکیگا۔ اب صفات میں بعض نے تنزیہہ کے خیال صفات کی بالکل نفی کر دی۔ مثلاً

Marfat.com

جن آیتوں یا حدیثوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے مُنہ۔ ہاتھ۔ پاؤں اور پنڈلی وغیرہ ثابت ہوتی ہے۔ تو انہوں نے ان الفاظ کے معنوں میں تاویلیں کر دیں۔ مثلاً مُنہ سے مراد ذات الٰہی لے لی۔ ہاتھ سے مراد قبضہ اور قدرت لی۔ اور اس تاویل ضرورت میں لیس کمثلہ شیئی کو بطور دلیل پیش کیا۔ دوسرا گروہ ان صفات کے لفظی معنوں اللہ تعالیٰ پر منطبق کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ ہاتھ مُنہ۔ پاؤں وغیرہ جو الفاظ آیتوں یا حدیثوں میں آئے ہیں۔ اُن سے مُراد ویسے ہی ہاتھ مُنہ وغیرہ ہے۔ اُنہیں کسی قسم کی تاویل نہیں کرنی چاہیئے۔ اور وہ دلیل میں اُنہی الفاظ کو لُغوی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ تو یہ دونوں گروہ افراط و تفریط میں مرضوں میں مبتلا ہیں۔ صراط مستقیم یا اسلام یہ سکھاتا ہے کہ تم ان صفات خُداوندی پر ایمان لاؤ۔ مگر ان کی حقیقت کو خُدا کے سپرد کر دو۔ ہماری جوابدہی اتنی ہے۔ کہ ہم نے ایمان لایا۔ جیسے آیات متشابہ کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِهٖ۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا۔ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ دیکھیے یہاں تاویلیں کرنے والوں کو کجرو قرار دیا گیا ہے۔ تعریف اُنہیں کی گئی ہے جنہوں نے کہا۔ امنا به كل من عند ربنا۔ کہ ہم ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ تو یہاں پر بھی ایسے الفاظ متشابہ پر ایمان لا کر اُن کی کیفیت کو اللہ جل شانہ کے سپُرد کر دینا ہی قابل تعریف کام ہے۔ اور افعال باری میں افراط و تفریط یہ ہے۔ کہ بعض لوگ بندے کے سب افعال کو اللہ کے افعال سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ بندے کو اپنے کاموں میں کچھ اختیار نہیں۔ بلکہ اس کے سب کام ایک مرتعش کی حرکت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اور اس طرح گویا بندہ کو ایک پتھر اور جماد کی طرح بے اختیار قرار دے کر سزا اور جزا جہنم و جنت اور اوامر و نواہی کو بالکل بے کار قرار دیتے ہیں۔ ان کے

Marfat.com

مقابل میں دوسرا گروہ اللہ کے افعال کو بندے کے افعال میں بالکل دخیل ہی نہیں سمجھتا۔ اور وہ انسان کو اس کے کاموں میں مختار مطلق سمجھتا ہے۔ اور اس طرح گویا وہ مسئلہ تقدیر کا انکار کرتا ہے۔ مگر اسلام ان کے درمیانی رستے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ اللہ جل شانہ کو خالق افعال اور انسان کو کاسب افعال ٹھہراتا ہے۔ وہ انسان کو نہ تو مجبور محض قرار دیتا ہے۔ اور نہ مختار مطلق۔ بلکہ انسان کو الصراط بین الجبر والقدر کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور اس کے متعلق چند روز پہلے مفصل بیان کر چکا ہوں۔ اب عبادت میں افراط یہ ہے۔ کہ جہاں کہیں خدا کی کسی صفت کا ظہور دیکھا۔ اور وہاں ہی اس کے آگے سر بسجود ہو گیا جیسے بعض فرقے آگ۔ درخت۔ سانپ اور پتھر وغیرہ کو پوج رہے ہیں۔ اور تفریط یہ ہے۔ کہ دنیا کے کاموں میں ایسا مشغول ہو جائے۔ کہ اس خالق و مالک کو بالکل ہی بھول جائے جیسا کہ آج کل دنیا پرست اور زر مرید قومیں کر رہی ہیں۔ اعتدال یہ ہے کہ دنیا کے کام بھی کرے۔ کیونکہ حضور کا فرمان لا رھبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ کمائے۔ کھائے پیئے۔ اور دنیا کے طیبات سے متمتع بھی ہو۔ مگر رب العزت کو کسی حال یا وقت میں نہ بھولے۔ اس کے حبیب کے لائے ہوئے فرامین اور قوانین کی اتباع کرے۔ اور دنیا و ما فیہا کو اپنا خادم سمجھ کر ان سے خادموں کی حیثیت کا سلوک رکھے۔ اب رہی استعانت۔ تو اس میں افراط تو یہ ہے کہ کہیں ستاروں کی نحوست و سعادت سے امداد طلب کرے۔ کہیں سورج و مہتاب کو قاضی الحاجات سمجھ کر سوال کرے۔ اور تفریط یہ ہے کہ دوا اور غذا وغیرہ تک سے مدد حاصل نہ کرے۔ نہ خدا سے دعا کرے۔ اور نہ اسباب عادیہ کو استعمال کرے۔ بلکہ ان سب اشیاء کو فضول اور بیکار سمجھ بیٹھے۔ مگر اسلام نے ان دونوں کے درمیانی رستہ کی ہدایت فرمائی کہ مدد اللہ جل شانہ سے مانگو۔ مگر اس کے پیدا کردہ ذرائع اور اسباب کو بھی استعمال کرے کیونکہ ان کا توسل غیر اللہ سے استعانت نہیں۔ بلکہ وہ وسیلہ اور سبب خود اعانت

Marfat.com

خداوندی کا ایک مظہر ہے۔ اب اس جگہ تک تو اھدنا الصراط المستقیم کا بیان خاص صورت کیسے متعلق ہوا کہ نمازی کی اھدنا کی التجا کو اس کے پہلے الفاظ کے ساتھ مختص کر دیا تھا مگر اب اھدنا کی دعا کو عام حالات کے متعلق لے کر تھوڑا سا بیان کرتے ہیں۔

صراط مستقیم کو عام رکھتے ہوئے تشریح

اللہ تعالےٰ نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے۔ وہ دوسرے ہم جنسوں کے ساتھ مل جل کر دنیا میں گزارہ کرتا ہے۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ جہاں پر چند آدمی جمع ہونگے۔ اختلاف رائے۔ اختلاف طبائع اور اختلاف خواہشات کے باعث کسی نہ کسی وقت اُن میں جھگڑا ہو جانے کا امکان ہے۔ اب اس نزاع کو دو طریقوں سے دور کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو ظاہری سیاست سے۔ کہ مظلوم کی مدد کی جائے۔ اور ظالم کو سزا دی جائے۔ اور ایسے قواعد اور قوانین بنائے جائیں۔ کہ جن کی پابندی سے کوئی انسان اپنی مقررہ حدود اور طاقتوں سے آگے نہ بڑھ سکے۔ مگر ایسے قواعد کا تعلق صرف ظاہر ہی سے ہو سکتا ہے مثلاً ایک شخص نے ظاہراً کسی کا مال چرایا۔ تو چور کو سیاسی حکام اپنے قاعدے کے مطابق سزا دے سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ کسی ایسے طریقے سے چوری کرتا ہے۔ کہ حکام وقت اُس کا سراغ لگانے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ تو ایسا چور ظاہری سزا سے بچ جاتا ہے اور سیاسی حکام اُس کا کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لئے کسی دوسرے ایسے قانون کی بھی ضرورت باقی رہتی ہے۔ جو انسان کے اندر کو تبدیل کر کے اُس کے دل کو پورا پورا ظاہری قوانین کا پابند بنا سکے۔ کیونکہ جب کسی انسان کا اندر تبدیل ہو جاتا ہے۔ تو وہ خفیہ اور علانیہ دونوں جرائم سے خود بخود رک جاتا ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔ جس میں دنیا کے سب قبائح موجود تھے۔ جب اسلام لایا تو حضور نے فرمایا کہ اب جاہلیت کے کام مثل زنا۔ شراب۔ جھوٹ۔ دغابازی۔ فریب وغیرہ نہ کرنا۔ اُس نے عرض کی حضور

Marfat.com

یہ سب یکلخت نہیں چھوٹ سکتے۔ سر دست تو میں آپکے ایک پسند کردہ کام سے توبہ کر سکتا ہوں۔ ہاں آئندہ آہستہ آہستہ سب برائیوں کو چھوڑ دونگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو اسی پر مصر ہے۔ تو میں تجھے ہدایت کرتا ہوں کہ آج سے تو جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔ اس نے حضور کی اس بات کو دل وجان سے منظور کر لیا۔ اور عرض کی حضور۔ آج سے میں بالکل جھوٹ نہ بولونگا۔ چنانچہ وہ یہ وعدہ کر کے حضور پُر نور کی خدمت سے اٹھ کر گھر آیا۔ گھر آیا تو پھر اپنی پرانی عادتوں کے خیالات نے آ گھیرا۔ دل نے کہا کہ آج کہیں سے کچھ بڑی چوری کرنی چاہیئے تاکہ شراب وکباب اور عیش ونشاط کی مجلس خوب گرم کی جائے۔ ارتکاب جرم کے لئے تیار ہو کر اُٹھا ہی تھا۔ کہ معاً دل میں خیال آیا۔ کہ اگر کل حضور نے اس چوری کے متعلق پوچھا تو کیا جواب دونگا۔ جھوٹ تو بول نہیں سکتا۔ اور سچ بولونگا۔ تو مالک مکان میرے گردہو جائیگا۔ اور پھر اگر مال نہ ہو تو شراب وکباب کا انتظام بھی مشکل ہے۔ غرضکہ ہزاروں ترکیبیں نفس لعین نے ارتکاب معاصی کی سمجھائیں۔ مگر انجام کار حضور کا وعدہ اُن کا خاتمہ کر دیتا۔ اور اُس کا سب مکر وفریب بیکار ہو جاتا۔ دیکھئے یہ اعرابی حضور سے صرف ایک جھوٹ نہ بولنے کا ایکا وعدہ کر کے ہر قسم کے ظاہری وباطنی گناہوں سے بچ گیا۔

انسان کا اندر تبدیل ہو جانے سے خفیہ اور ظاہری جرائم ختم ہو سکتے ہیں

اسی طرح جب انسان کا اندر تبدیل ہو جائے۔ تو پھر یہ ظاہری احکام بھی اُس کے لئے بیکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ خفیہ گناہ کرنا جرم عظیم سمجھتا ہے۔ تو پھر ظاہراً کس طرح جرم کا ارتکاب کر سکیگا۔ تو معلوم کہ سیاسی احکام سے بھی زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ انسانوں کے اندر کو تبدیل کر کے اُن کے باہمی تنازعات ومخاصمات کو مٹایا جائے۔

اندرونی تبدیلی کی ترکیب

اندرونی تبدیلی کے متعلق بیان کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے۔ کہ انسانوں کے

Marfat.com

باہمی نزاع اور جھگڑے کن باتوں پر ہوا کرتے ہیں۔ اگر آپ غور کرینگے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ہر ایک انسان کو دُنیا میں تین چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ سب سے پہلے غذا کی کہ جس سے وہ اپنا پیٹ بھر سکے۔ اُس کے بعد لباس کی کہ جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانک سکے۔ اور تیسرے درجے پر اسے مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ جس میں وہ اپنے آپ کو سردی گرمی مینہ اور برسات سے بچا سکے۔ اپنے آپ کو ہر قسم کے دشمنوں سے محفوظ رکھ سکے۔ اور اپنے سامان غلہ و دیگر ضروریات زندگی کو چوروں اور لٹیروں سے مامون و مصئون کر سکے۔ اب ان تینوں چیزوں یعنی غذا۔ لباس اور مکان کے حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ ان تمام ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ سب سے پہلی قوت کا نام شہوت ہے۔ شہوت کہتے ہیں خواہش کو۔ یہ خواہش انسان کو غذا۔ لباس اور مسکن کے حاصل کرنے کی رغبت دلاتی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ صرف رغبت سے کام نہیں چل سکتا بلکہ اُن مرغوبات کو حاصل کرنے کا ذریعہ بھی ہونا چاہئے۔ اور ایسی تجویزیں سوچنے اور ایسے ذریعوں کو سمجھنے کے لئے اللہ تعالےٰ نے انسان کو قوت عقلیہ عطا فرمائی ہے۔ مگر اب خواہش کے پورا ہو جانے کے بعد ایک تیسرا مرحلہ باقی رہ جاتا ہے یعنی اُس حاصل شدہ شئے کی حفاظت۔ کیونکہ اگر اُس کی حفاظت نہ کی جائے۔ تو وہ چیز تھوڑے ہی عرصے میں فنا ہو جائیگی۔ اس واسطے یہ بھی ضروری ہے۔ کہ انسان کو ایک ایسی قوت بھی دی جائے۔ جو قوت شہویہ کی مرغوبات اور قوت عقلیہ کی محصولات کو محفوظ رکھ سکے۔ اس قوت کا نام قوت غضبیہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انسانوں کے باہمی نزاع غذا۔ لباس اور مسکن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور غذا لباس اور مسکن کا تعلق قوت شہویہ۔ قوت عقلیہ اور قوت غضبیہ سے ہے۔ تو گویا اگر ان قوتوں کا صحیح اور ٹھیک استعمال کیا جائے۔ تو اس سے انسانوں کے باہمی نزاع کا قریب قریب خاتمہ ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اب ان قوتوں کی اصلاح کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان کو کس طرح ان کے ٹھیک محل اور مقام پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اب اگرچہ ان میں سے ہر ایک قوت کے کثرت سے فروع ہیں مگر فروعات کا بیان بہت طویل اور وقت طلب ہے۔ اس واسطے فروع کو چھوڑ کر سردست انہیں تین اصولی قوتوں کے متعلق بیان کرتا ہوں۔

اگر آپ غور کریں گے۔ تو ان بیان کی ہوئی تین قوتوں میں سے ہر ایک قوت کے استعمال کے لئے زیادہ سے زیادہ تین محل سمجھ میں آسکتے ہیں۔ یعنی یا تو اس کو ٹھیک محل پر استعمال کیا گیا ہے یا محل سے بڑھا کر استعمال کیا گیا ہے یا محل سے گھٹا کر۔ تو گویا ٹھیک محل بڑھانے اور گھٹانے کے درمیان رہا۔ یا دوسرے الفاظ میں افراط اور تفریط کے درمیان رہا۔ اور اسی افراط اور تفریط کے درمیانی رستہ کا نام صراط مستقیم ہے۔

قوت شہویہ کے متعلق

اب مثلاً قوت شہویہ کو لو۔ اس کی افراط یہ ہے کہ کھانے پینے۔ لباس و ثیاب۔ اور طعام و لذائذ کا ایسا دلدادہ بن جائے۔ کہ حرام حلال۔ اپنے اور غیر نجس اور طیب کی امتیازات کو ہی اٹھا دے۔ اور رات دن ان چیزوں کی فکر میں ایسا منہمک رہے کہ:۔

خواجہ رابیں کہ از سحر تا شام | دارد اندیشۂ شراب و طعام
شکم از خوش دلی و خوش حالی | گاہ پر کند گہے خالی
فارغ از خلد و ایمن از دوزخ | جائے او مزبلست یا مطبخ

اس افراط اور انہماک کا نام فجور یا خلاعت ہے۔ اور تفریط یہ ہے کہ حلال اپنی طیب اور بقائے نفس کے لئے ضروری خوراک و پوشاک کو بھی ترک کر دے۔ جوگی اور راہب بن کر تمام لذائذ طیبہ طبیعہ سے منہ موڑ لے۔ اور یہ درجہ خمود کہلاتا ہے۔ فجور

Marfat.com

اور خمود کے درمیانی رستہ کا نام عفت ہے۔ یعنی نہ تو حیوانات کی طرح حرام و حلال کا امتیاز اٹھا کر خواہشات میں منہمک ہو جائے۔ اور نہ ہی خدا کی حلال و طیب مرغوبات کو چھوڑ دے۔ بلکہ شہوت کی افراط و تفریط سے بیچ کر وسطی رستہ کو اختیار کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ یعنی اے حبیب آپ کہہ دیجئے۔ کہ کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے۔ اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا۔ مگر اس آیت کے سرے پر خداوندی زینتوں اور طیب رزقوں کے استعمال کے لئے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کی قید لگا دی گئی ہے۔ یعنی کھاؤ۔ پیو۔ مگر اسراف نہ کرو۔ عربی میں اسراف کا اطلاق افراط اور تفریط دونوں پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب کلیات ابو البقاء میں ہے۔ الاسراف نوعان افراط و تفریط۔ فالافراط مایکون فوق الحاجة الضروریة او علی دفق الطبع و الشھوة او علی الغفلة او علی ترک الادب او غیر ذلک۔ والتفریط ان ینقص من قدر الحاجة الضروریة۔ و یقصر فی حفظ القوة و الطاقة للقیام بحق العبودیة الخ۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اسراف دو قسم ہے۔ ایک افراط اور دوسرے تفریط۔ غرضیکہ دونوں قسموں کو اسراف میں داخل کیا گیا ہے۔

نکتہ۔ کسی کتاب میں نظر سے گزرا کہ ایک نصرانی ڈاکٹر ہارون رشید کے دربار میں ملازم تھا۔ ایک دن اس نے ایک مسلمان عالم سے کہا۔ کہ دنیا میں دو علم ہوتے ہیں۔ علم الادیان و علم الابدان۔ میں مانتا ہوں کہ پیغمبر عربی نے علم الادیان کے متعلق تو ایک جامع مانع کتاب امت کے لئے چھوڑی ہے۔ مگر افسوس کہ علم الابدان کے متعلق نہ تو آپ لوگوں کو کچھ واقفیت ہے۔ اور نہ ہی آپ کے نبی اور کتاب نے اتنے بڑے مسئلہ کے متعلق کچھ بیان کیا۔

Marfat.com

اُنہوں نے فرمایا۔ کہ اے طبیب۔ چونکہ تو ہمارے قرآن اور ہمارے نبی آخر الزمان کے اقوال سے واقف نہیں۔ اس لئے تجھے یہ غلطی لگ رہی ہے۔ ورنہ قرآن وحدیث سے واقف شخص ایسا کبھی بھی اعتراض نہ کرتا۔ طبیب نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔ کہ کیا آپ کا قرآن علم طب کے متعلق کچھ کہتا ہے۔ اگر کہتا ہے تو آپ ہی پیش کر دیں۔ آپ نے فرمایا۔ قرآن پاک نے تمہارے تمام علم طب کو صرف نصف آیت میں بیان کر دیا ہے۔ اور وہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ہے۔ اور اسراف کی حقیقت جب افراط و تفریط کے پہلوؤں کو بیان کر کے سمجھائی تو نصرانی حواس باختہ سا ہو گیا۔ پھر اُنہوں نے فرمایا کہ اے طبیب۔ اب ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سُن۔ اور دیکھ کہ آپ نے بھی کس طرح تمام علم طب کو چند الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ المعدۃ بیت الداء والحمیۃ راس کل دواء۔ یعنی معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے۔ اور پرہیز سب دواؤں کا سرتاج ہے۔ اس پر نصرانی کو اقرار کرنا پڑا۔ کہ واقعی تمہارے اللہ اور رسول نے تمام طب کا خلاصہ چند الفاظ میں اس طرح بیان کر دیا ہے۔ کہ جس پر عمل کرنے سے نہ تو جالینوس کے نسخوں کی ضرورت رہتی ہے۔ اور نہ بقراط کی کاوشوں کی۔

تو اب غور کرو۔ کہ اسلام نے کس طرح قوت شہوی کے درمیانی اور صحیح رستہ کو بیان فرمایا۔ کہ جس پر عمل کرنے سے اس قوت کی کسی فرع میں جھگڑے کا امکان نہیں رہتا۔

قوتِ عقلیہ کے متعلق

اب اس کے بعد قوتِ عقلیہ ہے۔ قوتِ عقلیہ میں بھی قوتِ شہویہ کی طرح

Marfat.com

تین صورتیں ہیں۔ افراط۔ تفریط اور اعتدال۔ قوت عقلیہ میں افراط تو یہ ہے۔ کہ مرغوبات کے حاصل کرنے میں جائز اور ناجائز ذریعوں میں تمیز نہ کرے۔ نہ عزت کا لحاظ ہو نہ غیرت کا۔ مکر سے فریب سے۔ دھوکے سے بے ایمانی سے جس طرح بھی بن پڑے۔ قوت شہویہ کی خواہش کو پورا کرے۔ اور اسے علم اخلاق کی اصطلاح میں جربزہ کہتے ہیں۔ اور تفریط یہ ہے کہ انسان قوت شہویہ کے مرغوبات کو حاصل کرنے کے جائز طریقوں پر بھی غور نہ کرے۔ بلکہ ان کے حصول میں اپنی تدبیر و تجویز کو کارگر ہی نہ سمجھے۔ اور اپنے آپ کو اور اپنی تجویزوں کو جبریوں کی طرح مجبور اور معذور سمجھے۔ اور اصطلاحی الفاظ میں اس کو غباوت یا بلادت کہا جاتا ہے۔ مگر اسلام جربزہ اور غباوت کے درمیانی رستہ کی تلقین کرتا ہے۔ جس کا نام حکمت ہے۔ اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ نہ جبر محض ہے۔ نہ اختیار کل۔ بلکہ اسلام کہتا ہے۔ کہ قوت شہویہ کی جائز مرغوبات کو حاصل کرنے کی بیشک تدابیر عمل میں لاؤ۔ اور تدبیر کرتے وقت عقل کو شرعی اور مذہبی حدود کا پابند رکھتے ہوئے کام لو۔ تاکہ افراط و تفریط کے دونوں مذموم پہلوؤں سے بچے رہو۔ اور قوت عقلیہ کی نالائق اولاد سفہ۔ ریا۔ نمیمہ۔ تبذل۔ حمق۔ کذب۔ جہل۔ مکر۔ خبث اور بلادت وغیرہ تم میں کسی قسم کا فساد نہ پھیلا سکیں۔

قوت غضبیہ کے متعلق

اب رہی قوت غضبیہ۔ جو عقلیہ کے مجوزہ محصولات کو محفوظ رکھنے کا کام دیتی ہے۔ اس میں افراط تو یہ ہے۔ کہ انسان ان اشیاء کی حفاظت میں مصلحت وقت موقعہ اور مقام کو نہ پہچانے۔ بلکہ جا و بے جا اپنے غصے اور غضب کا اظہار کرے۔ کبھی درندوں کی طرح

Marfat.com

اپنے مطالب کی حفاظت میں اپنے ابنائے جنس کو پھاڑنے کے لئے دوڑے۔ اور کبھی ایک سے بدلہ لینے کی بجائے ہزاروں کا خون کردے۔ کبھی صرف ناک کاٹنے کے استحقاق میں گردن اُڑا دے۔ اور کبھی ایک پیسے کے انتقام کے لئے گھر لوٹ لے۔ اخلاقی اصطلاح میں اس کو تھور اور بعض دفعہ ظلم بھی کہتے ہیں۔ اور تفریط یہ ہے۔ کہ غیرت اور بہادری کے مقام پر نامردی اور بزدلی دکھائے اور باوجود طاقت دفاع کے مفسدین کے ظلم و ستم کا ایسا تختہ مشق بن جائے۔ کہ عزت و ناموس تک خطرہ میں پڑ جائے۔ اور اس تفریط کا نام جُبن ہے۔

مگر اسلام نے اس افراط و تفریط کے درمیانی رستہ کی تلقین فرمائی ہے۔ حکم ہوتا ہے۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔ بلکہ موقعہ و مصلحت کا خیال رکھو۔ بعض دفعہ مصلحت کے لحاظ سے قرار سے فرار مفید ہوتا ہے۔ اسی واسطے عرب کہتے ہیں۔ الفرار فی وقتہ ظفر یعنی موقعہ کے لحاظ سے بھاگنا بھی فتحمندی ہے۔ پھر قوت غضبیہ کے جوش کو روکنے کے لئے فرمایا۔ اَن النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ۔ کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک۔ کان کے بدلے کان۔ دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں میں بھی بدلہ ہے۔ اور پھر جو شخص اس بدلہ لینے کو معاف کردے۔ تو یہ عفو اسکے

Marfat.com

گناہوں کا کفارہ ہو جائے گی تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص بدلہ لینے میں حد سے گزر کر قوت غضبیہ کی خندق افراط میں جا گرے اور یہی حکم قوت غضبیہ کے جانب تفریط سے بھی سد کرتا ہے کیونکہ جب انتقام لیا تو جبن نہ رہا۔ اور معاف کیا تو بھی جبن نہ ہوا۔ کیونکہ عفو یہ ہے کہ انتقام پر قادر رہنے کے باوجود بدلہ نہ لینا اور اگر بدلہ کی طاقت ہی نہیں اور یہ اسے معاف کرتا ہے تو یہ عفو نہیں بلکہ مظلومیت ورنہ جبن کہلائیگا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اندھا کہے کہ میں تو کسی غیر محرم پر نظر ہی نہیں ڈالتا کیونکہ یہ عفت بصر نہیں بلکہ عجز بصر ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اسلام نہ تو تہور کی اجازت دیتا ہے اور نہ جبن کو پسند کرتا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیانی رستہ شجاعت پر چلنے کی تلقین کرتا ہے جس کے وقار، حیا، نہ انتقام، حریت، صبر، ورع، حیا، سخاوت، قناعت وغیرہ تمام فروع ہیں تو خلاصہ تقریر یہ نکلا کہ صراط مستقیم کو انسان کے عام حالات سے متعلق رکھ کر اللہ جل شانہ سے ہدایت کا سوال کرنا گویا عفت، حکمت اور شجاعت کو مع ان کے فروع کے دئے جانے کی التجا کرنا ہے ان قوتوں کے مجموعہ کا نام عدل ہے اسی کو اللہ جل شانہ نے اِعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی میں بیان فرمایا ہے یعنی اے لوگو قوت شہویہ غضبیہ اور عقلیہ کو حد اعتدال پر لا کر صفت عدالت کو پیدا کرو کیونکہ یہی صفت تقوی کے قریب تر ہے اور اسی کی حکومت میں اخلاق ذمیمہ کا نشو ونما بمشکل ہو سکتا ہے تو گویا مصلی نے دعا کی کہ اے اللہ آپ ہمیں صفت عدالت کی رہنمائی فرمائیں تا کہ دنیا کی بے چینیوں اور خرخشوں سے نجات ملے۔

مصلی نے اِهْدِنِی کی جگہ اِهْدِنَا کیوں کہا

نمازی نے یہاں اِهْدِنِی کہہ کر صرف اپنے لئے ہی ہدایت کی دعا نہ مانگی

Marfat.com

بلکہ یوں کہا کہ اھدنا یعنی ہم سب کو ہدایت دیجئے اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر اسے صرف اکیلے ہی ہدایت دی جائے اور باقی سب گمراہی میں رہیں تو اس ہدایت کیلئے نہایت مشکل ہو گی کیونکہ اگر یہ ان باقی گمراہوں کی موافقت کریگا تو کتمان حق کے ساتھ ساتھ اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالدیگا اور اگر ان کی مخالفت کرے گا تو تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنجائیگا اور عجیب نہیں کہ لوگوں کے ہاتھوں بدنی اور مالی آزمائشوں کا بھی نشانہ بن جائے۔

اھدنا کے متعلق ایک حکایت

لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ اور وزیر اپنی رعیت سے بہت تنگ آگئے کیونکہ رعیت جاہل اور ان پڑھ تھی۔ یہ لوگ جو بھی اصلاحی پروگرام ترتیب کرتے رعیت بوجہ جہالت کے اس کی مخالفت میں کھڑی ہو جاتی۔ ایک دفعہ اس شہر میں کہیں سے کوئی بزرگ صاحب تشریف لائے بادشاہ نے ان کی حد سے زیادہ تعظیم و تکریم کی اور مہمانی کا حق پورے طور سے ادا کیا بزرگ صاحب بہت خوش ہوئے اور رخصت ہوتے وقت بادشاہ سے کہا کہ اے بادشاہ اگرچہ میں فقیر ہوں اور میرے پاس دنیوی اشیاء سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں کہ میں تیری مہمانی کا اس کے ساتھ شکریہ ادا کر سکوں۔ لیکن میں اپنے تعلق مع اللہ کو مدنظر رکھ کر آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ اگر آپکی کوئی مراد ہو۔ تو بیان کیجئے تاکہ میں اس کے لئے دربار ربی میں ہاتھ اٹھاؤں۔ بادشاہ نے موقعہ کو غنیمت جانا اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ فقیر صاحب میری رعیت کے لوگ نہایت جاہل اور ضدی ہیں میں جو کام بھی ان کی بہتری کے لئے کرتا ہوں۔ وہ اسکی مخالفت کرتے ہیں لہذا آپ دعا فرمادیں کہ وہ سب کے سب بیوقوف ہو جائیں تاکہ ذہاب وقوف کے بعد جو بھی میں ان کے لئے کروں وہ اس میں آڑے نہ آسکیں فقیر صاحب نے فرمایا کہ اے بادشاہ میں حسب وعدہ اس بات کیلئے بھی دعا کرنے کو تیار ہوں۔

Marfat.com

لیکن یوں دعا کیوں نہ کریں کہ وہ بھی سب تیرے اور میرے وزیر کی طرح دانا ہو جائیں۔ اس پر وزیر اور بادشاہ کہنے لگے۔ کہ صاحب اگر وہ سب کے سب دانا ہو گئے۔ تو پھر تو اور بھی مشکل ہو جائے گی پھر تو وہ ہماری ہر بات کی مخالفت کریں گے اور پھر عجب نہیں کہ سلطنت کے بعض قانونوں اور ٹیکسوں پر نکتہ چینی بھی کریں اسواسطے بہتر یہی ہے کہ آپ ان کے بیوقوف ہونے ہی کی دعا کریں چنانچہ انھوں نے دعا کی اور تھوڑا سا پانی پڑھ کر دیا۔ اور فرمایا کہ اس پانی کو کسی کوئیں میں ڈالدینا اور تین دن تک جو بھی اس کا پانی پئیگا۔ وہ بیوقوف ہو جائے گا۔ چنانچہ بادشاہ نے اس پانی کو ایک کوئیں میں ڈال کر منادی کروا دی۔ کہ کل ایک بزرگ صاحب ہمارے ہاں تشریف لائے تھے۔ ہم نے ان سے پانی دم کروا کے فلاں کوئیں میں ڈلوایا ہے اسواسطے سب لوگوں کو لازم ہے کہ اسی کوئیں کا پانی پئیں تاکہ پانی کی برکت سے ہماری جسمانی اور روحانی بیماریاں دور ہو جائیں چنانچہ دوسرے دن سب لوگوں نے اسی کوئیں کا پانی پیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سب کے سب لوگ بے وقوف ہو گئے اب بادشاہ اور وزیر کو بہت خوشی ہوئی کہ سب لوگ بیوقوف تو ہو چکے ہیں اب ہم جیسا چاہینگے ان سے کروا لینگے چنانچہ چند دنوں کے بعد ایک اصلاحی سکیم لوگوں کے سامنے پیش کی مگر ان کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ آگے تو چند ایک ہماری رائے کا بھی ساتھ دیتے تھے مگر اب تو سب کے سب اہل قریہ چھوٹے اور بڑے متفقہ طور پر مخالفت کر رہے ہیں کیونکہ اب وہ سب بیوقوف ہونے کی وجہ سے ہمرائے ہو چکے تھے بادشاہ اور وزیر نے جب انپر کچھ جبر کرنا چاہا تو اتفاق رائے سے سب لوگوں نے پاس کیا کہ موجودہ بادشاہ اور وزیر چونکہ پاگل ہو گئے ہیں اسواسطے ان کو اول تو معزول کر دینا چاہیے۔ اور اگر تخت کو چھوڑنے میں کچھ حیل و حجت کریں تو فوراً حملہ کر کے مار ڈالنا چاہیے بادشاہ نے جب لوگوں کی اس الٹی تدبیر اور اتفاق رائے کا حال سنا تو وزیر کو فوراً اس فقیر صاحب کے ڈھونڈنے کیلئے بھیجا کہ اگر کسی طرح انکے

Marfat.com

لئے دعا کریں کہ پھر وہ پہلے جیسے ہو جائیں ورنہ ہماری خیر نہیں چنانچہ وزیر نے نہایت تلاش کے بعد فقیر صاحب کو پالیا اور منت سماجت کر کے دعا کے لئے التجا کی تاکہ سب کے سب لوگ پھر پہلی حالت پر آ جائیں چنانچہ فقیر صاحب نے پھر دعا فرمائی۔ جس سے لوگ پہلے جیسے ہو گئے

تو بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ اگر نمازی صرف اکیلے اپنے ہی لئے ہدایت چاہتا اور باقی سب لوگ گمراہی میں رہتے۔ تو یہ اس کیلئے نہایت پریشانی اور اضطراب کا باعث بن جاتا اسلئے یہ دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ ہم سب کو سیدھے رستے کی ہدایت فرمائیے۔

اب اس کے بعد اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی لفظی تفسیر عرض کرتا ہوں۔ تاکہ آپ وضاحت کے ساتھ اس کی تفسیر کو سمجھ سکیں اور اس کے الفاظ کے باریک مطالب کی بھی تشریح ہو جائے۔

اِھْدِنَا کی لفظی تفسیر و نکات

سب سے پہلے اِھْدِنَا کو لیجئے اس کا معنی یہ ہے کہ ہم کو ہدایت عنایت فرما یہ لفظ چند چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ سب سے پہلے دعا کی طرف

جب بندہ نے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہہ کر اللہ جلشانہ کی عبادت کرنے کا اقرار کر لیا اور اپنے تعلق عبدیت کو معبود لایزال سے پختہ اور مضبوط بنا لیا۔ تو اب اسے حکم ہوتا ہے کہ اچھا جب تو ہمارے شاہانہ دربار میں آ کر مجرا بجا لیا۔ تو اب مانگ کیا مانگتا ہے کیونکہ ایسے مالک الملک کے دربار میں جا کر شرف نیاز حاصل کرنا اور پھر اپنی سراپا محتاجی کے باوجود بغیر کچھ مانگے ہوئے واپس آنا یا تو تکبر پر دلالت کرتا ہے اور یا حماقت پر اسواسطے عبادت کے بعد اِھْدِنَا کے لفظ کے ساتھ دعا کی تعلیم دی گئی اور یہ سکھایا گیا کہ اے انسان تو جب بھی میری عبادت کرے۔ تو عبادت کے اختتام پر مجھ سے کچھ

Marfat.com

مانگ کیونکہ میں تو سراپا غنی ہوں مجھے نہ تیری عبادت کی ضرورت ہے اور نہ بندگی کی مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا یعنی جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ اور جو برائی کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مثلاً ایک غلام اپنے مالک کی رضامندی کے کام کرتا ہے ہر وقت اس کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔ تو مالک کی خوشی اس غلام پر انعام واکرام کا باعث بن جاتی ہے۔ جو وہ مانگتا ہے مالک اسے دیتا ہے اور جو وہ کہتا ہے مالک اس کی سنتا ہے لیکن اگر یہی غلام مالک کی نافرمانی کرتا ہے اور مالک کے حکم کے مطابق نہیں چلتا تو مالک کی ناراضگی کا نتیجہ خود اس کی جان پر ظاہر ہوتا ہے کھانے میں وہ تکلیف دیتا ہے تو جنگل اور بھاری کاموں میں اسے مشغول رکھتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کیلئے بھی اس کا آرام و آسائش مالک کو پسند نہیں آتا اسیطرح جب انسان نیک کام کرتا ہے تو وہ مالک الملک راضی ہوتا ہے اور اس مالک کی رضامندی کا پھل انسان کو انعام کی زیادتی اور احسان کی فراوانی کی صورت میں دیا جاتا ہے مگر جب یہ انسان اپنے رب کو ناراض کرتا ہے تو انعام واکرام کی بارشیں اسکی امیدوں کے باغات کو شاداب نہیں کرتیں بلکہ یا تو رحمت کے چشموں کو بالکل بند کر دیا جاتا ہے اور یا ایسے کھول دیئے جاتے ہیں کہ وہ رحمت زحمت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

دیکھئے جب ہودؑ کی قوم حد سے زیادہ نافرمان ہو گئی اور انکی بداعمالیوں کا پیمانہ بالکل لبریز ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آسمانی چشموں کو روک لیا۔ اور ان پر نہایت سخت قحط کو مسلط فرما دیا بھوک اور پیاس کی بیتابیوں کی وجہ سے قوم کا ہر ایک فرد رونے پیٹنے لگا۔ اس پر ہود علیہ السلام نے ان سے فرمایا يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ یعنی اے میری قوم اپنے رب سے بخشش مانگو اور پھر اسی کی طرف لوٹو تاکہ وہ تم پر موسلا

Marfat.com

دعا رحمتہ برسائے ۔ اور تمہاری طاقت کو بڑھائے اور مجرمانہ طور پر نہ لوٹو۔ دیکھو حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو نزول غیث اور دفع قحط کے لئے عمل صالح کی تلقین فرمائی تو معلوم ہوا کہ رحمت کے چشمے کبھی تو عمل صالح کی وجہ سے بقدر ضرورت کھولدئے جاتے ہیں اور کبھی وہ رحمت زحمت کی شکل اختیار کر لیتی ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام کی قوم پر بھی مینہ کے چشمے جن کو ہود علیہ السلام نے رحمت ربی کے طور پر پیش کیا ہے زحمت بنگئے تھے چنانچہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک تبلیغ کی اور سوائے اسی آدمیوں کے اور کوئی حلقۂ اسلام میں داخل نہ ہوا بلکہ الٹے آپکی تکذیب اور مخالفت کرنے لگے اور ان کا ظلم حد برداشت سے بڑھ گیا تو نوح علیہ السلام نے دربار ربی میں دعا فرمائی رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اے رب میری قوم نے مجھے جھٹلا یا بس آپ میرے اور میری قوم کے درمیان کھلا فیصلہ فرما دیجئے اور مجھے اور میرے مسلمان ساتھیوں کو بچا لیجئے اسپر حکم ہوا وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ کہ اے نوح ہم زمین وآسمان کی سوتوں کو کھول کر تمام ظالموں کو غرق کرنے والے ہیں۔ اس واسطے آپ تو ہماری حفاظت میں ہماری ہدایت کے مطابق ایک کشتی بنا لیجئے۔ اور باقی ظالموں کو ہم غرق کر دیں گے اور اب آپ ان میں سے کسی ظالم کے بارہ میں کچھ عرض معروض نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام کی موعودہ رحمت کو زحمت بنا کر مومنین کے سوا باقی سب قوم کو غرق کر دیا جاتا ہے۔

دُعا کے متعلق

تو خلاصہ کلام یہ نکلا۔ کہ اعمال صالحہ اور طالحہ کا نتیجہ خود انسان کے لئے ہے انسانوں

Marfat.com

کی عبادت سے نہ تو کچھ اس کی خدائی میں بڑھتا ہے اور نہ ان کے کفران وعصیان سے اس کی شان عالی شان میں کچھ فرق آتا ہے بلکہ ہماری عبادت خود ہمارے ہی فائدے کیلئے ہے ثواب عبادت کے بعد اگر کوئی شخص دعا کر کے اپنی حاجت اور مقصود کو باریتعالیٰ سے نہیں مانگتا تو گویا وہ تجارت کرتا ہے مگر بلا نفع اور مزدوری کرتا ہے مگر بلا اجرت۔

اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ جو شخص اخروٹ کا چھلکا اتارنے کے بعد مغز کو نہیں لیتا۔ تو گویا اس نے اخروٹ کے توڑنے میں تکلیف تو اٹھائی مگر بے سود۔ ایک دوسری حدیث شریف میں آتا ہے اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ کہ دعا ہی عبادۃ ہے اور اعلیٰ عبادت ہے۔ کیونکہ عبادت جیسا کہ آگے بیان ہو چکا ہے۔ نہایت تذلل اور نہایت عاجزی کو کہتے ہیں اور رب العزت کے سامنے اور عبادتوں کے ساتھ ساتھ ہاتھ پھیلانا۔ گڑ گڑا کر مانگنا۔ اسے ہی بلجاو ماوی جان کر اپنی دینی و دنیوی حاجات چاہنا۔ عاجزی، انکساری اور بے بسی کا کامل نمونہ ہے۔ اسی واسطے تو اللہ تعالیٰ نے دعا نہ مانگنے والوں کو قرآن پاک میں متکبر قرار دیا ہے سورۂ مومن کے چھٹے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ یعنی مجھ سے دعا کرو میں اس کا تمہیں جواب دوں گا اور جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے یہاں عبادت سے مراد دعا ہے۔ کیونکہ اول تو سرے پر اُدْعُوْنِیْ موجود ہے لہٰذا یہاں عبادت کے استکبار سے استکبار فی الدعا ہی ہوگا۔ دوسرے حضور نے خود فرمایا ہے الدعاء هو العبادة اس لحاظ سے بھی یہاں دعا ہی مقصود ہے اس کے علاوہ قرآن واحادیث دعا کرنے کے حکم اور دعا کی تاثیر کے برحق ہونے سے بھرے ہوئے ہیں دعا کی تاثیر کا منکر گویا روز روشن میں آفتاب کا انکار کر رہا ہے آپ میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی میں ہزاروں دعائیں مانگی ہونگی جن میں سے کتنی

Marfat.com

ہی درجہ قبولیت سے نوازی گئی ہوں گی اور آپ نے انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین کی دعاؤں کے فوری اثر ظاہر ہونے کے متعلق پڑھا اور سنا ہوگا تو پھر ایسی بات جس کا تجربہ ہم میں سے ہر ایک نے کیا ہے اور جس پر امت کے ثقہ اور معتبر لوگوں کی شہادتیں حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں انکار کرنا صریح ضلالت اور کھلی گمراہی نہیں تو اور کیا ہے ہیں حضورؐ کی چند ایک دعاؤں کے متعلق بیان کر کے پھر دعا کے منکرین کی دلیلوں کا رد پیش کرتا ہوں تاکہ اگر ایک طرف آپ کے ذہن میں دعا کے اثر کے برحق ہونے کا عقیدہ راسخ ہو جائے تو دوسری طرف منکرین دعا کی لایعنی دلیلوں سے بھی واقف ہو جائیں تاکہ کسی جگہ ٹھوکر اور لغزش کا باعث نہ بن سکے اور میں تمام جدید تعلیم یافتہ حاضرین سے عرض کروں گا کہ اگر ان کو دوران تقریر یا اختتام بیان پر کسی قسم کا شبہ رہے تو وہ بلا حجاب اعتراض کر کے اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔

حضور صلعم کی ہزاروں دعاؤں میں سے چند نمونے

حضرت عمرؓ کا اسلام جب حضرت حمزہ رضؓ جو حضورؐ کے چچا اور ثوبیہ کے دودھ میں شریک ہونے کے باعث رضاعی بھائی تھے مسلمان ہوئے تو قریش کے دلوں پر بڑا کاری تیر لگا۔ فوراً دار الندوہ میں جمع ہوئے اور اسلام کے نونہال پودے کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کے متعلق مشورے کرنے شروع کئے مگر سچ ہے یُرِیدُونَ اَن یُطفِئُوا نُورَ اللّٰہِ بِاَفوَاھِہِم وَیَاْبَی اللّٰہُ اِلَّا اَن یُتِمَّ نُورَہٗ وَلَوکَرِہَ الکٰفِرُونَ یعنی

؎ نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

ابوجہل کفار قریش کو اپنی جوشیلی تقریر سے بھڑکانے کی کوشش کرتا ہے کہتا ہے کہ اے قریش کے بہادرو سخت افسوس اور شرم کی بات ہے کہ محمدؐ جیسا ایک کمزور اور ضعیف انسان ہماری مخالفت پر کھڑا ہو کر ہمارے معبودوں کو برا کہے ہماری رسوم کے برخلاف کہے اور ہمارے چیدہ چیدہ

Marfat.com

سرداروں کو اپنے حلقہ میں داخل کر کے ہمارے اتفاق اور اتحاد کو پراگندہ کر دے مگر ہم باوجود طاقت، قوت اور تمول کے اس فتنے کے انسداد کی طرف توجہ نہ کریں ابھی تو ابتداء ہے اگر اسوقت تم نے تغافل برتا تو وہ دن دور نہیں کہ پھر اس خرابی کا سدباب تمہاری طاقت سے باہر ہو جائے گا ۔

سرچشمہ شاید گرفتن بہ میل چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل

کیا تم میں ایسا کوئی دلیر نہیں کہ آج محمدؐ کا سر کاٹ لائے اور اس فتنہ کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ کر دے میں ایسے شخص کو اس بے مثال قومی خدمت کے بدلے میں اپنی طرف سے ایک سو اونٹ اور سو اوقیہ چاندی انعام دوں گا

حضرت عمرؓ جو حضرت حمزہؓ کی طرح ایک مشہور بہادر اور دلیر انسان تھے ان کے دل میں ابوجہل کی آتش فشاں تقریر سے انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر اٹھے اور پرشور تالیوں اور بلند نعروں کے درمیان حضور سرور عالم کا سر کاٹ کر مجلس میں پیش کرنے کا وعدہ کر کے روانہ ہوئے

اب اُدھر سے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنئے۔ جب حضور نے دیکھا کہ کفار کی دشمنی حد برداشت سے تجاوز کر گئی ہے اور تبلیغ کی چابی کفار مکہ کے کفر کے تالوں کو کھولنے میں کماحقہ کامیاب نہ ہوئی۔ تو آپ نے اخذ الد واء الکی کے حربہ کی طرح دعا کا آخری حربہ استعمال فرمایا حضورؐ نے دربار ربی میں التجا فرمائی

اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ ھٰذَیْنِ الرَّجُلَیْنِ اِلَیْکَ بِاَبِیْ جَھْلٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَکَانَ اَحَبُّھُمَا اِلَیْہِ عُمَرَ یعنی اے اللہ اسلام کو ابوجہل یا عمر کے ساتھ جو ان میں سے آپ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو عزت دیجئے۔ اور حضرت عمرؓ حضورؐ کو زیادہ محبوب تھے تو پھر حضور کا محبوب اللہ جل شانہ کا محبوب کیسے نہ بنتا اللہ تعالی تو صاف فرماتا ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ۔ یعنی اے نبی آپ ان سے کہہ دیجئے۔ کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو

Marfat.com

میری پیروی سے تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اتباع خاصہ ہے محبت کا تو نتیجہ نکلا کہ اگر خدا کے محبوب بننا چاہتے ہو تو پہلے میرے محب بنو کیونکہ باری تعالیٰ کی محبوبیت میری محبت سے مل سکے گی تو مطلب یہ تھا کہ جب حضرت عمرؓ حضورؐ کے محبوب ہوں تو اللہ تعالیٰ کے محبوب کیسے نہ ہوتے۔ اور ابن ماجہ میں ایک اور حدیث حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس میں آپ نے صرف حضرت عمرؓ کا نام لیا ہے۔ ابو جہل کا اس میں نام نہیں خیر جو کچھ بھی ہو۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ حضورؐ کی دعا کا اثر کیا ہوتا ہے۔ وہ عمر جو ایک قاتل کی حیثیت سے حضور رسالت مآبؐ کا گلا کاٹنے کو جاتا ہے۔ کس طرح اپنا گلا دعائے نبوی کے اثر سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی تلوار سے خوشی خوشی کٹوا دیتا ہے۔

حضرت عمرؓ ہاتھ میں تلوار لیئے ہوئے دار ارقم کی طرف چلے کیونکہ حضور اس وقت اپنے صحابہ کے ساتھ کوہ صفا کے دامن میں ارقمؓ کے گھر میں اقامت پذیر تھے راستے میں حضرت عمر کی ملاقات حضرت نعیم بن عبداللہ سے ہوئی۔ حضرت نعیم نے حضرت عمر کے تیور چڑھے ہوئے اور تلوار کو بے نیام دیکھ کر پوچھا اے عمر کہاں جا رہے ہو حضرت عمر نے جواب دیا اے نعیم محمدؐ کا سر کاٹنے کیلئے جا رہا ہوں کیونکہ اسکی وجہ سے تمام قبیلوں میں پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ بتوں کی مذمت اور قدیم معبودوں کی تذلیل سے وہ لوگوں کے دلوں کو بہت ایذا پہنچا رہے ہیں اسواسطے میں آج اس فساد کی جڑ ہی کو کاٹ دیتا ہوں تاکہ یہ فتنہ دنیا سے ناپید ہو جائے حضرت نعیمؓ نے فرمایا کہ اے عمر تم اپنے ارادوں میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکتے اور اگر ایسا ہی ہے تو تجھے پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیے جو چراغ کہ قریب کو روشن نہیں کر سکتا وہ دور کو کیا روشن کرے گا دیکھو تیری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بھی تو اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکے ہیں پہلے جا کر ان کو خبر لے اور اس کے بعد دوسرے ارادوں کی تکمیل کرنا

Marfat.com

حضرت عمرؓ نے جب یہ سنا کہ ان کی بہن اور بہنوئی بھی مسلمان ہو چکے ہیں۔ تو غصّے سے تھرتھرانے لگے چہرے کا رنگ غصّے کی وجہ سے تمتمانے لگا اور نہایت تیزی کے ساتھ اپنے بہنوئی کے مکان کو روانہ ہوئے حضرت جناب بی بی فاطمہؓ اور حضرت سعیدؓ کو قرآن پاک پڑھا رہے تھے حضرت عمرؓ کے پاؤں کی آہٹ سن کر حضرت جناب تو گھر کے ایک کونے میں جا چھپے اور بی بی صاحبہ نے سورہ طٰہٰ کے حصے کو اپنے ران کے نیچے چھپا لیا حضرت عمرؓ اندر آئے اور آتے ہی اپنی بہن اور بہنوئی سے پوچھا کہ ابھی ابھی تم کیا پڑھ رہے تھے پہلے تو انہوں نے اس بات کو ٹالنا چاہا مگر جب حضرت عمرؓ نے حضرت سعیدؓ پر دست درازی شروع کر دی اور بی بی فاطمہ کو چھڑانے لگے تو بہت کچھ زخم آئے تو فاطمہؓ اور ان کے خاوند نے حضرت عمرؓ سے صاف کہہ دیا کہ ہم حضورؐ پر ایمان لا چکے ہیں اب جو تو کرنا چاہتا ہے کر گزر ہمیں اپنا ایمان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے جان جائے تو بلا سے۔ مگر ہم نہ ایمان کو جانے دیں گے اور نہ اسے چھپائیں گے بہن کی اس غیر متوقع دلیری اور ایک ضعیف عورت کے انکار و اظہار نے حضرت عمرؓ کے غصّے کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر پانی کا کام کیا۔ قلبی دنیا کے اندھیرے میں حق کی بجلی چمک اٹھی بہن کے زخموں اور بہنوئی کے خون آلودہ جسم کو دیکھ کر دل بھر آیا تھوڑی دیر تک متفکر و مغموم بیٹھ گئے جب طبیعت کچھ سنبھلی تو کہنے لگے اے فاطمہ کیا وہ صحیفہ جو تو پڑھ رہی تھی مجھے دکھا سکتی ہے بی بی صاحبہ نے فرمایا اے عمر مجھے اندیشہ ہے کہ تم اسے پھاڑ دو گے یا اس سے اور کسی قسم کی گستاخی کرو گے حضرت عمرؓ نے قسم اٹھا کر اپنی بہن کو یقین دلایا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا بلکہ میں ایک نظر دیکھ کر تجھے واپس کر دوں گا اس پر بھی بی بی صاحبہ کا قرآنی عشق اور اسلامی محبت دیکھنے کے قابل ہے کہ آپ اپنے جابر اور بہادر بھائی کی خفگی کا بالکل لحاظ نہیں فرمائیں اپنی بے بسی اور زخموں کا خیال نہیں کرتیں فرماتی ہیں اے بھائی ہمارے مقدس قرآن کا حکم ہے کہ لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یعنی اسے سوائے پاکوں کے

Marfat.com

کوئی نہیں چھوتا لہٰذا اس کو چھونے سے پہلے تم اپنے ظاہر کو پوری طرح صاف کر لو۔

فاطمہؓ بنت خطاب کی طرح ام المؤمنین ام حبیبہؓ کا ایک واقعہ

اور یہ واقعہ ایسا ہی ہے جیسے کہ حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے باپ ابوسفیان کو آتا دیکھ کر حضور کے بستر مبارک کو تہ کرکے ایک کونے میں رکھ دیا تھا جس پر ابوسفیان نے پوچھا کہ اے بیٹی یہ بستر تو نے کیوں تہ کرکے ہٹا دیا ہے کیا میں اس بستر کے لائق نہیں یا یہ بستر میرے لائق نہیں بی بی صاحبہ نے اپنے باپ کی سرداری اور مال و دولت کا کچھ لحاظ نہ فرمایا بوت کی قرابت کو حضور صلعم کے تقدس پر نثار کرتے ہوئے بولیں کہ اے باپ یہ بستر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور آپ مشرک ہیں اور ہمارے قرآن کا حکم ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ یعنی مشرک تو قلبی اور بدنی نجاست میں لتھڑے ہوئے ہیں تو پھر میں کس طرح عمداً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو نجاست سے آلودہ کر سکتی ہوں۔ ابوسفیان بیٹی کے اس سلوک سے نہایت غصے ہوئے اور بلا بات چیت کئے واپس لوٹ آئے۔ تو یہ اسلام کا اثر ہے کہ اس نے مستورات و مخدرات تک کے نازک دلوں کو استقلال کے لحاظ سے ایک مستحکم چٹان کی صورت میں تبدیل کر دیا۔

حضرت عمرؓ بہن کے کہنے پر ظاہری طہارت کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے ظاہر اندام کے دھلنے کے ساتھ حضورؐ کی دعا کی برکت سے باطنی زنگار بھی صاف ہو گیا طہارت کے بعد بہن نے سورۂ طٰہٰ کا کاغذ دیا۔ جسے آپ ادب کے ساتھ پڑھنے لگے جب پڑھتے پڑھتے آپ اس آیت پر پہنچے اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ یعنی میں ہی خدا ہوں۔ اور کوئی معبود نہیں مگر میں پس تو مجھے ہی پوج۔ اور میری ہی یاد کے لئے نماز کو قائم کر۔ اس آیت نے حضرت عمرؓ کے دل پر ایسا اثر کیا جیسا اکسیر تانبے پر کیا کرتی ہے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے

Marfat.com

بدن جلال کبریائی سے کانپنے لگا بے ساختہ پکار اٹھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حضرت خباب جو چھپے بیٹھے تھے۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر فوراً باہر نکل آئے اور پکار کر فرمایا اے عمرؓ خوش ہو کہ تیرے حق میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہو چکی ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت خبابؓ سے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ وہ انہیں لے کر فوراً دار ارقم کی طرف چلے حضرت عمر نے اپنی تلوار کو گلے میں لٹکایا پگڑی سے ہاتھوں کو باندھ کر غلامانہ ہیئت کے ساتھ ارقمؓ کے گھر پہ پہنچے حضرت خبابؓ نے دستک دی۔ صحابہ نے حضرت عمرؓ کو کواڑ کی درزوں میں سے دیکھ کر دروازہ کھولنے میں تامل کیا۔ مگر حضرت حمزہؓ نے فرمایا۔ کہ دروازہ کھول دو اگر عمر کسی نیک نیت سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اس کا سر اسی کی تلوار سے قلم کر دیا جائیگا دروازہ کھولا گیا۔ حضرت خبابؓ کی معیت اور حضرت عمر کی غلامانہ صورت سے اندازہ لگایا کہ نیت بخیر ہے۔ حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی پکار اٹھے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ حضورؐ نے اٹھ کر حضرت عمرؓ کو اپنے سینے سے لگا لیا اور آپ نے اسے اتنے زور سے بھینچا کہ بقول حضرت عمرؓ ان کا بند بند ہل گیا۔

اور یہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو اتنے زور سے اسلئے دبایا تھا۔ تاکہ ان پر حضورؐ کی صداقت کے ساتھ ساتھ قوت کا بھی اظہار ہو جائے۔ اور انہیں معلوم ہو جائے۔ کہ اگر حضور کو صادق مان کر گردنیں نہ جھکائی جائیں گی تو آپ رب العزت کی دی ہوئی طاقت کے ذریعے لوگوں کے سروں کو نیچا کر دکھائیں گے

حضورؐ کی قوت اور رکانہؓ کا امتحان و اسلام

حضورؐ میں اس قدر قوت تھی کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک دفعہ مشہور و معروف پہلوان

Marfat.com

رکانہ رضؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ میں مسلمان ہوتا ہوں مگر اس شرط پر کہ آپ مجھے کشتی میں پچھاڑیں۔ آپ نے ہر چند اسے سمجھایا کہ پیغمبروں کا کام کشتیاں لڑنا اور جسمانی زور بتانا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو اللہ کے حکم سے لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے ہیں مگر رکانہؓ اپنی ضد پر اڑا رہا آخر حضورؐ نے فرمایا تو پھر تیار ہو جا جونہی وہ حضورؐ کے سامنے آیا آپ نے چشم زدن میں اسے زمین پر دے مارا وہ دوبارہ کشتی کا طالب ہوا۔ آپ نے دوبارہ بھی اسے پچھاڑ دیا اس نے جب حضورؐ کی اس بے حد قوت کا تجربہ کر لیا۔ تو بلا تامل کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

متمم الاربعین سے اسلام کو کیا قوت ملی

اسی طرح حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو کھینچ کر اپنی قوت بھی اسے تبا دی۔ چنانچہ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد صرف ۳۹ انتالیس تھی۔ آپ کے اسلام لانے سے اسلام کے حلقہ بگوشوں کی تعداد پوری چالیس ہو گئی۔ اسی واسطے آپ کو متمم الاربعین بھی کہا جاتا ہے۔ تو دیکھئے حضورؐ کی دعا حضرت عمرؓ کے بارے میں کیسی قبول ہوئی کہ وہ عمرؓ جو کافروں کی طرف سے حضورؐ کو قتل کرنے کیلئے آتے ہیں اب اسلام لانے کے بعد خود حضورؐ کے محافظ اور آپ کے پسینے کے قطرے پر خون کا دریا بہانے کو تیار ہو جاتے ہیں ؎ شد غلامے کہ آب جو آرد آب جو آمد غلام ببرد ؎ اور یہی نہیں بلکہ حضورؐ نے جو فرمایا اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ یعنی اے اللہ اسلام کو عزت دے تو آپ کے اسلام لانے کے بعد اسلام کو وہ طاقت اور رونق پہنچی کہ ایک طرف تو باریتعالیٰ کا فرمان آگیا یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اے نبی آپکو اللہ اور تابعدار مسلمان کافی ہیں تو دوسری طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بخاری شریف کی رو سے گواہی دیتے ہیں مَازِلْنَا اَعِزَّۃً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ کہ جب سے عمرؓ اسلام لائے ہم مسلمانوں کو عزت اور غلبہ حاصل ہو گیا تو گویا اس ایک دعا میں دو قبولیتوں کا اثر ظاہر ہوا کہ ایک تو حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اور دوسرے ان کی ذات گرامی سے اسلام کو

Marfat.com

وہ قوت اور رونق حاصل ہوئی کہ جس کا بیان آج ساڑھے تیرہ سو برس بعد بھی نہایت فخر ومباہات سے کیا جا رہا ہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَنَدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّم

اے اللہ آج مسلمانوں کی حالت نہایت قابل رحم ہے ان کا شیرازہ بکھر گیا ان کی عزت رخصت ہو گئی ان کی حکومتیں یکے بعد دیگرے مٹ رہی ہیں انکی تجارتیں برباد ہو گئیں انکی منڈیاں بک گئیں غیر قومیں مسلمانوں کو اور ان کے دین کو صفحۂ ہستی سے نابود کرنے کی مکروہ سے مکروہ کوشش کر رہی ہیں تو مقلب القلوب ہے تو مالک الملک ہے مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیر انہیں اپنے ملک کا سچا وارث بنا اور اپنے حبیب کے صدقے انہیں اپنی رحمت بیکراں سے نواز۔

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

طعنہ زن ہیں آج مشرک مسلمِ بدنام پر
کفر غالب ہو رہا ہے شوکتِ اسلام پر

بجھ رہی ہے روشنی دنیا سے اب قرآن کی
کفر کے دریا میں پھنسی ناؤ اب ایمان کی

قومِ مسلم گھر گئی ہے رنج و غم میں اے خدا
وہ سراپا درد ہے تو درد مندوں کی دوا

ہم غریبوں کو بشارت شوکتِ اسلام دے
ہم مسلماں دل سے ہوں عاشق ترے قرآن کے

سینۂ مسلم میں دل ہو جس میں ہو صدق و صفا
ہر طرف آنے لگے اسلام و قرآں کی صدا

صدق ہو صدیق کا اور پیروی حسنین کی
دل میں ہو عشقِ رسالت الفتِ حرمین کی

طارق و خالد کی ہمت پھر مسلماں کو ملے
دینِ حق کو زندہ کر دیں نعرۂ تکبیر سے

ساری دنیا پر اسے حاصل حکومت ہو رہی
جو خدا سے حضرت فاروق اعظم کو ملی

قومِ مسلم اٹھ کے پھر اب نیند سے بیدار ہو
بازوئے مسلم کو زورِ حیدرِ کرار ہو

مومنوں کو دردِ رومی فقرِ بسطامی ملے
عشقِ سلمان و اویس و نورِ عثمانی ملے

ہم مسلماں ہوں ہمیں شانِ مسلمانی ملے
عاشقِ اسلام ہوں ایمانِ قرآنی ملے

باغ ہو اسلام کا سرسبز پھر دیکھیں بہار
یاد میں تیری رہیں بے چین بے کل بیقرار

Marfat.com

مشرق و مغرب پہ پھر جا جھنڈا اسلام ہو — یاد پھر مسلم کو وہ بھولا ہوا پیغام ہو
پھر وہی الفت محبت کا سبق سیکھیں تمام — جس سے شوکت دین و دنیا کی ہماری ہو مدام
جو ترا فرمان ہے مسلم کا وہ دستور ہو — سامنے آنکھوں کے پھر وہ نقشۂ پرنور ہو

اب اس کے بعد میں حضورؐ کی ایک دعا کو بیان کرتا ہوں جس کی قبولیت کے فوری اثر کو ہزاروں صحابہ نے اپنی مقدس آنکھوں سے دیکھا اور اس کے بعد انشاءاللہ منکرین دعا کے دلائل کی تردید پیش کروں گا۔

حضورؐ کی دعائے استسقاء اور اس کی فوری قبولیت

ایک دفعہ مدینہ شریف اور اس کے گرد و نواح میں سخت قحط پڑا زمانہ تک بارش نہ ہوئی اور فصل وغیرہ برباد ہو گئے حضور جمعہ کے دن مسجد نبوی میں خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص نے اٹھ کر حضور سے بارش کے لئے دعا کرنے کی عرض کی چنانچہ بخاری شریف کی پوری حدیث نقل کر کے اس کا ترجمہ کر دیتا ہوں تاکہ آپ خود قبولیت دعا اور اس کے فوری اثر کا اندازہ کر سکیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ فَبَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْطُبُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ قَامَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلَکَ الْمَالُ وَضَاعَ الْعِیَالُ فَادْعُ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْہِ وَمَا نَرٰی فِی السَّمَاءِ قَزَعَۃً فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا وَضَعَہُمَا حَتّٰی ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ یَنْزِلْ مِنْ عَلَی الْمِنْبَرِ حَتّٰی رَاَیْتُ السَّحَابَ یَتَحَادَرُ عَنْ لِحْیَتِہٖ فَمُطِرْنَا یَوْمَنَا ذَالِکَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ والذی یلیہ حتی الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی فَقَامَ ذَالِکَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْ غَیْرُہٗ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ تَہَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْہِ وَقَالَ اللّٰہُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا فَمَا

Marfat.com

يَسْتَدِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلَّا انْفَرَجَتْ وَفِي رِوَايَةٍ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَانْقَلَعَتْ وَخَرَجْنَا نَمْشِيْ فِي الشَّمْسِ

یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ لوگ خشک سالی میں مبتلا تھے۔ جمعہ کے دن جب کہ حضور خطبہ دے رہے تھے۔ تو ایک دیہاتی نے کھڑے ہو کر عرض کی۔ یارسولؐ مال برباد ہو گئے۔ اور بال بچے ضائع ہو گئے۔ پس آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ تو آپ نے دونوں ہاتھ دعا کیلئے اٹھائے۔ اور ہم آسمان میں بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہ دیکھتے تھے۔ مگر قسم اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ کہ ابھی آپ نے دونوں ہاتھ نیچے بھی نہیں کئے تھے۔ کہ بادل آسمان پہ پہاڑ کی طرح پھیل گیا۔ اور ابھی آپ منبر سے نہ اترے تھے۔ کہ میں نے دیکھا کہ ابر کی وجہ سے آپ کی ڈاڑھی مبارک سے بوندیں ٹپک رہی تھیں غرضیکہ اسدن اور اس سے دوسرے دن اور اس سے تیسرے دن حتیٰ کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی پھر جمعہ کے دن وہی دیہاتی یا اور کوئی اٹھا اور عرض کی حضور مکانات گر گئے اور مال ڈوب گئے پس آپ ہمارے لئے دعا فرمایئے اسپر آپ نے پھر ہاتھ اٹھائے۔ اور فرمایا اے اللہ ہمارے اطراف میں برسا اور ہم پر نہ برسا۔ اور آپ اپنے دست مبارک سے بادل کی جس طرف اشارہ فرماتے بادل اس جانب سے پھٹ جاتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے اطراف پر برسائیے اور ہم پر نہ برسایئے اور اے اللہ ٹیلوں پر بلندیوں پر نالوں پر اور درختوں کے اگنے والے مقامات پر برسا۔ راوی کا بیان ہے کہ ابر بالکل صاف ہو گیا اور ہم دھوپ میں گھروں کو واپس چلے۔

منکرین دعا اور ان کے شبہات

اب اس کے بعد منکرین دعا کے دلائل بیان کر کے تردید کرتا ہوں تاکہ دعا کے اثر وغیرہ کے

Marfat.com

متعلق کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔ منکرین دعا کہتے ہیں

(۱) کہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ شریعت کی رو سے قیامت تک ہونے والے واقعات کو لوح محفوظ میں درج کر دیا گیا ہے۔ اور حضور نے صاف فرما دیا ہے کہ جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ کہ قلم ہونیوالے واقعات کی تحریر سے فارغ ہو کر خشک ہو چکی ہے۔ اب ان میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ داعی جس امر کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کا ہونا مقدر ہے یا نہیں اگر مقدر ہے تو وہ امر اس کی دعا کے بغیر بھی ہو کر رہے گا۔ اور اگر وہ مقدر نہیں تو لاکھ دعا کرنے سے بھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوگا تو گویا دعا ہر دو صورتوں میں ایک بیکار سی چیز رہ جاتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب اور ناظر القلوب ہیں۔ ان کی شان تو عالم الغیب والشہادۃ وھو اللطیف الخبیر ہے وہ ہمارے دلی حالات اور جملہ ضروریات سے بلا کہے واقف ہے شعر شکایت کرنی ان کے سامنے سوء ادب ناطق کہ جن کا کام ہے فریاد بے آواز سن لینا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی سے اپنے مطلب کو زبانی طور پر بیان کرنے سے تین غرضیں ہو سکتی ہیں یا تو جاہل حالات کو اپنے حالات سے آگاہ کرنا۔ یا کسی کو کوئی بھولی ہوئی بات کا یاد کرانا۔ یا بخیل کو اپنے حالات سنا کر سخاوت و احسان کیطرف توجہ دلانا اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سب کی سب باتیں شان الٰہی کے بالکل منافی ہیں تو دوسرے الفاظ میں مطلب یہ نکلا۔ کہ دعا کرنا گویا اللہ تعالیٰ پر نعوذ باللہ جہالت نسیان یا بخل کا الزام لگانا ہے۔ اسی واسطے تو جب حضرت ابراہیمؑ کو نمرود نے ہاتھ پاؤں باندھ کر آگ میں ڈالا۔ اور حضرت جبرئیل نے حاضر خدمت ہو کر دعا کرنے کے متعلق عرض کی تو آپ نے فرمایا حَسْبِي مِنْ سُؤَالِي عِلْمُهُ بِحَالِي یعنی وہ عیاں و نہاں کا جاننے والا ہے۔ اس کا علم مجھے عرض حال سے کفایت کرتا ہے۔

(۳) ایک فرمانبردار بندے کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کے کیے اور کہے

Marfat.com

پر راضی رہے۔ اور جیسا وہ رکھے ہر حال میں صبر و شکر بجا لاوے اور اسی وصف کو تصوف کی اصطلاح میں رضا بالقضا کہا جاتا ہے اور یہی صفت حقیقت میں تمام کتب تصوف کا نچوڑ ہے لیکن جو شخص دعا مانگتا ہے تو گویا وہ اپنے مالک کے کئے پر اپنی ناراضگی کو ظاہر کرتا ہے اور اس سے اس حکم کے بدلنے کی خواہش اور استدعا کرتا ہے اور ایسی استدعا محبت و رضا کے بالکل خلاف ہے۔

(۴) ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جب ایک انسان کو یہ یقین ہو جاتا ہے کہ ضرورت کے وقت وہ جس کے سامنے اپنا دست سوال لمبا کرے گا۔ اس سے کچھ نہ کچھ وصول ہو جائے گا۔ تو یہ یقین بالآخر اس کی قوتِ عمل کو بیکار کر دیتا ہے اور وہ اسباب کے استعمال کو چھوڑ کر دوسروں کی چوکھٹ پر تاک لگا بیٹھتا ہے اسی طرح جب ایک انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو سن کر خزانہ غیب سے اس کے مطالب و مقاصد کو پورا کر دیگا۔ تو یہ یقین اسکی قوت عمل کو بھی بالکل بیکار بنا دیگا کیونکہ جب اسے اپنا مقصد بلا محنت اور بلا کسب و عمل کے حاصل ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ تو پھر اسے محنت اور استعمال اسباب کی کیا ضرورت ہے تو گویا دعا قوت عمل کیلئے بھی سم قاتل ہے

اسی طرح اور بھی وہ طرح طرح کے شبہات دعا کے متعلق پیش کرتے ہیں جن کا جواب کم و بیش انہی چاروں کے جواب میں آجاتا ہے اور ایک عاقل انسان کے ٹھوکر کھانے کا خدشہ نہیں رہتا۔

جواب شبہ اول بطریق الزام: منکرین دعا جب یہ مانتے ہیں کہ جو کچھ ہونا تھا یا ہوگا وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دیا ہے اور اب اس تقدیر میں سرِ مو تفاوت نہیں ہو سکتا تو پھر وہ کس لئے مریضوں کی دوا کرتے ہیں کیونکہ اگر حیات و صحت مقدر ہے تو بلا دوا ہی حاصل ہو جائے گی اور اگر موت و مرض مقدر ہے تو ہزار دوا کریں

Marfat.com

سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوگا تو گویا دوا کا کرنا ہر طرح سے لغو اور بیکار ٹھہرتا ہے اسی طرح اگر رزق مقدر ہے تو ضرور ملیگا اور اگر مقدر نہیں تو ہزار کوشش کرنے سے بھی نہ ملے گا لہذا منکرین کو چاہیئے کہ وہ کسب و عمل بھی چھوڑ دیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بیماروں کا علاج کراتے ہیں رزق کے حاصل کرنے کے لیئے اسباب کا تمسک بھی کرتے ہیں تو پھر وہ دعا پر کس طرح اعتراض کر سکتے ہیں کیونکہ جو جواب وہ ان شبہات کا دیں گے۔ وہی جواب انہیں دعا کے متعلق بھی دیا جائے گا

جواب تحقیقی یہ سچ ہے کہ امکان دعا کون کو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرما دیا۔ مگر اس تقدیر کا چونکہ ہمارے پاس علم نہیں۔ اسلئے دئے ہوئے اسباب کو استعمال کرنے کے بعد نتیجہ کو تقدیر الٰہی پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اگر استعمال اسباب تقدیر کے موافق ہوگا۔ تو نتیجہ خاطر خواہ نکلیگا۔ ورنہ نہیں لیکن ہمیں لازم ہے۔ کہ جس طرح ہم دنیا میں اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کیلیئے دوسرے اسباب عادیہ کو استعمال کرتے ہیں اسی طرح دعا کو بھی منجملہ اسباب کے سمجھ کر استعمال کریں اور یہ وہ اعلیٰ سبب ہے کہ جسکے سامنے دوسرے اسباب کچھ وقعت نہیں رکھتے کیا انہیں دیکھتے کہ جب ایک منکر دعا دنیا کے اسباب استعمال کرنے کے باوجود ناکامیاب رہتا ہے تو آخر کار یا تو وہ خود کشی کر بیٹھتا ہے اور یا اسکی قوت عمل کا خاتمہ ہو جاتا ہے مگر ایک دعا پر ایمان رکھنے والا انسان جب ہر طرف سے ناکامیاب ہو جاتا ہے تو وہ رب الارباب اور احکم الحاکمین کی طرف متوجہ ہو کر حصول مقصد کیلیئے تیسرے اسباب کی دعا کرتا ہے اسی سے وہ اپنے اندر ایک نئی قوت کو محسوس کرتا ہے اور اپنے سامنے اسباب و ذرائع کا ایک نیا دروازہ کھلا ہوا دیکھتا ہے اور ٹھیک اس جگہ پر جہاں منکر دعا ہار کر خود کشی کا ارتکاب کرتا ہے معتقد دعا منزل مقصود کی طرف ایک نیا راستہ پاتا ہے اور اس کے چمن امید کو باران رحمت سے سرسبز کیا جاتا ہے مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہر کجا آب رواں سبزہ بود ہر کجا اشک رواں رحمت شود

Marfat.com

باش چوں دولاب نالاں چشم تر ۔۔۔ تا کہ صحن جانت بر رو یدخضر

تو گویا دعا۔ التجا اور التماس بھی باران رحمت کے لئے استسقا کی نماز ہے

تقدیر کی دو قسمیں

اس کے علاوہ تقدیر یا قضا کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک مبرم یعنی حتمی۔ دوسرے معلق یعنی مشروط بالشرط قضائے مبرم میں تو کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور یہی قضا ہے لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ۔ مگر معلق کسی شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے یعنی اگر ہمارا بندہ یوں کریگا تو ہم یوں کرینگے۔ حالانکہ اس کرنے یا نہ کرنے کا علم بھی اللہ جلشانہ کو ہوتا ہے مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اختیار دیا ہوا ہوتا ہے کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے ایک کام کر کے سزا اور جزا کا مستحق ہو ورنہ بحالت جبر سزا کا دینا صریح ظلم کہلاتا تو چونکہ بعض امور معلق بشرط الدعا ہوتے ہیں اور دعا کے اسباب و ارادہ کو ہمارے اختیار میں دے دیا گیا ہے اور پھر وہ امور جو معلق بشرط الدعا ہیں سب کے سب مجہول ہیں۔ اس لئے نتیجۃً ہر امر کیلئے دعا کا کرنا نہایت بہتر اور مفید ہے۔ اور اس شبہ کا جواب اس سے بھی زیادہ مفصل مسئلہ تقدیر میں بیان ہو چکا ہے۔ طالب تفصیل کو اس کی طرف رجوع کرنا چاہئیے)

جواب شبہ دوم:۔ بعض دفعہ عرض مطلب سے مقصود وہ نہیں ہوا کرتا جو شبہ دوم میں بیان ہو چکا ہے بلکہ کبھی اس سے اظہار تذلل اور انکسار مقصود ہوتا ہے اور اللہ جلشانہ کے سامنے دعا کرنے میں یہی معنی ملحوظ ہوتے ہیں کیونکہ تذلل اور انکساری ہی انسان کے تکبر اور نخوت کا بہترین علاج ہے جب وہ اپنے آپکو دعا مانگ کر فقیر محتاج، ذلیل اور مسکین ظاہر کرتا ہے تو گویا وہ اس معبود لایزال کو غالب عزیز اور محسن تسلیم کرتا ہے اور یہی اقرار عبودیت کا احساس پیدا کرتا ہے اسی واسطے تو حضور نے دعا کو مخ العبادہ یعنی عبادت کا مغز اور نچوڑ فرمایا ہے۔

دعا معجون عبادت ہے:۔ دعا کو اگر معجون عبادت کہا جائے تو بجا ہے کیونکہ اس کے ضمن میں کتنی ہی

Marfat.com

دوسری عبادتیں جمع ہو جاتی ہیں مثلاً اخلاص۔ تحریک۔ تہلیل۔ استعانت محبت اور خوف خدا وندی اللہ جل شانہ کے سامنے تذلل۔ انکسار اور احتیاج کا اقرار یہ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ پر مستقل عبادتیں ہیں تو گویا ایک دعا جامع ہے اس قدر عبادات کی تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں معترض کا بیان کردہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دعا ہی کا مطلب اس مقام پر اظہار تذلل اور اقرار احتیاج ہے۔

اب رہا حضرت ابراہیمؑ کا سوال نہ کرنا اور آپ کا جبرئیلؑ کو حسبی من سؤالی علمہ بحالی فرمانا اس کا جواب توکل کے سمجھنے پر موقوف ہے جب آپ توکل کے معنوں کو صحیح طور پر سمجھ جائیں گے تو اس کا جواب بھی آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا۔

توکل کی تشریح اور اسکے اقسام

اسواسطے سب سے پہلے میں توکل کے متعلق کچھ مختصراً بیان کر دیتا ہوں توکل دو طرح کی ہوتی ہے توکل علمی اور توکل عملی۔ توکل علمی تو یہ ہے کہ ہر کام کا مدبر حقیقی اور متصرف اصلی اللہ جل شانہ کو سمجھے اور کائنات کے ذرہ ذرہ تک کے عدم سے وجود میں آنے یا ایک حالت سے دوسری حالت میں متغیر ہونے کو علت العلل اسی مالک الملک کو ٹھہرائے یہ توکل تو اسلامی عقائد کا بنیادی پتھر ہے اور اس پر ہر مسلمان کو عقیدہ رکھنا فرض ہے۔

اب رہا توکل عملی۔ توکل عملی اسباب عادیہ کے ترک کرنے کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن یہ اسباب اپنی جگہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک دینی دوسرے دنیوی دینی اسباب تو وہ ہیں جن کے ترک کرنے سے کچھ دین میں نقصان پہنچتا ہو ایسے اسباب کا ترک کرنا شریعت کی رو سے گناہ ہے۔ بلکہ ایسے اسباب کا استعمال بعض اوقات فرض اور بعض اوقات واجب ہوتا ہے اب رہے دنیوی اسباب کہ جن کے ذریعے سے دنیا کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اب وہ فائدہ یا تو حلال ہے یا حرام۔ اگر حرام ہے تو ان اسباب کا ترک ضروری ہے اور اگر وہ فائدہ حلال ہے۔ تو ان اسباب سے وہ تین طریقوں پر حاصل ہو سکتا ہے

Marfat.com

یا تو یقینی طور پر یعنی ان اسباب کے استعمال کرنے پر نتیجہ کا ترتب یقینی ہوتا ہے۔ جیسے کھانے کے بعد سیری یا پینے کے بعد دفع تشنگی وغیرہ۔ تو ایسے اسباب کا چھوڑنا بھی جائز نہیں یا وہمی طور پر یعنی ان اسباب سے اس فائدہ کا حاصل ہونا ایک امر موہوم سا ہوتا ہے۔ اور اسے زیادہ حریص اور طامع افراد اختیار کرتے ہیں۔ اور اسی کا نام طول امل ہے۔ ایسے اسباب کا ترک ضروری ہے۔ اور تیسرا طریقہ ظنی ہے یعنی ان اسباب سے فائدہ کا حاصل ہونا ظنی ہوتا ہے۔ غالب طور پر تو وہ فائدہ اسباب پر مرتب ہی ہوتا ہے۔ مگر بار ہا تخلف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے علاج کے بعد صحت کا حاصل ہونا۔ یا مزدوری کے بعد رزق کا ملنا۔ اور اس کا حکم یہ ہے۔ کہ ضعیف النفس اور کمزور اعتقاد والے کے لئے اس کا چھوڑنا جائز نہیں۔ ہاں قوی النفس اور پکے اعتقاد والے کیلئے اس کا چھوڑنا محمود اور پسندیدہ ہے اور حقیقت میں توکل انہی اسباب ظنیہ کے چھوڑنے کا نام ہے اسباب یقینیہ یا وہمیہ کے چھوڑنے کو توکل کہنا یا سمجھنا سراسری غلط ہے

یقین ظن اور وہم کا فرق

یقین ظن اور وہم کا فرق:۔ چونکہ توکل کے بیان میں ان تینوں لفظوں کا استعمال کیا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بعض اصحاب ان کے صحیح مفہوم سے بے خبر ہوں اسواسطے ان کی تشریح کئے دیتا ہوں۔ آپ مختصراً یوں سمجھئے کہ اگر کسی اعتقاد میں جانب مخالف کا احتمال نہ ہو تو یقین کہلاتا ہے اور اگر جانب مخالف کا احتمال ہو تو اس کی دو صورتیں ہونگی یا تو دونوں طرفیں برابر ہونگی یا نہ۔ اگر دونوں طرفیں برابر ہوں تو شک اور اگر برابر نہیں تو جانب غالب کو ظن اور جانب مغلوب کو وہم کہا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھئے۔ کہ زید اور عمر تمہارے دو دوست ہیں دونوں تمہیں ملنے آئے انکے جانے کے بعد تم نے دیکھا کہ میز پر جو پچاس روپے کا نوٹ پڑا تھا وہ غائب ہے اب آپ کو خیال آیا کہ زید نے یہ کام کیا ہے۔ کیونکہ عمر اس قسم کا آدمی

Marfat.com

نہیں۔ تو اب اگر آپ کا یہ خیال زید کے متعلق اس حد تک پہنچا ہوا ہو کہ عمر کے متعلق چوری کرنے کا خیال ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں آتا تو آپ کو زید کے چور ہونے کا یقین ہے اور کبھی یہ خیال آئے کہ ہو سکتا ہے کہ عمر نے کی ہو تو اب اگر زید اور عمر کے چور ہونیکا خیال بالکل مساوی ہے اور اس خیال میں کسی جانب بھی قوت وضعف کا حکم نہیں لگایا جا سکتا تو یہ خیال تساوی جانبین کے باعث شک کہلائیگا اور اگر اس خیال میں قوت وضعف کا حکم لگ سکتا ہے تو جانب قوی ظن اور جانب ضعیف وہم کہلائیگا۔ تو اب جب آپ توکل کے معنوں کو اچھی طرح سے سمجھ چکے اور آپکو معلوم ہو گیا کہ اسباب ظنیہ کا چھوڑنا ضعیف النفس لوگوں کے لئے تو جائز نہیں ہاں قوی النفس اور راسخ العقیدہ افراد کے حق میں ترک کرنا محمود اور ستودہ ہے تو پھر آپ ہی بتائیے کہ حضرت ابراہیم جیسے اولوالعزم پیغمبر سے زیادہ راسخ العقیدہ اور کون ہو سکتا ہے لہذا آپ کا اسباب ظنیہ کو ترک کر کے حسبی من سؤالی علمہ بحالی فرمانا آپ کی شان وشیان کے بالکل مناسب اور لائق تھا مگر اس پر ما و کو قیاس کر کے دعا جیسے سبب ظنی کو چھوڑنے کی تلقین کرنا کسطرح صحیح کہا جا سکتا ہے ہمارے حق میں تو ایسے اسباب کا چھوڑنا تفصیل سابق کے مطابق بالکل برا اور مذموم ہے۔

جواب شبہ سوم: رضا بالقضا یہ ہے کہ انسان اللہ جلشانہ کی تقدیر پر راضی رہے۔ مگر دعا کچھ تقدیر کے مخالف اور منافی نہیں کیونکہ دعا کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کے سامنے اپنی ذلت اور مسکنت کا اظہار کیا جائے اور پھر اس کے بعد قضائے ربی کے سامنے سر تسلیم کو جھکا دیا جائے اور یہ اقرار ذلت اور مسکنت پہلے ظاہر کیا جا چکا ہے کہ ایک اعلی درجہ کی عبادت ہے اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ عبادت رضائے الہی کے برخلاف نہیں ہو سکتی۔ تو پھر دعا کو جو دوسرا نام ہے عبادت کا کس طرح رضائے الہی کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس شبہ کا جواب بھی قضائے مبرم اور معلق کو سمجھ جانے کے بعد بالوضاحت ذہن میں آجاتا ہے۔ اور جسکی تفصیل آگے پورے طور پر ہو چکی ہے تو اسی تفصیل وتوضیح کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ جس طرح ایک امر مقدر کے ساتھ اس کیلئے استعمال اسباب اور کسب وعمل

Marfat.com

مقدر ہوتا ہے اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ دعا بھی مقدر کر دیجاتی ہے۔ مگر چونکہ دعا والے مقدرہ امور کی تعیین مشکل ہے۔ اسواسطے سب امور کیلئے دعا کرنا محبوب و محمود ہے اور اس تفصیل سے دعا کا مانگنا رضا بالقضا کے بھی مخالف نہیں رہتا۔ بلکہ عین موافق ہو جاتا ہے چنانچہ حضورؐ سے جب اسی قسم کا سوال کیا گیا تو آپ نے کیا فرمایا؟ اس جواب سے بھی اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے عن ابی خزامۃ عن ابیہ قال قلت یا رسول اللہ ارأیت رقی نسترقیہا ودواء نتداوی بہا وتقاۃ نتقیہا ھل ترد من قدر اللہ شیئا قال ھی من قدر اللہ یعنی ابو خزیمہؓ اپنے باپ سے روایت بیان فرماتے ہیں کہ ہمنے رسول اللہ سے عرض کی کہ حضورؐ ہم جو مریض کے جھاڑ پھونک کرتے ہیں یا دوا کرتے ہیں یا پرہیز کرتے ہیں تو کیا یہ امور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدلا سکتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ یہ امور بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہوتے ہیں۔ اگر وہ مرض کو مقدر فرماتا ہے تو ساتھ ہی دوا کو بھی مقدر فرما دیتا ہے اسی طرح اگر وہ کسی مقصود کو مقدر فرماتا ہے تو ساتھ ہی دعا کو بھی مقدر فرما دیتا ہے تو جیسے کسب معاش علاج و معالجہ۔ رضا بالقضا کے مخالف نہیں ہوتے اسی طرح دعا بھی رضا بالقضا کے مخالف نہیں بلکہ عین محبت و مودت کا نشان ہے کیونکہ محبت کسی کے ساتھ دو خیال سے کی جاتی ہے یا تو بوجہ خوف کے اور یا بسبب رجا کے۔ اور شریعت کا منشا ہے کہ ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہونا چاہئے۔ تو گویا داعی ایک طرف تو مقدر سے ڈرتا ہے اور دوسری طرف دعا و التجا کر کے رافت و رحمت کا امیدوار بنتا ہے

جواب شبہ چہارم:۔ دعا قوت عمل کیلئے سم قاتل نہیں۔ بلکہ غور کرنے سے قوت عمل کے گھوڑے کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے۔ جہاں پر ایک منکر دعا ہار کر بیٹھ جاتا ہے وہاں پر دعا کا معتقد یاس کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں میں روحانی روشنی کو چمکتا ہوا دیکھ کر ہمت کو اور حیت اور قدم عمل کو اور تیز کر دیتا ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ جسطرح سخاوت کے غلط مصرف سے گداگر اور بھکاری پیدا ہوتے ہیں اسی طرح دعا کے غلط مفہوم سے بھی

Marfat.com

قوتِ عمل کو نقصان پہنچتا ہے۔ مگر جس طرح سخاوت اور خیرات بذاتہٖ نہایت اچھے کام ہیں اسی طرح دعا بھی بذاتہٖ ایک نہایت اعلیٰ اور بہترین سبب ہے ان کے غلط استعمال سے سخاوت یا دعا کی ذات پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔

اب اس کے بعد میں مختصراً دعا کے آداب، اسکے شرائط اور اسکی قبولیت کے اوقات کے متعلق چند ایک حدیثیں پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ بعض دفعہ جو ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ تو ان میں کونسی کمی رہ جاتی ہے کہ انہیں دربارِ اجابت میں داخل ہونے سے روک دیا جاتا ہے۔

دعا کی فضیلت:- (۱) قال رسول اللّٰہ الدعاء هو العبادة ثم قرأ وقال ربكم ادعوني استجب لكم یعنی حضور نے فرمایا کہ دعا بھی عبادت ہے اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وقال ربکم ادعونی الخ

(۲) قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من فتح له باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة وما سأل اللّٰہ تعالیٰ شیئا احب الیه من یسأل العافیة وان الدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل ولا یرد القضاء الا الدعاء فعلیکم بالدعاء یعنی حضور فرماتے ہیں کہ جس شخص کیلئے دعا کا دروازہ کھل گیا تو گویا اس کیلئے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ کو اس سے زیادہ پیاری اور کوئی دعا نہیں کہ اس سے عافیت کی دعا کی جائے اور دعا اس بلا کیلئے بھی مفید ہے جو نازل ہو چکی ہے اور اس کے لئے بھی جو ابھی نازل نہیں ہوئی اور اگر قضا و قدر کو کوئی چیز پھیر سکتی ہے۔ تو وہ دعا ہی ہے۔ افضیلت دعا میں مبالغہ ہے۔ پس تم کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو۔

(۳) قال رسول اللّٰہ ان ربکم حیی کریم یستحیی من عبدہ اذا رفع یدیه الیه ان یردهما صفرا یعنی حضور فرماتے ہیں کہ تمہارا پروردگار نہایت شرم والا اور سخی ہے وہ اس بات سے شرم کرتا ہے کہ وہ اپنے بندے کے ہاتھوں کو جبکہ وہ اسکی طرف اٹھاوے خالی ہاتھ لوٹا دے

Marfat.com

(۷) قال رسول ﷺ ما من مسلم يدعو بدعوة ليس فيها اثم ولا قطيعة رحم الا اعطاه الله بها احدى ثلاث اما ان يعجل له دعوته واما ان يدخر له ثوابها واما ان يكف عنه من السوء بمثلها وروی انه اذا کان يوم القيمة واستقر اهل الجنة فی الجنة فبينما العبد المؤمن فی قصره واذا ملائكة من عند ربه يأتونه بتحف من عند الله فيقول ما هذا الیس اللہ قد انعم علی واکرمنی فيقول الست کنت تدعو اللہ فی الدنيا. هذا دعاؤك الذی کنت تدعوه قد ادخر لك حضور فرماتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان دعا کرتا ہے اور اس کی دعا کسی گناہ یا قطع رحم کے متعلق نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جواب میں تین میں سے ایک چیز عنایت فرماتا ہے یعنی یا تو اسکی اجابت بالتعجیل کر دیتا ہے یا اس کا ثواب جمع کر دیتا ہے یا اس سے اس کے ثواب کے بدلے کے برابر کسی برائی کو دور کر دیتا ہے اور یہ بھی ایک روایت میں آتا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا اور جنتی جنت میں چلے جائینگے تو جسوقت مومن اپنے محل میں ہوگا فرشتے اللہ تعالیٰ کیطرف سے تحفے لیکر اس کے پاس آئیں گے تو مومن کہیگا کہ یہ کیا ہے کیا اللہ نے مجھپر انعام واکرام فرمایا ہے۔ تو وہ جواب دیں گے کہ کیا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کیا کرتا تھا۔ یہ وہی دعائیں ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جمع کر کے رکھ دیا تھا۔

کس کس کی دعا جلدی قبول ہوتی۔

(۱) قال رسول اللہ ما من دعوة اسرع اجابة من دعوة الغائب للغائب یعنی حضور نے فرمایا ہے کہ غائب شخص کی دعا کسی غائب شخص کیلئے تمام دعاؤں سے زیادہ سریع الاجابت ہوتی ہے۔

(۲) قال رسول اللہ ثلث دعوات مستجابات لاشك فی اجابتهن. دعوة المظلوم دعوة المسافر و دعوة الوالد علی ولده یعنی حضور صلعم نے

Marfat.com

فرمایا ہے کہ تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں مظلوم کی دعا مسافر کی دعا۔ اور والد کی دعا اپنے بیٹے کے خلاف یعنی بددعا۔

دعا کن اوقات اور حالات میں جلد ہی قبول ہوتی ہے۔ ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ داعی کو چاہیئے کہ دعا کرتے وقت دعا کے ارکان۔ اسکے اسباب اور اوقات کو ملحوظ رکھے تاکہ اس کی دعا اڑکر دربار قبولیت میں بلا تکلیف پہنچ سکے دعا کے ارکان تو دل کا خضوع وخشوع ہے اسکے پر سچائی اور اکل حلال ہے اسکا وقت صبح اور دوسرے احادیث شریف میں بیان کردہ اوقات ہیں اور اسکی قبولیت کا سبب حضور پر درود شریف پڑھنا ہے چنانچہ حضور فرماتے ہیں الدعاء لا یرد اذا کان قبله وبعده الصلوة علی یعنی جس دعا کے اول وآخر مجھ پر درود ہو۔ تو وہ دعا رد نہیں کیجاتی احادیث شریف کے استقرا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوقات جن میں مسلمانوں کی دعاؤں کو درجہ قبولیت سے نوازا جاتا ہے یہ ہیں یعنی صبح کا وقت۔ افطار کا وقت۔ اذان واقامت کا درمیانی وقفہ۔ خطیب کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا وقت۔ نزول بارش کے وقت۔ جہاد میں لشکر اسلام کے کفار سے مقابل ہونے کے وقت۔ رات کے ثلث آخر میں۔ حالت سجدہ میں۔ بدھ کے دن عصر ومغرب کے درمیان سخت پریشانی کے وقت۔ سفر اور مرض میں

دعا کرنے والے کی ہیئت کے بیان میں

(۱) قال رسول اللہ لا تستروا الجدر ومن نظر فی کتاب اخیه بغیر اذنه فانما ینظر فی النار سلوا اللہ تعالی ببطون اکفکم ولا تسألوه بظهورها فاذا فرغتم فامسحوا بها وجوهکم یعنی حضور نے فرمایا ہے کہ دیواروں کو کپڑے مت پہناؤ اور جو کسی مسلمان بھائی کے خط کو اس کی اجازت کے بغیر دیکھتا ہے تو گویا وہ آگ میں دیکھتا ہے اور اللہ تعالی سے ہتھیلیوں کو اوپر رکھ کر سوال کرو۔ اور انکی پیٹھ سے سوال نہ کرو یعنی الٹے ہاتھوں سے اور جب دعا کر چکو تو ہتھیلیوں کو اپنے منہ پر پھیر لیا کرو۔

Marfat.com

(۲) عَنْ اَنَسٍ رض قَالَ رَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم یَدَیْہِ فِی الدُّعَاءِ حَتّٰی رَأَیْتُ بَیَاضَ اِبْطَیْہِ یعنی حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور نے دعا میں اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند فرمایا کہ میں نے آپ کی بغلوں کی سپیدی کو دیکھا گویا ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ مطلب یہ نکلا کہ دعا کرتے وقت دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آسمان کی طرف اٹھائے۔ اور بتدریج استقبال رحمت کیلئے اتنا بلند کردے کہ بازو بغلوں سے پورے پورے جدا ہوجائیں اور دعا میں بقول بخاری اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللّٰہ تعالیٰ و الثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ثم لیدع بعد ما شاء سب سے پہلے حمد بعدہ ثنا اور پھر درود شریف اور اس کے بعد داعی کا مطلب و مقصد ہونا چاہیے۔ دعا کے اختتام پر دونوں ہاتھوں کو جو رحمت الٰہیہ کا مورد تھے اپنے منہ پر پھیرے اس کے ساتھ دعا کے قبول ہونے میں شک نہ کرے۔ بلکہ اللہ کی کریمی و رحیمی پر نظر رکھتے ہوئے اپنی دعا کے قبول کئے جانے کا یقین رکھے کیونکہ حضور نے فرمایا ہے اُدْعُوا اللّٰہَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَۃِ یعنی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو اور تم کو قبولیت دعا کا پورا پورا یقین ہونا چاہیے

تو گویا اھدنا کے لفظ میں ایک تو دعا کے متعلق تعلیم ہوگئی۔ کہ عبادت ربی ادا کرنے اور مجرائے شاہانہ بجا لانے کے بعد اپنے مقصود کو پیش کر اور اپنی حاجات کو بیان کرکے ان کے ازالہ کیلئے دربار رب الارباب میں عرض کر۔ اب بندہ درخواست گزار ہے۔ اور کہتا ہے۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ چونکہ بندہ سراپا محتاج ہے۔ اس کی رگ رگ احتیاج کی قید میں جکڑی ہوئی ہے اب اگر یہ اپنے حالات کو پورا بیان کرکے فرداً فرداً ہر تکلیف اور حاجت کے دفعیہ کی درخواست کرتا۔ تو درخواست کی طوالت داب شاہانہ اور تخاطب خسروانہ کے مناسب نہ رہتی۔ اور حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ۔ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

Marfat.com

یستحب الجوامع من الدعاء ویدع ما سواہ یعنی حضور جامع دعاؤں کو پسند فرماتے جو تھوڑے الفاظ میں وسیع مقاصد کو لئے ہوئے ہوتیں اور غیر جامع دعاؤں کو چھوڑ دیتے اسواسطے مصلی کو بھی اس مقام پر ایک ایسی دعا سکھائی جارہی ہے جس میں ایجاز واختصار کے ساتھ اس کی تمام ضروریات کو خواہ وہ دنیوی ہوں یا اخروی باحسن وجہ جمع کر دیا گیا ہے اور جسطرح دعا مغزِ عبادات ہے اسی طرح اس اھدنا الصراط المستقیم کو مغزِ مطالب بنا دیا گیا ہے اور صراط مستقیم میں کسطرح دینی و دنیوی مقاصد کو جمع کیا گیا ہے اس کا کچھ بیان تو آگے ہو چکا ہے۔ اور کچھ باقی مستقیم کی تشریح میں بیان کر دیا جائے گا لیکن سر دست تو اھدنا ہی کے بیان کو پورا کیا جاتا ہے۔

اِھْدِنَا کے ایک اشارۂ دعا کے متعلق تو کافی سے زیادہ بیان ہو چکا۔ اب اھدنا کا دوسرا اشارہ ہدایت کی طرف ہے۔

ہدایت کا معنی

ہدایت کہتے ہیں لطف اور مہربانی سے رستہ دکھانے کو یہی وجہ ہے کہ اس کا استعمال ہمیشہ امورِ خیر اور بھلائی کے کاموں کیطرف رہنمائی کرنے پر بولا جاتا ہے کیونکہ لطف و نوازش کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رہنمائی صراطِ خیر کی طرف ہو نہ کہ ضیر کی طرف چوری یا کسی اور فسق و فجور کے رستہ دکھانیکو ہدایت نہیں کہیں گے کیونکہ ایسا رستہ لطیف کی صفت لطف کے سراسر منافی ہے اور قرآن پاک میں جو فَاهْدُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ آیا ہے وہ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ کیطرح بطورِ تحکم و استہزاء استعمال کیا گیا ہے۔

لفظ ہدایت کے استعمال کا قاعدہ

لفظ ہدایت کے استعمال کے متعلق علماء ادب نے چند ایک قانون بنائے ہیں جو اگرچہ زبان کے استقراء سے قواعد کلیہ تو نہیں معلوم ہوتے لیکن تاہم لفظ ہدایت کا استعمال غالب طور انہی کے ماتحت ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ رستہ دکھانا دو طرح پر ہوتا ہے ایک تو رستے کے تمام نشانات

Marfat.com

اور ضروری علامات کا بتا دینا۔ مثلاً آپ سے کوئی شخص کسی مکان کا پتہ پوچھے اور آپ اسے کہیں کہ یہاں سے دو سو قدم کے فاصلے پر ایک سفید مکان ملیگا وہاں بڑی سڑک کے دائیں جانب سے ایک چھوٹی سی گلی اندر جاتی ہوئی دکھائی دیگی اس گلی میں دائیں ہاتھ کے دس مکانوں کو چھوڑ کر گیارھواں مکان ہے دوسرا رستہ دکھانے کا یہ طریقہ ہے کہ خود پوچھنے والے کے ساتھ ہو کر اسے منزل مقصود تک پہنچا آئے۔ اور یہ ہدایت کا بہترین درجہ ہے کیونکہ اس میں مستفسر کو کسی قسم کا دھوکہ لگنے کا کوئی خدشہ نہیں تھا اب اگر کلام عرب میں ہدایت کے پہلے معنی یعنی ارائۃ الطریق یا نشان دادن کو بیان کرنا مقصود ہو تو اس کا استعمال مفعول ثانی کیطرف لام یا الیٰ کے ذریعے سے ہوتا ہے جیسے اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ اور ھَدَیْنٰھُمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ اور اگر ہدایت کے دوسرے معنی یعنی ایصال الی المقصد کو ظاہر کرنا مطلوب ہو تو اسوقت اسے متعدی بنفسہا کرتے ہیں اور لام یا الیٰ کے بغیر ہی استعمال کرتے ہیں جیسے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں۔

ہدایت چار قسم ہے

اب اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہدایت اپنی جگہ پر چار قسم کی ہوتی ہے یعنی ہدایت فطری۔ ہدایت احساسی۔ ہدایت عقلی اور ہدایت الہامی۔ ہدایت فطری اللہ تعالیٰ جل شانہ قرآن پاک میں فرماتا ہے اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی کہ ہر چیز کو پیدا فرما کر ہدایت بخشی یہی وہ فطری ہدایت ہے۔ جس کے ذریعے سے ہر حیوان اپنے مایحتاج کو حاصل کرتا ہے۔ اسی کی وساطت سے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے پستانوں سے اسطرح دودھ پیتا ہے کہ گویا اسے اسکی برسوں مشق کرائی گئی ہے یہ فطری ہدایت ہی کا طفیل ہے کہ شہد کی مکھیاں اپنی سکونت کے لئے ایسا مسدس خانوں والا چھتہ بناتی ہیں کہ ایک ماہر انجینیر بھی اسکو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ بئے کا گھونسلہ ریشمی کیڑے کا ڈوڈا چیونٹی کی بھول بھلیاں سب کی سب اسی ہدایت کا نتیجہ ہیں۔ اور قدرت نے اس ہدایت فطری

Marfat.com

سے دنیا کی کسی چیز کو بھی محروم نہیں رکھا۔ بلکہ ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق فطری ہدایت سے پورا پورا نوازا ہے

ہدایت احساسی:۔ ہدایت فطری سے دوسرے درجہ پر ہدایت احساسی ہے اس کا تعلق فطرت سے خاص ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حواس ظاہری (سامعہ۔ شامہ۔ باصرہ۔ ذائقہ۔ لامسہ) و حواس باطنی (حس مشترک۔ خیال۔ وہم۔ حافظہ۔ متصرفہ) سے متعلق ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں کو ان قوتوں سے نہیں نوازا گیا۔ بلکہ بعض کو پوری دی گئی ہیں تو بعض کو کم۔ اسی ہدایت کی وساطت سے انسان سرد و گرم۔ نور و ظلمت جمیل و قبیح اور رقیق و دبیز میں فرق کر سکتا ہے۔

اس کے بعد ہدایت کی تیسری قسم **ہدایت عقلی** ہے جس جگہ ہدایت احساسی حواس کی عدم رسائی کی وجہ سے رک جاتی ہے وہاں پر عقل ظاہری و باطنی حواس کے مدرکات سے کلیات کا انتزاع کر کے منزل مقصود کی طرف رہنمائی کر دیتی ہے اب یہ انتزاع بعض دفعہ بوجہ تجربہ حدس یا تواتر کے ایسا بدیہی اور ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں عقل کو کسی قسم کے استدلال یا ترتیب مقدمات کی ضرورت نہیں پڑتی۔ مثلاً اگرچہ ہم نے مدینہ شریف کو اپنی آنکھوں سے تو نہیں دیکھا مگر دیکھنے والوں سے سنا۔ کتابوں میں پڑھا اور اس قدر باوثوق ذرائع سے اس کا ہونا معلوم ہوا کہ عقل نے باوجود ہدایت احساسی کے نہ ہونیکے اس قول کو صحیح تسلیم کر لیا اور اس میں کسی قسم کے استدلال کی ضرورت نہ پڑی مگر بعض دفعہ یہ انتزاع بجائے بدیہی کے نظری ہوتا ہے اور اس کے حاصل کرنے میں قوت استدلال اور ترتیب مقدمات سے کام لینا پڑتا ہے مثلاً زمانہ کا حدوث اور قدم زمین کی گردش و سکون اور دیگر ہزاروں ایسے نتائج ہیں جو مقدمات کو ترتیب دیکر قوت استدلال کے نتیجے حاصل کیے گئے ہیں ہدایت عقلی کی اس قسم کو استدلالی اور پہلی کو بدیہی کہا جاتا ہے چونکہ عقلاء کے عقل آپس میں مختلف ہوتے ہیں اسلئے کوئی اپنے استدلال کی بنا پر زمانے کو قدیم کہتا ہے اور کوئی حادث۔ کوئی زمین کو ساکن

مانتا ہے تو کوئی گروان۔ اس لئے ہدایت عقلی استدلالی کے خلاف کو مٹانے کے لئے ہدایت کی چوتھی اور اعلیٰ قسم ہدایت الہامی ہے۔ جس میں انبیاء علیہم السلام اللہ جل شانہ کی طرف سے بذریعہ الہام اور وحی کے ہدایت پا کر لوگوں کی رہنمائی فرماتے ہیں۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ یعنی ہم نے انہیں پیشوا بنایا۔ وہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔ اور ہم نے اُن کو نیکیوں کے کرنے۔ نماز کے پڑھنے اور زکوٰۃ کے دینے کی وحی کی جس طرح عام لوگ اپنے عقلی استدلالات میں عقلا کی تابعداری کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عقلا و حکما کو بھی اپنے مختلف فیہ نظریات میں ہدایت الہامی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔

مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:۔

گر باستدلال کار دیں بدے — فخر رازی راز دار دیں بدے

پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اعتراض۔ جب مصلی حاضر دربار ہوا۔ پاک وصاف اور قبلہ رو ہو کر دربار ربی میں کھڑا ہو گیا۔ تو اب اسے بذریعہ حضور خداوندی اور عبادت ربی کے ہدایت تو حاصل ہو گئی۔ اور عبادت بقول قرآن خود صراط مستقیم ہے۔ وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ تو اب پھر دوبارہ ہدایت اور صراط مستقیم کے لئے عرض کرنا تحصیل حاصل کی التجا نہیں تو اور کیا ہے۔

جواب۔ ہدایت اور عبادت میں فرق ہے۔ عبادت تو نام ہے۔ مجاہدہ کا کوشش اور سعی کا۔ ہاں اس کے نتیجہ کا نام ہدایت ہے۔ انسان اللہ جل شانہ کی عبادت کرتا ہے۔ نفس کشی کرتا ہے۔ رات اور دن ریاضتوں میں مشغول رہتا ہے۔ تو آخر کار اللہ جل شانہ اسے ہدایت کے درجے سے نوازتے ہیں۔ اسی واسطے فرمایا ہے۔

Marfat.com

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔ تو گویا ہدایت سبیل یا ارائۂ صراط مجاہدہ و ریاضت کے بعد ہوتا ہے۔ اور چونکہ یہ نتیجہ مجاہدہ کے ساتھ لازم ملزوم نہیں۔ بلکہ رب العزت کی مرضی پر موقوف ہے۔ کہ کسی انسان کے مجاہدہ کو بارآور فرمائیں یا نہ۔ اگر عبادت کا نتیجہ لازمی طور پر ہدایت ہوتا۔ تو پھر مَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ بالکل بے معنی ہو جاتا۔ اور ابلیس کو باوجود عبادات شاقہ کے راندۂ دربار نہ کیا جاتا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ عبادت کا نتیجہ اُس احکم الحاکمین کے ہاتھ میں ہے۔ اس واسطے مصلی عبادت کے بعد نتیجہ کے دیئے جانے کی عرض کرتا ہے۔ کہ اے معبود میری عبادت کو بار آور فرما کر مجھے صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔

اس کے علاوہ حضور نے فرمایا۔ انما الاعمال بالخواتیم یعنی اعمال کا اعتبار خاتمہ پر موقوف ہے۔ ابتدا یا وسط کو کوئی نہیں دیکھتا۔ ہر ایک کی نظر انجام پر ہوتی ہے۔ کسی نے کہا ہے۔ ؎

کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں ملکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

ایک شخص نہایت جانفشانی سے کام کرتا ہے۔ اُس کی ابتدا شاندار اور وسط قابل ستائش ہوتی ہے۔ مگر اختتام پر وہ اُسے ایسا بگاڑ دیتا ہے۔ کہ اپنی سالوں کی محنت پر پانی پھیر دیتا ہے۔ اب اُس کے کام کی ابتدا اور وسط کو دیکھ کر تعریف نہ کی جائیگی۔ بلکہ انجام کو دیکھ کر اُسے قابل مذمت انسان سمجھا جائیگا۔ اسی طرح ایک شخص خوب عبادت و ریاضت کرتا ہے مگر خاتمہ پر ایسے افعال کا مرتکب ہوتا ہے۔ کہ گویا قطرہ قطرہ سے بھرے ہوئے پیالے کو انڈیل دیتا ہے۔ اور اس طرح اپنی تمام عبادت و مجاہدہ کو برباد کر دیتا ہے۔ بلعم باعور اور ابلیس کی عبادتوں کا جو انجام ہوا۔ وہ آپ میں سے ہر ایک جانتا ہے۔ تو گویا مصلی اس دعا میں انجام بخیر ہونے کی التجا کر رہا ہے۔

اور بات تو یہ ہے۔ کہ ہدایت بھی زر و مال کی طرح کوشش کرنے سے حاصل تو ہو

Marfat.com

جاتی ہے۔ مگر جس طرح مال کو محفوظ و مصئون رکھنا ایک نہایت اہم کام ہے۔ اسی طرح حصول ہدایت کے بعد اُس پر قائم رہنا ایک کٹھن کام ہے۔ ہزاروں نے رات دن کے مجاہدہ وریاضت سے ہدایت حاصل بھی کی۔ مگر یہ حصول بجلی کے کوندنے کے مشابہ تھا۔ کہ ادھر سے چمک اُٹھی اور اُدھر غائب ہوگئی۔ اور پھر عابد و مرتاض کی حالت الان کما کان کے ذیل میں جا داخل ہوئی۔ اس واسطے حصول عبادت کے بعد اُس پر ثبات و دوام ایک نہایت قابل ستائش مقصود ہے۔ اسی واسطے تو مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی۔ کہ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا یعنی اے اللہ ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرمانا۔ چنانچہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔ ان النبی صلعم کان یقول یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینك ثم قرأ ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمة۔ انك انت الوهاب۔ یعنی حضور یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے دلوں کے پلٹنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔ اور پھر اس کے بعد ربنا لا تزغ قلوبنا الخ تک تلاوت فرمایا کرتے۔ تو گویا اگر عبادت سے ہدایت کا حصول بھی مان لیا جائے۔ تو اهدنا الصراط المستقيم میں اس ہدایت پر ثابت قدم اور قائم رکھنے کی آرزو پیش کی جارہی ہے۔ ؎

از برائے چارۂ ایں خوفہا آمد اندر ہر نمازے اھدنا

کیں نمازم را میامیز اے خدا با نماز ضالین اھل ریا

نکتہ۔ ہدایت نتیجہ ہے عبادت کا۔ اور عبادت موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت پر۔ اور اعانت کا استحقاق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے تسلیم کرنے اور اپنی عبدیت کے اظہار سے ہوتا ہے۔ اور ایسی ہدایت کا نفع اور فائدہ یوم دین میں ظاہر ہوگا۔ تو گویا سورۂ فاتحہ کا ایک ایک لفظ مضمون کے لحاظ سے یہاں تک بالکل مربوط

Marfat.com

اور مسلک ہے۔

اِھدِنَا کے نا کے متعلق

اِھدِنَا یعنی ہم کو ہدایت دے۔ مصلی باوجود ایک ہونے کے جو یہاں ہم کہہ رہا ہے اس میں ایک تو اشارہ ہے۔ لزوم جماعت کی طرف۔ کہ اے مسلمانوں تمہاری عبادت اجتماعی شکل میں ہونی چاہیئے جس پر ہم کا اطلاق ہوسکے۔ دوسرے امام صاحب کا مذہب عدم قرأت خلف الامام بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ قرأۃ الامام قرأۃ المقتدی کی حدیث سے امام کی قرأت مقتدیوں کے لئے بھی کافی سمجھتے ہیں۔ تو نا سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حقیقت میں وہ کافی ہوجاتی ہے۔ اسی واسطے امام سے بجائے میں کے لفظ ہم کہلوایا جاتا ہے۔ اور پھر چونکہ اھدنا دعا ہے۔ اس لئے مصلی اپنی دعا میں اپنے دوسرے حاضر اور غیر حاضر بھائیوں کو بھی شامل کرلیتا ہے۔ تاکہ اگر یہ دعا اس کی نیکی و تقویٰ کے ذریعے قابل قبول ہو۔ تو اس سے اس کے دوسرے مسلمان بھائی بھی محروم نہ رہیں۔ اور اگر اس کے ذاتی عیوب معاصی اور نافرمانیوں کے باعث دربار ربی میں قابل اعتنا نہیں۔ تو شاید دوسرے شریک کئے ہوئے مسلمان بھائیوں میں سے کسی مقرب کے باعث ارحم الراحمین کی رحمت متوجہ حال ہوجائے۔ ایک مالی بھی جب ایک پھولدار یا پھلدار درخت کو پانی دینا چاہتا ہے۔ تو اس کے ساتھ کیکر ببول گھاس پات اور دوسرے بیکار جھاڑ بوٹیوں کو بھی پانی مل جاتا ہے۔ اسی طرح داعی جب اپنی دعا میں مقرب درختوں کو شامل کرکے گلستان دنیا کے مالک سے باران رحمت کی التجا کرتا ہے۔ تو ان پھلدار اشجار کے ساتھ اس کے کانٹے ببول کو بھی سیراب کردیا جاتا ہے۔

اگر آپ ذرا غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس نا (ہم) میں ایک ایسا سبق سکھایا ہے۔ کہ جس پر پہلے مسلمانوں نے عمل کیا۔ تو ان کو

Marfat.com

وہ عروج نصیب ہوا۔ کہ جس کا آج یاد کرنا "پدرم سلطان بود" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتاہے۔ اور جس کے امراض سے دورِ موجودہ کے مسلمان اُس انحطاط و تنزل کے غار میں جا گرے جس کی تھاہ ہی نہیں۔ وہ کیا ہے؟ حضورِ پرنور کی زبان درفشان ہی سے سن لو۔ آپ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔ جن کا مفصل بیان آگے ہو چکا ہے۔ اُن میں سے ایک حق یہ ہے۔ کہ یحب لہ ما یحب لنفسہ یعنی ہر ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند کرے۔ جو خود وہ اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ دوسرا مسلمان گویا تمہارا مثنیٰ ہے۔ اُس کی تکلیف تمہاری تکلیف۔ اُس کی راحت تمہاری راحت۔ اُس کی مرضی تمہاری مرضی۔ اُس کی مکروہ تمہاری مکروہ ہونی چاہیئے۔ اسی واسطے اھدنی کی جگہ اھدنا کہلوایا جاتا ہے۔ تاکہ مسلمان قولاً و فعلاً ایک دوسرے کے خیرخواہ اور بھائی بن جائیں۔ چنانچہ جب تک یہ جذبہ قول کے ساتھ فعل اور ملفوظ کے ساتھ معمول کی بھی حیثیت رکھتا تھا۔ تو مسلمانوں نے وہ وہ کام کئے۔ کہ آج دنیا اُن کی کارگذاریوں کو حیرت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ مگر جب سے مسلمانوں کا یہ قول قولِ محض رہ گیا۔ تو اُس وقت سے قوم کی قوم میں بد انتظامی آنی شروع ہو گئی۔

انسان کا وجود اتحادِ عناصر کا نتیجہ ہے

انسان کا خود وجود تک اتحادِ افراد کا نتیجہ ہے۔ اگر آج وہ ایک دوسرے کے بچھڑ ہو کر مختلف ہو جائیں۔ تو پھر یہ جسمانی ترکیب بھی چند لمحوں کی مہمان رہ جاتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

زندگانی آشتیِ دشمناں مرگ وارفتن بہ اصل خویش دان

صلحِ دشمن دار باشد عاریت دل بسوئے جنگ تا زد عاقبت

Marfat.com

یعنی انسان کی زندگی دشمنوں کی صلح کا نتیجہ ہے۔ اور اس کی موت ان دشمنوں کا اپنی اصلیت کی طرف لوٹ جانا ہے یعنی انسان جو چار اجزا مٹی۔ پانی۔ ہوا اور آگ سے بنا ہے۔ یہ چاروں کے چاروں اجزا ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں۔ ایک کا وجود دوسرے کے عدم کا مقتضی ہے۔ مگر اس قادر بے مثال کی صفت باکمال کے جلال وجمال کا نظارہ کرو۔ ایسے ان دشمنوں اور مخالفوں کو اعتدال پر لاکر انسان کے حیرت انگیز جسم کو مرکب فرمایا۔ اور غور کرو تو انسان کا وجود خود باری تعالیٰ کے وجود باجود پر زبردست دلیل ہے۔

انسان کا وجود ذات باری کے وجود پر زبردست دلیل ہے

الماء والنار فی ذات قد اجتمعا   والماء والنار کیف لحال ضدان

تو اب مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اے شخص تو اس دو روزہ زندگی پر مغرور نہ ہو۔ غفلت کی پٹی آنکھوں سے ہٹا کر سوچ۔ کہ ان دشمنوں کا ملاپ کب تک رہیگا۔ ایک نہ ایک دن وہ آپس میں مخالف ہو کر تیری زندگی کا خاتمہ کر دینگے۔

تو بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ جب معاندین کے اتحاد سے زندگی جیسی میٹھی اور پیاری چیز ملتی ہے۔ تو مسلمین کے اتحاد سے دین و دنیا کا وہ کونسا قلعہ ہے جو سر نہیں کیا جا سکتا۔ مگر افسوس اور ہزار افسوس۔ کہ آج ہم مسلمانوں کی عملی زندگی آقائے نامدار کے سراسر مخالف ہے۔ اور پھر اس صریح خلاف کے باوجود محبت کا دعویٰ اِنَّ ھٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

تعصی الرسول وانت تظھر حبہ   ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقا لاطعتہ   ان المحب لمن یحب مطیع

Marfat.com

نماز میں مسئلہ شفاعت کا استخراج

اسی کے ضمن میں ایک اور مسئلہ بھی سن لیجئے۔ اور وہ مسئلہ شفاعت ہے۔ کیونکہ نماز میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائیوں کے لئے دربار حق میں دعا کے رنگ میں شفاعت وسفارش کرتا ہے۔ تو گویا اس سے یہ اشارہ بھی کیا جا رہا ہے۔ کہ شفاعت حق ہے ایک مسلمان کو مسئلہ شفاعت پر بھی ایمان رکھنا اور جاننا ضروری ہے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم

جس طرح ایک انسان کو دنیا میں بعض وقت بعض دوستوں کی سفارش سزا سے بچا لیتی ہے۔ اسی طرح دنیا و آخرت میں مقربین کی شفاعت دربار ربی میں کام آتی ہے اور آئیگی۔ اور مقربین اس لئے کہ جیسے دنیا کا حاکم بھی سوائے کسی اپنے مقرب کے دوسرے کی سفارش قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح دربار ربی میں بھی مقربین کا قول ہی مسموع و منظور ہوگا۔ نہ کہ ہر کس و ناکس کا آج جو بعض بناوٹی اور مصنوعی سجادہ نشین شفاعت کے کانٹریکٹر ہونے کا دعوے کرتے ہیں۔ اور بلا تقرب ہی جیسا کہ ان کے اعمال۔ اقوال اور اعتقاد سے ظاہر ہوتا ہے۔ دوسروں کو بخشانے کے دعویدار بنتے ہیں۔ سراسر کذاب اور جھوٹے ہیں۔ حدیث شریف میں تو آتا ہے۔ کہ اس دن بڑے بڑے اولوالعزم پیغمبر بھی نفسا نفسی پکار رہے ہونگے۔ اور اپنی ادنےٰ سے ادنےٰ زلت کے باعث حاضری دربار پر جرأت نہ کر سکینگے۔ آخر کار حضور سرور عالم کو اولین و آخرین کا شفیع بنا کر پیش کیا جائیگا۔ اور آپ گنہگاروں کی شفاعت فرما کر انہیں انعامات خداوندی سے بھرپور فرمائینگے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ کرام سے فرمایا۔ کہ اے صحابہ کیا تم جانتے

Marfat.com

ہو۔ کہ میں کیوں تمام مخلوقات کا سردار بنایا گیا ہوں۔

پھر آپ نے خود ہی فرمایا۔ کہ جب تمام مخلوقات میدان محشر میں جمع کر دی جائینگی۔ اور سورج قریب آجائیگا۔ تو لوگ غم اور تکلیف کی وجہ سے پریشان ہو کر کسی شفیع کی تلاش کرینگے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام کے پاس آئینگے اور عرض کرینگے کہ اے صفی اللہ۔ آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں۔ آپ کے قالب کو خود اللہ جل شانہ نے اپنے دست قدرت سے بنا کر نفخ روح فرمایا۔ آپ خلیفۃ اللہ اور مسجود ملائک ہیں۔ اس لئے آپ مہربانی فرما کر آج رب العزت سے ہماری شفاعت کر کے موجودہ تکلیف کو ہم سے دور کروا دیجئے۔ حضرت آدمؑ فرمائینگے۔ کہ اے لوگو۔ آج میرا رب اس قدر غضبناک ہے۔ کہ نہ ایسا کبھی ہوا ہے۔ اور نہ ہوگا۔ اور میں نے باوجود نہی کے شجر ممنوعہ سے کھا لیا تھا۔ اس لئے آج میری طاقت نہیں کہ میں اس کے حضور تمہاری سفارش کر سکوں۔ تم نوحؑ کے پاس جاؤ۔ چنانچہ لوگ وہاں سے مایوس ہو کر نوحؑ کے پاس آئینگے۔ اور عرض کرینگے۔ کہ اے نبی اللہ۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پہلا رسول بنا کر بھیجا۔ آپ کو عبداً شکوراً کے لقب سے ملقب فرمایا۔ اس لئے آپ مہربانی فرما کر آج ہماری سفارش کریں۔ کہ اس تکلیف کو ہم سے دور کر دیا جائے۔ وہ فرمائینگے۔ کہ اے لوگو۔ آج ذات بابرکات اس قدر پر غضب ہے۔ کہ نہ پہلے کبھی ہوئی اور نہ ہوگی۔ مجھے دنیا میں ایک مقبول دعا کا موقعہ دیا گیا تھا۔ مگر میں نے اسے اپنی قوم کی تباہی کے لئے استعمال کیا۔ اس واسطے آج مجھ میں کسی کی سفارش کی طاقت نہیں۔ آج تو میری اپنی جان کا بچ جانا ہی بڑی غنیمت ہے۔ تم ابراہیم کے پاس جاؤ۔ چنانچہ لوگ وہاں سے حضرت ابراہیم کے پاس جا کر عرض کرینگے۔ کہ اے خلیل اللہ۔ اے اللہ کے مقرب و معزز رسول ہماری حالت کو دیکھئے اور جناب باری میں ہماری سفارش فرما کر اس تکلیف کا ازالہ فرمائیں۔ آپ فرمائینگے۔ کہ اے لوگو۔ میں اس قابل

Marfat.com

نہیں۔ کیونکہ میں نے تین ایسی باتیں دنیا میں کہی تھیں۔ جو بادی النظر میں سامع کو خلاف واقع معلوم ہوسکتی تھیں۔ اس لئے تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ ورموسیٰ سے جاکر اس کام کے متعلق عرض کرو۔ لوگ ان کے پاس جاکر کہینگے۔ اے موسیٰ آپ اللہ کے کلیم اور اولوالعزم رسول ہیں۔ ہماری حالت زار پر رحم کرکے دربار ربی میں سفارش فرمائیں۔ کہ ہم سے آج کی تکلیف کو دور کیا جائے۔ آپ فرمائینگے۔ اے لوگو۔ آج رب العزت کا غضب حد کمال پر ہے۔ میں نے دنیا میں ایک ایسے آدمی کو قتل کیا ہے۔ جس کے قتل کا مجھے حکم نہ تھا۔ اس واسطے آج تو نفسا نفسی ہے۔ تم حضرت عیسےؑ سے جاکر اس عرض کو پیش کرو۔ لوگ ان کے پاس آکر عرض کرینگے۔ کہ اے رسول۔ آپ کلمۃ اللہ ہیں۔ آپ روح اللہ ہیں۔ آپ نے پنگوڑے میں بات فرمائی۔ آج ہماری سفارش کرکے ہمیں اس دکھ سے نجات دلوائیں۔ حضرت عیسیٰؑ فرمائینگے۔ کہ اے لوگو۔ آج تو باری تعالیٰ نہایت غضبناک ہے۔ آج نفسا نفسی کا معاملہ ہے۔ تم خاتم النبیین جناب محمد رسول اللہ صلعم کی خدمت بابرکت میں جاؤ۔ چنانچہ مخلوقات حضورؐ کی خدمت آکر عرض کریگی۔ کہ اے سردار انبیاء۔ آپ خاتم المرسلین ہیں۔ آپ طاہر و مطہر ہیں۔ اس واسطے نوازش فرماکر آج ہم لوگوں کی آپ شفاعت فرمائیں۔ تاکہ رب العزت ہم سے اس تکلیف کو دور فرمادے۔ چنانچہ حضرتؐ فرماتے ہیں۔ کہ میں جاکر عرش کے نیچے سجدہ میں گر جاؤنگا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس وقت مجھے وہ نوازش فرمائینگے۔ جو اس سے پہلے آپ نے کسی نبی پر نہ فرمائی ہوگی۔ پھر حکم ہوگا۔ یا محمد ارفع راسک سل تعطہ واشفع تشفع یعنی اے محمد اپنا سر اٹھائیے۔ اور مانگئے۔ دیا جائیگا۔ اور شفاعت کیجئے۔ آپ کی شفاعت قبول ہوگی۔ اس وقت حضورؐ شفاعت فرمانی شروع کرینگے۔ ؎

غم نخورد آنکہ شفیعش توئی — پایہ دہ قدر رفیعش توئی
حاصلی از نیست زطاعت مرا — ہست امیدے بشفاعت مرا

Marfat.com

نام نہاد پیر اور اُن کی شفاعت

تو آپ ہی بتایئے۔ کہ اُس ہولناک مقام میں جہاں آدم و نوح علیہما السلام جیسی مقدس ہستیاں نفسا نفسی پکار رہی ہونگی۔ اور نہایت ادنےٰ قسم کی زلات سے بھی وہ اس قدر محجوب ہونگے۔ کہ دربارِ ربی میں حاضر ہونے کی جرأت نہ کر سکینگے۔ تو پھر اُس جگہ ان بھروپیوں اور نقالوں کا کیا حال ہوگا۔ شیخ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دراں دم کہ از فعل پرسند و قول | اولوالعزم را تن بلرزد ز ہول
بجائے کہ دہشت خورند انبیاء | تو عذرے گناہاں چہ داری بیا

ان بھروپیوں کے اجارۂ شفاعت سے مجھے ایک حکایت یاد آگئی۔ جسے سن کر امید ہے کہ آپ بھی محظوظ ہونگے۔

ایک پیر کا دلچسپ قصہ

ایک دفعہ ایک گاؤں میں وہاں کے لوگوں کے آبائی پیر آئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آگے تو پیر صاحب خوب لحیم شحیم اور موٹے تازے تھے۔ نہ معلوم غریب کو کیا بیماری ہوئی ہے۔ کہ بالکل ہڈیوں کا ہار دکھائی دیتا ہے۔ ایک مرید نے جرأت کرکے عرض کی۔ کہ صاحب کیا معاملہ ہے۔ کہاں تو وہ تن و توش اور کہاں یہ ہڈی اور پوست۔ پیر صاحب کا مرید سے یہ الفاظ سننا تھا۔ کہ دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کردیا۔ مریدوں کو اس پر اور بھی تعجب ہوا۔ اور جو غیر متوجہ تھے۔ وہ بھی متوجہ ہو بیٹھے اور پیر صاحب سے اس لاغری اور گریہ و زاری کا باصرار سبب پوچھنے لگے۔ پیر صاحب نے ایک سرد آہ بھری۔

گاہ گاہ آہے ز روغن مے زنی | ایں برائے مسکہ دوغن مے زنی

فرمایا احمقو تم میرے مرید ہو اور میرے ساتھ باطنی تعلق رکھتے ہو۔ مگر تمہاری حالت

پر سخت افسوس ہے کہ تمہیں آج تک میری کمزوری کا سبب معلوم نہ ہُوا۔ سنو تم نہ نماز پڑھتے ہو نہ روزہ رکھتے ہو۔ نہ حج کرتے ہو اور نہ زکوٰۃ دیتے ہو۔ تو پھر تم کس طرح پلصراط سے گذر سکو گے۔ جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔ اس واسطے میں رات دن اُس پلصراط پر چلنے کی مشق کرتا رہتا ہوں۔ تاکہ قیامت کے دن تم کو بھی باری باری وہاں سے امن و آرام کے ساتھ گزار سکوں۔ اور یہی مشق اور رات دن کا ایسی دقیق و خطرناک چیز پر چلنا مجھے لاغر اور کمزور بنا رہا ہے۔ وہاں ہی ایک زمیندار بیٹھا تھا۔ اُس نے سوچا کہ پیر صاحب جب ہمارے لئے اتنی تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ تو ہمیں بھی چاہیئے کہ اُن کی محنت کا کچھ نہ کچھ معاوضہ دیں۔ اور اگرچہ وہ ہماری دُنیوی پیش کردہ چیز کو قبول تو نہ کرینگے۔ مگر پھر بھی ہماری طرف سے کم از کم پیش کردینی ضروری ہے۔ چنانچہ وہ اُٹھا۔ اور عرض کی یا حضرت۔ جب آپ نے ہمارے لئے اس قدر مصیبتیں اُٹھانی گوارا فرمائی ہیں۔ تو میں آپ کی خدمت میں اپنی طرف سے فلانا زمین کا قطعہ بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں۔ اُمید ہے کہ آپ اسے قبول فرما کر میری عزت افزائی فرمائینگے۔ پیر صاحب نے دیکھا کہ ایک مُرغ تو دام میں آیا۔ مگر ہے زمیندار۔ اُس کی زبان کا کیا اعتبار۔ اس سے جتنا جلدی ہوسکے زمین کا قبضہ لے لینا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ برخوردار تیرا ہدیہ قبول ہے۔ مگر علی کہ مجھے اُس زمین کا قبضہ دے دے۔ تاکہ پھر بعد میں شیطان تجھے اس نیک کام کے پورا کرنے میں مانع نہ آسکے۔ چنانچہ زمیندار پیر صاحب کے ساتھ اُس زمین کا قبضہ دینے کے لئے روانہ ہُوا۔ مگر زمیندار دل میں بڑا پریشان۔ کہ میں نے تو صرف ایک رسمی طور پر کہا تھا۔ مگر پیر صاحب تو حقیقت سمجھ کر لینے کو تیار ہو بیٹھے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب تو زبان سے نکال چکا ہوں۔ چنانچہ زمیندار اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا پیر صاحب کو گاؤں سے باہر لاتا ہے۔ جہاں سے لوگوں کی زمینیں شروع ہوجاتی تھیں۔ چنانچہ زمینوں کی ڈولیں

Marfat.com

نہایت باریک اور اونچی تھیں۔ پیر صاحب تو ایسی ڈولوں پر چلنے کا عادی نہ تھا۔ ہاں زمیندار کو روزانہ آمد و رفت کے باعث پوری مشق تھی۔ زمیندار نے پیر صاحب کو آگے کیا۔ کہ صاحب اس ڈول سے گزرنے کے بعد میری زمین شروع ہوگی۔ پیر صاحب جو چلنے لگے۔ تو بوجہ مشق نہ ہونے کے بار بار ڈول سے پھسل کر گر جاتے۔ ایک دفعہ تو ایسے گرے۔ کہ اگر جلدی ہاتھ سے بچاؤ نہ کرتے تو آپ کی بتیسی مبارک کا خاتمہ تھا۔ مگر غریب نے بتیسی کیا بچائی۔ کہ اوپر سے زمیندار نے لاتوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ پیر صاحب نے بڑے پیر کی دہائی دینی شروع کی۔ کہ کمبخت مجھ سے کیا قصور ہو گیا ہے۔ کہ تو مجھ مرے کو مار رہا ہے۔ زمیندار کہنے لگا۔ کہ پیر صاحب کم بخت میں یا تم۔ کہ تو جھوٹ بول کر مجھ سے زمین لینی چاہتا ہے۔ تو جب اس اتنی بڑی ڈول پر دو قدم نہیں چل سکتا۔ تو تو نے پلصراط پر چلنے کی کیا مشق کی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب ہماری حجامت کرنے کا تو نے ذریعہ سوچا تھا۔ چنانچہ پیر صاحب ضرب یضرب کی گردان اور وہ بھی زمیندار کے ہاتھوں سیکھ کر ایسے بھاگے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ تو آج کل ان ان نقالوں کی شفاعت بھی پیر صاحب کے اس پلصراط پر چلنے کے مطابق ہے۔

اصل کا کچھ فائدہ نہیں بلکہ عمل چاہئے اس پر ہارون رشید کا واقعہ

بعض خانوادے اور سجادہ نشین سادات یا پیرزادے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو جنت کا اجارہ دار سمجھتے ہیں۔ انہیں نہ تو اپنے لئے کسی علم و عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ حلقہ بگوش خدام کے لئے۔ اُن کے لئے بس اتنا کافی ہے۔ کہ اُن کا شجرہ نسب کسی صاحب ارشاد ہستی سے جا کر مل جائے۔

لکھا ہے کہ ہارون رشید جب حج سے لوٹا۔ تو چند دن کوفہ میں ٹھہرا۔ اس کی عادت تھی کہ بند گاڑی میں جس کے ساتھ پردے وغیرہ لگے ہوئے ہوتے تھے۔ مثلاً شہر میں ادھر

Marfat.com

ادھر پھرتا تاکہ کوئی شخص اسے پہچان نہ لے۔ ایک دن جب اس کا گزر قبرستان کے
پاس سے ہوا تو بہلول مجنون جو اس وقت کہیں وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ زور زور سے
ہارون ہارون کہنا شروع کیا۔ ہارون رشید نے سوچا کہ ایسا شخص کون ہے جس نے
مجھے پردوں کے اندر سے پہچان لیا اور پھر طرہ یہ کہ پہچان کر ایسی گستاخی کے ساتھ تخاطب
کر رہا ہے۔ چنانچہ ہارون رشید نے گاڑی کو کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ اور خود پردے کو ہٹا
کر باہر نکلا۔ دیکھا تو ایک مجنون سا شخص قبرستان کی دیوار کے ساتھ تکیہ لگائے پاؤں
پھیلائے بیٹھا ہے۔ ہارون رشید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ کہ اے دیوانے کیا تو مجھے نہیں
جانتا۔ حضرت بہلول نے فرمایا۔ ہاں میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔ تو وہ ہے کہ
اگر کسی پر مشرق میں ظلم ہو تو اس کے متعلق تجھ سے مغرب میں سوال کیا جائیگا۔ بادشا
سمجھ گیا۔ کہ دیوانہ نہیں مستانہ ہے۔ پھر تو اور قریب ہوا اور پوچھا کیفا تری حالی
(تو میرا حال کیسا پاتا ہے) بہلول نے فرمایا۔ اعرض علی الکتاب وھی اِنَّ الْاَبْرَارَ
لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ (یعنی اپنے حال کو کتاب اللہ پر پیش کر کے
دیکھ لے۔ اور وہ یہ ہے کہ نیکوں کے لئے نعمتیں اور بروں کے لئے جہنم ہے) اس پر
ہارون رشید نے کہا۔ واین قرابتہ من رسول اللہ صلعم (یعنی ہماری اور حضور
کی قرابت پھر کدھر گئی) حضرت بہلول نے فرمایا۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ
بَیْنَھُمْ (جب صور پھونکی جائیگی۔ تو پھر نسب وغیرہ کا سلسلہ کچھ نہ رہیگا) اس پر ہارون رشید
نے کہا۔ واین شفاعتہ (کہ پھر حضور کی شفاعت کدھر گئی) آپ نے فرمایا یَوْمَئِذٍ
لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا۔ (اس
دن شفاعت کسی کو نفع نہ دیگی۔ مگر اسے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اجازت دے اور
اس کے لئے بات کو پسند کرے) بادشاہ نے آپکے برجستہ اور عالمانہ جوابوں کو سن کر
تفتیش کروائی کہ وہ کون شخص ہے معلوم ہوا کہ بہلول مجنون ہے۔ ہارون رشید نے

Marfat.com

کہا۔ واللہ اگر جنون اسی کو کہتے ہیں تو پھر ہمیں اس نام نہاد عقل سے کیا کام۔

زیں خرد بیگانہ مے باید شدن　　دست در دیوانگی باید زدن

اور اسی دن سے بہلول مجنوں بہلول دانا کے نام سے مشہور ہونا شروع ہوئے۔

چونکہ اُمید قیامت کے دن سوائے اعمال صالحہ کے قرابت انبیاء اور عالی نسبی کچھ کام نہ دے سکیگی۔ اسی واسطے جب حضور پر وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ کی آیت اُتری تو آپ نے اپنے سب اقارب کو مخاطب کر کے فرمادیا۔ یا فاطمہ بنت محمد یا صفیۃ بنت عبد المطلب یا بنی عبد المطلب لا املك لکم من اللہ شیئا سلونی من مالی ما شئتم یعنی اے میری پیاری بیٹی فاطمہ۔ اے میری پھوپھی صفیہ اور اے بنی عبد المطلب میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا مالک نہیں۔ ہاں البتہ تم میرے مال سے جو چاہو وہ مانگ سکتے ہو۔ اس حدیث سے شفاعت کا انکار نہیں بلکہ شفاعت لا املک کے الفاظ سے باہر ہے۔ اس واسطے اس حدیث کا مسئلہ شفاعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اور شفاعت لا املک سے کیوں باہر ہے۔ اس کی تشریح میں عنقریب ہی کرتا ہوں۔ سو سردست تو میں آپ کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ کہ یہ مدعیان تصوف جو اپنے آپ کو بلا عمل و کسب ہی جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں کہاں تک صحیح ہے۔

اگر صرف نسب اور اصل ہی کافی ہوتی تو کنعان کو ضرور نوح کی نبوت سے حصہ دیا جاتا۔ اور ابراہیم میں نعوذ باللہ آزر کا اثر ظاہر ہوتا۔ دیکھو کستوری کی اصل خون ہے اور عود کی اصل ایک جنگلی درخت۔ اب تم خود درخت اور خون کو عود اور مشک سے مقابلہ کر کے اصل اور فرع کے فرق کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہو۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

چو کنعان را طبیعت بے ہنر بود　　پیغمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنما اگر داری نہ گوہر　　گل از خار است ابراہیم از آزر

قرآن پاک میں آتا ہے۔ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ کبھی زندہ یعنی مسلمان سے مردہ یعنی کافر کو پیدا کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی برعکس۔ آدم کیسے جلیل القدر انسان تھے اور قابیل کیسا دنی القلب بیٹا تھا۔ اسی واسطے شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎

اصل را اعتبار چنداں نیست　　روئے ترگل ز خار خنداں نیست
مے زغورہ شود شکر از نے　　عسل از نحل حاصل است لبقی

ہاں تو ہم اپنے مطلب سے بہت دور جا رہے ہیں۔ اصل نامیں ایک مسلمان دوسرے کی شفاعت کرتا ہے۔ اور اس سے بات چھڑی جھوٹے پیروں کے دعوے شفاعت کی اور اس سے بات نکلی ان کے غلط نسبی تفاخر کے متعلق۔ اور اسی میں ایک حدیث بیان ہوئی جس میں حضور نے اپنی لختِ جگر اور پھوپھی صفیہ سے فرمایا کہ لا املک لکم من اللہ شیئا۔ اور اس پر میں نے عرض کی کہ اس لا املک سے مسئلہ شفاعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس واسطے یہاں پر اس عدم تعلق کی تشریح کرتا ہوں تاکہ ایک طرف تو یہ تفصیل ہو جائے اور دوسری طرف عیسائیوں کے کفارے اور مسلمانوں کی شفاعت کا فرق بھی سمجھ میں آ جائے۔

شفاعت کی تشریح

شفاعت کا لفظ لغت میں شفع سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں جوڑا۔ اور جو نقیض ہے وتر کا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض گنہگار بندے نیکوں کے ساتھ جوڑنے کی وجہ سے عذاب آخرت سے بچا لئے جائیں گے اور شفاعت جیسا کہ میں آگے بیان کر چکا ہوں ایک دعا ہوگی۔ جس کو حضور دربار ربی میں سربسجود ہو کر قبول کروائیں گے۔ اور سل تعطہ واشفع تشفع کے وعدہ کے بعد سر اٹھا کر گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اب اگر

Marfat.com

آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ اسلامی مسئلہ شفاعت میں نہ تو کفارہ کی طرح افراط ہے اور نہ تناسخ کی طرح تفریط۔ بلکہ اھدنا الصراط المستقیم کے نام میں مسئلہ شفاعت کو پوشیدہ رکھ کر شفاعت میں صراط مستقیم کو دکھا دیا۔ کیونکہ مسئلہ کفارہ کے معتقدین تو بخشش میں اس قدر بڑھے کہ کفارہ پر ایمان لانے کے بعد گناہوں کو حد گناہ ہی سے نکال دیا۔ اور صاف کہہ دیا کہ کفارہ پر ایمان لانے کے بعد کوئی گناہ بھی اُخروی سزا کا باعث نہیں بن سکتا۔ کیونکہ خدا کا اکلوتا بیٹا (نعوذ باللہ) ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ بن کے مصلوب ہو چکا ہے۔ اور اُدھر مسئلہ تناسخ کے ماننے والوں نے اللہ تعالے کو قانون کے سامنے ایسا مجبور کیا کہ اُس سے عفو و بخشش کی طاقت ہی کو سلب کر دیا۔ لیکن اسلام نے اگر ایک طرف یہ فرمایا۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کہ کون ہے جو اس کے پاس بغیر اجازت کے سفارش کرے۔ تو دوسری طرف لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔ کہ نہیں شفاعت کریں گے مگر اُسی کے لئے جسے اللہ تعالے پسند فرمائے۔ تو گویا شفیع بھی باذنہ ہوگا۔ اور مشفوع لہ بھی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہی ہو سکا نہ ہر ایک پس شفاعت نہ تو شفاعت کرنے والے کے اختیار کی چیز ہوگی۔ کہ جب اور جس کے لئے چاہے کرے۔ اور نہ مشفوع لہ کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ جسے چاہے اپنی مرضی سے شفیع بنا کر پیش کرے۔ بلکہ شفیع و مشفوع لہ دونوں کا تعلق اذن خداوندی سے ہوگا۔ اور یہی مطلب ہے لا املک کا۔ تو گویا اذن نے اگر ایک طرف کفارہ کی تعمیم کو باطل کیا۔ تو دوسری طرف تناسخ کی بھول بھلیوں کو بھی غلط ٹھہرا کر صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کر دی۔

حضور کا شفیع عاصیاں ہونا

اب حضور کا قیامت کے دن شفیع ہونا اور شفاعت کبریٰ کے درجہ سے نوازا جانا

Marfat.com

قرآن پاک میں بالاجمال اور احادیث میں بالتصریح موجود ہے جنھوں نے اس اذن قرآنی کے ابہام کو باحسن وجوہ حل کر دیا ہے۔

قرآن پاک میں حضور پرنور کے شفیع یوم النشور ہونے پر عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی آیت دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ حضور نے خود مقام محمود کے معنی مقام شفاعت بیان فرمائے ہیں۔ پھر اللہ جل شانہ نے سورہ والضحیٰ میں فرمایا ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی اور معتزلہ جو اپنے انکار شفاعت پر واتقوا یوما لا تجزی نفس عن نفس شیئا ولا تقبل منہا شفاعۃ وغیرہ جیسی آیتیں پیش کرتے ہیں۔ وہ سب کی سب کفار کے حق میں ہیں نہ کہ گنہگار مسلمانوں کے لئے۔ احادیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دن فرشتے شہدا۔ علما۔ حفاظ۔ اولیاء اور چھوٹے بچے تک اپنے متعلقین کی سفارش کریں گے۔ مگر یہ سب شفاعتیں جزئی ہیں۔ شفاعت کلی یا کبریٰ کے سردار آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے۔ سچ ہے۔

اُس ماہ رو کا سب سے نرالا ہی طور ہے ‏‏‏‏‏ دلبر تو بہت ہیں پر وہ دلبر کچھ اور ہے

آفاقہا گردیدہ ام۔ مہر بتاں ورزیدہ ام ‏‏‏‏‏ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد خاتم الانبیاء والمرسلین۔ رحمۃ للعالمین وشفیع المذنبین۔ وعلی الہ واصحابہ الطاہرین الطیبین

سبیل اور طریق کو چھوڑ کر صراط لانے کی وجہ

اب اس کے بعد الصراط المستقیم ہے یعنی سیدھا راستہ۔ صراط کے مرادف اور ہم معنی سبیل اور طریق وغیرہ الفاظ بھی تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے لفظ الصراط کو منتخب فرما کر بیان کیا۔ تاکہ اس لفظ سے نمازی کا ذہن پل صراط کی طرف بھی منتقل ہو جائے۔ اور وہ یہ سمجھ جائے کہ اگر یہاں پر صراط مستقیم کو اختیار کیا۔ تو وہاں پل صراط پر گرنے میں کمی

Marfat.com

قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔کیونکہ یہ آگے بیان ہو چکا ہے۔کہ صراط مستقیم افراط و تفریط کے درمیان ہے۔یا صراط مستقیم دو نقطوں کے درمیان سیدھے سے سیدھا خط ہے۔اور ظاہر ہے کہ دو نقطوں کے درمیان سیدھے سے سیدھا خط صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔باقی جس قدر خطوط ان دو نقطوں کو ملائینگے۔وہ سب کے سب منحنی اور ٹیڑھے ہونگے۔تو گویا صراط مستقیم نہایت باریک اور عسیر العبور ہے۔باقی ٹیڑھے رستے کثیر ہونے کے باعث بڑے اور اور سہل العبور ہیں۔اسی واسطے دنیا میں گمراہوں کی تعداد ہدایت یافتوں سے ہمیشہ زیادہ ہی ہے۔اور اخلاق ردیہ کا ظہور اخلاق فاضلہ کی نسبت بہت زیادہ ہوتا ہے۔مگر جو شخص اس صراط مستقیم کے دقیق اور کٹھن رستے پر چلنے کی تکلیف گوارا کر لیتا ہے۔تو وہ اس رستے کو عبور کرنے کے بعد دوسری جانب نہایت اعلیٰ قسم کے روح افزا باغات کو پاتا ہے جن میں اُسے ایک ابدی اور لطیف سرور حاصل ہوتا ہے۔مگر جو شخص اس رستے پر چلنے کی تکلیف نہیں اُٹھا سکتا۔بلکہ ٹیڑھے اور سہل العبور رستوں کو اختیار کرتا ہے۔تو بالآخر وہ رستے کے اندر ہی یا دوسری طرف شقاوت و ضلالت کی جہنم میں جا گرتا ہے۔جہاں اُس کے جسم اور روح کو نہایت ہی دردناک عذابوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔اسی طرح جو شخص اس دنیا میں شریعت کے مجوزہ صراط مستقیم پر چلنے کا عادی ہو جاتا ہے۔تو قیامت میں اُسے اس اُخروی صراط مستقیم پر جو اس صراط مستقیم کا مثنیٰ ہوگا۔چلنے میں کسی قسم کی دقت محسوس نہ ہوگی۔

پلصراط

حضورؐ نے فرمایا ہے۔کہ وہ رستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا۔اُس کے نیچے جہنم اور پرلی طرف بہشت ہوگی۔جو لوگ مطیع ہونگے۔وہ اس پر اپنی نیکی اور اطاعت کے موافق تیزی سے عبور کرینگے۔کوئی بجلی کی چمک کی طرح گذریگا۔کوئی ہوا کی طرح۔کوئی پرندوں کی طرح۔کوئی تیز گھوڑے کی طرح۔اور کوئی اس سے کم

Marfat.com

اور کوئی اُس سے کم۔ پلصراط پر اندھیرا ہوگا جس میں صرف ایمان کی روشنی کام دے سکیگی۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں۔ کہ جب ایماندار جنّت کو جائینگے۔ اور پلصراط کے اندھیرے میں اُن کا ایمانی نور اُن کی رہنمائی کریگا۔ تو وہ باری تعالیٰ سے عرض کرینگے۔ رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۔ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ۔ یعنی اے ہمارے رب ہمارے نور کو ہمارے لیے کامل فرما۔ ایسا نہ ہو کہ وہ بجھ جائے۔ اور ہم ظلمات صراط کو عبور نہ کرسکیں۔ اور ساتھ ہی غفران واحسان سے ہمارے مدارج کو بلند فرما۔ کیونکہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ مگر منافق جن کے پاس ایمانی نور نہ ہوگا۔ اس دن نہایت ذلیل وخوار ہونگے۔ اور حسرت بھرے لہجے میں مومنین سے عرض کرینگے۔ کہ اے مومنو ذرا ٹھہرو تاکہ ہم بھی تمہارے نور کی روشنی میں اس رستے کو طے کرسکیں۔ اُس وقت مومن کیا جواب دینگے۔ قرآنی الفاظ میں آپ کو سُناتا ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ يَوۡمَ يَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا انۡظُرُوۡنَا نَقۡتَبِسۡ مِنۡ نُّوۡرِكُمۡ قِيۡلَ ارۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوۡا نُوۡرًا ۔ فَضُرِبَ بَيۡنَهُمۡ بِسُوۡرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيۡهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنۡ قِبَلِهِ الۡعَذَابُ۔ یعنی جس دن منافق مرد وعورت مومنوں سے کہینگے۔ ذرا ہمارا انتظار کرو۔ کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں۔ حکم ہوگا کہ اپنے پیچھے کو لوٹ جاؤ۔ اور نور تلاش کرو۔ پس ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کردی جائیگی جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ دروازے کے اندر کی طرف رحمت وبخشش کا نظارہ ہوگا۔ اور باہر کی طرف عذاب وعقاب کا منظر۔

چونکہ منافقین دُنیا میں صراطِ مستقیم پر نہ چلتے تھے۔ اس واسطے آج وہ آخرت میں بھی صراطِ مستقیم پر نہ چل سکینگے۔ حکم ہوگا۔ اِرۡجِعُوۡا وَرَآءَكُمۡ کہ واپس جاؤ اور نور کو تلاش کرو۔ یعنی اب جیسا تمہارا واپس دنیا میں لوٹنا محال ہے۔ ایسا ہی تمہارے لیے اب نور کا حاصل کرنا بھی محال ہے۔

Marfat.com

اُرجِعوا وراءکم کا لطیف اشارہ

اور اس اِرْجِعُوا وَرَاءَکُمْ میں ایک اور بھی لطیف اشارہ ہے۔ کہ بعض لوگوں کو جب عبادات مالیہ کی ترغیب دی جاتی ہے۔ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ پیچھے بچہ ہے۔ بیوی ہے بھائی ہے۔ یہ سب صدقات و خیرات سے ثواب پہنچاتے رہینگے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا حکم تو تھا کہ قَدِّمُوا لِاَنْفُسِکُمْ کہ اپنے آنے سے پہلے اپنے لئے روشنی بھیج دو۔ مگر یہ حضرات اپنے پیچھے سے روشنی کے آنے کے اُمیدوار تھے۔ اور یہ ایک ایسی موہوم اُمید ہے۔ جو ہزاروں میں سے کسی ایک آدھ قسمت والے کی ہی پوری ہوتی ہوگی۔ سچ ہے ؎

تو باخود ببر توشۂ خویشتن ‌ ‌ ‌ ‌ کہ شفقت نیاید ز فرزند و زن

تو اس واسطے ارشاد باری ہوتا ہے۔ اِرْجِعُوا وَرَاءَکُمْ کہ اب وہ اپنے پیچھے آنے والی روشنی سے جس کے ساتھ تمہاری اُمیدیں وابستہ تھیں نور حاصل کرکے پلصراط کو عبور کرو۔ مگر پیچھے سے تو روشنی کوئی آتی نہیں۔ اس واسطے عبور صراط بھی نہ ہو سکا۔

مضمون سابق پر ایک نصیحت آمیز واقعہ

کہتے ہیں۔ کہ ایک شخص کو جب کسی مالی عبادت کے لئے کہا جاتا۔ تو وہ یہی جواب دیتا کہ مال زیادہ ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اولاد بھی کثیر اور نیک ہے۔ کیا یہ میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے کچھ نہ کرینگے۔ ایک دن وہ ایک بیٹے کے ساتھ اندھیری رات میں کہیں جا رہا تھا بیٹے کے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ اور وہ باپ کے ادب کے لئے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ لالٹین کے پیچھے ہونے کی وجہ سے اُسے اچھی طرح سجھائی نہ دیتا تھا۔ آخر ایک جگہ جب کسی پتھر سے ٹھوکر لگی تو بیٹے کو نہایت غصّے ہو کر کہنے لگا۔ کہ احمق تیرے لالٹین لانے کا کیا فائدہ۔ روشنی تو آگے ہونی چاہیئے۔ کہ رستے کے اونچ نیچ کو دیکھا۔

Marfat.com

جا سکے۔ بیٹے نے فوراً عرض کی۔ کہ ابا۔ آپ تو ہمیشہ یونہی کہا کرتے ہیں۔ کہ میرے وارث میرے پیچھے میری اخروی روشنی کا انتظام کر دینگے۔ تو اگر ایسا ہی ہے تو پیچھے لالٹین رکھنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ تو پھر آپ کو وہاں پر پچھلوں کی روشنی سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ اس شخص نے جب اپنے ایک کمسن بچے کی زبان سے یہ الہامی الفاظ سنے تو پکار اٹھا۔

جزاك الله چشمم باز کردی مرا با جان جاں ہمراز کردی

تو مطلب یہ بیان ہو رہا تھا۔ کہ ایمانی روشنی اور وہ بھی آگے بھیجی ہوئی ظلمات صراط پر کام دے سکیگی۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں ہمہ نیک و بد بباید مرد خنک آنکس کہ گوے نیکی برد
برگ عیشے بگور خویش فرست کس نیارد زپس زپیش فرست

اسی واسطے حدیث شریف میں آتا ہے۔ ان العبد اذا مات قال الناس ماخلف وقالت الملائکۃ ما قدم۔ یعنی جب آدمی مرجاتا ہے۔ تو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے پیچھے کیا چھوڑا ہے اور فرشتے کہتے ہیں کہ اس نے آگے کیا بھیجا ہے۔ ولقد احسن القائل۔

قدم لنفسك قبل موتك صالحاً واعمل فليس الى الخلود سبيل

عبادت مالی مُردے کو ضرور فائدہ دیتی ہے

میرا یہ مطلب نہیں کہ پیچھے کے صدقہ خیرات کا مُردے کو ثواب نہیں پہنچتا۔ پہنچتا اور ضرور پہنچتا ہے۔ قرآن پاک صاف فرما رہا ہے۔ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ کہ ہم مُردوں کے آگے بھیجے ہوئے اور پچھلے اعمال کو لکھتے ہیں۔ حدیث شریف میں حضور بالتصریح فرما رہے ہیں۔ اذا مات الانسان انقطع عملہ الامن

ثلاث صدقۃ جاریہ او علم ینتفع بہ۔ او ولد صالح ید عولہ۔
یعنی جب انسان مرجاتا ہے۔ تو اُس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر تین
ایک صدقہ جاریہ مثل مسجد۔ سرائے۔ پل۔ تالاب وغیرہ۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

ازاں کس کہ خیرے بماند رواں ۔۔۔ دمادم رسد رحمتش بر رواں
نمرد آنکہ ماند پس از وے بجائے ۔۔۔ پل و مسجد و خان و مہمان سرائے
ہراں کو نماند از پس اش یادگار ۔۔۔ درخت وجودش نیاورد بار
وگر رفت و آثار خیرش نماند ۔۔۔ نشاید پس مرگ الحمد خواند

دوسرے علم نافع۔ کیونکہ اگر غیر نافع مضر یا پوشیدہ ہے تو وہ الٹا وبال ہے! اور
ایسے عالم کے حق میں وارد ہے کہ من کتم علما سلجم بلجام النار۔ اور تیسری
اولاد صالح۔ کیونکہ طالح بجائے فائدہ کے الٹی باعث تکلیف ہے۔

اور حضور نے ان تین چیزوں کو اس لئے مستثنٰے فرمایا ہے۔ کہ اگر غور کیا جائے تو
انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور رُوح سے۔ جسم کی اولاد۔ ایک تو مال ہے۔
جسے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضا سے کماتا ہے۔ دوسرے بچے۔ جو اس کے جسم کا خلاصہ
ہوتے ہیں۔ اور رُوح کی اولاد علم نافع ہے۔ اسی لئے حضور نے ان دونوں اجزا
کے تینوں بچوں مال۔ اولاد۔ اور علم نافع کے اعمال کو غیر منقطع فرما کر بہت بڑی بشارت
دے دی ہے۔ کہ اگر تم ان کو شریعت کے مطابق استعمال کرو گے۔ تو وہ تمہیں
تمہارے بعد بھی فائدہ پہنچاتے رہینگے۔

تو گویا میرا مطلب پچھلی روشنی سے متمتع نہ ہو سکنے کا یہ ہے۔ کہ وہ ہزاروں میں سے
کسی ایک آدھ ہی کے حصے میں آتی ہے۔ اور ایسے خوش نصیب افراد بہت ہی
کم ہوتے ہیں۔ کہ جن کو اُن کے ورثا اُن کے مرنے کے بعد بھی غفران و احسان کی
روشنی بھیجتے رہیں۔ لہذا بجائے اُس موہوم اُمید کے کیوں نہ یقینی روشنی آگے

Marfat.com

بھیجنے کی کوشش کی جائے۔

دیکھئے بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔ بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ صراط میں مصلی کے ذہن کو پلصراط کے واقعے کی طرف بھی منعطف فرمایا ہے۔ کہ اگر شخص دنیا میں صراط مستقیم یا دین حق پر چلنے کی ممارست رکھے۔ اس سے پلصراط پر چلنا بھی نہایت آسان ہو جائیگا۔ اور اگر تو یہاں پر وسط حقیقی کو چھوڑ کر افراط و تفریط کے غلط رستوں پر بھٹکیگا۔ تو وہاں بھی پلصراط سے پار ہونے کی بجائے جہنم کی وادیوں میں جا گریگا۔ اس واسطے دین حق۔ صراط مستقیم۔ اور اعتدال حقیقی پر چلنے کی عادت پیدا کر تا کہ دارین کی کامیابیوں سے نوازا جائے۔ ورنہ ابدی ندامت اور دوامی خجالت اٹھانی پڑیگی۔

ندامت اور اس کی چار قسمیں

کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ ندامت چار قسم کی ہوتی ہے۔ یعنی ایک دن کی ندامت ایک سال کی ندامت۔ عمر بھر کی ندامت اور ابدی ندامت۔

ایک دن کی ندامت تو یہ ہے۔ کہ انسان کھانے کے وقت بلا کھائے گھر سے نکلے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جب دوسرے کے مکان پر پہنچتا ہے۔ تو کھانے کا وقت ختم ہو چکتا ہے۔ اس لیے وہ بھی یہ سمجھ کر کہ گھر سے کھا کر آیا ہوگا۔ اس کے کھانے کا اہتمام نہیں کرتا۔ لہٰذا تمام دن بھوکا رہ کر ندامت اٹھاتا ہے۔ سال کی ندامت یہ ہے۔ کہ تمام سال بیکار گزارا۔ اب جب کہ اس کے ہم جنس اپنی محنتوں کا پھل جمع کر رہے ہیں۔ یہ اپنی سستی کی وجہ سے کف افسوس ملتا ہے۔ مثلاً ایک لڑکا ہے تمام سال سکول میں کچھ نہیں پڑھتا۔ اختتام سال پر امتحان میں فیل ہو کر افسوس کرتا ہے۔ یا ایک تاجر تمام سال بیکار گزارتا ہے۔ اور پھر سٹاک نکالتے وقت نقصان پر متاسف

ہوتا ہے۔ اور عمر بھر کی ندامت یہ ہے کہ عورت ملے مگر خلاف طبع۔ دونوں کی طبیعتوں میں بہت بڑا فرق ہو۔ تو یہ عمر بھر کی ندامت اور پشیمانی ہوتی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ ان الحسنۃ فی الدنیا المراۃ الصالحۃ وفی الاخرۃ الحور العین وعذاب النار المراۃ السوء

دلارام باشد زن نیک خواہ — ولے از زن بد خدایا پناہ

اور ابدی پشیمانی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف چلے اور اپنی دنیوی زندگی کو اس کی نافرمانیوں میں گزارے نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ان اعمال ظالمہ کی پاداش میں وہ ابدی ندامت اُٹھاتا ہے۔ چنانچہ اُن کی ندامت کو اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

ندامت اخروی

کہ ایسے نافرمان وہاں پر کہینگے۔ رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰی اَجَلٍ قَرِیْبٍ نُجِبْ دَعْوَتَکَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ۔ اے اللہ ہمیں تھوڑی سی مہلت دیجئے ہم تیری دعوت کو قبول کرینگے۔ اور تیرے پیغمبروں کی پیروی کرینگے۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔ اے اللہ ہمیں اس عذاب سے نکال دے۔ اور اگر ہم نے پھر دوبارہ یہ کام کیا۔ تو ہم ظالم ہونگے۔ اس پر ارشاد باری ہوگا۔ قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ یعنی اسی میں ذلیل ہوکر رہو اور میرے ساتھ بات نہ کرو۔ تو اب یہ ندامت ابدی کیسی بُری ندامت ہوگی۔ اللھم وفقنا بطاعتک وحسن عبادتک واحفظنا من شرور الدنیا والاخرۃ وقنا عذاب النار۔

صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ رستہ اُن لوگوں کا جن پر تونے انعام فرمایا۔ جب مصلی نے اھدنا الصراط المستقیم کہہ کر راہ راست کے دکھائے جانے کی نہایت عاجزانہ اور فدویانہ درخواست کی۔ تو اب اللہ جل شانہ اُسی کی زبان سے صراط مستقیم

Marfat.com

کو معین فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ صراط الذین انعمت علیھم۔ یعنی رستہ اُن لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا۔ گویا دوسرے لفظوں میں اللہ تعالے انسان کو ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اگر تو صراط مستقیم پر چلنے کا خواہاں ہے۔ تو میرے منعم علیہم بندوں کے رستے پر چلنے کی کوشش کر۔ انہی کا رستہ سیدھا اور مستقیم ہے۔ اگر باری تعالے صراط مستقیم کی تفسیر صراط الذین انعمت علیہم سے نہ فرماتے۔ تو ہر ایک باطل پرست اپنے رستے کو صراط مستقیم سے تعبیر کر سکتا تھا۔ مگر ان لفظوں نے، اُن کے باطل قلعوں کو ھباءً منثورا کر دیا۔ کیونکہ منعم علیہم فرقے اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء کے نویں رکوع میں یوں بیان فرمائے ہیں۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا۔ تو اُس کا حشر اُن لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ جو منعم علیہم ہیں یعنی جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے۔ اور وہ لوگ انبیاء۔ صدیق۔ شہداء اور صلحا ہیں۔ اور یہ نہایت اچھے رفیق ہیں۔ چونکہ القران یفسر بعضہ بعضا اس لئے گویا رب العزت تلقین فرما رہے ہیں کہ اے صراط مستقیم کے جویا ان کی اتباع اختیار کر۔ انہی کے طریقے پر چلنے کا نام راہ راست اور صراط مستقیم ہے۔

انبیاء علیہم السلام۔ انبیاء علیہم السلام وہ مقدس گروہ ہے۔ جو ذات باری سے بذریعہ وحی احکام حاصل کر کے لوگوں کو دین حق اور صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا و غیر رضا سے آگاہ کر کے سلوک رضامندی پر چلنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔

وحی اور اس کے اقسام

وحی لغت میں خفیہ طور پر کسی چیز کی خبر دینے کو کہا جاتا ہے۔ اسی میں اشارہ

Marfat.com

جو کسی پیغمبر پر بحیثیت نبی ہونے کے نازل ہوتی ہے۔ اس لئے شرعی اصطلاح میں غیر انبیاء کو صاحب وحی نہیں کہا جاتا۔ ہاں لغوی معنی کے لحاظ سے غیر انبیاء پر اس کا اطلاق ہوا ہے۔ جیسے وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔ وَاَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى۔ وغیرذلک۔

جن حضرات کو باری تعالیٰ منصب نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ ان کو اللہ جل شانہ قرآن پاک کی اس آیت کے مطابق تین طریقوں سے علم عنایت فرماتے ہیں۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ یعنی کسی انسان کی یہ شان نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کلام کرے۔ مگر یا تو بذریعہ القاء فی القلب یا الہام کے اور یا پردے کے پیچھے سے اور یا کوئی فرشتہ بھیج کر اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔ وہ بلند حکمت والا ہے۔ تو گویا اس آیت کی رو سے وحی کی تین قسمیں ہو جاتی ہیں۔

الہام

(۱) الہام یعنی دل پر کلام الٰہی کا نازل ہونا خواہ بیداری کی حالت میں ہو یا خواب میں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی خوابیں بھی وحی کے درجے میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ رویا المومن جزء من ستۃ واربعین جزأ من النبوۃ یعنی مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ ذھبت النبوۃ وبقیت المبشرات۔ قالوا وما المبشرات یارسول اللہ قال رویا المومن وھی جزء من اجزاء النبوۃ۔ کہ نبوت تو ختم ہو گئی۔ مگر ہاں مبشرات باقی ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی۔ حضورؐ مبشرات کیا ہیں۔ فرمایا مومن کی خواب۔ اور وہ نبوت کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ تو جب ایک مومن کی خواب نبوت کے حصوں میں سے ایک حصہ قرار دی جائے

Marfat.com

تو خود انبیاء علیہم السلام کی خوابیں کس طرح جزو وحی نہ سمجھی جائینگی۔

انبیاء کی خوابیں وحی کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور سیدنا یوسفؑ کی خواب

حضرت یوسف علیہ السلام کی خواب کے متعلق تو آپ نے سنا ہوگا۔ سورۂ یوسف جو بارھویں سیپارہ سے شروع ہو کر تیرھویں میں جا کر ختم ہوتی ہے۔ اس میں یوسف علیہ السلام کی اس خواب کو نہایت ہی دلکش اور جاذبانہ پیرایہ میں آپ ہی کی زبان سے ادا کیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا۔ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ۔ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ؕ یعنی جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے عرض کی۔ کہ اے باپ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اے میرے بیٹے اس خواب کو اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ ورنہ وہ تیرے لئے کوئی خراب تجویز سوچینگے۔ کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ چنانچہ اس کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام بن کر عزیز مصر ہوتے ہیں۔ اور آپ کے بھائی بمع والدین کے کنعان سے مصر کو آتے ہیں۔ اور یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر سجدۂ تعظیمی میں گر جاتے ہیں۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام ان کو اٹھا کر اپنے گلے سے لگاتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ۔ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا۔ کہ اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ اور میرے رب قدیر نے اسے سچا کر دکھایا۔

دیکھو یہ خواب حضرت یوسف علیہ السلام کا قبل بعثت تھا مگر پیغمبروں کو

Marfat.com

احادیث صحیحہ کی رو سے قبل نبوت یا ابتدائے بعثت میں تقرب کے آثار رویائے صالحہ کے رنگ میں دکھائے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بخاری شریف میں مروی ہے۔ کہ اول ما بدی بہ رسول اللہؐ من الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم۔ فکان لا یری رویا الاجاءت مثل فلق الصبح۔

نکتہ۔ لکھا ہے۔ کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس خواب کو اپنے والد محترم سے بیان کیا تو ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی بارش برسنے لگی۔ یوسف علیہ السلام نے عرض کی۔ کہ اے پدر بزرگوار۔ کیا وجہ ہے۔ کہ آپ اس بشارت پر بجائے خوشی کے اشکبار ہو رہے ہیں یہ خواب تو باعث سرور و حبور ہے۔ نہ کہ وجہ رنج و محن حضرت نے فرمایا۔ اے بیٹا۔ خواب کے بیان کرنے میں تو نے جس لفظ سے ابتداء کی ہے۔ وہ انجام کار کسی آنے والے غم و رنج کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے عرض کی۔ کہ حضرت وہ کونسا لفظ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹا۔ وہ لفظ انی ہے۔ ابوالبشر علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر آج تک جس کسی نے بھی انا یا لی یا عندی یا نحن یا اور کوئی ایسا لفظ جس سے بوئے انانیت اور خودی آتی ہو۔ کہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخر کار اسے ضرور کسی نہ کسی ابتلا میں مبتلا فرمایا ہے۔ دیکھو ملائکہ نے نحن نسبح بحمدك و نقدس لك۔ کہا تو آدم علیہ السلام کے سامنے جھکائے گئے اور علانیہ سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا کا اقرار کروایا گیا۔ ابلیس نے انا خیر منہ کہا۔ تو فاخرج انك من الصاغرین کی سزا کا مستوجب ہوا۔ قارون نے عندی خزائن الارض منہ سے نکالا۔ تو فخسفنا بہ وبدارہ الارض کا تازیانہ کھایا۔ فرعون نے کہا۔ یٰقوم الیس لی ملك مصر وھذہ الانھار تجری من تحتی کا دعوے کیا تو فنفتیھم

مِنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ کے مطابق اُسے مع اُس کی تمام قوم کے دریا بُرد کر دیا گیا۔ نہ معلوم اب تجدید پر اس لفظ کی وجہ سے کیا ابتلا نازل ہو۔

وہ ابتلا کیا تھی۔ مدت تک والدین سے جدائی۔ بھائیوں کی دشمنی۔ غلامی۔ عورتوں کی تہمت۔ قید و بند یہ کیا تھا محض رقی کا زبان درفشاں سے نکالنا کیونکہ ایسی معزز ہستیوں کے منہ سے ایسے الفاظ کا بھول کر بھی نکلنا۔ حسنات الابرار سیئات المقربین کی شق میں جا داخل ہوتا ہے۔ مگر جیسے گرمی کے بعد بارش اندھیرے کے بعد روشنی ہوتی ہے۔ اسی طرح رب العزت نے پھر آپ کی ابتلا کو دور فرمانے کے بعد والدین سے ملاقات۔ بھائیوں سے محبت عفت کا اعلان۔ مصر کی عزیزی بھی عنایت فرمائی۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف کو قرآن شریف میں احسن القصص کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ کیونکہ اس کے لفظ لفظ پر حالات کے بدلنے کے باوجود واقعہ کو اس قدر دلکش اور جاذب پیرایہ میں بیان فرمایا ہے۔ کہ ایک غیر متعصب انسان کا دل خود بخود قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہیں حاسد و محسود کا نظارہ ہے۔ تو کہیں شاہد و مشہود کا۔ کہیں مالک و مملوک کا بیان ہے۔ تو کہیں عاشق و معشوق کی رنگینیاں کہیں حبس اطلاق کا منظر ہے۔ تو کہیں خصب و جدب کا کہیں ذنب و عفو کا ذکر ہے۔ تو کہیں فراق و وصال کا۔ ایک جگہ سقم و صحت کا نقشہ ہے۔ تو دوسری جگہ ذلت و عزت کا ایک جگہ اقامت کا بیان ہے۔ تو دوسری جگہ ارتحال و انتقال کا غرضیکہ ایک چھوٹی سی سورت میں باوجود اختلاف حالات و رنگینی واقعات کے اس ترتیب تنظیم اور جاذبانہ فصاحت سے کام لیا گیا ہے۔ کہ بے ساختہ منہ سے ماھذا کلام البشر نکل جاتا ہے

نئی روشنی والوں کا صحت خواب پر اعتراض اور اس کا جواب

آج کل نئی روشنی کے تعلیم یافتہ حضرات خواب کی صحت اور صدق تعبیر کا انکار

کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ انسانی بدن کا قیام چار خلطوں سے ہے صفرا خون سودا اور بلغم۔ اب اگر ان میں سے کوئی خلط بقیہ اخلاط پر غالب آجاتی ہے۔ تو سونے والے کو خواب بھی اسی قسم کے آتے ہیں۔ مثلاً اگر صفرا غالب آجائے۔ تو نیند میں خون زردی۔ آگ۔ چراغ۔ سورج یا اور ایسی اشیا جو زرد یا زردی مائل ہوں نظر آتی ہیں۔ اور اگر خون غالب آجائے۔ تو خواب میں شراب۔ باغ۔ گانا بجانا اور دوسری عیش و تنعم کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور اگر سودائی خلط کا غلبہ ہو جائے۔ تو سوتے وقت سیاہی۔ تاریکی۔ بگولے۔ آندھیاں۔ ڈر۔ خوف اور دوسرے بھیانک منظر نظر آتے ہیں۔ . . . . . . اور بلغمی غلط کے غلبہ کے وقت سمندر دریا۔ نہریں۔ کپڑے۔ کاغذ اور دوسری سفید اشیا نظر آتی ہیں لیکن اگر غور کیا جائے۔ تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ان کی یہ دلیل اور تقریر سراسر غلطی اور کم فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ ہم میں سے ہر ایک نے سینکڑوں دفعہ ایسی خوابیں دیکھی ہیں۔ کہ جن کا ان بیان کردہ رنگوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا اور بعض دفعہ یہ چاروں کے چاروں رنگ ایک ہی خواب میں نظر آجاتے ہیں۔ اور پھر وہی ڈراما جو ہم رات کو دیکھتے ہیں۔ بسا اوقات عالم بیداری میں دنیا کی سٹیج پر دکھا دیا جاتا ہے۔ اس واسطے کسی شخص کا خواب کے صدق و صحت سے کلیتہً انکار کرنا صریح غلطی ہے۔ ہاں اس سے ہر ایک شخص کی ہر ایک خواب کا باوثوق ہو جانا بھی ثابت نہیں ہوتا۔ مگر ہم تو کلام کر رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی خوابوں کے بارے میں۔ جو عالم بیداری کے احکام کی طرح حتمی اور یقینی ہوتی ہیں۔ اور اسی واسطے انبیاء علیہم السلام ان خوابوں پر اسی طرح عمل کرتے ہیں۔ جس طرح کہ وہ عالم بیداری کے احکام کو واجب العمل سمجھتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خواب

چنانچہ میں مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خواب کو بیان کرتا ہوں جس سے آپ پر انبیاء علیہم السلام کی خوابوں کا جی کی طرح قابل عمل ہونا اور عالم بیداری کی طرح قابل تصدیق ہونا بخوبی واضح ہو جائیگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چھیاسی سال کی عمر میں جس میں عموماً ابنائے آدم کا سلسلۂ تولید منقطع ہوجاتا ہے۔ بڑی دعاؤں آرزوں اور التجاؤں کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی گئی۔ اسمع کہتے ہیں سن لینے کو اور ایل کہتے ہیں اللہ کو یعنی اللہ تعالیٰ نے خلیل کی دعاؤں کو سن کر شرف قبولیت عطا فرمایا۔ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ولادت باسعادت ظہور میں آئی۔ بیٹے کی وجہ سے خلیل اللہ کا قلبی میلان بی بی ہاجرہ کی طرف دیکھ کر بی بی سارہ نے عرض کی۔ کہ آپ اسی وقت اس بچے کو اس کی ماں سمیت میرے گھر سے نکال دیں۔ کیونکہ میں ہرگز نہیں دیکھ سکتی۔ کہ آپ میرے ہوتے ہوئے میرے ہی گھر میں ان ماں بیٹے کو اپنی محبّت وعنایت کا مورد بنا کر میرے دل کو رنج پہنچائیں۔

یہاں پر یہ سوال۔ کہ بی بی سارہ جیسی پاکباز اور ولیہ خاتون کے سینہ بے کینہ میں ایسا خیال پیدا ہونا اُن کے رُتبہ عالیہ کے خلاف ہے۔ قابل اعتنا نہیں کیونکہ یہ سب کچھ مقتضائے بشریت تھا جس کے مقابلے میں قوٰی بشریہ نحیف وضعیف ہیں۔

چنانچہ آپ نے چند دن تک اس معاملہ میں ارشاد باری کا انتظار کیا۔ بالآخر وحی نازل ہوئی۔ کہ اے خلیل اپنی عفیفہ بیوی اور چاہتے بیٹے کو لے کر عرب کے فلاں لق ودق صحرا میں چھوڑ آ۔ اور پھر دیکھ۔ کہ ہماری کریمی و بے نیازی کیا گل کھلاتی ہے۔

Marfat.com

اور اس وادی غیر ذی زرع کو کس طرح ذی زرع و ذیشان بنایا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم ربی کی تعمیل فرمائی۔ اور فوراً بی بی صاحبہ اور کمسن بچے کو لے کر اس مقام کی طرف روانہ ہو گئے جس جگہ آج دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کا قبلہ و کعبہ موجود ہے۔ اور جہاں پر ہر سال دنیا کے کونے کونے سے لاکھوں مسلمان اس شمع ہدایت پر پروانہ وار طواف کرنے کے لئے جاتے ہیں۔

اب میں اختصار کے لئے اس سب واقعہ کو چھوڑ کر وہاں سے بیان کرتا ہوں۔ کہ جہاں سے خواب کا تعلق ہے۔ اور جس کی وجہ سے ہم موجودہ واقعہ کو بطور دلیل پیش کر رہے ہیں۔

چنانچہ حضرت ابراہیمؑ جب اپنی فرمانبردار بیوی اور عظیم المرتبت لاڈلے کو اللہ تعالےٰ کے سپرد کر کے واپس ہو گئے۔ تو حضرت اسماعیلؑ اس ہو کے مقام میں اپنی شفیقہ ماں کی حفاظت میں تربیت پا کر حد بلوغ کو جا پہنچے۔ اس اثناء میں حضرت ابراہیمؑ ہر سال آتے۔ اور ماں بیٹے کی خیر و عافیت معلوم کر کے واپس چلے جاتے جب حضرت اسماعیل کی عمر باختلاف اقوال سات۔ نو یا تیرہ برس کی ہوئی۔ تو حضرت خلیل اللہ کو خواب میں ارشاد ہوا۔ کہ اے ابراہیم۔ جاؤ میرے نام پر اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دربار باری سے مطالبہ اسمٰعیل کی بشارت پائی۔ تو دل بلیوں اچھلنے لگا چہرے پر بجائے رنج و غم کے خوشی کی لہر دوڑ گئی کہنے لگے۔ زہے قسمت۔ کہ میرا رب جلیل اپنے دیئے ہوئے تحفہ کو میری طرف منسوب کر کے مانگ رہا ہے کسی عاشق صادق کیا ہی سچ کہا ہے۔

ولو بید الحبیب سقیت سماً   لکان السم من ید کالطبیب

وقد قیل۔ ضرب الحبیب۔ زبیب تعمیل میں کیا تامل تھا۔ رخت سفر باندھ عازم حجاز ہوئے۔ بیوی اور بیٹے سے مل کر آنکھوں کو ٹھنڈا کیا حضرت

Marfat.com

اسمٰعیلؑ کو گلے سے لگایا۔ اور پیار کیا۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی۔ کہ آپ نے حضرت اسماعیلؑ سے فرمایا۔ بیٹا چھری اور رسی لے لو تاکہ جنگل سے جلانے کے لئے لکڑیاں کاٹ لائیں۔ اسمٰعیل نے فوراً چھری اور رسی لی۔ اور باپ کے ساتھ خوشی خوشی کوہ شبیر کے نشیب کو روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچکر حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے سے اپنی تمام خواب کا ماجرا بیان کیا۔ اور فرمایا۔ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی۔ یعنی اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تو دیکھ کہ تیری کیا رائے ہے۔ دیکھئے حضرت ابراہیمؑ اپنی خواب کو کالوحی سمجھتے ہیں۔ اور اُس کی تعبیر کو عملی جامہ پہنانے کے متعلق اپنے جگر گوشہ سے مشورہ فرما رہے ہیں۔ ذیشان بیٹا بھی یہ نہیں کہتا۔ کہ اے باپ خواب خواب ہے۔ اُس کی حیثیت خیالات پریشان سے زیادہ نہیں۔ کیا آپ ایک خواب کے لئے میرے حنجرہ پر چھری پھیرنا چاہتے ہیں۔ مگر سبحان اللہ محترم اور پیارا بیٹا بھی اپنی معصوم زبان سے عرض کرتا۔ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ کہ اے مقدس باپ جو تجھے حکم دیا گیا ہے اُسے کر ڈال۔ انشاءاللہ تو مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیگا۔

حضرت اسماعیلؑ کی رقت انگیز وصیتیں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ اس کے بعد آپ نے اپنے برگزیدہ باپ سے عرض کی۔ کہ اے باپ اس سے قبل کہ آپ مجھے اللہ کے رستے میں قربان کریں چند ایک باتیں آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اول یہ کہ آپ چھری کو خوب رگڑ لیں۔ اور ذبح کرتے وقت میرے ہاتھ پاؤں کو خوب مضبوط باندھ دیں۔ تاکہ نہ تو گلے کے کٹنے میں دیر ہو۔ اور نہ ہی تڑپتے وقت آپ کے

Marfat.com

مبارک کپڑوں پر میرے خون کی چھینٹیں پڑ سکیں۔ ؎

اگر خون بریزی غم ندارم زاں ہمے ترسم ۔۔۔ کہ ناگاہ دامن پاکت شود از خونم آلودہ

(ترجمہ) ڈر نہیں قتل کا عوض اس کا مجھے ہے کہ تیرا ۔۔۔ دامن پاک نہ ہو خون سے میرے آلودہ

دوسرے یہ کہ مجھے ذبح کرتے وقت منہ کے بل لٹائیں۔ تاکہ میرا چہرہ دیکھیں آپ کی محبت کو بھڑکا کر کار خیر میں تاخیر نہ ڈال دے۔ اور تیسرے یہ کہ اگر مناسب سمجھیں تو میرا خون آلودہ کرتہ میری ماں کو دے دیں۔ تاکہ شاید اُس کا مغموم دل اس کو دیکھ کر تسلّی و تشفی پائے۔

چنانچہ باپ اور بیٹے کی یہ جگردوز باتیں ختم ہونے کے بعد عملی تعبیر کا نقشہ قرآنی الفاظ میں یوں اُترتا ہے۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ۔ سو جب دونوں نے فرمانبرداری ظاہر کی۔ اور رویا کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہو گئے۔ تو حضرت ابراہیم نے اپنے کریم النفس بیٹے کو اُس کی درخواست کے مطابق ماتھے کے بل لٹایا۔ چھری کو تیز کیا اور قرۃ العین کے نازک گلے کو کاٹنے کے لئے اپنے ہاتھ ہلانے شروع کئے۔ ملاءِ اعلیٰ میں کہرام مچ گیا۔ عالم ملکوتی کی سبوح قدوس کہنے والی مخلوقات بھی اس عجیب منظر سے متحیر و مضطرب تھی۔ مگر کسے طاقت کہ جبروتی بارگاہ میں زبان تک ہلا سکے چھری کا چلنا تھا کہ فرشتے حیرت و استعجاب سے پکار اُٹھے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر پیچھے سے حضرت ذبیح نے فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اس پر حضرت ابراہیم نے فرمایا اللہ اکبر وللہ الحمد۔ یعنی آپ نے فرشتوں کے اضطراب۔ بیٹے کی اطاعت اور اپنے سکون کو دیکھ کر اللہ جل شانہٗ کا شکریہ ادا کیا۔ کہ اتنی بڑی ابتلا میں بھی میرے نہ تو قدم ڈگمگائے اور نہ ہی ہاتھوں کو لرزش ہوئی۔ کہتے ہیں۔

حضرت لقمان کا سبق آموز واقعہ

کہ ایک دفعہ لقمان اثنائے سیاحت میں ڈاکوؤں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے ۔ انہوں

Marfat.com

نے آپ کو غلام کی حیثیت سے ایک مالدار شخص پر بیچ دیا۔ آپ زمانے تک اُس کی خدمت اور چاکری کرتے رہے۔ ایک دفعہ مالک نے آپ کو ایک حنظل کا ٹکڑا دیا۔ اور کہا کہ اے لقمان دیکھ تو اس ککڑی کا کیا مزا ہے۔ آپ نے مالک کے ہاتھ سے اُس حنظل کے ٹکڑے کو لے کر اس خوشی سے کھایا۔ کہ گویا وہ مصری کی ڈلی یا مٹھائی کی قاش تھی۔ کھا چکنے کے بعد مالک نے کہا۔ اے لقمان یہ ککڑی تو نہ تھی۔ بلکہ حنظل کا نہایت ہی کڑوا ٹکڑا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اے مالک مجھے معلوم تھا کہ یہ ککڑی نہیں۔ بلکہ حنظل ہے۔ مگر مجھے شرم آئی۔ کہ اُس ہاتھ کا یہ تحفہ کہ جس کے ہاتھ سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں دفعہ مٹھائیاں کھا چکا ہُوں۔ کڑوا سمجھ کر کھانے میں ہچکچاؤں اور حکم کے بجا لانے میں کسی قسم کی پس و پیش کروں۔ بلکہ ہرچہ دوست میرسد نیکو است۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

تو حضرت ابراہیمؑ نے بھی اپنے بیٹے کی قربانی پر وللہ الحمد فرما کر اس ابتلائے بی کو منجملہ انعام خداوندی کے قرار دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوری قوت سے اُس ریشمی علقوم پر چھُری پھیر دی۔ مگر وہاں تو صرف امتحان منظور تھا نہ کہ خُون بہانا۔ وہاں تو تقویٰ و اطاعت ہی کی قربانی قبول کی جاتی ہے۔ نہ کہ لحم و شحم کی۔ اسی واسطے تو فرمادیا۔ لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ۔ یعنی ان قربانیوں کے گوشت اور خُون اللہ کو نہیں پہنچتے۔ بلکہ اُسے تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ چنانچہ حضرت خلیل و ذبیح کے صدق و اطاعت پر رحیم بے عدیل کی رحمت و رافت کا بحر بے کراں جوش میں آجاتا ہے چھُری کو حُکم ہوتا ہے۔ کہ اے چھری۔ خبردار۔ ہمارے حبیب کے ولدِ نجیب کو کسی قسم کی ایذا نہ پہنچانا یہی وجہ تھی کہ چھری ربِ جلیل کے حکم سے ایسی کند اور بیکار ہو گئی۔ کہ حضرت خلیل باوجود نہایت کوشش کے اپنے مطلب الٰہی

کامیاب نہ ہو سکے۔ آپ چھری کے اس فطرتی اثر کے زائل ہو جانے پر بڑے حیران ہوئے اور غصے میں آ کر چھری کو زمین پر دے مارا۔ لکھا ہے کہ چھری زمین پر لگ کر جو اچھلی۔ تو ہوا میں ٹڈی کو لگی اور پھر قریب کے پانی میں گر کر ایک تیرتی ہوئی مچھلی کو گھائل کیا۔ یہ وہی ابراہیمی ذبح ہے۔ جو آج تک آپ کی اولاد کے کام آ رہا ہے۔ اور ان دونوں چیزوں کو بلا ذبح ہی کھایا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا چھری پر غصہ کرنا اور چھری کا جواب دینا

آپ نے چھری سے پوچھا۔ کہ اے چھری آج تجھے کیا ہو گیا ہے۔ کہ باوجود اس قدر تیز ہونے کے تو اسمٰعیل جیسے بچے کا نازک گلا نہیں کاٹ رہی۔ کیا تو لوہا نہیں یا اور کسی بات نے تیرے فطرتی اثر کو زائل کر دیا ہے چھری نے زبان حال سے عرض کی۔ کہ اے خلیل اللہ میری طبیعت نہیں بدلی۔ میں وہی لوہا ہوں۔ مگر کیا کروں کہ اگر آپ ایک دفعہ کاٹنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو باری تعالیٰ ستر دفعہ کاٹنے سے منع فرماتے ہیں۔ تو اب آپ ہی بتائیے۔ کہ میں ایک حقیر سی مخلوق رب العزت کے فرمان عالیشان کے برخلاف کیا کر سکتی ہوں۔ مولانا روم صاحب کی زبان سے چھری کا جواب سنئے کہتی ہے۔

طبع من دیگر نگشت و عنصرم ‏ ‏ تیغ حقم ہم بدستورے برم

کہ اے خلیل اللہ میں وہی چھری ہوں۔ مگر میں حق تعالےٰ کی تلوار ہوں۔ اور اجازت خداوندی ہی سے کاٹ سکتی ہوں۔ بالاستقلال مجھ میں قطع و برید کی کوئی طاقت نہیں۔

بر در خرگاہ سگان ترکمان ‏ ‏ چاپلوسی کردہ پیش مہمان

دیکھئے ترکمانی قوم کے کتے جو ان کے خیموں کے دروازے پر پڑے رہتے ہیں۔

Marfat.com

اگر کوئی مہمان یا جان پہچان والا آتا ہے۔ تو وہ کس طرح خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں۔ اُن کو دیکھ کر دم ہلاتے ہیں۔ اُن کے پاؤں کو چومتے ہیں۔ اور اپنے مالک کے تعلق کا بہت لحاظ رکھتے ہیں۔

من زسگ کم نیستم در بندگی — کم ز ترکی نیست حق در زندگی

جب ایک فانی و محتاج انسان کا کُتّا اپنے مالک کا اس قدر خیال رکھے کہ اپنے مالک کے دوست و دشمن میں تمیز کرے۔ تو کیا میں کتے سے بھی فرمانبرداری اور اطاعت میں کم ہو جاؤں۔ اور اس حی و قیوم اور غنی و بے نیاز مالک کا حق ترکی سے بھی کم سمجھ لوں۔ اس پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نتیجہ نکال کر فرماتے ہیں۔ کہ ؎

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند — با من و تو مردہ با حق زندہ اند

قرآن عناصر کو زندہ کہتا ہے

یعنی یہ ہوا مٹی۔ پانی اور آگ اللہ تعالیٰ کے بندے اور مطیع ہیں۔ اگرچہ وہ ہمارے تمہارے لئے مُردہ ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کے روبرو وہ زندہ اور حی ہیں۔ اور اُن کو بھی علیٰ حسب المراتب معرفت اور اطاعت حاصل ہے۔ قرآن پاک سے بھی ان عنصریات یا ان کے مرکبات کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ پتھروں کے متعلق قرآن پاک میں آتا ہے۔ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ اور بیشک ان میں سے بعض ایسے پتھر ہیں۔ کہ وہ اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ یعنی اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے۔ تو تو دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے پھٹ جاتا۔ ساتھ ہی حضورؐ کی ایک حدیث بھی سن لیجئے۔ آپ جبل احد کے متعلق فرماتے ہیں۔ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ۔ کہ یہ پہاڑ ہمیں چاہتا ہے اور

Marfat.com

ہم اسے چاہتے ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ خوف اور محبت کا احساس حیات کا متقاضی ہے ملہذا ثابت ہوا کہ جمادات میں بھی زندگی ہوتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ وہ حیات ایسی ہو۔ کہ جس کے ہوتے ہوئے بھی ان کو چیرنے پھاڑنے سے اذیت نہ محسوس ہوتی ہو۔ تو معلوم ہوا کہ چھری اطاعت ربی کے باعث حضرت اسمٰعیل کے گلے کو کاٹنے سے باز رہی۔ ادھر آپ نے غصے سے چھری پھینکی ادھر سے محبت بھری ندا آئی قد صدقت الرئیا۔ انا کذلک نجزی المحسنین۔ ان ھذا لھوالبلوا المبین و فدینٰہ بذبح عظیم۔ کہ اے ابراہیم تحقیق تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔ اسی طرح ہم نیکوں کو بدلا دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک بڑا امتحان تھا جس میں آپ پورے اترے اس لئے ہم اسمٰعیل کے بدلے میں ایک اعلیٰ قربانی کو بطور فدیہ پیش کرتے ہیں۔ تو اسے ذبح کر کے اپنی خواب کو پورا کر لے۔ مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ وہ قربانی وہی مینڈھا تھا جو ہابیل نے قابیل کے مقابلہ میں پیش کیا تھا۔ اور جو مقبول ہو کر آج اسمٰعیلؑ کا فدیہ بن گیا۔

حضرت یوسف و ابراہیم علیہما السلام کی خوابوں کا نتیجہ

حضرت یوسفؑ اور ابراہیمؑ کی خوابوں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ انبیا علیہم السلام کی خوابیں عام خوابوں کی طرح نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ بھی وحی اور جزو نبوت ہوتی ہیں۔ تو بیاں یہ ہو رہا تھا۔ کہ پیغمبروں کو علم تین طرح پر دیا جاتا ہے۔ اور اعطائے علم کا پہلا طریقہ الہام بیان ہوا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو اپنے برگزیدہ انسان کے دل پر حالت بیداری یا خواب میں القا فرماتا ہے۔ اور خواب کس طرح جزو نبوت ہے۔ وہ بیان ہوتے ہوئے اصلی مطلب سے بہت دور نکل آئے۔

Marfat.com

وحی کی دوسری قسم۔ من وراء حجاب ہے۔ یعنی پردے کے پیچھے بات کا کرنا۔ اس میں سامع کلام تو سکتا ہے۔ مگر متکلم کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور یہ حجاب کچھ جسمانی پردہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ذات باری کے کمال ظہور اور بندے کے غایت ضعف سے پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح کسی چیز کو جب بالکل آنکھ کے متصل کر دیا جاتا ہے۔ تو اس کا غایت قرب اور کمال ظہور دیکھنے میں مانع آجاتا ہے۔ اسی طرح ذات باری کا حبل الورید سے اقرب ہونا خود حجاب اکبر ہے۔

غیب دو قسم کا ہوتا ہے

اسی واسطے تصوف کی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ غیب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو غیب[1] غاب عنک۔ اور دوسرے غیب[2] غبت عنہ۔ یعنی ایک غیب تو وہ ہے۔ جو تجھ سے پوشیدہ ہے۔ جیسے عالم ارواح۔ کہ عہد میثاق کے پہلے ہم پر ظاہر تھا۔ ہم اُسے دیکھتے تھے اور اُسی میں رہتے تھے۔ اللہ جل شانہ کی کلام الست بربکم کو بلا ان کانوں کے سُنتے تھے۔ انبیاء و اولیاء کے ارواح سے ملاقات کیا کرتے تھے۔ اور ملائکہ کو بے آنکھوں کے دیکھ سکتے تھے۔ مگر جب ہماری روح کو عالم ارواح سے جُدا کر کے اس خاکی قالب کی کوٹھڑی میں قید کر دیا گیا۔ تو اس کے ساتھ ہی ہمارے مشاہدات کو بھی حواس ظاہریہ اور باطنیہ سے وابستہ کر دیا گیا۔ اور آج وہ عالم جو ہمارا وطن اصلی اور مسکن حقیقی تھا۔ ہماری آنکھوں سے اوجھل اور غائب ہو گیا۔ اور ہم اس عالم میں آکر ایسے غافل اور بدمست ہو گئے ہیں۔ کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اُس وطن اصلی کا خیال نہیں آتا۔ نہ اُس کی یاد ہمارے دلوں کو تڑپاتی ہے۔ اور نہ اُس کا فراق ہماری آنکھوں کو رُلاتا ہے۔

دیکھو اس دُنیا میں جب ہم ایک مقام پر پیدا ہوتے ہیں۔ تو وہ عارضی وطن

Marfat.com

صرف سقط الراس ہونے کی وجہ سے ہم کو اتنا عزیز اور پیارا ہو جاتا ہے۔ کہ ہم کہیں بھی سفر کریں۔ کسی جگہ بھی جائیں۔ مگر ہمارا دل ہر وقت اُس خاکی مولد کی طرف بے ساختہ کھچتا رہتا ہے۔ یہاں سفر میں خواہ کتنا ہی آرام ہو۔ مگر پھر بھی رات دن اپنے وطن کے نظارے ہماری آنکھوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ اور وطن کے کانٹے سفر کے پھولوں سے آرام دہ معلوم ہوتے ہیں۔

حب وطن از ملک سلیمان خوشتر است کا واقعہ

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک کوے نے حضرت سلیمانؑ سے اپنے ملک جانے کی رخصت طلب کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تو کیوں جانا چاہتا ہے۔ کیا تجھے میرے پاس کسی قسم کی تکلیف ہے۔ اس نے عرض کی کہ حضور تکلیف تو کچھ نہیں۔ ہر طرح کا آرام اور آسائش ہے۔ مگر مجھے رات دن اپنے وطن کی یاد تڑپاتی ہے۔ اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ تو چند دن وطن میں گزار کر پھر خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ سلیمانؑ نے اُسے رخصت دی۔ اور ایک دوسرے پرندے کو حکم کیا۔ کہ تم اس کوے کے پیچھے پیچھے جاؤ۔ اور دیکھو کہ اس کا وہ کونسا وطن ہے۔ جو اسے ان شاہی محلات اور خسروی مکانات سے اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اور جس کے لئے یہ کئی دفعہ بیتابانہ گذارشیں کر چکا ہے۔ چنانچہ وہ پرندہ حسب الحکم کوے کے پیچھے پیچھے گیا۔ دیکھا کہ ویرانی کا مقام ہے۔ ہو کا جنگل ہے۔ پانی کے ٹھہرنے اور جنگل کی تاریکی کی وجہ سے ایسی بدبو آتی ہے۔ کہ وہاں کھڑا ہونا بھی دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ پرندہ یہ سب کچھ دیکھ کر سلیمانؑ کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور کوے نے وطن کی من وعن حکایت خدمت اقدس میں آ کر سنائی۔ چند دنوں کے بعد جب کوا واپس آیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اے کوے۔ میں نے تیرے وطن کی معلومات حاصل کرنے کے لئے فلاں پرندے کو بھیجا تھا۔ جس نے واپس آ کر اس قسم کی رپورٹ

پیش کی ہے۔ کیا یہ سب کچھ سچی حقیقت ہے۔ کوے نے عرض کی۔ کہ حضور۔ اس پرندے نے بالکل صحیح اور ٹھیک کہا ہے۔ اس پر سلیمانؑ نے فرمایا۔ کہ پھر اسے کوے تو ایسے شاہانہ مقام کو چھوڑ کر ایسے غلیظ بیابان میں جانے کی کیوں کرتا ہے۔ کوے نے عرض کی

حب وطن از ملک سلیمان خوشتر است ۔۔۔ خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر است

یوسف کہ بمصر پادشاہی مے کرد ۔۔۔ مے گفت گدا بودن کنعان خوشتر است

یعنی وطن کی محبت سلیمانؑ کے ملک سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ اور وطن کا کانٹا دوسری جگہ کے سنبل و ریحان سے بھی اچھا ہے۔ یوسفؑ جو مصر میں بادشاہی کرتے تھے فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس سلطنت سے اپنے وطن کنعان کا فقیر ہونا اچھا ہے۔ اور اسی واسطے آپ نے انتقال فرماتے وقت وصیت کی تھی۔ کہ جب میری قوم مصر سے ہجرت کرے۔ تو اسے چاہیے کہ میرے تابوت کو بھی ساتھ لے جائے اور اسے میرے آباؤ اجداد کے قریب دفن کردے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ جب بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکلے تو آپ نے وصیت کے مطابق حضرت کے تابوت کو بھی ساتھ لے لیا۔ تو مطلب یہ تھا۔ کہ غربت کی شاہی و امیری وطن کی گدائی و فقیری پر قربان کئے جانے کے قابل ہے۔

تو جب انسان اس عارضی اور فانی وطن کے ساتھ محض ایک ادنیٰ تعلق کی بنا پر اس قدر محبت کرتا ہے۔ تو پھر اس کی یہ اعلیٰ درجہ کی غفلت و حماقت نہیں کہ اپنے اصلی وطن کو وہ کبھی بھول کر بھی یاد نہیں کرتا۔ وہ وطن کہ جس کو چھوڑ کر آیا ہے۔ وہ وطن کہ جس میں نہ تکلیف تھی نہ رنج نہ ہجر تھا نہ فراق۔ اور پھر جس کی طرف طوعاً او کرہاً لوٹ کر بھی جانا ہے۔ کوئی شخص ہزار سال بھی اس دنیائے فانی میں گذارے پھر بھی آخر کار اسے اسی وطن کی طرف لوٹا دیا جائیگا۔ اس کی طرف جانے سے نہ فرار کام دیگا نہ انکار۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

Marfat.com

شیخ سعدیؒ کے بے ثباتی دُنیا کے متعلق اشعار

اے دل بکام خویش جہاں را تو دیدہ گیر | در وے ہزار سال چو نوح آرمیدہ گیر
ہر نعمتے کہ ہست بعالم تو خوردہ آں | ہر لذتے کہ ہست سراسر چشیدہ گیر
ہر گنج و ہر خزانہ کہ شاہاں نہادہ اند | آں گنج و آں خزانہ بچنگ آوریدہ گیر
ہر ماہرو کہ ہست در ایام روزگار | آں را نیاز در بر خود آوریدہ گیر
روز پسیں کہ ہیچ نماند بجز دریغ | صد بار پشت دست بدنداں گزیدہ گیر

روح کی وطن ملکوتی کے لئے فریاد

روح تو اپنے اصلی وطن یعنی عالم ارواح کے لئے تڑپتا ہے۔ اور وہ تو یہ چاہتا ہے۔ کہ کسی طرح اس عالم ناسوت سے چھٹکارا حاصل کر کے پھر عالم ملکوت کی طرف لوٹ جائے۔ مگر یہ تڑپ ہر انسان کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بہتوں نے روح کی اس آتش شوق کو جسمانی شہوات اور بہائمی لذات کے نیچے اس طرح دبا دیا ہے۔ کہ وہ قریب قریب بجھی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ روح کے اس میلان اور حب الوطن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ ہاں جب کسی کامل کی صحبت یا جذبۂ غیبی سے متنبہ ہوتا ہے۔ تو پھر روح کے شوق وطن کا راز اس پر کماحقہٗ منکشف ہو جاتا ہے۔ اور وہ روح کی اس فریاد کو جسے مولانا روم صاحب ذیل کے اشعار میں بیان فرماتے ہیں۔ پورے طور پر سن سکتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند | وز جدائیہا شکایت مے کند

اس نے یعنی روح انسانی کے قصہ درد و فراق کو سن۔ کہ وہ کس طرح اپنی آئی وطن کا قصہ بیان کرتا ہے۔

Marfat.com

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند   از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

کہ جب سے مالک حقیقی نے مجھے عالم ملکوت سے جُدا کر کے ناسوت میں لا ڈالا ہے۔ میں اپنے اصلی وطن کے لئے اس قدر شور، فریاد کرتا ہوں۔ کہ جہان والے بھی میرے رونے سے متاثر ہو کر رو دیتے ہیں۔

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق   تا بگویم شرح دردِ اشتیاق

لیکن اس بادۂ فراق کی لذت اُسی کو معلوم ہو سکتی ہے۔ جس نے فراق یار میں کچھ گھڑیاں گزار کر اس شراب ناب کا مزا چکھا ہو۔ اور جس کا سینہ ہجر حبیب میں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہو۔ ایسا ہی شخص میرے درد و شوق کے قصے کو بالتفصیل سُننے کا مجاز ہے۔

ہر کسے کو دور ماند از اصل خویش   باز جوید روزگار وصل خویش

اب روح وجہ شکایت کو بیان کرتا ہے۔ کہ میں کیسے اپنے شور و شیون کو بند کر سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ تو مسلمہ قاعدہ اور تجربہ شدہ امر ہے۔ کہ جب کوئی اپنی اصل اور اپنے موطن سے جُدا ہو جاتا ہے۔ تو پھر اُس کا طبعی تقاضا ہوتا ہے۔ کہ کسی طرح دوبارہ اپنے اصل کی طرف لوٹ جاؤں۔ تاکہ یہ خلال وصال کے ساتھ بدل جائے۔

تو عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ روح کی حقیقی خواہش سے مطلع ہونے کے لئے جسمانی خواہشات کو کم کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اُس کی زاری و فریاد باوجود قرب و اتصال کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ یاد رکھو کہ اس جسم کے پہاڑ کے نیچے روحانی سونے کی کان ہے۔ پہلے پہاڑ کو کھود دو۔ کہ وہ بے بہا سونا ہاتھ میں آئے۔ جسم کی حسیات اور خواہشات کم ہونے سے روح کو قوت اور طاقت آتی ہے۔ اور جسم کی طاقت و توانائی رُوح کے تعلق کو کمزور کر دیتی ہے۔ اس واسطے انسان کو چاہئے۔ کہ روح کی طاقت کو بڑھانے کے لئے اس جسم کی نفسانی خواہشات کو ریاضت و عبادت سے کم کرے۔ تاکہ حقیقی وطن

Marfat.com

کا میلان پُورے طور پر محسوس ہو سکے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔

صحت ایں حس ز معمورئے تن ۔۔۔ صحت آں حس ز تخریب بدن

کرد ویراں خانہ بہر گنج و زر ۔۔۔ وز ہماں گنجش کند معمور تر

قلعہ ویراں کرد از کافر ستد ۔۔۔ بعد ازاں بر ساختش صد برج و سد

اس واسطے اے سعید تجھے چاہئے۔ کہ جس طرح تو رات دن اپنے نفس کی خواہشات پوری کرنے کے پیچھے مارا مارا پھرتا ہے۔ اسی طرح چوبیس گھنٹوں میں سے کچھ نہ کچھ روح کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے بھی وقف کر۔ اور جس طرح تو اس عارضی وطن کی محبت میں بے چین رہتا ہے۔ اسی طرح اُس اصلی وطن کی تڑپ بھی پیدا کر۔ اور یاد رکھ کہ اصلی وطن کی محبت انسان کے ایمان کی نشانی ہے اسی واسطے تو حضورؐ نے فرمایا ہے۔ حب الوطن من الایمان یعنی وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے۔

حب الوطن من الایمان کا صحیح مطلب کیا ہے؟

لیکن افسوس آج عوام نے اس وطن سے وطن ناسوتی مراد لے لیا ہے حالانکہ وطن ناسوتی کے متعلق تو ارشاد نبوی ہے۔ الدنیا سجن للمومنین۔ کہ دنیا تو مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ اُسے چاہئے۔ کہ اس سے نکلنے کی کوشش کرے۔ ورنہ اس کی محبت ایمان کو زنگ آلودہ کر دیگی۔ تو پھر آپ باوجود ان مبارک اقوال کے اس دنیا کی محبت کو جزو ایمان کس طرح قرار دے سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں وطن سے مراد وطن ملکوتی ہے۔ کہ جس کے نیستان سے اس روح کے نرکل کو کاٹ کر ناسوت کے علائق میں جکڑ دیا گیا ہے۔ اور اسی کی محبت کو حضورؐ جزو ایمان قرار دے رہے ہیں۔ چنانچہ بہاءالدین آملی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث شریف کے متعلق فرماتے ہیں۔

Marfat.com

گنج علم ما ظہر مع ما بطن
گفت از ایماں بود حب الوطن

ایں وطن مصر و عراق و شام نیست
ایں وطن شہریست کاں را نام نیست

زانکہ از دنیا است ایں اوطاں تمام
مدح دنیا کے کند خیر الانام

حب دنیا ہست راس ہر خطا
از خطا کے مے شود ایماں عطا

تو دریں اوطاں غریبی اے پسر
رو بغربت کردہ خاکت بسر

لقائے خداوندی کا عاشق موت کو محبوب سمجھتا ہے

تو بھائیو۔ اس وطن کی محبت پیدا کرو۔ اور اس کی طرف جانے کو تیار ہو جاؤ۔ تاکہ بلاوا آنے پر اس قالب کے قیدخانہ کو چھوڑنے میں کسی قسم کا رنج اور تکلیف نہ ہو۔ حضور فرماتے ہیں۔ من احب لقاء الله احب الله لقاءہ ومن کرہ لقاءہ۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے ملنے کو دوست رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو دوست رکھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ملنے کو برا سمجھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ملنے کو برا سمجھتا ہے۔ اور لقائے ربی کے شوق اور محبت کی علامت یہ ہے کہ انسان موت کو دوست رکھتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ لن تروا ربکم حتی تموتوا۔ یعنی تم اپنے رب کو موت سے پہلے نہیں دیکھ سکتے۔ تو گویا موت ایک پل ہے۔ جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے۔ اسی واسطے حضور نے فرمایا ہے۔ اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُوْصِلُ اِلَی الْحَبِیْبِ مگر موت کو انسان اسی وقت دوست رکھ سکتا ہے۔ کہ جب اس کے لئے کچھ تیاری بھی کر چکا ہو۔ ورنہ اس نام نہاد آبادی سے اس ویرانے کی طرف جانا کا ہے کو پسند کریگا۔ تو گویا لقائے خداوندی کی محبت کی علامت یہ ہے۔ کہ موت کو محبوب سمجھے۔ اور موت کو محبوب تب ہی سمجھ سکتا ہے۔ کہ اس کے لئے کچھ توشہ اور زاد بھی ہو۔ تو نتیجہ نکلا۔

Marfat.com

کہ لقائے خداوندی کی محبت کی علامت اتباع شریعت ہے۔ کیونکہ اسی سے وہ توشۂ سفر اور زادِ راہ جمع کر سکتا ہے۔ اور جس شخص کے پاس سفر آخرت کے لئے زادِ راہ جمع ہو گئی۔ تو پھر اُس کو اصلی وطن کی طرف جانے میں کس قدر خوشی ہو سکتی ہے۔ اُس کا ادنیٰ سا اندازہ اس دُنیا کے مسافروں کی حالت سے کر سکتے ہو۔ دیکھو جب ایک شخص اپنے اہل و عیال اور اپنے گھر بار کو چھوڑ کر سفر میں نکلتا ہے۔ اور سفر میں جا کر جلدی یا دیر سے اچھے طور پر کامیابی حاصل کر لیتا ہے۔ تو پھر اُس کی گھر کو لوٹ کر جانے کی بے تابی بھی قابل دید ہوتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کہیں پر لگ جائیں کہ اُڑ کر جا پہنچوں۔ اُسے مقصود حاصل ہونے کے بعد سفر کا عیش اور تنعم آرام و آسائش کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ تو جب اس عارضی اور فانی وطن کی یاد حصول مقصد کے بعد اس طرح بے چین کرتی ہو۔ تو پھر اس مزرع آخرت میں زرع و حصاد کے بعد کس طرح کوئی شخص اپنے وطن حقیقی اور ملک ملکوتی کی طرف لوٹنے کو بے تاب نہ ہوتا ہوگا۔ اور یہی مطلب ہے۔ حب الوطن من الایمان کا۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی موت سے محبت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے انتقال سے پہلے اپنی بیوی کو فرمایا۔ کہ میں نے اس دن کے لئے فلانی جگہ پر تھوڑی سی مشک چھپا کر رکھی ہوئی ہے۔ جا اور اُسے میرے پاس لے آ۔ بیوی صاحبہ نے ارشاد کے مطابق مشک حاضر کی۔ آپ نے پانی مانگا۔ اور اس میں اُس کو گھول کر پانی کو اپنے اردگرد چھڑکا۔ اور فرمانے لگے۔ کہ آج میرے پاس خوشبو کو پسند کرنے والی مخلوقات آنے والی ہے۔ بیوی کو باہر نکل جانے کا فرمایا اور دروازے کو بند کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد آواز سنائی دی۔ قد وصل الحبیب الی الحبیب۔ کہ دوست دوست

Marfat.com

سے جا ملا۔ بی بی صاحبہ دوڑی ہوئی آئیں۔ دروازہ کھول کر دیکھا۔ تو واقعی جلیب جلیب سے مل چکا تھا۔

رجوع بسوئے مضمون سابق اور غیب کی دوسری قسم کی توضیح

اب پھر ہم اصلی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ بیان یہ ہو رہا تھا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کو باری تعالیٰ سے تین طرح پر علم حاصل ہوتا ہے۔ یا تو بذریعہ الہام خواہ بحالت نعیظہ ہو یا منام۔ دوسرے پردے کے پیچھے سے۔ اور یہ پردہ کچھ جسمانی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا غائت قرب اور کمال وضوع ہی دیکھنے میں حجاب بن جاتا ہے۔ اور اس پر غیب کی دو قسمیں بیان ہوئیں۔ ایک غیب غاب عنہ۔ اور اس کی تا حال تشریح و توضیح ہوتی رہی۔ دوسرے غیب غبت عنہ یعنی وہ غیب کہ جس سے تو غائب ہے نہ وہ۔ اور وہ باری تعالےٰ کی ذات والاصفات ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان سے غائب نہیں۔ بلکہ وہ تو وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ کی رو سے ہر جگہ ہر وقت اور ہر حالت میں ہمارے ساتھ ہے۔ اور اس کا تعلق تو حبل الورید سے بھی زیادہ قریب ہے اور نزدیک کا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس   ہست رب الناس را با جان ناس

مگر جب نفس ناطقہ کو اس خاکی قالب کے ساتھ متشخص و متعین کر دیا گیا۔ تو اب یہ تشخص و تعین کے باعث اس وجود کل کے قرب و اتصال کے باوجود اس کے مشاہدہ سے غائب ہو گیا۔ ہاں جب کبھی وہ اس تشخص و تعین کو چھوڑتا ہے۔ تو پھر اس وجود کل یا مالک الملک کے دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

اذا قلت ما اذنبت قالت مجیبۃ   وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب

گفتم چہ کردم از تو چہ ما را گناہ نیست   گفتا کہ ہست ہستی تو بدترین گناہ

Marfat.com

معتزلہ کیوں رویت باری کا انکار کرتے ہیں؟

اسی واسطے معتزلہ کے سوا باقی سب اہل اسلام نے رویت باری کا اقرار کیا ہے معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں صاف فرما دیا ہے۔ لا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ۔ کہ اس کو آنکھیں نہیں پا سکتیں۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے گا۔ اور پھر ساتھ ہی کسی چیز کے دیکھنے کے لئے چند شرائط ہیں جب تک وہ سب کے سب نہ پائے جائیں۔ تو اس چیز کا دیکھ سکنا محال ہے اور وہ شرائط یہ ہیں۔ سب سے اول زمان یعنی وقت کہ جس میں اس چیز کو دیکھے دوم مکان یعنی وہ چیز کسی جگہ پر ہو۔ سوم۔ جہت یعنی وہ چیز وہ کسی طرف میں ہو۔ چہارم تقابل یعنی وہ چیز دیکھنے والے کے سامنے ہو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ یہ تمام باتیں جسم کے متعلقات سے ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ جسمیت سے پاک ہے اس لئے ان شرائط کے تعلق سے بھی مبرا اور منزہ ہے۔

ادراک اور رویت کا فرق

جواب۔ ادراک اور رویت میں فرق ہوتا ہے۔ ادراک کسی شے کے کنہ اور حقیقت سے مطلع ہونے اور اس کا احاطہ کر لینے کا نام ہے۔ مگر رویت کبھی بالاحاطہ ہوتی ہے اور کبھی بلا احاطہ۔ جیسے مثلاً کسی نے دور سے ایک چیز کو دیکھا۔ مگر احاطہ نہ کر سکا۔ یا اندھیرے میں کسی چیز کو دیکھا مگر پہچان نہ سکا۔ تو اب دیکھئے دونوں حالتوں میں رویت تو پائی گئی۔ مگر احاطہ اور ادراک نہ پایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ رویت اور ادراک میں عموم خصوص مطلق کا تعلق ہے یعنی ہر ادراک رویت ہے۔ مگر ہر رویت ادراک نہیں۔ اور قاعدہ مسلمہ ہے۔ کہ نفی الاخص لا یستلزم نفی الاعم۔ یعنی خاص کی نفی سے عام منفی نہیں ہوتا۔ تو

Marfat.com

ادراک کی نفی سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی ۔ جیسے دنیا میں اللہ تعالیٰ کو پہچانا جاتا ہے۔ اور جس قدر اُس کی آیات و مظاہرہ کا علم بڑھتا ہے اُسی قدر اس کی معرفت بھی بڑھتی جاتی ہے ۔ مگر کتنی ہی معرفت کیوں نہ حاصل ہو جائے ۔ احاطہ باری محال ہوتا ہے۔ اور اسی واسطے حضورؐ جیسی دریائے معرفت کی شناور اور غواص ہستی مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کا اقرار فرما رہی ہے ۔ اسی معرفت پر جنت کی رویت کو بھی قیاس کر لو ۔ کہ وہاں رویت تو ہوگی مگر ادراک اور احاطہ نہ ہوگا جسکی نفی لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ میں کر دی گئی ہے ۔

اور وہ شرائط جو کسی چیز کو دیکھنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں وہ سب کے سب جسمانیات کے لئے ہیں. مگر ذات باری تو جسم سے منزہ ہے۔ اُس کی رویت بھی ان شرائط سے منزہ ہوگی ۔

لقائے ربّی کے امکان پر دلائل

(۱) قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ یعنی بہت سے منہ آج کے دن تر و تازہ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہونگے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں جنتی لوگ دیدار ربّی سے سرفراز کئے جائینگے ۔

(۲) سورۃ تطفیف میں جہنمیوں کے لئے آتا ہے : كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۔ یعنی آج کے دن وہ اپنے رب سے اوٹ میں ہونگے ۔ اللہ تعالیٰ تو وہاں پر بھی حجاب میں نہ ہوگا ۔ مگر اشرار و فساق اپنی نافرمانیوں اور بدکاریوں کے پردوں میں محجوب ہونے ہونے کی وجہ سے رویت باری سے محروم رہ جائینگے تو معلوم ہوا کہ آخرت میں جہنمیوں کو رویت نہ ہوگی ۔ ہاں جنتیوں کو ضرور ہوگی اور اگر جنتیوں کو رویت نہ ہوتی تو پھر اسے دوزخیوں کے لئے عذاب کے پیرایہ میں بیان کرنا بے سود تھا ۔

Marfat.com

(۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ سے التجا کی۔ رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کہ اے اللہ مجھے اپنا دیدار دکھایئے تاکہ میں آپکو دیکھوں۔ ارشاد ہوا۔ لَنْ تَرٰنِیْ کہ اے موسیٰ تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکیگا۔ دیکھیے باریتعالیٰ نے یوں نہ فرمایا کہ لَنْ اُرٰی کہ میں دکھائی نہیں دے سکتا۔ بلکہ عدم رویت کو موسیٰ علیہ السلام سے متعلق فرمایا کہ تو مجھے نہ دیکھ سکیگا۔ اگر اللہ جل شانہٗ کا دیکھا جانا محال ہوتا تو یوں ارشاد فرماتے کہ اے موسیٰ مجھے دیکھ سکنا محال ہے۔ اور پھر اللہ کا دیدار محال ہوتا۔ تو موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم پیغمبر ایک محال بات کو اور پھر وہ بھی ذات باری کے متعلق کس طرح طلب کرنیکی جرأت کرسکتا۔ تو معلوم ہوا کہ رویت باری آخرت میں ممکن ہے اور جنتیوں کو اُن کے مرتبوں کے مطابق اللہ جل شانہٗ کا دیدار حاصل ہوگا۔

ان آیات کے علاوہ آقائے نامدار کی کثیر حدیثیں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متعلق صحاح میں مکتوب ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ ستروں ربکم عیانا کہ تم اپنے رب کو آنکھوں سے دیکھوگے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر یعنی تم اللہ جل شانہٗ کو چودھویں رات کے چاند کی طرح دیکھوگے جیسے وہ صاف۔ بلا تکلیف روشن اور منور دکھائی دیتا ہے اسی طرح تم اپنے پروردگار کو آخرت میں دیکھ سکوگے۔

مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ میں حجاب سے کیا مطلب ہے۔

تو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا باوجود قرب و اتصال کے دکھائی نہ دینا غیب غیبت عنہ کی شق میں داخل ہے اور پردے کے پیچھے سے باریتعالیٰ کا کلام فرمانا کوئی جسمانی حجاب نہیں بلکہ یہی حجاب کبریائی اور ردائے توانائی بندہ کے عجز و ضعف کے مقابل میں خود ایک حجاب اکبر بن جاتا ہے۔

پردے کے پیچھے سے بات کرنے کی مثال

رب العزت کے پردے کے پیچھے بات کرنے کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

Marfat.com

کے قصہ میں نظر آتی ہے۔ چنانچہ آپ کے کوہ طور پر جانے اور اللہ جل شانہ سے شرف تخاطب پانے کو قرآن پاک ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ فَلَمَّا أَتٰهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰى اِنِّيْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی جب موسیٰ اس آگ کے پاس آئے تو وادی کی دائیں درخت کی بابرکت جگہ سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں جہانوں کا رب ہوں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے بات چیت ہوتی ہے۔ اور آگے بعض فرمان بھی صادر ہوتے ہیں۔ مگر رب العالمین خود دکھائی نہیں دیتے موسیٰ علیہ السلام غایت شوق میں پکار اٹھتے ہیں۔ رَبِّ اَرِنِیْ کہ اے اللہ مجھے اپنا دیدار دکھایئے مگر دیدار نہیں ہوتا اور ردائے کبریائی کے پیچھے سے تمام ہدایات کا صدور ہوتا ہے

حضرت موسیٰ کے بیہوش ہونے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ ہو سکنے کے متعلق

سامعین کے دل میں خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ کیا وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود رَبِّ اَرِنِیْ کی التجا کے دیدار فیض آثار نہیں دکھایا جاتا۔ مگر خاتم الانبیاء و سید الورا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر بلا کر قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کا تماشہ دکھایا جاتا ہے اور پھر موسیٰ علیہ السلام تو ایک ہی تجلی میں بیہوش ہو جاتے ہیں۔ ؎

بس ایک ہی جلوے میں ہم بن گئے سودائی
جی بھر کے نہ دیکھا تھا لینے کو قضا آئی۔

مگر حضورؐ ذات باری کی تجلیات کو بلا حجاب دیکھتے ہوئے بھی بیہوش یا مدہوش نہیں ہوتے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوہ صفات تو عین ذات مینگری در تبسمی

جواب:۔ ہر ایک پیغمبر کو ایک خاص خاص امتیاز دیا گیا ہے کسی کو کلام سے نوازا گیا۔ تو کسی کو خلعت سے۔ کوئی صفی اللہ تھا تو کوئی روح اللہ۔ چونکہ دیدار کا انجمال سے قبل دیکھنا حضورؐ کا امتیاز تھا۔ اس واسطے کسی دوسرے پیغمبر کو یہ درجہ عطا نہ

Marfat.com

کیا گیا۔ اور چونکہ حضور ولادت ہی سے یتیم تھے۔ اس لئے آپ کی وراثت دیدار موسٰی علیہ السلام کو نہ دی گئی۔ بلکہ آپ کے اصرار کو خَرَّ مُوسٰی صَعِقًا کی صورت میں پورا کردیا گیا

خَرَّ موسٰی کے متعلق ایک دلچسپ لطیفہ

لطیفہ :۔ خر موسٰی سے مجھے ایک بات یاد آگئی۔ کہتے ہیں کہ ایک شخص نہایت خوشنویس تھا مگر اس کی عادت یہ تھی کہ کتاب کو لکھتے وقت اپنے عقل سے اس میں ردّوبدل کردیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے اسے قرآن پاک لکھنے کے لئے دیا اور کہا کہ میاں صاحب۔ اس میں کچھ ہیر پھیر نہ کرنا۔ یہ خدا کی کتاب ہے۔ تغیر و تبدل کرنے سے بڑا گناہ ہوگا۔ چنانچہ مزدوری طے ہونے کے بعد اس نے نہایت اعلٰی ہاتھ سے قرآن پاک لکھنا شروع کیا۔ جب کامل ہوگیا۔ تو مالک کو اطلاع کی۔ وہ لینے کے لئے آیا۔ اور پوچھنے لگا کہ کاتب صاحب۔ سچ سچ بتانا۔ کچھ ہیر پھیر تو نہیں کیا۔ کاتب صاحب کہنے لگے۔ صاحب اور تو کچھ نہیں کیا مگر تین جگہ تصحیح ضروری معلوم ہوتی تھی وہ میں نے کردی ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی دیکھ کر داد دیں گے۔ دیکھئے ایک تو عصٰی آدمؑ ہے۔ حالانکہ عصا تو موسٰیؑ کا ہے۔ اور دوسری جگہ خر موسٰی ہے حالانکہ خر عیسٰی مشہور ہے۔ اور تیسری جگہ وَنَادٰی نُوحٌ تھا میں نے اسے دانا نوح کیا ہے۔ کیونکہ نوحؑ نعوذ باللہ نادان نہ تھے۔ شاید پہلے کاتب سے غلطی ہوگئی ہوگی یا کیا اس شخص نے اس کاتب کو سمجھایا کہ بیوقوف عصٰی سے مراد عصا نہیں بلکہ اس کا معنی نافرمانی ہے اور خرّ کا معنی گدھا نہیں بلکہ گرنا ہے اور اسی طرح نَادٰی فارسی کا لفظ نادان نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ نوحؑ نے ہم کو ندا دی۔ چنانچہ جب کاتب صاحب کی سمجھ میں یہ باتیں آئیں تو تائب اور نادم ہوا۔ سچ ہے۔ بیوقوف دوست سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد ۔۔۔ فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد

Marfat.com

وحی کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فرشتہ بھیجکر اُس کے ذریعہ نبی کو احکام تبلیغیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضورؐ کے پاس بھیجا جاتا تھا اور قرآن سب کا سب حضور سرورِ عالم کو اسی طریقہ سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔ نَزَّلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ۔ کہ اس پاک کتاب کو جبرئیل امین حضورؐ کے پاس لائے۔ فرشتے کا نزول پیغمبر پر دو طرح سے ہوتا ہے۔ یا تو وہ بصورت انسان متمثل ہو کر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان بالمشافہ پڑھ کر سناتا ہے جیسے حضرت جبرئیلؑ حضور کے پاس اکثر اور بیشتر دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ چنانچہ بخاری شریف میں آتا ہے احیانا یتمثل لی الملک رجلا فیکلمنی ناعی ما یقول اور یا وہ فرشتہ احکام الٰہیہ کو نبی کے قلب پر القا کرتا ہے۔ اور خود ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کو شرعی اصطلاح میں نفث کہا جاتا ہے قرآن پاک میں آتا ہے۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ یعنی اے حبیب کہدے کہ جو کوئی جبرئیلؑ کا دشمن ہو تو ہوا کرے مگر اس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کے حکم سے اُتارا ہے۔

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تفسیر میں قرآن پاک کی رو سے چار منعم علیہم فرقے بیان ہوئے یعنی انبیاء۔ صدیقین۔ شہداء اور صالحین۔ یہاں تک تو انبیاء علیہم السلام کے متعلق بیان ہوا کہ وہ کونسا گروہ ہے اور ان کے علم حاصل کرنے کے کیا کیا ذرائع ہیں۔ اب صدیقین کے متعلق عرض کرتا ہوں۔

منعم علیہم کے دوسرے گروہ یعنی صدیق کے متعلق

صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت ہی سچا۔ بہت سے یہ نہ سمجھ لیں۔ کہ کبھی کبھی تو جھوٹ بولتا ہوگا نہیں بلکہ وہ سچ کا ایسا عادی ہوتا ہے کہ اُس کے اقوال اور افعال ہر وقت جھوٹ سے بالکل پاک اور منزہ ہوتے ہیں۔ اور وہ نبی کی قوت نظریہ کا ایسا کامل

Marfat.com

پرتو ہوتا ہے کہ سچ اور جھوٹ کے پرکھنے میں اُسے کسی قسم کی دقت نہیں ہوتی۔ اور وہ سچ کو جھوٹ سے ایسا نتھار لیتا ہے جیسے لسّی سے پانی کو جدا کیا جاتا ہے۔

قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا بیان

ہر ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ ایک قوت نظریہ اور دوسری قوت عملیہ۔ قوت نظریہ کے باعث وہ ہر ایک چیز میں فرق کرتا ہے۔ اور کھرے کو کھوٹے اور صحیح کو غلط سے ممتاز کرنا اسی قوت کا خاصہ ہے۔ قوت عملیہ سے انسان کو عمل کی طاقت ملتی ہے انسان کے تمام اعمال اور افعال اسی قوت کا نتیجہ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام میں یہ دونوں قوتیں بغیر کسی مشق اور ریاضت۔ بغیر کسی استاد اور مرشد کے ایسی کامل کر دی جاتی ہیں کہ پھر ان سے نہ تو قوت نظریہ کے متعلقات میں غلطی ہوتی ہے اور نہ قوت عملیہ کے منسوبات میں۔ اسی واسطے شرعاً پیغمبروں کو معصوم اور نبوت کو وہبی ماننا ضروری ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو اصالتہً قوت نظریہ کے کمال کے باعث صدق و کذب کے امتیاز میں دقت نہیں ہوتی۔ اسی طرح صدیقین بھی پیغمبروں کی اس قوت کا کامل پرتو ہونے کے باعث صحیح اور غلط کو ادنیٰ تأمل سے بھانپ جاتے ہیں۔ اور وہ مقامات جہاں پر عوام کو سخت ٹھوکر لگتی ہے یہ حضرات قوت نظریہ کے کمال کی وجہ سے صحیح و سلامت نکل جاتے ہیں۔

صدیق اکبر نے قوت نظریہ کے کمال کے باعث واقعہ معراج کی تصدیق فرمائی

چنانچہ اسی قوت نظریہ کا کمال تھا کہ جب حضورؐ نے دعویٰ فرمایا کہ مجھے آج رات کو معراج ہوئی ہے اور میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو گیا اور پھر وہاں سے تمام آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے عرش معلّٰی پر تجلیات ربانی کو بلا حجاب دیکھا اور مجھے یہ احکام عطا ہوئے تو تمام کے تمام کافر آپ کو جھٹلانے لگے۔ ابو جہل یہ سن کر اپنے حواریوں کے ساتھ دوڑا دوڑا حضرت ابو بکرؓ کے پاس گیا

Marfat.com

اور کہنے لگا کہ ابن قحافہ۔ کیا اپنے دوست کی نئی بات نہیں سنی۔ کیا اب بھی تیرے دوست کے جھوٹا ہونے میں کچھ شبہ ہو سکتا ہے۔ دیکھ وہ کہتا ہے کہ میں گذشتہ رات کو یہاں سے مسجد اقصیٰ کو گیا۔ اور پھر وہاں سے تمام آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے رب العزت سے ملاقات کی۔ اور پھر ابھی میرا بستر گرم ہی تھا کہ میں واپس بھی لوٹ آیا۔ ابوبکر بھلا اب تو ہی بتا کہ یہ باتیں کچھ کرنے یا ماننے کی ہیں حضرت ابوبکرؓ نے مستفسرانہ لہجہ میں پوچھا کہ کیا حضورؐ اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ابوجہل اور اُس کے یاروں نے یہ سمجھ کر کہ شاید اس کے قدم بھی جادۂ عقیدت سے ڈگمگانے کے قریب ہیں۔ یکزبان ہو کر کہا کہ ہاں ہاں۔ وہی تمہارے حضور اس قسم کا بے سرو پا دعویٰ کر رہے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے فوراً بلا تأمل فرمایا کہ اے ابوجہل۔ پھر وہ تو پیغمبر ہیں۔ وہ جو کچھ فرماتے ہیں حرف بحرف صحیح ہوتا ہے خدا کی قسم اگر وہ اس سے ہزار درجہ بھی "بے سروپا" دعویٰ کرتے تو وہ بالکل سچ اور راست ہوتا۔ ابوجہل اور اُسکے چیلے آپکی اس تصدیق سے نہایت شرمندہ ہوئے۔ اور اپنا سا منہ لیکر واپس چلے گئے۔ حضورؐ نے جب آپکی اس فوری تصدیق کے متعلق سُنا۔ تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے اس دعویٰ کی اتنی جلدی تصدیق کیوں کی ؟ وجہ یہ تھی کہ آپ حضورؐ کی قوت نظریہ کے مکمل پرتو تھے۔ اس لئے آپ نے صدق و کذب میں فوراً امتیاز کر لیا۔

بات سے بات نکل جاتی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کے لقب صدیق کے ضمن میں واقعہ معراج کا ذکر آگیا جسکی تصدیق سے آپ کو صدیق کا لقب ملا۔ بفضلہ تعالیٰ سامعین میں چونکہ جدید تعلیم یافتہ حضرات بہت سے شریک ہیں۔ اس لئے واقعہ معراج کے متعلق جو جو شبہات پیش کئے جاتے ہیں اُن کو مختصراً بیان کرکے اُن کا جواب دے دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں جس سے ازالہ شکوک کے ساتھ ساتھ داشتہ بکار آید کے مطابق یہ تقریر کسی نہ کسی موقعہ پر کام دے جائیگی۔

واقعہ معراج پر بعض شبہے اور اُن کا ازالہ

(۱)، جدید فلسفہ کی رو سے آسمانوں کا کوئی وجود نہیں۔ اور یہ جو ہمیں نیلا نیلا نظر آتا ہے

Marfat.com

محض منتہائے نظر اور حد نگاہ ہے۔ اور جب آسمان ہی نہیں تو آسمانوں پر جانا کیسے ہو سکتا ہے

(۲) اگر آسمان کا وجود مان بھی لیا جائے تو فلاسفہ نے آسمین جوڑ توڑ اور خرق والتیام کو محال مانا ہے۔ اسواسطے آسمانوں کے ہونے کے باوجود اُن میں سے پار ہونا محال ہے۔

(۳) اگر خرق والتیام کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی ایک جسم ثقیل کا آسمانوں کی طرف جانا محال ہے

(۴) اگر جسم ثقیل کا آسمانوں پر جانا ممکن بھی ہو۔ تو اتنے قلیل عرصہ میں کروڑوں میل کے راستے کو طے کر کے واپس آجانا سراسر باطل معلوم ہوتا ہے۔

(۵) اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اتنے قلیل عرصہ میں کوئی جسم کروڑوں میل کے فاصلہ کو طے بھی کر سکتا ہے تو پھر آسمان اور زمین کے درمیان اس قدر سرد اور گرم طبقات ہیں۔ کہ اُن میں سے کسی جاندار کا زندہ نکل کر جانا اور پھر واپس آنا محال ہے۔

(۶) اور اگر اس مرور طبقات کو بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو پھر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ کیا مسجد حرام سے آسمانوں کو سیدھا رستہ نہ تھا۔ کہ آپ کو بجائے براہ راست آسمان پر لے جانے کے سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَى کی رو سے مسجد حرام سے بیت المقدس میں لایا گیا اور پھر وہاں کی مسجد اقصٰی سے عروج سماوی شروع ہوا

(۷) پھر اللہ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے معراج کے لئے آسمانوں کو کیوں مخصوص فرمایا۔ کیا زمین پر مخاطبت اور اعلائے درجات ممکن نہ تھا۔

(۸) اور پھر اگر آسمانوں ہی پر بلوا کر آپ کو یہ عزت اور امتیاز دینا مقصود تھا تو اسکے لئے دن نہایت مناسب وقت تھا۔ تاکہ کفار اور مخالفین حضور کو آسمان کی طرف جاتا دیکھ کر خود بخود واقعہ معراج کے قائل ہو جاتے جب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ حضور براق پر سوار ہیں اور فرشتوں جیسی مقدس ہستیاں آپکی رکاب دار ہیں۔ تو پھر کس کو جرأت ہو سکتی کہ وہ اس عینی مشاہدہ کو جھٹلاتا۔

یہ چند ایک اعتراضات ہیں۔ کہ جنکی بنا پر بعض لوگوں نے واقعہ معراج کو روحانی رنگ میں ظاہر کرنیکی کوشش کی ہے اور بعض نے اس کا کلیتہً انکار کر کے اسرائیلیات کی شق میں جا داخل کیا۔

Marfat.com

مذکورہ اعتراضات کا جواب عرض کرنے سے پہلے میں اس واقعہ کے جسمانی ہونے کے متعلق ایک مختصر سی تقریر کرتا ہوں۔ تاکہ وہ لوگ جو اسے روحانی واقعہ سمجھتے ہیں اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں

معراج کے جسمانی ہونے پر دلائل

(۱) قرآن پاک میں آتا ہے۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا یعنی پاک ہے وہ اللہ جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے وقت۔ اب دیکھئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے عبد کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عبد صرف روح یا صرف جسم کو نہیں کہا جاتا بلکہ روح مع الجسم کا نام عبد ہے۔ لہذا لفظ عبد کے ہوتے ہوئے اس واقعہ کو روحانی ماننا سراسر غلطی اور خطا ہے۔ اور بعض نے جو یہ کہا ہے کہ اس آیت سے تو جسمانی معراج صرف مسجد اقصیٰ تک ثابت ہوتا ہے۔ اس سے آگے اگر جسم کے ساتھ تشریف لے جاتے تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا ذکر بھی یہاں فرما دیتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کے عدم ذکر سے عدم وقوع لازم نہیں آتا۔ یہاں مسجد اقصیٰ کو خصوصیت سے بیان کرنے کی یہ وجہ ہے کہ چونکہ وہ دنیا کی سیر کی انتہا تھی اور اس سے اوپر سیر سماوات تھی جس سے نہ تو قریش کچھ واقف تھے اور نہ دوسرے منکرین۔ مگر بیت المقدس کو تو چونکہ ہزاروں نے دیکھا ہوا تھا۔ اس لئے سیر دنیا کی انتہا کو بیان کر دیا گیا۔ تاکہ اگر وہ ثبوت صحت کے لئے بیت المقدس کے حالات پوچھکر اپنی تسلی کرنا چاہیں تو کر سکیں۔ اور پھر اس سے اُن کو سیر سماوی پر ایمان لانے میں مدد مل سکے کیونکہ وہ مقدس انسان جو چشم زدن میں بیت المقدس جیسے دور دراز مقام پر پہنچ سکتا ہے تو پھر اسے آسمانوں پر اس سرعت کیساتھ جانے میں کیا چیز مانع ہو سکتی۔ چنانچہ کفار کو حضور کے امتحان اور صدق و کذب کے پرکھنے کا موقعہ دینے کیلئے صرف سیر دنیا کی دور دراز غائت کو بیان کر دینے پر اکتفا کیا گیا۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پھر مسجد اقصیٰ کے بعد جسمانی معراج نہیں ہوا بلکہ روحانی تھا۔

(۲) براق پر سوار ہونا۔ رستے میں قافلے والوں سے ملاقات کرنا اور اُن سے پانی لینا یہ سب کے

Marfat.com

سب جسمانی خواص ہیں مد روح جسم کے بغیر نہ تو سوار ہوسکتی ہے اور نہ پانی لے اور پی سکتی ہے۔

(۳) اگر معراج کا واقعہ روحانی ہوتا۔ تو پھر لوگ اسقدر شد ومد سے تکذیب کیوں کرتے۔ روح تو آنکھ جھپکتے ثریا سے ثریا تک سیر کرسکتی ہے مگر لوگوں نے آپکو اس واقعہ کے بیان کرنے پر اسقدر جھٹلایا کہ قرآن پاک میں وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ نازل کیا گیا یعنی نہیں دکھایا ہم نے آپکو رویا یا دکھاوا مگر یہ کہ بنایا ہم نے اسکو آزمائش اور فتنہ واسطے لوگوں کے۔ اور رؤیا رویت سے ہے جس کا معنی ہے آنکھوں سے دیکھنا۔ چنانچہ دیوان متنبی میں ہے۔ ورویاک فی العیون احلی من الغمض اور حضرت ابن عباس بھی رؤیا کی تفسیر رویت بالبصر ہی فرماتے ہیں۔

لہذا معلوم ہوا کہ حضور کا یہ معراج جسکی شان پندرھویں سیپارے کی ابتدا میں بیان ہوئی ہے جسم کے ساتھ بیداری کی حالت میں ہوا۔ باقی روحانی معراج تو حضور کو ایک نہیں بیسیوں دفعہ ہوا جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں بالتصریح موجود ہے۔

اسکے بعد واقعہ معراج پر جو جو اعتراض کئے گئے ہیں۔ اُن کا بالترتیب جواب عرض کرتا ہوں۔ ہاں اگر کسی اعتراض کا جواب پوری طرح سمجھ میں نہ آئے یا دوران تقریر میں کسی قسم کا اور شبہ پیدا ہو جائے۔ تو آپ کو پوری پوری اجازت ہے کہ جواب کے ختم ہونے پر اپنے شک کو بیان فرمادیں۔ انشاء اللہ اُس کے ازالہ کی بھی حتی الامکان کوشش کی جائیگی۔

پہلے اعتراض کا جواب:۔ آسمان کے وجود کا انکار محض وہمی دلیلوں پر مبنی ہے۔ جس میں یقین اور حتمیت کو دور کا بھی تعلق نہیں۔ برعکس اسکے آسمانوں کے وجود کے متعلق ایک نہیں دنیا کی تمام مذہبی کتابیں یک زبان ہیں اور سب سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ آسمان ایک موجود اور مجسم شے ہے۔ تو پھر آسمانی اور الہامی کتابوں کے مقابلے میں کسی ایرے غیرے کی ژٹلیات کو کیا وقعت دی جاسکتی ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب:۔ آسمان میں خرق والتیام کو محال ماننا خود دلیل کا

Marfat.com

محتاج ہے۔ برخلاف اس کے سینکڑوں ستارے اور سیارے آج تک ٹوٹ کر سطح زمین پر گر چکے ہیں جنکے ٹکڑے برلن اور لندن پیرس اور نیویارک کے میوزیموں میں آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں تو اب آپ ہی بتلایئے کہ ایسے عینی مشاہدوں کے ہوتے ہوئے زمین کے انسانوں کی واہیات کو کیسے قبول کیا جائے۔

تیسرے اعتراض کا جواب:۔ جسم ثقیل کا آسمانوں کی طرف جانا بیشک محال ہے مگر جسم لطیف کا جانا تو مسلّم ہے۔ دیکھو۔ فرشتے بھی جسم رکھتے ہیں۔ مگر جسم لطیف۔ اسواسطے اُن کا آسمانوں پر جانا ہر ایک مذہب سے تعلق رکھنے والا انسان تسلیم کرتا ہے۔ تو اب اسکے بعد اتنا اور بھی سمجھ لو۔ کہ جب یہ کثیف انسان دنیا کے تعلقات کو کم کرتا ہے۔ اور رات دن ریاضتیں کرتا ہے۔ تو اس تزکیہ سے اُس میں ایسی لطافت آجاتی ہے کہ اُس کا جسم عوام کے روح سے بھی زیادہ لطیف اور پاکیزہ ہوجاتا ہے۔ اور پھر جس طرح روح کو سیر سماوی میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔ اسی طرح مرتاض کا جسم بھی سیر عروجی میں روح کا مماثل بن جاتا ہے۔

مداری انڈے کو کس طرح نچاتے ہیں اور اُس سے سبق

شاید آپ نے کبھی دیکھا ہوگا۔ کہ مداری انڈے کو نچاتے ہیں اور انڈا زمین سے چار پانچ گز تک کی بلندی تک اُچھل کر زمین پر واپس آتا ہے۔ دیکھو ایک کثیف انڈا کیوں زمین سے اسقدر خود بخود بلند ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مداری پہلے اُس انڈے کو جسے اس مطلب کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ سوئی کے ساتھ سوراخ کرکے اُس میں سے تمام کثافت کو نکال لیتے ہیں۔ جب وہ بالکل اندر سے صاف ہوجاتا ہے تو پھر اُس میں پارہ بھر کر اُس کا منہ بند کرکے گرم جگہ پر رکھتے ہیں۔ پارہ گرمی سے اُڑنے کی کوشش کرتا ہے جس کی وجہ سے انڈا بھی اُس کے ساتھ بلند ہوکر گرتا ہے۔ اسی طرح وہ زاہد جو اپنے جسمانی انڈے کو ریاضت کی سوئی سے صاف کرلیتا ہے۔ اور پھر سوز و گداز اور عشق و محبت کا پارہ اپنے سینہ بے کینہ میں بھر کر ہونٹوں پر چپ کی مہر لگالیتا ہے تو پھر اُسے غیب سے غیبی پر ملتے ہیں کہ

Marfat.com

اُن کی طاقت پرواز فرشتوں کے پروں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند — گر نبینی سرِ حق بر من بخند

خواجہ غریب نواز کی کھڑاؤں کا اُڑنا

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی جن لوگوں نے سوانح عمری پڑھی یا سُنی ہوگی۔ اُنہیں معلوم ہوگا۔ کہ جب خواجہ صاحب اجمیر میں رونق افروز ہوئے۔ اور رائے پتھورا ہر قسم کے مقابلہ میں ناکامیاب ہُوا تو اُس نے آخرکار جوگی اجیپال کو مقابلہ کے لئے طلب کیا۔ وہ شخص نہایت مرتاض اور عابد تھا۔ ریاضت شاقہ کی وجہ سے اُس کے جسم میں بھی ایسی لطافت آچکی تھی کہ تمام لوگوں کے سامنے ایک مرگ چھالا بچھا کر اُس پر بیٹھا اور ہوا میں اُڑنا شروع کیا۔ مگر چونکہ اُسکی ریاضت بلا تعلق اور بلا طریقہ تھی۔ اسواسطے اُس میں بھی اُسے کچھ کامیابی نہ ہوسکی۔ حضرت خواجہ صاحب نے اپنی کھڑاؤں کو حکم دیا۔ کہ جاؤ اور سرکش جوگی کو مغلوب کرکے واپس زمین پر لاؤ۔ سبحان اللہ۔ وہ جسم ثقیل۔ وہ لکڑی کے ٹکڑے جن میں نہ سمجھ تھی نہ عقل۔ نہ حرکت تھی نہ روح۔ مگر حضرت کے مقدس پاؤں کے توصل سے انہیں بھی یہ درجہ حاصل ہوگیا۔ کہ وہ حکم پاتے ہی ہوا میں اُڑنے لگیں اور آسمان پر پہنچکر جوگی اجیپال کو مارتے مارتے واپس لے آئیں۔ جوگی صاحب مسلمان ہوئے اور آپ کا نام عبداللہ بیابانی رکھا گیا جس کا ذکر کئی دفعہ ہوچکا ہے۔

خواجہ صاحب کی کھڑاؤں میں طاقت پرواز کیسے پیدا ہوئی

دیکھو کھڑاؤں میں صرف ایک عاشق کی معیت سے طاقت پرواز پیدا ہوگی۔ اگر آپ کسی معمولی لوہے کو چند دن کسی مقناطیسی لوہے کیساتھ رکھیں تو آپ دیکھینگے۔ کہ اُس جاذب لوہے کی چند روزہ معیت نے معمولی لوہے میں بھی قوت جاذبہ پیدا کردی ہے۔ شیخ سعدی صاحبؒ نے اس راز کو ان اشعار میں کیسے ہی پُر لطف طریقے سے بیان فرمایا ہے:۔

مجلس کا اثر اور اُس کی مثال سعدیؒ کے اشعار میں

گلے خوشبوئے در حمام روزے — رسید از دست محبوبے بدستم

Marfat.com

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری — کہ از بوئے دلآویز تو مستم

بگفتا من گلے ناچیز بودم — ولیکن مدتے با گل نشستم

جمال ہم نشین در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں خاکم کہ بودم

ریڈیم اور مقناطیس کا اثر اور اس سے ایک لطیف سبق

گھڑیوں پر تو آپ ریڈیم دیکھتے ہیں یہ حقیقت میں ریڈیم نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک دھات ہوتی ہے جو ریڈیم کی صحبت سے ایسی چمکدار بن جاتی ہے۔ ورنہ خود ریڈیم تو بہت ہی مہنگی اور بڑی قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے سنا ہے کہتے ہیں کہ اسوقت تمام دنیا میں پندرہ تولے سے زیادہ ریڈیم نہیں پائی جاتی۔ مگر گھڑیوں کا ریڈیم اُس ریڈیم کا متاثر ہونے کیوجہ سے اسقدر چمکدار اور دوسروں پر اثر انداز ہو جاتا ہے۔ میں نے کسی انگریزی رسالے میں پڑھا تھا کہ فرانس میں ایک لڑکی کا جسم روزانہ اسقدر چمکدار ہوتا گیا۔ کہ اگر وہ رات کو کسی جگہ کھڑی ہوتی تو اُسکی روشنی سے اُسے دیکھنا تو درکنار دوسری چیزوں کو بھی دیکھ لیا جاتا۔ لڑکی کے والدین اُسے ڈاکٹروں کے پاس لے گئے۔ اور اس حیرت انگیز واقعہ کی وجہ تفتیش کروائی۔ ڈاکٹر خود بھی پہلے اس عجیب انکشاف پر بہت متحیر ہوئے۔ مگر بعد میں معلوم ہوا۔ کہ یہ لڑکی گھڑیوں کی فرم میں ملازمہ تھی اور ریڈیم سے ڈائلوں پر لکھنے کا کام کرتی تھی۔ دوران تحریر میں وہ ریڈیم سے لگی ہوئی سوئی کو بلا سمجھے منہ میں رکھ لیا کرتی تھی۔ جسکے اثر سے اُس کا جسم اب چمکنے لگ گیا ہے۔ ڈاکٹروں نے اُس کا بہت کچھ علاج کیا مگر اُس ریڈیم کے اثر نے اُس کی جان کیکے ہی چھوڑا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور مجسم تھے

دیکھو۔ ہم مطلب سے بہت دور جا رہے ہیں۔ آپ ان مثالوں سے پوری طرح سمجھ گئے ہونگے کہ جس طرح مقناطیس یا ریڈیم دوسروں میں اثر کرتی ہے اسی طرح حضرت خواجہ صاحب کی کھڑاؤں کی طاقت پرواز۔ خواجہ صاحب کے وجود باجود کے اتصال کا نتیجہ تھی۔ مگر خود خواجہ صاحب کی یہ طاقت سید الکائنات کی التفات فیض آیات کا صدقہ تھی۔ وہ سید الکونین کہ جن کے

Marfat.com

الفاظ - جن کی ہدایت اور جن کی رہنمائی سے کروڑوں انسان تزکیہ کے انتہائی مدارج پر پہنچے - تو اب پھر آپ اندازہ لگائیں - کہ وہ منبع فیض اور مصدر ہدایت خود کتنا الطف اور ازکی ہوگا - اسی تزکیہ و تصفی کے باعث قرآن پاک آپ کو نور قرار دیتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے - قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ - کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور مجسم نبی مکرم سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا اور ایک کتاب مبین اور فرقان منین کو اسی واسطے صحیح احادیث کی رو سے حضورؐ کے وجود مقدس کا سایہ نہ تھا - کیونکہ سایہ تو ہوتا ہے کثیف کا - مگر وہ جانِ جاں لطیف تو کیا سراپا نور تھا پھر نور کا سایہ کس طرح ہوتا -

حضورؐ کے سایہ نہ ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب

بعض لوگوں نے حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ پر اعتراض کیا - کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضورؐ کا سایہ نہ ہو - حالانکہ قرآن پاک تو آپ کو بشر قرار دے رہا ہے - اور بشر بوجہ گوشت پوست کے کثیف ہے - اور کثیف کا سایہ لازمی ہے -

آپ نے فرمایا کہ یہ لازمی نہیں کہ ہر جسم کا سایہ بھی ضرور ہو - دیکھو ایک مجسم چیز کو لے کر اس کے چاروں طرف لیمپ روشن کر دو - اور پھر دیکھو کہ اس جسم کا سایہ کیسے غائب ہو جاتا ہے - اسی طرح حضورؐ کی ذات گرامی باوجود بشریت کے نور خداوندی کے ساتھ ہر طرف سے ایسی محاط تھی - کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا - ؎

جسمش نہ داشت سایہ الحق چنیں سزد
زیرا کہ بود جوہر پاکش ز نور حق

حضور کی صورت بشری ملکی اور حقی کی توضیح

اس کے علاوہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت قرآنی کی رو سے بشر تھے مگر آپ کی بشریت قائم نہ تھی - بلکہ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ سے مقید کر دیا گیا ہے - اور اس قید نے جیسا آپ کو مہبط وحی ہونے کے لحاظ سے دوسرے

Marfat.com

انسانوں سے ممتاز کر دیا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی اور بہت سی آیتوں نے آپ کی بشریت پر کئی ایک اور قیود بڑھا کر دوسرے ہم شکل اور متشابہ انسانوں سے ممیز مختص فرما دیا ہے۔

اسی واسطے مواہب صوفیہ میں لکھا ہے۔ کہ حضور کی تین صورتیں ہیں۔ بشری۔ ملکی اور حقی۔ بشری تو اس لئے کہ قرآن پاک فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ ملکی اس لئے کہ آپ نے فرمایا۔ انی لست کاحد کم ابیت عند ربی ھو یطعمنی ویسقینی۔ یعنی میں تم جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب کے پاس رات گذارتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور حقی اس لئے کہ آپ فرماتے ہیں لی مع اللّٰہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل کہ میرا اللّٰہ جل شانہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے۔ کہ جس میں نہ تو کسی مقرب فرشتے کا گذر ہو سکتا ہے نہ اور کسی رسول کا۔ گویا اس وقت دوئی کو ہٹا دیا جاتا ہے۔ اور حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔

اور رب العزت نے ان میں سے ہر ایک صورت میں حضورؐ سے کلام فرمایا۔ مرکب کلمات تو صورت بشری کا کلام ہے مقطعات صورت ملکی کا اور ابہام یا ایحا صورت حقی کا۔ چنانچہ فرمایا۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی۔

تو خلاصہ مطلب یہ نکلا۔ کہ حضورؐ نور تھے۔ الطف تھے۔ ازکی اور اصفی تھے اسواسطے آپ کا عالمِ بالا کی طرف جانا عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی مستبعد نہیں ہو سکتا۔

چوتھے اعتراض کا جواب۔ روح القدس یا جبرئیل امین جب ایک لحظہ میں سدرۃ المنتہا سے زمین پر نزول فرما سکتے ہیں۔ اور ان کا جسم لطیف اس سرعت اور عجلت میں مانع نہیں آتا۔ تو پھر حضورؐ کا پچھلے معنوں کے سمجھ جانے سے اس قدر جلدی جانا اور آنا کس طرح مستحیل قرار دیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

مشتری جو حال کی تحقیق کے مطابق ہماری زمین سے ایک ہزار چار گنا بڑا ہے۔ اہل سائنس کے نزدیک ایک گھنٹے میں تیس ہزار میل چلتا ہے۔ تو گویا انسان کے ایک سانس لینے کے عرصے میں مشتری نو میل کا فاصلہ طے کر جاتا ہے تو جب اسقدر عظیم جسم کا اس سرعت سے چلنا مانا اور دیکھا جا سکتا ہے۔ تو پھر حضورؐ کے جسم منور کے اسقدر تیز جا کر واپس چلے آنے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

پانچویں اعتراض کا جواب: بعض شعبدہ باز اور مداری تک ظاہر آگ پر چلتے پھرتے اور لوٹتے کو دتے ہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ محض اُنکی ڈھٹھ بندی کے باعث وہ آگ کے ضرر سے محفوظ رہتے ہیں۔ تو جب ان شعبدہ بازوں کا یہ حال ہے تو پھر اس شہباز حقیقت کو آگ کس طرح نقصان پہنچا سکتی ہے۔ پھر آگ یا ٹھنڈک اُسی کو نقصان پہنچا سکتی ہے کہ جو اُس میں ٹھہر جائے لیکن اگر آپ خوب تیزی کے ساتھ آگ کے شعلے سے اپنے ہاتھ کو گذاریں تو اس سے آپ کے ہاتھ کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچیگا اسی طرح حضورؐ بھی اسقدر سرعت اور عجلت کیساتھ گرم اور سرد منطقوں سے گذرے کہ آپ کے جسم مطہر و منور پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہو سکا۔

چھٹے اعتراض کا جواب: مسجد حرام سے آپ کو سیدھا آسمانوں پر نہ لے گئے بلکہ پہلے آپکو بیت المقدس میں لایا گیا اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰقؑ حضرت اسحٰقؑ کی اولاد حضرت یعقوبؑ کے لقب اسرائیل پر بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی اب بنی اسرائیل میں سے جتنے بھی انبیا ہوئے ہیں اُن سب کا قبلہ بیت المقدس تھا مگر بنی اسماعیل اپنے دادا اسماعیلؑ اور ابراہیم کے بنائے ہوئے کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کیا کرتے تھے۔ تو گویا حضرت ابراہیمؑ کی اولاد دو قبلوں میں تقسیم تھی بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا اور بنی اسمٰعیل کا قبلہ بیت اللہ۔ اب جب حضورؐ کو تمام دنیا کے لیئے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ اور آپ کی شان کا قرآن پاک نے کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا کے الفاظ میں اعلان کر دیا۔ تو ضروری ہوا کہ آپ کی ذات گرامی میں دونوں قبلوں کو

Marfat.com

بھی جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی۔ کہ آپ ایک عرصہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے رہے۔ بعدہٗ جب وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا حکم نازل ہوا۔ تو آپ بالاستقلال خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح آپ کو لیلۃ المعراج میں بھی مسجد حرام سے بیت المقدس کو اس غرض سے لے گئے۔ تا آپ کی ذات گرامی میں دونوں قبلوں کو جمع کر دیا جائے اور مسجد اقصیٰ میں آپ کو تمام انبیاء و اولیاء کا امام بنا کر اعلان کر دیا جائے کہ آج سے سرکار مدینہ میں دونوں قبلوں کو جمع کر کے نبی القبلتین کا پیارا لقب دیا جاتا ہے۔ اس واسطے آج سے بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کو چاہیے۔ کہ اس فخر رسل کی پیروی اور اطاعت کر کے فلاح دارین کو حاصل کریں۔

ساتویں اعتراض کا جواب: حضور کے معراج کے لئے آسمان کو چند وجوہات کے باعث منتخب کیا گیا۔ ایک تو چونکہ حضور زمین میں پیدا ہوئے۔ اور زمین ہی آپ کا مسکن اور موطن تھا۔ اس لئے اگر آپ کو یہ واقعہ سطح زمین ہی پر پیش آتا۔ تو نہ تو عروج کہلاتا۔ اور نہ ہی عوام کی نظروں میں کچھ زیادہ وقیع معاملہ سمجھا جاتا۔ بلکہ اسے محض خواب و خیال سے تعبیر کر کے اس کے ماننے یا نہ ماننے کو برابر سمجھا جاتا۔

دوسرے چونکہ زمین کی نسبت آسمان آیات الٰہیہ کا اعلیٰ مظہر ہے۔ اس واسطے ان آیتوں اور مظاہروں کو دکھانے کے لئے آسمانوں پر بلایا گیا۔

تیسرے یہ کہ زمین کو فخر تھا کہ مجھ پر فخر الرسل کا مقام اور قیام ہے۔ فخر کو توڑنے اور آسمان کی فضیلت کو بڑھانے کے لئے عالم علوی کو اس موقعہ کے لئے چنا گیا۔

چوتھے یہ کہ معراج آسمان پر نہ ہوا۔ بلکہ ماوراء سموات تھا جس پر لامکان کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور جہاں تجلیات ربانی کی اس قدر چمک ہے۔ کہ مولانا جامیؒ کے الفاظ میں جبرئیل امین بھی یوں کہنے لگے۔

Marfat.com

بگفتا فراتر مجالم نماند | بماندم کہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سرِ موئے برتر پرم | فروغِ تجلی بسوزد پرم

ہاں حضور آسمانوں سے گذرتے ہوئے اس مکان لامکان پر پہنچے۔

پانچویں یہ کہ۔ اگر آپ کو زمین پر معراج ہوتا تو پھر بھی تو یہی اعتراض وارد ہوتا کہ آپکو آسمانوں پر کیوں نہ ہوا۔ زمین کو اس کے لئے کیوں منتخب کیا گیا جو جواب آپ اُس حالت میں دیتے۔ اُسی جواب کو اس حالت کے لئے بھی کافی سمجھ لو۔

آٹھویں اعتراض کا جواب۔ رات کو معراج کے لئے اسواسطے پسند فرمایا گیا کہ رات ہی علیٰ التقانہ رازونیاز کے لئے مناسب ہوتی ہے۔ رات بچھڑوں کو ملاتی ہے۔ رات ستار ہے۔ اور ستار حقیقی کی صفت میں رنگی ہوئی ہے۔ اور یہی منہ وجہ اشتراک انتخاب کا باعث بنا۔ رات عدم پر دلالت کرتی ہے اور عدم میں وجودِ معراج کا پایا جانا انسان کے لئے ایک نہایت نصیحت آمیز نکتہ ہے۔ کہ اے انسان تو اپنے عدم سے وجود میں آنیکو یاد کر۔ اور پھر اس وجود عارضی سے ایسا کچھ کام لے۔ کہ دوام بھی اس بیدرامی کا غلام بیدام بن جائے۔ رات اپنی ٹھنڈک۔ آرام۔ اور آسائش کے لحاظ سے جنت کا نمونہ ہے بلکہ دن بوجہ تپش مصیبت۔ تکلیف اور کشاکش کے دوزخ کے مشابہ ہے اسواسطے تفاؤلا رات کو منتخب کیا گیا۔ تاکہ اس واقعہ کے ماننے والوں اور صاحب معراج کی اقتدار کرنیوالوں کو سراجنت کی بشارت بھی ہو جائے۔ معراج کیلئے رات کے وقت کو منتخب کرنے میں یہ بھی حکمت تھی تاکہ ظاہر ہو جائے۔ کہ کون ایمان بالغیب لاتا ہے۔ اور کون نہیں لاتا۔ اسی رات ہی کے وقت نے ابوجہل کی جہالت اور صدیق رضی کی صداقت کا اظہار کیا۔ کیونکہ اگر دن ہوتا تو معتقدین و منکرین سب آنکھوں سے عروج سماوی کو دیکھتے تو یہ ان کے ایمان کو پرکھنے کے لئے صحیح کسوٹی ثابت نہ ہوتی۔ کیونکہ اُس صورت میں انہیں اس وقوعہ کے ماننے میں انکار کی گنجائش نہ رہتی۔ ہاں یہ ممکن تھا کہ بدبخت اس کو سحر کی طرف منسوب کرتے اور نیک بخت اس سے اطمینان قلب اور قوت ایمانی حاصل کرتے پھر اس کے علاوہ قرآن پاک نے ذات گرامی کو

Marfat.com

سِرَاجًا مُّنِیْرًا کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ سراج یا سورج یا روشنی کی ضرورت اندھیرے میں ہوتی ہے۔ کوئی چراغ کو دن کے وقت روشنی میں نہیں جلایا کرتا گویا سراجاً منیراً کو رات کے وقت معراج کرانے میں یہ اشارہ فرمادیا کہ اے حبیب۔ آپ کفر کی تاریکی اور شرک کی ظلمت کو دور کرنے کیلئے چراغ ہیں۔ اور جیسے ہم رات کے وقت آپ کو آسمانوں کی سیر کرانے کو لے جارہے ہیں۔ اسی طرح آپ کا دین۔ آپکا نام اور آپکا اسلام کفر و شرک کی راتوں میں آسمان شہرت اور قبولیت پر چڑھا دیا جائیگا۔ چنانچہ اس معراج کیطرف وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں اشارہ فرما دیا۔ یعنی ہم نے آپ کے ذکر کو جس میں آپکا نام آپ کی رسالت۔ آپ کا کام۔ اور آپ کا اسلام سب کچھ آگیا۔ بلند اور اونچا کردیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کی عجیب و غریب تفسیر

کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے۔ کہ حضور کے نام نامی اور آپ کے دین سامی کو کس طرح بلند اور رفیع کردیا گیا۔ اور قرآنی وعدہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کو کس طرح پورا کر کے تمام دنیا پہ آپکے ذکر کو پھیلا دیا گیا۔ دیکھو میں آپ کے سامنے اس کی تشریح کرتا ہوں۔ اور آپ اسے سن کر حیران ہونگے۔ کہ دنیا کے کسی نبی کسی بادشاہ کسی ولی اور کسی انسان کو یہ درجہ نہ ملا۔ اور انکا ذکر اتنا بلند نہ ہوسکا جتنا کہ آمنہ کے یتیم لاڈلے اور عبدالمطلب کے ایک بیکس پوتے کے ذکر کو رفیع و منیع کردیا گیا۔ سچ ہے۔ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ط

جس طرح یہ حقیقت ہے۔ کہ سورج سطح ارضی سے کبھی بھی غروب نہیں ہوتا بلکہ اگر ایک جگہ اس کا غروب ہوتا ہے۔ تو دوسری جگہ طلوع۔ بعینہ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ذکر کا سورج کبھی بھی صفحہ زمین سے غروب نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر ایک جگہ اس کا غروب نظر آتا ہے۔ تو دوسری جگہ اس کا طلوع ہوتا ہے۔ اگر ایک جگہ اس کی ظہر ہوتی ہے۔ تو دوسری جگہ عصر۔ تیسری جگہ مغرب نظر آتی ہے۔ تو چوتھی جگہ عشا۔ کیوں؟ دیکھو۔ زمین گول ہے اور

Marfat.com

آپ یہ جانتے ہیں کہ سورج مشرقی مقامات پر مغربی مقامات سے پہلے ظاہر ہوتا ہے۔ جو مغربی مقام کسی مشرقی مقام سے ایک عرض بلد کے فاصلے پر واقع ہوتا ہے تو وہاں سورج اُس مشرقی مقام سے پانچ منٹ پیچھے طلوع ہوتا ہے۔ اور اس طرح جتنا کسی مقامات میں فاصلہ زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی اُن میں طلوع کا فرق بھی زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر آپ کو یہ بھی تو معلوم ہے کہ باری تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج اسلامی آفتاب کی کرنیں تاریک سے تاریک کونوں تک پہنچ چکی ہیں اس وقت اگر ایک طرف یورپ کے صلیب پرستوں کے درمیان اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا آذان بلند ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف جاپان کے بت پرستوں کے درمیان رسالت محمدی کا اعلان سنائی دیتا ہے۔ تو گویا سطح ارضی کا شاذ و نادر ہی کوئی ایسا قطعہ ہو گا۔ کہ جہاں پر اسلام کی روشنی پہنچی ہو۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جہاں پر اسلام ہو گا۔ وہاں پر مسلمان نماز بھی پڑھتے ہونگے جس سے ہر نماز کے پہلے اُنہیں ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر اشهد ان لا اله الا الله کے ساتھ اشهد ان محمدا رسول الله کا بھی اعلان لازمی طور پر کرنا ہو گا۔

اذان کو ہر نماز جماعت سے اوّل کیوں لازمی قرار دیا ہے۔

اور اس اعلان توحید اور رسالت کو مسلمانوں پر اس لئے لازمی کر دیا گیا ہے۔ کہ ایک تو وہ دنیا میں اپنی پیدائش کا صحیح مطلب یاد رکھیں۔ اور وہ مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ کی وحدانیت اور حضور کی رسالت کا پرچار دنیا کے کونے کونے میں کر دیا جائے۔ ورنہ ان سے پہلے بھی دنیا آباد تھی دنیا میں یہودی۔ عیسائی۔ گبر اور آتش پرست موجود تھے۔ پھر اس قوم کو کیوں پیدا کیا گیا اس قوم کی پیدائش کا صرف ایک ہی مقصود تھا۔ اور وہ یہ کہ دنیا کو توحید کی طرف بلائے۔ انہیں شرک کی تاریکی سے نکال کر اسلام کی روشنی میں لائے۔ ایک تو اس لئے ہر نماز کے ساتھ لازماً مسلمانوں کو اس مقصود کے اعلان کر دینے کا حکم ہوا۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ آج سے اسلام کی کسی چیز کو نہ چھپایا جائیگا۔ بلکہ تمام دنیا میں پانچ وقت اپنی ہستی۔ اسلام کے مقدس وجود۔ رب العزت

Marfat.com

کی توحید، فخر موجودات کی رسالت کا اعلان ہوتا ہی رہیگا۔ اور سچا مسلمان اسلام کی کسی بات کو کسی وقت میں بھی چھپانے کی کوشش نہ کریگا۔ مگر اسوقت مسلمانوں کی ایک عجیب حالت ہے۔ غیر قوموں کے سامنے نماز پڑھتے ہوئے شرمائینگے۔ کہ یہ ہمارے سجدہ کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہمارے ساتھ مذاق اڑائینگے یورپین میں ٹوپی پہن کر جانے میں ہچکچائینگے۔ کہ وہ ہماری ٹوپی دیکھ کر ہمارے ساتھ استہزا کرینگے۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اول تو اس قوم نے ہماری کونسی چیز کے مذاق نہیں اڑائے۔ ہماری غلامی نے ہماری اعلیٰ سے اعلیٰ چیزوں کو ان کی نظروں میں بے قدر کر دیا ہے۔ یہ ہماری عبادتوں طریقوں اور رسموں کا قصور نہیں بلکہ اس سب قصور کا منبع اور مصدر ہماری غلامی ہے آج چونکہ ان کی سلطنت ہے حکومت ہے اور طاقت ہے۔ اسلئے ان کی غیر مہذب سے غیر مہذب حرکات بھی نوجوانوں کی نظروں میں پسندیدہ اور جاذب معلوم ہوتی ہیں۔ آج ان کی فحاشی، بدمعاشی اور عیاشی کچھ زیادہ عیبدار معلوم نہیں ہوتی۔ انکا رقص، انکا آفتابی غسل، انکا ایک دوسرے کی کمروں میں ہاتھ ڈالے ہوئے کھلے بازار پھرنا، انکا سر راہے ایک دوسرے کے بوسوں سے لطف انگیز ہونا۔ آج ان کی اسفل ترین تہذیب اور ارذل ترین غیر مہذبیت کے کھلے مظاہر ہیں مگر حکومت و دولت اور قوت کے ملمع سے آج یہ بدتہذیبیاں بھی تہذیب کا اعلیٰ نمونہ کہلائی جاتی ہیں پھر ایسی مقلوب الفطرت قوم کے استہزا اور تمسخر کیوجہ سے سجدہ کرتے ہوئے ہچکچانا، یا ٹوپی پہن کر ان کی مجلسوں میں جانے سے گریز کرنا کہاں کی دانائی اور قوت ایمانی ہے

سجدہ غایت تذلل کیوں ہے

سجدہ رب العزت کے سامنے غایت تذلل اور نہایت عاجزی کا اظہار ہے کیونکہ زمین دنیا کی تمام چیزوں سے کم درجہ کی چیز ہے۔ پاؤں کے نیچے روندی جاتی ہے پیشاب پاخانہ اس پر ڈالا جاتا ہے۔ گدھے۔ کتے اور سور تک اس پر چلتے ہیں۔ اور دنیا کی حقیر سے حقیر چیز بھی اس سے اپنی خدمت لیتی ہے مگر اس کے برعکس انسان تمام دنیا کی مخلوقات سے اشرف اور افضل ہے۔ اس کے سر پر وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ کا جگمگاتا ہوا تاج ہے۔ اور خلافت ربانی کے مقدس عہدہ

Marfat.com

سے ممتاز ہے۔ اب تمام جسم میں منہ اشرف الاعضا ہے کیونکہ کسی انسان کا حسن و قبح۔ اس کا رعب وداب۔ اس کا اثر و تاثر اسی سے ظاہر ہوتا ہے مگر دیکھو ایک ساجد انسان اپنے اس اعلیٰ عضو یعنی منہ کو دنیا کی خسیس اور کم مرتبہ چیز یعنی زمین پر رکھ کر باری تعالیٰ کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کرتا ہے۔ اور پھر یوں بھی نہیں۔ بلکہ اُسے دھو کر پاک اور صاف کر کے دربار باری میں اظہار تذلل کے لئے زمین پر رکھ دیتا ہے۔ تو اب آپ ہی بتائیں۔ کہ سجدہ کا مذہب اسلام میں کہ مذہب عشق و محبت ہے۔ کتنا درجہ اور نمبر ہوگا۔ اسی طرح ٹوپی کے متعلق انکا استہزا اگر غور کرو تو ٹوپی سے نہیں۔ بلکہ اسلام سے ہے کیونکہ اگر یہ لوگ ٹوپی سے مذاق اڑاتے تو اپنے ٹوپی پہننے والوں سے کیوں نہیں اڑاتے۔ بات یہ ہے کہ وہ ہماری ٹوپی کو پہچان کر سمجھ جاتے ہیں۔ کہ یہ مسلما ہے اسواسطے وہ پھر مذاق کرتے ہیں۔ اور ہمارے نوجوان ان کے مذاق سے چھپ کر فوراً ٹوپیوں کو اتار لیتے ہیں تاکہ ہمارا مسلمان ہونا ظاہر نہ ہو سکے۔ اور اس طرح ہم اُن کے مذاق سے بچ جائیں مگر یہ طریقہ مذاق سے بچنے کا کسی طرح پسندیدہ نہیں کیونکہ اس میں گویا ہم اپنے اسلام کو چھپانے کا جرم کرتے ہیں۔ حالانکہ اذان کا پانچ وقتہ اعلان ہمیں اس جرم سے بچنے کی سخت تلقین کر رہا ہے

غیروں کے مذاق کا جواب اُن کے مذاق سے دو

ایسے مذاق کا قرآن پاک نے یہ علاج بتایا ہے۔ کہ اگر وہ تمہاری ٹوپی سے مذاق کرتے ہیں۔ تو تم بھی اُن کے ننگا سر ہونے کا تمسخر اڑاؤ۔ اور صاف کہہ دو فَاِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ

ہاں جہاں پر مسلمان کمزور ہوں۔ طاقت نہ ہو۔ تعداد نہ ہو۔ تو وہ ایک الگ معاملہ ہے مگر طاقت۔ قوت۔ اور تعداد کے ہوتے ہوئے۔ نماز نہ پڑھنا یا ان کی مجالس میں ٹوپی پہنے ہوئے جانے میں ہچکچانا خوئے بد را بہانہ بسیار نہیں تو اور کیا ہے۔

تو بات یہ بیان ہو رہی تھی۔ کہ جہاں پر اسلام ہوگا۔ وہاں مسلمان نماز پڑھتے وقت لازمی طور پر اذان دے کر حضور کی رسالت کا اعلان کریں گے۔ تو گویا دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی مقام

Marfat.com

پر حضورؐ کا ذکر خیر ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور چوبیس گھنٹے میں سے ایک لمحہ یا ایک دقیقہ بھی ایسا نہیں مل سکتا۔ کہ جس میں آپ کے نام نامی کا اعلان نہ کیا جاتا ہو۔

ورفعنا لک ذکرک کی زندہ مثال

مثلاً صبح کے وقت جب جزائر فلپائن کی مسجدوں سے اشھدان محمد رسول اللہ کی آواز بلند ہوتی ہے تو یہی آواز سورج کے طلوع کے ساتھ ساتھ سطح ارضی کو طے کرتے ہوئے ایک گھنٹہ بعد جاوا کے لوگوں کو خواب نوشیں سے ہشیار کرتی ہے۔ اس کے بعد جاوا کے مغربی مقامات سے رسالت کی نوبت بجتی ہوئی ٹھیک ایک گھنٹہ بعد کلکتہ کی فضا سے یہ دلکش ترانہ بلند ہوتا ہے پھر ایک گھنٹہ بعد بمبئی کی مسجد میں اس مقدس آواز سے گونجتی ہیں۔ تو دوسرے گھنٹے میں ورفعنا لک ذکرک کی لہر افغانستان سے ہوتی ہوئی وسط ایشیا اور پھر سمرقند سے ہو کر بخارا پہنچتی ہے۔ بخارا میں ابھی صبح ہی ہوتی ہے کہ پھر فلپائن پر ظہر کا نقارہ بجنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہ ذکر محمدی کی رو یہاں سے کچھ ہی آگے بڑھتی ہے۔ کہ فلپائن پر عصر کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح وہ لہر جو یہاں سے صبح کے وقت رواں ہوئی تھی۔ ابھی تک پوری دنیا کو طے نہیں کرنے پاتی۔ کہ مغرب اور عشاء کے بعد پھر صبح کا وقت ہو جاتا ہے۔ اور پھر پہلی غیر مختتم رو کے پیچھے دوسری رو کو رواں کر دیا جاتا ہے۔ ذکر حبیب کی وہ پہلی رو جو فلپائن سے صبح کے وقت روانہ ہوئی تھی۔ وقت روانگی کے عین چھ گھنٹے بعد مکہ معظمہ میں پہنچتی ہے۔ اور پھر یہی لہر ساتویں گھنٹے میں قاہرہ سے ہوتی ہوئی آٹھویں گھنٹے میں ٹریپولی پہنچتی ہے۔ وہاں سے نویں گھنٹے میں لیبریا کی بستیوں سے ٹکراتی ہوئی اور بحر اوقیانوس کو طے کرتے ہوئے فری ٹاؤن سارلیون میں جا گونجتی ہے۔ یہ تو ذکر رسول کی پہلی ہی لہر کا بیان ہے۔ اسکے پیچھے تو ظہر عصر مغرب اور عشا کی لہریں بڑی تیزی سے سطح دنیا کو طے کرتی ہوئیں آرہی ہیں۔ اور ابھی وہ رستے ہی میں ہوتی ہیں۔ کہ فلپائن پھر دوبارہ صبح کا نغمہ ان کے پیچھے جاری کر دیتا ہے۔ اور اسطرح سید المرسلین شفیع المذنبین مراد العاشقین اور رحمۃ للعلمین کے نام نامی اور ذکر سامی کا غلغلہ دنیا کے کونے کونے

Marfat.com

سے ہزاں اور ہر لحظہ بلند کر کے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ کے مقدس وعدے کو پورا ہوتے ہوئے دکھایا جاتا ہے

یا صاحب الجمال و یا سید البشر — من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللھم صل علی سیدنا و نبینا و مولنا محمد و علی الہ و اصحابہ کما تحب و ترضی۔

اب یہاں سے پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفسیر میں منعم علیہم چار فرقے بیان ہوئے پہلا فرقہ انبیاء علیہم السلام کا تھا جس کا مفصل بیان ہو چکا ہے۔ دوسرا فرقہ صدیقین کا کہ جس کا بیان چل رہا ہے۔ اور جس کے ضمن میں اور بہت سے مفید اور نادر نکات بیان ہوئے۔ اب صدیق کے متعلق اور کچھ بیان کرنے کی بجائے پہلی تقریر کا خلاصہ سمجھا کر منعم علیہم کے تیسرے گروہ شہداء کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ صدیق کی تشریح و توضیح کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ یہ فرقہ انبیاء علیہم السلام کی قوت نظریہ کا کامل عکس ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام کی باتوں کی تصدیق کرنے میں امت کے باقی لوگوں سے پیش پیش ہوتا ہے۔

شہید کا بیان

اب اسکے بعد منعم علیہم کے تیسرے فرقے یعنی شہداء کے متعلق عرض کرتا ہوں شہداء جمع ہے شہید کی اور شہید کہتے ہیں گواہ کو سو وہ لوگ جو اپنی گردنوں کو اللہ کے رستے میں کٹاتے ہیں۔ تو گویا وہ بھی نبی کی صداقت اور اس دعویٰ کی سچائی پر گواہ ہوتے ہیں جب وہ پیغمبر کی زبان فیض ترجمان سے سنتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے رستے میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ تو اس کو اس کا اتنا اتنا درجہ دیا جاتا ہے۔ تو وہ اس پر صدق دل سے یقین کر کے اپنے مال کو اس اخروی تجارت میں لگا دیتے ہیں اور جب لسان نبوی سے انکے کانوں میں یہ آواز آتی ہے کہ جو اپنی جانوں کو اللہ کے رستے میں قربان کرتے ہیں۔ تو ان کو یہ بدلہ دیا جاتا ہے۔ تو وہ پیغمبر کے ان الفاظ پر اپنی جانوں کو رب العزت کے رستے میں نثار کر دیتے ہیں۔ تو گویا وہ پیغمبر کے الفاظ کو صرف وعدے کی حیثیت سے نہیں سنتے بلکہ عقیدے کی پختگی انکے

Marfat.com

سامنے سے دنیوی حجابات کو دور کر کے ان وعدوں کو حقائق کی صورت میں لا کھڑا کرتی ہے۔ اسواسطے وہ مال وجان جیسی قیمتی چیز کو اس بازی میں دینا ایک نہایت ادنیٰ کام سمجھتے ہیں۔

جنگ بدر کا ایک عجیب واقعہ

جنگ بدر میں جب ایک صحابی کی لڑنے کی باری آئی۔ تو اپنے مشکیزہ کھول کر پانی پینا چاہا حضورؐ نے فرمایا کہ اے شخص کیا تو نہیں دیکھتا۔ کہ جنت کی حوریں کوثر کے بھرے ہوئے گلاس لئے تیرا انتظار کر رہی ہیں صحابی کا یہ سننا تھا۔ کہ مشکیزے کو ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور میدان کارزار میں جا کر ایسی بہادری سے لڑے کہ اپنے اور پرائے سب آپ کی شجاعت سے دنگ رہ گئے۔ مگر چونکہ حضورؐ نے کوثر کے لفظ میں اسے جنت کی خوشخبری دی تھی۔ اسلئے اس وعدہ مبارک کا پورا ہونا ضروری تھا چنانچہ آپ نہایت مردانگی اور بسالت کے ساتھ لڑتے ہوئے دین کی حمایت میں شہید ہو گئے۔ اور حضورؐ کے مقدس وعدے کے مطابق منتظر حوروں کے ہاتھوں سے کوثر کا مزا چکھا۔ تو مطلب یہ ہے کہ شہید نبی کے وعدوں کی سچائی پر ایک کامل شاہد ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے عمل سے ثابت کر دکھاتا ہے۔ کہ گویا وہ نبی کے وعدوں کو ان دنیوی آنکھوں سے عملاً مشاہدہ کر رہا ہے۔ اسی لئے وہ اتباع نبوی میں اپنی گردن کٹانے کو اسقدر لذیذ سمجھتا ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ دنیا کا کوئی نیک انسان مرنے کے بعد اس دنیا میں آنیکی تمنا نہیں کرتا مگر شہید وہ چاہتا ہے کہ اسے دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے۔ تاکہ پھر وہ پہلے کی طرح اللہ کے رستے میں اپنی گردن کو کٹوائے۔ اور اسی طرح پھر سہ بارہ زندہ کیا جائے تاکہ راہ جاناں میں سہ بارہ قربان ہونے کی پر کیف لذت کو چکھے۔

جس طرح صدیق انبیاء علیہم السلام کی قوت نظریہ کا کامل پرتو ہوتا ہے۔ اسیطرح شہید انکی قوت عملیہ کا پورا پورا عکس ہوتا ہے جس طرح وہ انبیاء علیہم السلام کی باتوں کی بلا تامل تصدیق کرتا ہے اسی طرح یہ بھی ان کے ہر ارشاد پر عمل کرنے کے لئے کمربستہ رہتا ہے۔

صالحین کا بیان :- اب اسکے بعد منعم علیہم کا چوتھا گروہ صالحین کا ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام

Marfat.com

کی قوت نظریہ و عملیہ کا معتدل عکس ہوتے ہیں۔ ان کی قوتیں اگرچہ صدیق و شہید کی قوتوں سے دوسرے درجے پہ ہوتی ہیں مگر پھر بھی انبیائے کرام کی اتباع سے یہ اپنے ظاہر و باطن کو ایسا صاف کر لیتے ہیں، کہ اگر ایک طرف انکا اعمال حسنہ سے مزین ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف انکا باطن عقائد حقہ سے آراستہ۔ انکا شیوہ صلح کل ہوتا ہے۔ وہ ہر ایک سے نہایت پیار و محبت سے پیش آتے ہیں۔ اور کسی سے اپنا ذاتی انتقام لینا جائز نہیں سمجھتے

صلح کل سے کیا مراد ہے

صلح کل سے یہ نہ سمجھ لینا۔ کہ وہ صالح و طالح اور نیک و بد سے یکساں سلوک کرتے ہیں۔ اور اُن کا طریقہ "با مسلماں اللہ اللہ۔ با ہنود اں رام رام" ہوتا ہے کیونکہ یہ تو صریح منافقت ہے اسی کو تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا ہے۔ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ یعنی منافقوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے خلیفوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تو اس قسم کی صلح کل تو منافقت ہے نہ کہ مرد صالح کی شان

منافقت اور صلح عام کے فرق کی ایک مثال

کسی کتاب میں نظر سے گذرا کہ ایک پیر صاحب نے اپنے دو مریدوں کو کسی شہر میں بھیجا اور وصیت فرمائی کہ لوگوں سے صلح و آشتی کے ساتھ گذارہ کرنا۔ کچھ عرصہ گذرا کہ دونوں مرید مرشد کی ملاقات کیلئے حاضر ہوئے۔ آپنے دونوں سے لوگوں کے تعلقات کے متعلق پوچھا۔ ایک مرید نے تو عرض کی کہ حضور اللہ کے فضل و کرم سے شہر کا ہر چھوٹا بڑا نیک و بد مجھ سے راضی اور خوش ہے۔ اور آجتک کسی کو بھی مجھ سے شکایت کا موقعہ نہیں ملا۔ دوسرے نے عرض کی حضرت مجھ سے بعض تو راضی ہیں اور بعض ناراض بعض خوش ہیں اور بعض خفا لیکن میرے دل میں انکی رنجش سے نہ کچھ انقباض ہوتا ہے۔ اور نہ اثر۔ بلکہ انکی خفگی کے باوجود میں ان سے اچھے تعلقات رکھتا ہوں۔ اس پر آپنے پہلے کو فرمایا۔ کہ میاں تیری چال تو منافقانہ ہے کیونکہ نیک تو تیری نیکیوں اور وعظ و نصیحت سے راضی ہوتے ہیں مگر فاسق و فاجر انسان تیرے اس طریق

Marfat.com

سے کس طرح خوش ہو سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ تو مداہنت سے کام لیتا ہے۔ اور ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ دوسرے سے آپ نے فرمایا کہ تو مخلص اور صالح ہے۔ صالح کا کام یہی ہے کہ وہ امر بالمعروف کرتا رہے۔ اور اس ابلاغ احکام میں اس کے نفس کا کچھ تعلق نہ ہو۔ بلکہ نفس کی حیثیت سے وہ سب کے ساتھ میل جول رکھے مگر جب اللہ کے احکام بیان کرنے کا وقت ہو تو نفس شخصیت، اور ذاتی حملوں سے نہایت بلند و بالا مقام پر بیٹھ کر تبلیغ و ارشاد کے فرض کو سرانجام دے جس سے محبت رکھے وہ حب فی اللہ ہو۔ اور جس سے بغض رکھے تو وہ بھی محض دین کیلئے ہو تو اگرچہ یہ بغض ظاہراً بغض نظر آتا ہے مگر حقیقت میں محبت ہے۔ اور یہ محبت ایسی ہے جیسے کہ کسی کو پھوڑا یا پھنسی نکل آتا ہے تو ڈاکٹر نہایت گہرا نشتر لگا کر گندے مواد کو نکال دیتا ہے چھوٹا بچہ اور نادان انسان تو سمجھتا ہے۔ کہ ڈاکٹر میرے ساتھ دشمنی کر رہا ہے۔ کہ میرے جسم کو نہایت بیدردی اور بے رحمی کے ساتھ چاقو سے کاٹ رہا ہے مگر عاقل انسان خوش ہوتا ہے۔ کہ یہی اپریشن جو اس وقت تکلیف کا باعث دکھائی دیتا ہے۔ مآل کار آرام راحت کا سبب بن جائیگا۔

سچ ہے۔ طفل مے لرزد ز نیش احتجام — مادر مشفق اناں خوش شاد کام

تو صالح کے مصلح عام ہونے کا مطلب نیک و بد کی ہاں میں ہاں ملانا نہیں ہوتا۔ بلکہ جیسے اسکی محبت للہ ہوتی ہے ایسے ہی اس کی رنجش بھی فی اللہ ہوتی ہے۔ اور ایسی رنجش جو اللہ کے لئے ہو۔ وہ رنجش کے رنگ میں کمال محبت اور شفقت ہوتی ہے۔

تو اب صراط الذین انعمت علیہم کا مطلب یہ نکلا کہ اے اللہ ہمیں انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین کا رستہ دکھا۔ گویا دوسرے الفاظ میں اللہ تعالیٰ مصلی کو تلقین فرماتا ہے۔ کہ اے نمازی۔ اگر تجھے صراط مستقیم پر چلنے کی خواہش ہے۔ اور تیرے یہ دعائیہ الفاظ اپنے اندر کچھ حقیقت رکھتے ہیں۔ تو تجھے چاہیے۔ کہ ان چار منعم علیہم فرقوں کے طریق عمل کو اپنا رہنما بنا۔ اور ان کے اسوۂ حسنہ سے سبق سیکھ کر ان کے چلے ہوئے رستے پر چلنے کی کوشش کر۔ کیونکہ انہی کا رستہ صراط مستقیم اور سبیل قویم ہے۔

Marfat.com

منعم علیہم فرقوں کے رستوں پر چلنے کی تشریح

مثلاً جس طرح انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ حق کیلئے دنیا کی مخالفتوں کو برداشت کیا۔ امر بالمعروف کی پاداش میں پتھر کھائے گھر سے بے گھر ہوتے۔ آگ میں ڈالے گئے آروں سے چیرے گئے مگر خدا کے احکام کو ہر حال میں لوگوں تک پہنچا دیا۔ اسی طرح تو بھی تبلیغ حق کیلئے مخالفتوں کی بوچھاڑ کا مقابلہ کر۔ نیک باتوں کو جس طرح بنے لوگوں تک پہنچا۔ اور اس پہنچانے میں اگرچہ تجھے تکلیف دی جائے۔ ذلیل کر کے جلا وطن کر دیا جائے مگر تیرے پاؤں انبیاء کرام کی اتباع میں جادہ استقامت سے ذرہ برابر لڑکھڑانے نہ پائیں۔ پھر صدیقین کی طرح تمام تکلیفات کا مقابلہ کر کے پیغمبر کی معیت حاصل کرنے کو اپنا فخر جان۔ اور پیغمبر کی معیت یہی نہیں کہ تو جسمانی سے قریب ہو۔ بلکہ روحانی اور تقلیدی قرب بھی ایک نہایت شاندار معیت ہے۔ اسواسطے انکی اتباع میں اگر تجھے تکلیف پہنچے تو تو اسے بطیب خاطر برداشت کر۔ مگر انکی روحانی معیت کو کسی حال میں مت چھوڑ۔ اسکے بعد اگر اسلام کو تیرے مال یا جان کی ضرورت پڑے۔ تو تجھے چاہیے کہ شہداء کرام کی زندگیوں کو پیش نظر رکھ کر اپنے مال وجان کو دین کی عزت کیلئے قربان کر۔ کیونکہ انسان کو چار چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں کہ ان میں سے ایک کے ذریعے دوسری کی حفاظت کی جاتی ہے۔

چار چیزیں کہ ایک سے دوسرے کی حفاظت کرنی چاہئے

وہ چار چیزیں کہ جن میں سے ایک سے دوسرے کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہ ہیں ایک مال۔ دوسرے جان تیسرے عزت اور چوتھے ایمان۔ ان چاروں میں مال سب سے ادنیٰ اور ایمان سب سے اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ اسواسطے حکم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص مال کو خرچ کر کے اپنی جان کو بچا سکے۔ تو اسے چاہیے۔ کہ مال کو جان کی حفاظت کے لئے قربان کر دے۔ مثلاً ایک شخص بیمار ہے اور مرض کی تشخیص اور علاج کیلئے ڈاکٹر کو کچھ دینا پڑتا ہے تو مال کو جان کی خاطر صرف کرنے سے دریغ

Marfat.com

نہ کرے۔ یا ڈاکو اور لٹیرے اُسے مارنا چاہتے ہیں مگر وہ مال دیکر اپنی جان بچا سکتا ہے۔ تو اُسے چاہیئے کہ مال دیکر اپنی جان بچائے۔ اسکے بعد عزت ہے۔ اگر کسی کا مال اور جان دونوں جاتے ہوں مگر اسکی عزت محفوظ رہتی ہو۔ تو اُسے چاہیے کہ اپنی عزت بچانے کیلئے مال اور جان دونوں کو خرچ کر ڈالے اسکے بعد ایمان ہے یہ ایسی قیمتی چیز ہے کہ اگر اسکی حفاظت کیلئے مال، جان، اور عزت تینوں قربان ہوتی ہوں تو چاہیئے کہ تینوں کو قربان کر کے اس دُرِ یگانہ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ یہ ہے تو سب کچھ ہے۔ اور یہ نہیں تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی کچھ نہیں۔ اسلئے شہداء کرام دین کی حفاظت کیلئے۔ کہ منبع ہے ایمان کا۔ اپنے مال جان اور عزت سب کو قربان کر دیتے ہیں۔

مگر بھائیو آج ہمارا معاملہ تو اس بیان کے بالکل اُلٹا نظر آتا ہے۔ آج اگر ایک مقابلے میں ایمان اور مال کا مقابلہ ہوتا ہے تو ہم مال پر ایمان کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ مال پر ایمان کو قربان کرنا نہیں۔ کہ ہم دنیا کی چند خسیس کوڑیوں کے کمانے کیلئے محض گاہکوں کو دھوکا دینے کیلئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، ایمان کے واسطے دیکر مکر و فریب سے کچھ کما لینا آج ہمارے نزدیک نہایت چالاکی اور کمال سمجھا جانے لگا ہے۔ اسیطرح اگر جان یا عزت کیساتھ مال کا مقابلہ ہوتا ہے تو وہاں پر بھی ہم مال پر ان دونوں کو بلا دریغ قربان کر دیتے ہیں کیونکہ آج ہماری زندگی کا مفہوم سوائے کسب مال کے اور کچھ رہا ہی نہیں لیکن بھائیو۔ یہ مفہوم غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری زندگی کے مفہوم کو وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ میں مفصل و مصرح بیان فرما دیا ہے۔ اور چونکہ عبادت مصدر ہے ایمان کا۔ تو گویا ہماری زندگی کا صحیح مفہوم حفاظت ایمان اور صیانت دین ہے

خلاصہ کلام

اب جب معلی انبیاء علیہم السلام کیطرح تبلیغ حق میں ثابت قدم رہنے کا تہیہ کر لیتا ہے پھر اس فیصلے کے بعد وہ صدیقین کی طرح انکے رنگ میں رنگے جانے کی کوشش کرتا ہے، اور پھر اس علمی کوشش کے ساتھ شہداء کی طرح عملی قدم بھی اٹھاتا ہے۔ تو اب اسے گروہ صالحین

Marfat.com

کے ساتھ مل جانے کا ارشاد ہوتا ہے۔ جہاں پر کہ وہ بیک وقت صدیقین و شہداء کی قوت نظریہ و علمیہ کو بالاعتدال استعمال کر کے اپنے ظاہر و باطن کو تزکیہ تصفیہ سے مزین کر لیتا ہے۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا۔ کہ نمازی نے جب اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی التجا کی تو اسی کی زبان سے صراط مستقیم کی توضیح اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے کر دیگئی۔ اور پھر اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفسیر القرآن یفسر بعضہ بعضا کے مطابق دوسری جگہ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ کے ساتھ کر کے یہ اشارہ فرما دیا کہ صراط مستقیم انہی چار گروہوں کی اتباع میں منحصر ہے۔ اس واسطے صراط مستقیم کے متلاشی کو چاہیے۔ کہ وہ ان مقدس گروہوں کے چلے ہوئے رستوں پر گامزن ہو تا کہ بلا تکلیف منزل مقصود اور قصد مطلوب تک پہنچ سکے۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ: نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر غضب کیا گیا ہے اور نہ گمراہوں کا۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ صراط مستقیم نام ہے معتدل اور بین بین رستے کا یعنی وہ رستہ جو افراط اور تفریط۔ زیادتی اور کمی سے پاک ہو اب اگرچہ صراط مستقیم کی توضیح صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ سے کر دیگئی تھی مگر چونکہ اس حاضری۔ عبادت اور دعا کا مقصود صرف صراط مستقیم کی طلب تھی۔ اسلیے باری تعالیٰ صراط مستقیم کے دونوں مذموم پہلو یعنی افراط و تفریط کو بیان فرما کر مزید وضاحت فرماتے ہیں تا کہ سالک کو راہ میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ اور مستقیم رستہ غیر مستقیم کے ساتھ مشتبہ نہ ہو جائے۔

سب سے پہلے تفریط کے پہلو کو المغضوب علیہم کے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں یعنی نہ رستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے غضب نازل فرمایا۔ غضب کے معنی ہیں سزا کے ارادے سے خون کا جوش مارنا۔ مگر چونکہ اسجگہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ اسلیے یہاں اس سے صرف اس کی غایت اور غرض مراد ہے یعنی سزا۔ عتاب اور عقاب وغیرہ۔

اسکے بعد ضالین میں افراط کی جانب کو بیان فرمایا ہے یعنی نہ رستہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہیں ضالین جمع ہے ضال کی اور ضال مشتق ہے ضلال سے جسکے معنی ہیں سیدھی راہ سے ہٹ جانا خواہ

Marfat.com

عمداً ہو یا سہواً۔ یا سلوک طریق لا یوصل الی المطلوب یعنی ایسے رستے پر چلنا جو مقصود تک نہ پہنچائے بس ضالین وہ لوگ ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے یا ایسے راہ پر چلے جو انہیں مطلوب تک نہیں پہنچاتا اب جب آپ یہ سب تشریح سمجھ گئے۔ اور یہ بھی آپکو معلوم ہے۔ کہ صراط مستقیم نام ہے راہ معتدل کا اور پھر وہ رستہ قرآن پاک کی رو سے انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین کا رستہ ہے تو اب یہ سمجھو۔ کہ اس رستے میں افراط اور تفریط کیا ہے۔ اور پھر تفریط والے فرقے کو مغضوب علیہم اور افراط والے کو ضالین کیوں کہا جاتا ہے

صراط مستقیم میں افراط و تفریط اور اس کا یہود و نصاریٰ پر انطباق

صراط مستقیم یا مذکورہ منعم علیہم فرقوں کے متعلق تفریط تو یہ ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرے۔ اُن کے قتل کے درپے ہو۔ اُن کی شریعتوں کی نافرمانی کرے۔ اور اُن کی شان کو اُن کے اصلی مرتبہ سے گھٹائے۔ اور افراط یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو خدا یا الٰہ بنایا جائے ان کے شرعی احکام میں غلو اور مبالغہ کر کے اُن کی اصلی شکل کو بگاڑ دیا جائے۔ اور اُن کی شان کو حقیقت سے بڑھا کر کہیں کا کہیں پہنچا دے۔ اب چونکہ تفریط کی تمام شکلیں یہودیوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور افراط کی عیسائیوں میں۔ اسلئے محققین نے مغضوب علیہم سے مراد یہود اور ضالین سے مراد نصاریٰ لئے ہیں۔ اس کے علاوہ خود قرآن پاک دوسرے متعدد مقامات پر ان دونوں فرقوں کو قریب قریب انہی ناموں سے تعبیر فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ وَبَاءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَانُوْا یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ کیونکہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے۔ اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے۔ پھر نصاریٰ کے متعلق فرماتے ہیں۔ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۔

Marfat.com

یعنی اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہوئے۔ اور بہتوں کو گمراہ کیا۔ اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے
قرآن پاک میں اسکے علاوہ اور بھی ایسی بہت سی آیتیں ہیں جن میں یہود کو مغضوب علیہم اور نصاریٰ کو ان کی کرتوتوں کی وجہ سے ضالین کہا گیا ہے۔

تو خلاصۂ کلام یہ کہ نمازی کی زبان سے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہلا کر اسے تلقین کی جارہی ہے۔ کہ اگرچہ صراط مستقیم انبیاء صدیقین شہدا اور صالحین کا رستہ ہے مگر بعض حرص وہوا کے بندوں نے اپنے غیر مستقیم رستوں کو ان کی طرف منسوب کر کے انہیں بھی صراط مستقیم سمجھا ہوا ہے حالانکہ وہ رستے یا تو افراط میں مبتلا کر دیتے ہیں یا تفریط میں۔ اسلئے تجھے چاہئے کہ اس رستے کو اختیار کرے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط نہ غلو ہے نہ تکذیب۔ بلکہ بالکل منقی مصفی اور سیدھا رستہ ہے۔

انسان تمام کام دو خیالوں کے ماتحت کرتا ہے

اس کے علاوہ اگر غور کرو۔ تو انسان اپنے تمام کاروبار اور حرکات وسکنات دو خیالوں کے ماتحت کرتا ہے۔ ایک جلب منفعت اور دوسرے دفع مضرت کیلئے جب طبیعت میں کسی چیز کی خواہش پیدا ہو یا نفس کو کسی قسم کی ضرورت ہو اور ہم اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنی قوت عمل کو کام میں لائیں۔ تو یہ جلب منفعت کہلاتا ہے۔ جلب منفعت کا منبع شہوت یا خواہش ہے۔ جب قوت شہوی کسی چیز کا تقاضا کرتی ہے۔ مثلاً بھوک یا پیاس لگتی ہے۔ تو قوتِ عمل حرکت میں آکر اس کے تقاضے کو پورا کر دیتی ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ قوت نہ ہو۔ تو انسان قطعاً کسی کام کو ہاتھ نہ لگائے۔ اور یہ دنیا کا نظام تھوڑے ہی دنوں میں تباہ ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی جلب منفعت کے لئے جو اسباب ہم پیدا کرتے ہیں۔ اگر وہ دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ نہ رکھ سکیں

Marfat.com

توسب محنت بیکار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُن اسباب کی حفاظت اور جلب منفعت کے رستے میں جو موانع پیش آئیں۔ اُن کو دُور کرنے کیلئے ایک اور قوت عنایت فرمائی ہوئی ہے جس کا نام قوت غضبی ہے۔ اسی قوت کے ماتحت انسان کے تمام مدافعانہ افعال سرزد ہوتے ہیں اگر انسان کو یہ قوت نہ دی جاتی۔ تو وہ کبھی بھی قوت شہوی کے پیدا کردہ اسباب سے تمتع حاصل نہ کر سکتا۔

تفریط و افراط والے مغضوب علیھم ضالین کیوں ہیں؟

اب جب آپ یہ سب تشریح سمجھ چکے۔ تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ کامل انسان وہی ہوتا ہے جو ان دونوں قوتوں کو حد اعتدال سے متجاوز نہ ہونے دے۔ بلکہ ان کو ان کے مناسب مقام اور صحیح محل میں استعمال کرتا ہے لیکن اگر وہ جلب منفعت کے لئے حد اعتدال کو چھوڑ دے۔ اور حرام و حلال طیب و خبیث اور اپنے اور غیر کے فرق و امتیاز کو نظر انداز کر دے تو اس حد سے تجاوز کے باعث عربی میں اُسے ضال کہتے ہیں جس کی جمع ہے ضالین۔ اور پھر اگر جلب منفعت کے اسباب کی نگہداشت میں وہ ایک خونخوار اور بدرد اور سفاک ظالم بن جائے اور ایک کے بدلے میں دس کو قتل کرے۔ یا ایک پیسے کے انتقام میں دوسروں کے سینکڑوں پر پانی پھیر دے۔ تو اس وقت اس شخص کو قوت غضبیہ کا غلام کہا جاتا ہے اور چونکہ اس کے افعال غضبیہ منتقم حقیقی کے غصے کا باعث ہوتے ہیں اس لئے وہ معضوب علیہ بن جاتا ہے۔ جو مفرد ہے مغضوب علیھم کا تو گویا نمازی دعا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے غضب زدوں اور گمراہوں کے رستے سے بچا اور توفیق دے تاکہ میں افراط و تفریط سے بچ کر قوائے غضبیہ شہویہ کے معتدل اور مستقیم رستے پر چل سکوں۔

سورۂ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہنا سنت ہے

آمین۔ اے اللہ ہماری دعا کو قبول فرما۔ آمین اسم فعل ہے اور اس کا معنی ہے استجب یعنی اے اللہ ہماری دعا کو قبول فرما یہ لفظ بالاتفاق قرآن پاک سے نہیں مگر سنت ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہی جائے کیونکہ حضور فرماتے ہیں علمنی جبرئیل آمین عند فراغی

من قراۃ الفاتحہ یعنی جبرائیل نے فاتحہ کی قرأت کے بعد مجھے آمین کہنا سکھایا۔ دوسری حدیث میں۔ اذا قال الامام ولا الضالین فقولوا آمین فان الملائکۃ تقولہا فمن وافق تامینہ تامین الملائکۃ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ یعنی جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہا کرو۔ کیونکہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ موافق ہو جاتی ہے۔ تو اُس کے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

سورہ فاتحہ کی فضیلت اور بعض مجرب اوراد

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر کو تین مہینے متواتر بیان کرنے کے بعد آج اختتام پر پہنچایا ہے۔ اگرچہ اس میں بہت سی غیر متعلق باتیں بھی بیان ہوتی گئیں مگر سلسلہ ایسا چھڑ جاتا تھا۔ کہ بلا تکلف مضمون خود بخود اُس طرف پہنچتا تھا جس کے لئے اُس غیر متعلق بات کو چھوڑ کر صرف موضوع میں مقید رہنا نہایت دشوار ہو جاتا تھا اس کے علاوہ یہ ایسے مرتبط اور منظم طریقے سے خود بخود چلا آتا تھا۔ کہ اگر اُس کو نظر انداز کر دیا جاتا۔ تو بیان کی لذت زائل ہونے کے علاوہ مضمون بالکل روکھا اور غیر مرتبط سا معلوم ہوتا پھر ساتھ ہی وہ غیر متعلق نکات میرے نقطۂ نظر میں ایسے اہم۔ مفید اور ضروری تھے۔ کہ ان کا چھوڑنا گویا اعطارہ تفسیر کے رنگ کو بدل دینا تھا۔ بہر حال باری تعالیٰ کا بے پایاں شکریہ کہ جس نے اس قدر زمانہ مجھے اور سامعین کو قرآن پاک کے ذکر و سماع میں مشغول رکھا۔ اور یہ ایک نہایت زبردست نعمت ہے۔ کہ اُس وقت جبکہ دوسرے لوگ سینما اور تھیٹر میں اپنے عزیز اوقات اور اموال کو ضائع کر کے نیکی برباد اور گناہ لازم کا مصداق رہے ہوں۔ تو ایک فرقہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کے ذکر و فکر میں مشغول نظر آئے۔ اے اللہ ہم سب کو اس قرآن پاک کی برکت سے عزت دارین دے۔ اور ہمارے دنیوی و اخروی مقاصد کو اس کے طفیل پورے فرما۔ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاٰخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار۔ آخر میں سورہ فاتحہ کے چند ایک مجرب اوراد بیان کر دیتا ہوں تاکہ اگر کوئی صاحب عمل کر کے

Marfat.com

فائدہ اٹھانا چاہے تو اُٹھا سکے۔ یہ تمام اوراد تجربہ کئے ہوئے ہیں۔ اور ان کا اثر تیر بہدف ہے۔

(۱) عشاء کی نماز کے بعد سونے سے پیشتر ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور ایک دفعہ سورۂ اخلاص پڑھنا سوائے موت کے ہر ایک بلا سے مامون رکھتا ہے۔

(۲) عشاء کی دو سُنتوں کے بعد وتروں سے پہلے سورۂ فاتحہ کو دو سو ساٹھ دفعہ روزانہ دو سو ساٹھ دن تک پڑھنا غنائے ظاہری و باطنی کے لئے نہایت آزمودہ ہے

(۳) اگر کسی کو تیجے کا بُخار ہو۔ تو بُخار آنے سے دو گھنٹے پہلے روٹی کے دو چھوٹے لے کر ایک پر سات دفعہ الحمد پڑھے اور دوسرے پر چھ دفعہ۔ سات دفعہ والے کو دائیں کان میں رکھے۔ اور اور دوسرے کو بائیں میں۔ انشاء اللہ بخار آنا بند ہو جائیگا۔

(۴) اگر کسی کو سانپ کاٹے تو الحمد کو دودھ پر اکیس دفعہ پڑھ کے اُس میں لہسن پیس کر مار گزیدہ کو پلاؤ۔

(۵) اگر کسی کا کوئی نوکر یا غلام لاپتہ ہو اور باوجود تفتیش کے نہ ملے۔ تو کسی پرانے تالے پر ۱۲ دفعہ سورہ الحمد کو پڑھ کر دم کیا جائے پھر اُس کو کسی کوری ہانڈی میں پانی سے بھر کر آگ پر گرم کرے۔ صبح سے شام تک روزانہ اُس کے نیچے آگ جلایا کرے انشاء اللہ تیسرے دن اُس کا پتہ مل جائیگا۔ یا وہ خود واپس چلا آئیگا۔

(۶) اکیس دانے گندم کے لے کر اُن پر اکیس اکیس دفعہ الحمد پڑھے۔ پھر اُن کو ایک پیالی دودھ میں ڈال کر آگ پر پکائے اور جب پک کر دانے اُس میں غائب ہو جائیں۔ تو پھر اُس دودھ کو روزانہ چالیس گیارہ دن تک چاٹیں۔ انشاء اللہ ان ایام کی خلوت ضرور بار آور ہوگی۔

یہ چھ اعمال نہایت مجرب اور تیر بہدف ہیں میں تمام مسلمان بھائیوں کو اس کی للہ اجازت دیتا ہوں۔ تاکہ وہ ان کو عمل میں لا کر ان کے فیوضات سے متمتع ہو سکیں۔

Marfat.com

خاتمہ و دعا

سب حضرات درود شریف پڑھیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں کو اس ذکر کی برکت سے معاف فرمائے اور حضرت آدمؑ سے لے کر اس وقت تک جس قدر مسلمان اور مسلمات فوت ہوئے ہیں۔ اُن کی مبارک رُوحوں کو اس کا ثواب پہنچائے خصوصاً حضور پر نور سید المرسلین کے رُوح پُر فتوح کو سب سے آخر میں میرے والد ماجد حضرت مولانا قاضی غلام جیلانی صاحب مرحوم و مغفور کے لئے دُعائے مغفرت فرمائیں جن کے طفیل اس ناکارہ سیہ کار کو بہت کچھ ظاہری و باطنی فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ اللھم صلی علیٰ سیدنا ومولانا محمد صلوٰۃ تنجینا بہا من جمیع الاھوال والآفات وتقضی لنا بہا من جمیع الحاجات وتطھرنا بہا من جمیع السیئات وترفعنا بہا عندک اعلی الدرجات وتبلغنا بہا اقصی الغایات من جمیع الخیرات فی الحیوٰۃ وبعد الممات انک علیٰ کل شئی قدیر۔ اللھم ایقظنا بجاہ نبیک من سنۃ الغفلۃ وارزقنا التیقظ فیما بقی والتدارک لما قد فات وھا انا اختم الکتاب علیٰ ھذہ الابیات۔

یا من یرجی للشدائد کلھا	یا من الیہ المشتکی والمفزع
یا من خزائن رزقہ فی قول کن	امنن فان الخیر عندک اجمع
مالی سوی فقری الیک وسیلۃ	فبالافتقار الیک فقری ادفع
مالی سوی قرعی لبابک حیلۃ	فلئن رددت فای باب اقرع
ومن الذی ادعوا واھتف باسمہ	ان کان فضلک عن فقیرک یمنع
حاشا لجودک ان تقنط عاصیاً	الفضل اجزل والمواھب اوسع

خادم دین

قاضی انوار الحق لارنس مارکوس (افریقہ)

مورخہ ۱ جولائی ۱۹۳۹ء

Marfat.com

اتحاد پریس ٹل روڈ لاہور میں

باہتمام شیخ امین الدین پرنٹر چھپی اور مولانا ابوالضیاء نور الاسلام پبلشر نے
شمس آباد ضلع کیمل پور (پنجاب) سے شائع کی۔

Marfat.com

کتاب ملنے کا پتہ

مولانا ابو الضیا نور الاسلام شمس آباد ضلع کیمبلپور (پنجاب)

یا

کتب خانہ انوریہ

محبوب بلڈنگ خواجہ دل محمد روڈ۔ لاہور

Marfat.com

انوار القرآن

قاضی انوار الحق بی اے

قیمت چار روپیہ

Marfat.com